مکتبہ علمیہ قاسمی منزل میرٹھ

بابت نومبر ۱۹۵۶ء مطابق ربیع اول ۱۳۷۶ھ

جلد ۳ شمارہ ۳

قیمت

عام	تین روپے
اعزازی	دس روپے
فی پرچہ	چار آنے

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ

التماس:۔ (۱) جن صاحب کے پاس پرچہ انکی طلب پر بطور نمونہ پہنچے انکا فرض ہے کہ وہ خریداری سے متعلق اپنے فیصلہ سے اطلاع دیں۔ ورنہ انہیں خریدار تصور کیا جائیگا (۲) قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیجیں ورنہ تین روپے، ارکادکی پی کیا جائیگا اور دس آنے زائد خرچ ہونگے (۳) جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ یا لفافہ بھیجیں۔ (۴) اپنا پتہ صاف اردو اور انگریزی میں منی آرڈر کے کوپن پر اور خط میں ضرور لکھیں۔ اور نمبر خریداری بھی لکھیں۔

اگر دیئے ہوئے دائرہ میں سُرخ نشان لگا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ آپکی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے لہذا چندہ سال جدید ارسال فرمائیں یا اپنے آئندہ ارادہ سے مطلع فرمائیں۔ پاکستان میں قیمت بھیجنے کا پتہ

ہاشمی بک ڈپو ۹۶۲ پیر الٰہی بخش کالونی۔ کراچی (پاکستان)

مقام اشاعت: مکتبہ علمیہ قاضی منزل۔ قاضی واڑہ میرٹھ شہر

(قاضی زین العابدین سجاد ایڈیٹر پرنٹر پبلشر کے اہتمام سے یونین پریس اردو بازار دہلی میں چھپ کر دفتر الحرم مفتی واڑہ میرٹھ سے شائع ہوا)

بسمہ تعالےٰ سبحانہ

نقوشِ اوّلین

رنگیلے لیڈرز کے بعد

"رنگیلا لیڈرز" کا طوفانی فتنہ اٹھا اور ملک کے امن وامان اور ملت کے سکون واطمینان کی جڑیں ہلا کر سرد ہو گیا۔ یہ فتنہ اپنی نوعیت کا پہلا فتنہ نہ تھا، بلکہ اس سے پہلے بھی گزشتہ چند سالوں میں "وشوامتر" اور "پانیر" کے فتنے اٹھ چکے تھے۔

یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ فتنہ پردازوں کا مقصد ایک طرف مسلمانانِ ہند کے عزم وثبات کی اٹھتی ہوئی بنیادوں کو گرانا اور دوسری طرف ملک کے امن وامان کو برباد کر کے اور صاحب اقتدار جماعت کی طرف سے مسلمانوں کو بدظن کر کے اسکی طاقت کو نقصان پہنچانا ہوتا ہے۔ اور چونکہ اس مقصد میں ان کو کامیابی ہوتی رہی ہے اس لئے اندیشہ ہے کہ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ ضرورت ہے کہ مسلمانانِ ہند جوش کی بجائے ہوش کی فضا میں اس مسئلہ پر سنجیدگی کے ساتھ غور کریں۔ اور اس کا مستقل حل سوچیں۔

اس سلسلہ میں زعمائے ملت کی طرف سے جو بیانات شائع ہوئے ہیں ان میں سے بعض بیانات کافی اہم ہیں اور اس مسئلہ کو سلجھانے کے لئے ان میں روشنی کی شعاعیں پائی جاتی ہیں۔ مگر ہم ادب کے ساتھ یہ عرض کرنے پر مجبور ہیں کہ ملت کے کسی گروہ کو خواہ اس کا طرزِ عمل کتنا ہی غلط ہو، خائن، کفن فروش اپنی دکان چمکانے والا، رسوائے قوم چھوٹی لیڈری کا شوقین اور مسلمانوں کو دھوکا دینے والا (یہ سب الفاظ ایک ممتاز عالم دین قائد کے بیان سے ماخوذ ہیں) کہہ کر ہم اپنے دل کی بھڑاس تو نکال سکتے ہیں مگر نہ ان غلط کار لوگوں کی غلط کاری کو ختم کر سکتے ہیں اور نہ مسئلہ کے صحیح حل کے لئے کوئی مشترک پلیٹ فارم بنا سکتے ہیں۔ یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ ان "غلط کار" لوگوں کا بھی ایک حلقۂ اثر ہے جو خاصہ وسیع ہے، اور بعض اوقات بعض بہترین جماعتوں کے ذمہ دار افراد بھی ان کے اثرات کی زد میں آ کر ان کی آواز میں آواز ملانے لگتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم دلسوزی، اور اخلاص کے ساتھ انھیں سمجھائیں اور اپنے ساتھ لیں اور ان کے اثرات اور صلاحیتوں کو صحیح راہ پر لگائیں۔

بہرحال ہماری تجویز ہے کہ ملک کے تمام اہل فکر و نظر علما و زعما و ممبران پارلیمنٹ اور ارباب صحافت کا اجتماع دہلی یا کسی دوسری جگہ مدعو کیا جائے اور متفقہ طور پر اس اہم اور نازک مسئلہ کا کوئی ایسا حل سوچا جائے جس سے اس فتنہ کی جڑیں کٹ جائیں۔ بے شک اگر حکومت کوئی سخت گیر قانون بنا دے (اور وہ بننا چاہیئے) تو اس میں کمی ہو سکتی ہے مگر مکمل انسداد سخت گیر ذرائع سے ممکن نہیں۔ ہمارے سامنے اندلس کی مثال موجود ہے جہاں تاریخ میں پہلے پہل ناموس رسول کو چھیڑا گیا۔ مگر اس فتنہ کو وقت کی اسلامی حکومت کی طاقت دبا نہ سکی۔

جیسا کہ ہم "پانیر" کے پچھلے فتنہ کے موقع پر لکھ چکے ہیں اس مسئلہ کا صحیح حل خود مسلمانوں کو حضور کی مکی زندگی کی روشنی میں سوچنا ہے۔

اسی سلسلہ میں ایک ضروری کام جو بلا تاخیر شروع کیا جا سکتا ہے یہ ہے کہ ہم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے صحیح حالات سے غیر مسلم کو آگاہ کریں۔ خصوصاً ان غلط بیانیوں کا پردہ چاک کریں جو یورپ کے قرون مظلمہ کی یادگار اور "صلیبی جنگوں" کا تتمہ ہیں۔ یہ کام ہماری سیرۃ کی مجلسوں کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے اور رسائل و جرائد کے ذریعہ بھی۔ الحرم کی اسی اشاعت سے اس سلسلہ میں پہل کرنے کا فخر ہم حاصل کر رہے ہیں۔

"الحرم" اتنی استطاعت نہیں رکھتا تھا کہ "شہید کربلا نمبر" کے بعد ربیع الاول کے مبارک موقع پر کوئی خاص نمبر شائع کرے۔ تاہم اس کی معمولی اشاعت [کے] دامانی گلشن سیرت نبوی میں سے جسقدر پھولوں کی وسعت رکھتی تھی وہ بارگاہ رسالت پناہ میں پیش کئے جارہے ہیں۔ خدا کرے یہ شرف قبول پائیں۔ [بہ]حد امکان اس فرض کی ادائیگی کے لئے الحرم کے مضامین کی ترتیب بھی اس مرتبہ قائم نہیں رکھی جاسکی۔ اور بعض مستقل عنوانات "معارف القرآن" "لطائف الحدیث" [پر] بھی کچھ نہیں لکھا گیا۔ مگر امید ہے کہ اس کے "نعم البدل" سے ناظرین نقصان میں نہ رہیں گے۔

ناظرین کرام سے الحرم کی توسیع اشاعت کی طرف توجہ فرمانے کی درخواست بھی بیجا نہ ہوگی۔ خاصی مدت گزر جانے پر بھی الحرم اب تک اپنے قدموں پر [کھ]ڑا نہیں ہوسکا ہے۔ اگر ناظرین کرام اپنے اپنے حلقۂ اثر میں توسیع اشاعت کی کوشش فرمائیں اور ہر صاحب دو دو خریدار مہیا کردیں تو انشاءاللہ تعالےٰ [مس]تقل طور پر بھی الحرم کے صفحات بڑھادیئے جائیں اور خاص نمبروں کی تعداد و ضخامت میں بھی اضافہ ہوجائے۔

"الحرم" کے لئے مستقل اشتہارات مہیا کرکے بھی اس کی مشکلات کو دور کیا جاسکتا ہے۔ مگر ضروری ہے کہ یہ اشتہارات "با تصویر" اور معمہ کی قسم کے نہوں۔ [ک]رم کے تجارت پیشہ ناظرین اسطرف توجہ فرماکر ہم خرما و ہم ثواب کا فائدہ اٹھائیں۔

[مح]کمہ ڈاک سے:-

یوں تو ہر مہینہ خاصی تعداد میں رسالہ نہ ملنے کے شکایتی خطوط آتے ہی رہتے [ہیں]۔ مگر "شہید کربلا نمبر" کے سلسلہ میں تو اتنے خطوط آئے ہیں کہ ہم ان [شک]ایات کے تدارک سے عاجز آگئے ہیں۔ دفتر سے رسالہ، پتوں کا بار بار [چ]یکنگ کرکے، پوری احتیاط کے ساتھ ۱۵ اور ۱۶ تاریخ کو پوسٹ کردیا جاتا [ہ]ے۔ اس کے باوجود اتنی بڑی تعداد میں شکایتی خطوط موصول ہونا تعجب انگیز [بھ]ی ہے، اور افسوسناک بھی۔ چونکہ خاص نمبر ہی زیادہ تعداد میں غائب [ہ]وتے ہیں اس لئے آسانی سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ "غائب شدہ" رسالے [ز]یادہ تر تقسیم کنندہ پوسٹ مینوں یا ان کے دوستوں کے ذوق ادب [ک]ی تسکین کا سامان بنتے ہیں۔

پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ جب شکایتی خطوط کے جواب میں دفتر سے [دوب]ارہ رسائل بھیجے جاتے ہیں تو متعلقہ پوسٹ آفس رجسٹر نمبر کی رعایتی [ش]رح سے فائدہ اُٹھانے کی اجازت نہیں دیتا اور مطالبہ کیا جاتا ہے کہ [بک] پوسٹ کی شرح سے ٹکٹ لگائے جائیں۔ جس کی مقدار کم از کم چوگنی ہوتی [ہ]ے۔ گویا گھر بھی لٹتا ہے اور سر بھی پٹتا ہے۔ (حالانکہ رجسٹر نمبر کے ہدایت [نام]ے میں کہیں یہ تصریح نہیں کہ رعایتی شرح صرف پوسٹنگ کی تاریخوں کے [لئ]ے مناسب ہے) افسوسناک نتیجہ اس بدنظمی کا یہ ہوتا ہے کہ بعض خریدار [ب]ار بار دفتر کو شکایتی خطوط لکھنا پسند نہیں کرتے۔ رسالہ کی خریداری جاری رکھنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اس قسم کے متعدد انکاری خطوط دفتر میں موجود ہیں۔

ہم محکمہ ڈاک کی توجہ پھر ایک مرتبہ اس بدنظمی کی طرف منعطف کرانا چاہتے ہیں۔ اس محکمہ کی بنیاد ہی دیانت و امانت پر قائم ہے اور پچھلے عہد میں یہ اپنی حسن خدمات کی وجہ سے ملک کے اتحاد کا مرکز رہا ہے۔ ہمیں توقع ہے وہ اپنی سابقہ روایات کو جو اسکا بہترین سرمایہ ہیں ضائع ہونے نہ دیگا۔

اسی سلسلہ میں ہم خریداروں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع زیادہ سے زیادہ مہینہ کے ختم تک دیدیا کریں۔ اور اگلے مہینہ کی ۱۵ تاریخ تک دوبارہ رسالہ پہنچنے کا انتظار کیا کریں۔ دفتر کو شکایت لکھنے کے علاوہ اپنے ہاں کے پوسٹ ماسٹر صاحب کو بھی ضرور شکایتی خط بھیجدیا کریں۔ اور تنہا دفتر کو ہی اس کوتاہی کا ذمہ دار نہ سمجھ لیا کریں۔

اعتذار:- الحرم ہر مہینہ کے پہلے ہفتہ میں طباعت کیلئے دہلی چلا جاتا ہے مگر اس ماہ عذاب الہیٰ جو طوفانی بارشوں کی صورت میں نمودار ہوا اس نے سارا نظام درہم برہم کردیا۔ دہلی اور میرٹھ کے درمیان ریل اور موٹر کے راستے بند ہوگئے اور کسی طرح یہ ممکن نہ رہا کہ پرچہ کو اپنے وقت پر شائع کیا جائے۔

کوشش کی جارہی ہے کہ دہلی کا راستہ کھلتے ہی الحرم کی طباعت کا انتظام کیا جائے اور مہینہ کے آخر تک پرچہ پوسٹ کردیا جائے لیکن بندہ ناچیز کے ہاتھ میں کوشش اور دعا کے سوا اور ہے کیا؟ لہٰذا یہ پرچہ اگر ناظرین کے ہاتھ میں کافی دیر [سے پ]ہنچے تو وہ ہمیں معذور تصور فرمائیں۔ (مدیر)

رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم)

افادات :- رئیس الاحرار حضرت مولٰنا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رح

یہ رئیس الاحرار حضرت مولٰنا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمہ اللہ تعالےٰ کا ایک مکتوب گرامی ہے جو چند ماہ قبل فقیر مدیر الحرم کو موصول ہوا تھا۔ اس مکتوب سے حضرت مولٰنا مرحوم کے شغف قرآنی کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ پورے مکتوب میں تدبر فی القرآن کی دعوت کے علاوہ کسی دوسری بات کا ذکر بھی نہیں حتیٰ کہ نہ اپنی خیریت لکھی اور نہ دوسرے کی پوچھی۔ خدا اپنی رحمت بیکراں کے آغوش میں مولٰنا کو جگہ دے! ہم ربیع الاول نمبر کا آغاز تبرکاً مولٰنا کے اس مضمون سے ہی کر رہے ہیں۔ مدیر

محترم گرامی قاضی زین العابدین صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

تمام عمر میں نے لوگوں کا وعظ سنا اور وعظ کہا، لیکن یہ کبھی نہیں سوچا نہ معلوم کیا کہ آیت "وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین" مکی ہے یا مدنی، آپ کے تشریف لے جانے کے بعد اچانک یہ خیال آیا، او رقرآن شریف کھول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ سورۂ انبیاء (پارہ، ۱۷) میں آخری رکوع کی ایک آیت ہے۔ یہ معلوم ہونے کے بعد یہ آیت مکی ہے میرا دل و دماغ روشن ہو گیا۔ اور علم کے دروازے کھل گئے جن کو شاید نہ میں لکھ سکوں اور نہ ترتیب دے سکوں، میں نے پوری سورۃ کو اوّل سے آخر تک دیکھنا شروع کیا تو مجھ پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی، اس میں فرمایا گیا ہے کہ

"لوگ کہتے ہیں کہ جادوگر کی باتوں میں نہ آؤ، نہیں، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ یہ اڑتے ہوئے خواب ہیں، پھر کہتے ہیں کہ نہیں، یہ شاعر ہے"۔

آپ اس آیت کو شروع سے آخر تک دیکھئے۔ اور اسکے ساتھ شاہ رفیع الدین صاحب کا ترجمہ بھی دیکھئے، یہ پوری سورۃ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کو بیان کرنے کے لئے ہے،

اور مکہ میں یہ فرمانا کہ "ہم نے اہل جہان پر رحمت کر کے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے"! اس سے میری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم و تشدد اور مصائب حد سے بڑھ گئے تو بشری تقاضوں سے شاید قلب مبارک میں بددعا کا جذبہ یا تکلیف کا احساس پیدا ہونا شروع ہوا ہو، تو آپ کا منصب بتا دیا گیا کہ ہم نے آپ کو بھیج کر ساری دنیا پر رحمت فرمائی ہے۔ اور وہ رحمت کیا ہے؟ اس کو اگلی آیت میں بیان فرمایا گیا، آپکی رحمت یہ ہے کہ آپ ایک خدا کی پرستش کی طرف دعوت دیں، گویا یہ بھی بتا دیا کہ آپ کا پیغام دنیا کو پہنچے گا اور دنیا اسے ماننے پر مجبور ہو گی،

یہ میرے ناقص خیالات ہیں۔ ضروری نہیں ہے کہ آپ اِن سے اتفاق فرمائیں بہر حال آپ اس پوری سورۃ کو شاہ صاحب کے ترجمہ کیساتھ پڑھکر ترتیب قائم کیجئے۔ میں اپنے اندر کی باتیں لکھانے کی اہلیت نہیں رکھتا اور ڈرتا ہوں کہ کہیں کوئی غلط بات نہ ہو جائے۔ والسلام۔ حبیب الرحمٰن

(خاص برائے الحرم) ترجمہ:- ادارہ الحرم

ولادتِ نبوی اور اُسکے مطالبات

از:- علامہ شیخ عبدالعال العقباوی مصری، رکن وفد موتمر اسلامی مقیم دارالعلوم دیوبند

ان ہی دنوں میں، کرۂ ارضی پر آفتاب نبوت محمدی نے اپنی کرنیں ڈالیں اور رحمت وکرم ربانی کے جلوے بکھرے۔ فضا میں نور وہدایت کی جگمگاہٹ سے ظلمتوں کے پردے چاک ہو گئے ——— ہاں انہی ...... دنوں میں آج سے چودہ سو سال پہلے، محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پیدا ہوئے۔ آپکی پیدائش سے قیصر وکسریٰ کے تخت الٹ گئے، ظلم وجبروت کا اقتدار ختم ہوا، امت عربیہ نے فسق وفجور اور بت پرستی کے بندھنوں سے نجات پائی، اور دنیا نے الفت ومحبت اور امن وسلام کا پیغام سنا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپکو شرف رسالت سے مشرف فرمایا، اپنی نعمتوں کو آپ پر تمام کر دیا، آپ کو ختم نبوت کی خلعت بخشی۔ اور "بَشِيرًا وَّنَذِيرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا" کا تاجِ نور آپکے فرق مبارک پر رکھا۔ آپنے دنیا کو عدل ومساوات کا پیغام سنایا اور ہدایت کی روشنی دکھائی، اس دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے پہلے آپ نے ساری دنیا کو ایک پیغام جاوید اور دین قویم سے سرفراز کیا "لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ" یہ پیغام ہر بیماری کی دوا ہے اور ہر مصیبت اور تمام مشکلات ومعضلات کا واحد حل ہے، ہر مشکل کی عقدہ کشائی کی گئی ہے اور ہر پانزدرون پردہ کے چہرے سے پردہ اٹھا دیا گیا ہے۔ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ۔

جس نبی کی یہ شان ہو، جسکا یہ پیغام ہو، اسکے متبعین کو حق ہے کہ اسکی ولادت پر مسرور ہوں، اس کی سیرۃ کا مطالعہ کریں، تاکہ اس سے عبرت ونصیحت حاصل کریں اور اسکے چشمہ صافی سے اپنی روح کی پیاس بجھائیں۔ تاکہ مردہ دلیں پھر زندگی پائیں، پیاسے نفوس پھر سیراب ہوں، غافل طبیعتیں غفلت سے چونکیں، دوبارہ ہوش میں آئیں اور اپنے شاندار ماضی کی طرف لوٹیں، اتحاد ومحبت کے رشتہ میں جکڑے ہوئے، نیکی اور تقویٰ کے راستہ میں صف بصف اور شانہ بشانہ...... یوں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی ضائع شدہ عزت وکرامت انہیں واپس فرمادے "استخلاف ارض" کا تاج دوبارہ ان کے سر پر رکھ دے اور انہیں ساری دنیا کا رہنما، اور دنیا کی مملکت کا وارث بنائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں امم ماضیہ کے جو واقعات بیان کئے ہیں اور اپنے نبیوں کے ساتھ ان کے سلوک کا تذکرہ فرمایا ہے، تو اسکا مقصد یہی ہے کہ ہم ان واقعات کے آئینہ میں اپنے حالات کو دیکھیں اور اپنے پیغمبروں کے ساتھ انکے اطاعت یا مخالفت کے برتاؤ، کے نتائج سے جو سعادت یا شقاوت کی صورت میں ظاہر ہوئے عبرت حاصل کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت ناقابل تغیر ہے اور اسکا حکم غیر متبدل۔ "تِلْكَ سُنَّةُ اللّٰهِ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا" "لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى" "وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ"۔

لہذا، کس قدر ضروری ہے کہ ہم اپنے رسول کریم کی سیرۃ مبارکہ کا گہرا اور تفصیلی مطالعہ کریں تاکہ ہم اس سے عبرت وبصیرت حاصل کریں۔ اسے اپنے لئے جادۂ زندگی بنائیں، اسے اپنے لئے نظام عمل قرار دیں۔ یوں ہم بھی اپنے اسلاف کی طرح دینوی واخروی سعادت سے متمتع ہوں، آزادی اور عزت کی فضا میں سانس لیں اور مسرت واطمینان کی زندگی گزاریں۔ ظاہر ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زندگی بہترین نمونہ، اسوۂ حسنہ اور مثل اعلیٰ ہے "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" آج کی صحبت میں ہم بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ ہی پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں، مگر یہ دفتر تو ضخیم مجلدات میں بھی نہیں سما سکتا

ان چند سطروں میں اسکا ذکر کیونکر ممکن ہے ——— لہذا یہ اس سمندر کے چند قطرے، اور اس نور کی چند کرنیں ہیں جو ہم اس مبارک موقع کی مناسبت سے پیش کر رہے ہیں۔ خداوند تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ ہماری اس مخلصانہ خدمت کو قبول فرمائے اور سب کو اس سے نفع بخشے!

جو کوئی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے وفات تک کی زندگی پر ایک نگاہ ڈالے گا وہ محسوس کریگا کہ آپکی حیات طیبہ تین دوروں سے گزرتی ہے۔ ہر دور دوسرے دور سے اسطرح مربوط ہے کہ اسے اس سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ گویا یہ ایک زنجیر کی مختلف کڑیاں ہیں جو ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں۔ تاہم یہ تینوں دور، اپنے مخصوص احوال و ظروف کے اعتبار سے اپنی اپنی امتیازی شانیں رکھتے ہیں۔ ہر دور اخلاق فاضلہ کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ ایک ایسی شاہراہ ہے جو دنیا اور آخرت کی کامیابی کی منزل تک پہنچاتی ہے کیونکہ وہ ہدایت ربانی، اور تعلیم الہٰی کی روشنی سے جگمگا رہی ہے "اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ"۔

دور اول:- یہ دور حضور کی ولادت باسعادت سے شروع ہوتا ہے اور چالیس سال کی عمر میں آپکی بعثت پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس دور کی خصوصیات، صدق، امانت اور کفر و فسق سے نفرت ہیں۔ زمانہ جاہلیت کے مروجہ لہو و لعب اور لغویات و خرافات سے آپکا دامن اخلاق کبھی آلودہ نہ ہوا۔ اور اپنی قوم میں آپ صادق اور امین کے نام سے مشہور ہوئے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ شہنشاہ روم ہرقل نے ابوسفیان سے (جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے) پوچھا دعویٰ نبوت سے پہلے کبھی تم نے انہیں جھوٹ سے متہم پایا؟۔ ابوسفیان نے کہا "نہیں"۔ پھر ہرقل نے کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ جس شخص نے دنیوی معاملات میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو وہ اللہ پر بہتان طرازی کرے"۔ خود قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے اہل مکہ کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا نہیں سکتے تھے لیکن کبر و حسد جو انکے نفوس و ارواح پر مسلط تھا اس نے انہیں انکار و جحود پر مجبور کر دیا تھا۔ "وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا" "فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ"۔

اہل مکہ آپکے پاس اپنی امانتیں محفوظ کرتے تھے اور اپنے مالوں کا آپ کو نگران بناتے تھے کیونکہ وہ آپ کی سچائی اور دیانتداری سے واقف تھے۔ آپ کو اپنے جھگڑوں میں حکم بناتے تھے کیونکہ ان کو آپکی اصابت رائے، اور حق گوئی کا علم تھا۔ چنانچہ جب خانہ کعبہ کی جدید تعمیر کے وقت قریش میں اس بات پر اختلاف ہوا کہ حجر اسود کو اس کی اپنی جگہ [illegible] نے کا فخر و شرف کون حاصل کرے، اور یہ جھگڑا اتنا بڑھا کہ قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل آئیں اور خون کی ندیاں بہہ جائیں تو انھوں نے جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے یہ طے کیا کہ جو شخص خانہ کعبہ میں اگلے دن سب سے پہلے داخل ہو اسے حکم بنایا جائے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی سب سے پہلے داخل ہونیوالے ہیں، تو وہ بیحد خوش ہوئے اور چیخ اٹھے "یہ تو محمد امین ہیں ہم ان کے فیصلے سے ہر طرح راضی ہیں"۔

ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور کی نشو و نما ہی فضائل و مکارم پر ہوئی۔ آپ طبعی طور پر ان صلاحیتوں سے سرفراز کئے گئے تھے جو نبوت کا بارگراں اٹھانے کے لئے ضروری تھیں۔ آپ کا نفس مقدس کمالات نبوت کے نشو و نما کی بہترین صلاحیت رکھتا تھا، چنانچہ اللہ تعالےٰ کی اس تعریف کے آپ بجا طور پر مستحق ہوئے "وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ"۔

دور ثانی:- آپکی حیات طیبہ کا دوسرا دور چالیس سال کی عمر میں خلعت نبوت سے سرفرازی سے شروع ہوتا ہے۔ یہ دور صبر و تحمل اور استقامت و شجاعت کے اوصاف سے ممتاز ہے۔ حضور کی بعثت ایک ایسی قوم کی طرف ہوئی تھی جو سخت دل، درشت طبع اور جنگجو تھے ان لوگوں نے اپنی فطری خصوصیات کی بنا پر آپکی مخالفت کی اور آپکے راستہ میں طرح طرح کے روڑے اٹکائے۔ انھوں نے آپ کو اور آپکے ساتھیوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں اور سب سے زیادہ خود ان لوگوں نے دیں جو آپکے عزیز اور آپکے اہل خاندان تھے۔ اس کے باوجود حضور ان کے لئے ہدایت کی دعا ہی فرماتے رہے، آپکی زبان مبارک سے یہی الفاظ نکلتے رہے "اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ" یہاں تک کہ فرشتہ (جو نزول عذاب کی اجازت لینے کے لئے آیا تھا) کہنے لگا "سچ ہے وہ ذات جس نے آپکا نام الرؤف الرحیم" رکھا۔

اسی طرح اہل مکہ، آپکو اور آپکے ساتھیوں کو طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں دیتے رہے مگر آپ صبر و ثبات کے ساتھ تبلیغ و دعوت میں مصروف رہے یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا حکم آگیا۔ جہاں آپ کو عزت و کرامت اور قوت و غلبہ حاصل ہوا۔

ور شالت:- آپکی قوم قریش نے مکّہ میں آپکی ایذا رسانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ یہانتک کہ انھوں نے آپکو قتل کر ڈالنے کیم بنالی اور یوں شمع نبوت کو بجھا ڈالنے ہی کا فیصلہ کرلیا۔" وَمَکَرُوا وَمَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْن" مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی آرزوؤں کو ناکام اور ان کی تدبیروں کو باطل کر دیا۔ اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ مکہ سے مدینہ ہجرت کر جائیں۔ آپنے خداوند قدوس کے حکم کی تعمیل کی اور ظالموں کی بستی سے راتوں رات نکل گئے۔ یہاں سے تاریخ دعوت اسلامی" کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔ پہلا شان اسلام کو اجازت ملی کہ وہ ظلم کی مدافعت کریں۔" اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوا" انصار و مہاجرین نے حکم خداوندی کی تعمیل کی، ظلم و ستم کی مدافعت اور خیانت و بدعہدی کے استیصال کے لئے انھوں نے لشکر کی صورت میں مکہ کی طرف کوچ کیا اور معمولی مزاحمت کے بعد ظالموں پر فتح پائی۔ مکہ کی فضا اللہ اکبر اللہ اکبر" صَدَقَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَاَعَزَّ جُنْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ (اللہ ہی سب سے بڑا ہے، اللہ ہی سب سے بڑا ہے، اس نے اپنے وعدہ کو پورا کیا، اپنے بندہ کی مدد کی، اپنے گروہ کو عزت بخشی اور دشمن کے لشکروں کو تنہا ہزیمت دی) کے نعروں سے گونجنے لگی اور فرزندان اسلام کے دل کی گہرائیوں سے جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا (حق ظاہر ہوا اور باطل مٹ گیا باطل کی قسمت میں مٹنا ہی تھا) کی صدائیں بلند ہوئیں۔ آج اسلام کا جھنڈا مکہ کی بلندیوں پر لہرانے لگا اور کافروں کے مکر و کید کا جال خود ان کے پاؤں کی زنجیر بن گیا۔

مگر عزت و افتخار اور قوت و اقتدار کا یہ دور جدید، حلم و کرم اور عفو و درگزر کے امتیازات سے آراستہ ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج فاتح مکہ تھے، فتح کے نشہ میں مدہوش نہوئے اور آپ کے دماغ میں انتقام کا تصور کبھی نہ ابھرا، حالانکہ دشمنان اسلام نے اس معاملہ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ بلکہ آپ نے اہل مکہ کے مجمع عام میں جو اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے لئے آپ کے اردگرد جمع تھے یہ کلمات فرمائے جو تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ جگمگاتے رہینگے اور فاتحین عالم کو امن و انسانیت کی شاہراہ دکھاتے رہینگے۔ آپنے فرمایا اے اہل مکہ، آج تمہیں مجھ سے کس بات کی توقع ہے؟ انھوں نے عرض کیا،

"اے محمد، آپ ہمارے شریف بھائی ہیں شریف بھائی کے فرزند ہیں، آپ ہماری خطاؤں کو معاف فرمائیں کہ ہمیں اسی کی آپ سے توقع ہے، اور اگر انتقام لیں تو (ہم اسکے مستحق ہیں کیونکہ) ہم نے آپکے ساتھ ہمیشہ برائی ہی کی۔ یہ سُن کر حضور نے فرمایا:-

آج میں تم سے وہی کہوں گا جو حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اِذْھَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ (آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو)

اے اللہ کے مقدس رسُول، آپ پر اللہ کے سلام و رحمت کا نزول ہوتا رہا ہے، آپ نے ہر طرح کی تکلیفیں سہیں مگر صبر جمیل کو نہ چھوڑا۔ پھر جب طاقت ہاتھ میں آئی تو عفو و درگذر سے منہ نہ موڑا، آپکے اخلاق سبحان اللہ آپکے فضائل تعالیٰ اللہ! سچ ہے اللہ تعالےٰ نے آپکی تربیت فرمائی اور کیا خوب تربیت فرمائی! غصہ آپ پر کبھی مسلط نہوا۔ انتقام کی خواہش کبھی آپکے دل میں پیدا نہوئی، آپ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ (جس نے معاف کیا اور اصلاح کا طریقہ اختیار کیا تو اللہ کے ذمہ اسکا اجر ہے) کی صحیح تصویر تھے۔

ان مختصر کلمات سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ محمد رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی حیات مبارکہ کے تمام ادوار میں، اعلیٰ فضائل سے آراستہ رہے اور زندگی کے تمام مراحل میں عالم انسانیت کے لئے بہترین نمونہ آپکی سیرت اس لائق ہے کہ اس کا غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کیا جائے۔ اور آپ کا یوم ولادت اسکا مستحق ہے کہ اسے منایا جائے مگر نہ اسطرح جسطرح آجکل مسلمانوں کی اکثریت مناتی ہے کہ محفلوں میں جمع ہو کر گاتے بجاتے ہیں، جھنڈوں کے جلوس نکالتے ہیں اور آپکے ذکر کی مجلسیں بھی منعقد کرتے ہیں تو اسمیں صرف آپکے جسمانی اوصاف، چہرہ کی تابانی قامت کی رعنائی، ڈاڑھی کی گنجانی وغیرہ کے ذکر ہی کو کافی سمجھتے ہیں۔ اور آپکی سیرۃ مبارکہ کے ذکر کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اپنے اعمال و افعال و اقوال میں اس کو رہنما بنانے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان پس ماندہ ہیں اور مختلف گروہوں میں منقسم۔ کیونکہ انھوں نے دامان نبوت کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے۔ اور آپکی سیرۃ مبارکہ سے اپنی زندگی کے راستہ میں روشنی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

ایک سال کے بعد دوسرا سال آتا ہے، یہی بے روح مجلسیں منعقد ہوتی ہیں اور منتشر ہوجاتی ہیں۔ ہم باطن کو چھوڑ دیتے ہیں اور ظاہر پر قناعت کرلیتے ہیں، جوہر کی طرف توجہ نہیں کرتے اور مظہر پر اکتفاء کرتے ہیں۔

برادرانِ اسلام! ولادتِ رسول اللہ کی صحیح یادگار یہ ہے کہ ہم حضور کی سیرت کا مطالعہ کریں، اسے اپنا راہنما بنائیں۔ اور زندگی کی دشوار گزار منزلوں میں اس سے روشنی حاصل کریں۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو انشاء اللہ ہمارے حالات درست ہوجائیں گے اور ہماری عزت و عظمت کی گمشدہ متاع ہمیں واپس مل جائے گی۔ کیا خوب فرمایا ہے حضور نے:۔ لَا يُصْلِحُ آخِرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا بِمَا صَلُحَ بِهٖ أَوَّلُهَا (اس اُمت کے پچھلے بھی اسی طرح صلاح پا سکتے ہیں جس طرح پہلوں نے پائی)، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کو اپنے پیغمبر کی ولادت کی یادگار سے صحیح طور پر نفع اٹھانے اور ان کے اختلافات مٹا کر انہیں [illegible] کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری منزل ہدایت کی طرف رہنمائی فرمائے۔ إِنَّهٗ سَمِيْعٌ مُّجِيْبٌ۔

عبدالحلیم العقبادی عضو بعثۃ الازہر والموتمر الاسلامی بدار العلوم دیوبند۔

ماہ نبوت پر گرد افشانی

بعض یورپین مصنفین کی غلط بیانی !

آغاز اسلام میں، مسلمانوں کو جن طاقتوں سے ٹکرانا پڑا وہ کفار قریش اور یہود تھے۔ مکہ معظمہ میں مشرکین قریش اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت پر کمربستہ رہے پھر ہجرت کے بعد، مدینہ منورہ میں یہودیوں کی سازشوں اور فتنہ سامانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں قریش تو خود اسلام کی طاقت بن گئے اور یہودیوں کو اپنی سازشی فطرت کی وجہ سے مرکز اسلام کو خالی کر دینا پڑا۔ یوں اسلام کے پھلنے پھولنے کے لئے عرب کا میدان صاف ہوگیا۔ عرب کے ارد گرد، اس زمانہ میں دنیا کی دو عظیم الشان شہنشاہیتوں کے اقتدار کا حصار کھنچا ہوا تھا۔ ایشیا اور افریقہ کی کمزور قومیں انہی کے دہان استعمار کا لقمہ بنی ہوئی تھیں اور انہی کے پنجہ استبداد میں گرفتار تھیں۔

اسلام جب خدا کے اقتدار اعلیٰ، اور اس کے بندوں کی مساوات کا ڈنکا بجاتا ہوا ان کی سرحدوں پر پہنچا تو بجا طور پر ان کو اپنی زندگی خطرہ میں نظر آئی اور انھوں نے پوری قوت کے ساتھ اسلام کی مزاحمت شروع کر دی۔ مگر چونکہ اسلام، استعمار پسند طاقتوں کے پنجہ میں پھنسی ہوئی قوموں کے لئے رحمت خداوندی کا پیغام تھا، اس لئے چوتھائی صدی ہی کی مدت میں، ایران کی مجوسی شہنشاہیت نے تو دم ہی توڑ دیا، اور وہ زمین کے نقشہ ہی سے محو ہوگئی، اور روم کی مسیحی شہنشاہیت اپنے مشرقی علاقوں شام و فلسطین و مصر وطرابلس کو اپنے ہاتھوں سے دے بیٹھی۔

یہ بازو شکستہ نام نہاد مسیحی سلطنت، خلافت اسلامیہ کی مستقل حریف بن گئی اور اسطرح عیسائیت اور اسلام میں محاربات کا ایک مستقل سلسلہ شروع ہوگیا۔ پانچویں صدی کے آخر میں جب خلافت اسلامیہ کمزور ہوئی اور مسلمانوں کی طاقت مختلف حکومتوں میں تقسیم ہو جانے کی وجہ سے کمزور ہوگئی تو قسطنطنیہ کی رومی حکومت نے "صلیب" کے نام پر شام و فلسطین و مصر کے اسلامی علاقوں پر یلغار یا یلغاری اور یورپ اس کی مدد کے لئے امنڈ آیا۔ یہ لڑائیاں جو تاریخ میں صلیبی جنگوں کے نام سے مشہور ہیں دو سو برس تک جاری رہیں۔

نویں صدی ہجری کے آخر میں عیسائی طاقتوں نے کئی سو برس کی جدوجہد کے بعد، اسپین سے مسلمانوں کو بے نام و نشان کر دیا، مگر دوسری طرف اسلام کے افق پر ترکان عثمانی کے نام سے ایک نئی طاقت "ہلال" بن کر ابھری اور اس نے اسلام کی روشنی سے قلب یوروپ کو جگمگا دیا۔

اب ترکان احرار، یورپ کی عیسائی طاقتوں کے مستقل حریف بن گئے اور سینکڑوں برس یورپ اور ایشیا کے علاقوں میں ہلال و صلیب کا ٹکراؤ ہوتا رہا۔ آخر گزشتہ جنگ عظیم میں ۱۹۱۷ء میں عیسائی اتحادی طاقتوں نے خلافت عثمانیہ کا خاتمہ کر دیا" اسلام اور مسیحیت کے درمیان تصادم کی اس طویل تاریخ میں صرف تلوار سے ہی کام نہیں لیا گیا بلکہ قلم کو بھی استعمال کیا گیا۔ سولہویں صدی عیسوی تک، یوروپ میں اسلام پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شرمناک غلط بیانیاں کی جاتی رہیں اور عیسائی دنیا میں ان کو وحشی، جنگجو اور بت پرست کی حیثیت سے متعارف کیا جاتا رہا۔ فرانس کا مشہور مصنف ہنری دی کاستری لکھتا ہے:-

"وہ تمام قصص اور گیت جو اسلام کے متعلق یوروپ میں قرون وسطیٰ میں رائج تھے ہم نہیں سمجھتے کہ مسلمان ان کو سن کر کیا کہیں گے؟ یہ تمام داستانیں اور نظمیں مسلمانوں کے مذہب کی ناواقفیت کی وجہ سے بغض و عداوت سے بھری ہوئی ہیں۔ جو غلطیاں اور بدگمانیاں اسلام کے متعلق آج تک قائم ہیں ان کا باعث وہی قدیم معلومات ہیں۔ ہر مسیحی شاعر مسلمانوں کو مشرک اور بت پرست سمجھتا تھا اور حسب ترتیب درجات ان کے تین خدا تسلیم کئے جاتے تھے۔ ماہوم یا ماہون یا ما فومیڈ (یعنی محمدؐ) اور اپلین اور تیسرا ٹرماگان۔ ان کا خیال تھا کہ محمدؐ نے اپنے مذہب کی بنیاد دعوائے الوہیت پر قائم کی اور سب سے عجیب تر یہ ہے کہ محمدؐ لوگوں کو اپنے طلائی بت کی پرستش کی دعوت دیتا تھا۔" ؎

لیکن اسلام اور پیغمبر اسلام کے روشن و تابناک چہرہ پر جہالت و

تعصب کے یہ پردے زیادہ عرصہ تک پڑے نہیں رہ سکے۔ یورپ میں سترھویں صدی میں جب علم کی روشنی پھیلنی شروع ہوئی تو ایک طرف تو سیرۃ وحدیث کی عربی کتابوں کے یوروپین ترجموں کی اشاعت اور دوسری طرف وہاں کلیسا اور قیصر میں اقتدار کی کشمکش شروع ہوجانے کی وجہ سے مذہبی تعصب کے بادل چھٹنے لگے۔ اب اسلام اور پیغمبر اسلام کے منور و مقدس چہرہ کو، علم اور انصاف کی روشنی میں دیکھنے والے بھی کچھ اللہ کے بندے پیدا ہوگئے۔ چنانچہ متعدد یوروپین عیسائی سیرۃ نگاروں نے، ایک پیغمبر کی حیثیت سے نہ سہی، ایک مصلح معلم اور لیڈر کی حیثیت سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اعتراف کیا۔ ان حق پسند مسیحی مستشرقین کے ان اعترافات کو اگر جمع کیا جائے تو بلا شبہ ایک مستقل ضخیم کتاب سیرۃ تیار ہوسکتی ہے مگر افسوس ہے کہ آج بیسویں صدی میں بھی کہ علم کا آفتاب نصف النہار پر ہے اور تقریباً یورپ کی ہر زبان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ پر صحیح لٹریچر موجود ہے کچھ ایسے کج فطرت ہیں جو آج بھی یورپ کے قرون مظلمہ کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے نظر آرہے ہیں۔ اسی زمرہ میں دو امریکن مصنفین ٹامس اینڈ ٹامس ہیں جنکی کتاب نے مسلمانان عالم کے سینہ کو زخمی کردیا ہے اور اخلاق وشرافت کی گردن شرم وحیا سے جھکا دی ہے۔ اس قسم کی کتابیں لکھنے والے جان بوجھ کر، خاص مقاصد کے پیش نظر، یہ زہر افشانی کرتے ہیں۔ آج جبکہ ہندوستان کے تعلقات اسلامی ممالک سے عموماً اور عرب ممالک سے خصوصاً، مضبوط بنیادوں پر استوار ہو رہے ہیں اور امریکہ اور انگلستان کے استعمار پسندوں کو اپنے اقتدار کی لاش سوئز کی موجوں میں غرق ہوتی نظر آرہی ہے، ہوسکتا ہے کہ خاص الخاص سیاسی اغراض کے لئے امریکن مصنفین نے یہ رسوائے عالم کتاب ہندوستان میں اشاعت کے لئے سپرد کی ہو، اس لئے مصنفین سے حق شناسی کی توقع فضول ہے۔ تاہم جیسا کہ ایک صحبت میں ہمارے لائق دوست ڈاکٹر شنکر داس صاحب مہرہ نے بتایا، ممکن ہے کہ کچھ سادہ دل اور ناواقف لوگ غلط فہمیوں کا شکار ہوجائیں اس لئے ہم اس مضمون میں مختصر طور پر اس قسم کی غلط بیانیوں کا سرسری جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ چونکہ صرف اصل حقائق کا اظہار مطلوب ہے۔ اس لئے معترضین کے اعتراضات کو بھی نقل نہیں کریں گے، بلکہ ان واقعات ہی کی، جن کو اعتراضات کی بنیاد بنایا گیا ہے صحیح تفصیل پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔

(۱) داعیٔ توحید کی شرک سے بیزاری:- اسلام نے جس صفا[ئی] کے ساتھ، شرک کا گرد وغبار انسانیت کے چہرہ سے دور کیا ہے دنیا [کے] مذاہب میں اس کی مثال آج بھی نا پید ہے۔ توحید اسلام کی بنیاد ہے جس پر اس کی پوری عمارت قائم ہے۔ کوئی شخص اسوقت تک مسلمان [نہیں] ہوسکتا جب تک یہ یقین اس کے دل کی گہرائیوں میں پیوست نہ ہو کہ "خدائے واحد ہی ہے اس کے سوا، کوئی انسان ہو یا فرشتہ، پیغمبر [ہو یا] ولی، سر جھکائے جانے کے قابل نہیں"۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتا دیا کہ یہ کوئی ا[یسی] تعلیم نہیں ہے جسے وہ پہلی مرتبہ دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہوں، بلکہ عالم کی ابتداء سے خدا کے جتنے پیغمبر بھی دنیا کے مختلف حصوں میں آ[ئے] سبھی اعلان کیا۔

مسیحی جو اپنے مقدس پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، روما کے بت پرستوں کے اختلاط سے نعوذ باللہ خدا کا بیٹا اور معبود بنا بیٹھے تھے، اور جن کی بیت[یں] سر گرجا میں آج بھی حضرت مسیح اور ان کی محترم ماں حضرت مریم کے بت[وں] آگے جھکتی دیکھی جاسکتی ہیں۔ خصوصی طور پر ان کے لئے فرمایا گیا:-

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ۔ درحقیقت ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا، کہ معبود مسیح ابن مریم ہے حالانکہ مسیح ابن مریم کی تو یہ رہی ہے کہ اے بنی اسرائیل خدائے واحد کی پرستش کرو جو میرا [اور] تمہارا بھی رب ہے۔

مسیحی مصنفین ومبلغین کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ احسان ما[ننا] تھا کہ انھوں نے حضرت مسیح اور مسیحیت کے دامن .... کو کفر وش[رک] کے داغوں سے صاف کیا مگر افسوس کہ ان میں سے بعض بد فطر[توں] نے ماہتاب نبوت کے چہرہ روشن پر خاک اڑانے کی ناکام کوشش [کی] اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کی زندگی پر، تین سو [ساٹھ] بتوں پر نذریں چڑھانے اور ان کے لئے پوجا کے الفاظ دہرانے کا [الزام لگایا]

واقعہ یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام کا آئینہ قلب نور نبوت کی ضو سے پہلے بھی ہر قسم کی معصیت کے داغ دھبوں سے پاک وصاف [ہوتا ہے] بت پرستی تو بڑی بات ہے آپکی فطرت سلیمہ نے تو کبھی بت سے

...ں کی تعظیم و تقدیس کے شائبہ کو بھی پسند نہیں کیا۔ صحیح بخاری میں یہ ...دیث ہے کہ:۔

"ایک مرتبہ قریش نے آپ کے سامنے کھانا لاکر رکھا جو بتوں ...چڑھاوے کا تھا۔ آپ نے اس کو کھانے سے صاف انکار فرمادیا"[1]

قاضی عیاض نے شفا میں، لکھا ہے کہ بچپن میں جب حضور اپنے ...چا خواجہ ابوطالب کے ساتھ شام کی طرف تشریف لے گئے تو راستہ ...ں بحیرا نے آپ کا امتحان لینے کے لئے کہا "میں تم کو لات و عزیٰ کی قسم ...ے کر کچھ پوچھنا چاہتا ہوں" آپ نے فرمایا، "تم لات و عزیٰ کے واسطہ ...ے مجھ سے کچھ نہ پوچھو، خدا کی قسم میں کسی شے کو اتنا مبغوض نہیں رکھتا جتنا ...ن بتوں کو" یہ واقعہ سیرۃ ابن ہشام میں بھی موجود ہے۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت بارہ سال کی تھی۔ ...ہر ہے کہ جب بچپن ہی سے بتوں سے بیزاری کا یہ حال تھا تو ان پر نذریں چڑھانے والے ...بوجہل کے الفاظ دہرانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

...حضرت خدیجہ سے شادی کسطرح ہوئی؟ :۔ رسول اکرم ...ی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہ سے شادی آپکی پہلی شادی تھی۔ آپکی ...ر اسوقت ۲۵ سال کی تھی اور حضرت خدیجہ کی ۴۰ سال کی۔ حضرت خدیجہ ...و مرتبہ کی بیوہ تھیں اور پہلے دو شوہروں سے آپ کے دو صاحبزادے ...ر ایک صاحبزادی تھیں۔

"سیرۃ" کی مشہور کتاب سیرۃ ابن ہشام میں شادی کا واقعہ ...طرح مذکور ہے:۔

"خدیجہ بنت خویلد ایک باعزت تاجر عورت تھیں، لوگوں کو ملازم ...کر اور ان کو شریک بنا کر اپنے مال سے تجارت کرتی تھیں۔ جب انھیں ...ول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راست گوئی، دیانتداری اور خوش اخلاقی ...حال معلوم ہوا تو انھوں نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ان کا مال ...ارت لے کر ملک شام جائیں، وہ انہیں اوروں سے کچھ زیادہ نفع ...ں حصہ دیں گی۔ رسول اللہ صلعم نے حضرت خدیجہ کی اس پیشکش کو قبول ...رمالیا۔ اور آپ حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ کو ساتھ لیکر شام روانہ ہوگئے۔ ملک شام ...ہنچ کر وہیں پہنچکر حضور ایک درخت کے سایہ میں اترے جو ایک راہب ...کی خانقاہ کے قریب تھا۔ راہب نے میسرہ سے پوچھا، "یہ صاحب ...جو اس درخت کے نیچے مقیم ہیں" میسرہ نے کہا "حرم مکہ کے باشندوں میں سے خاندان قریش کے ایک صاحب ہیں"۔ راہب نے کہا "اس درخت کے نیچے سوائے اللہ کے نبی کے کوئی نہیں اترا"۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، شام پہنچکر خرید و فروخت کی اور مکہ معظمہ واپس ہوئے۔ میسرہ نے راستہ میں دیکھا کہ جب دوپہر ہوتی ہے تو دو فرشتے آپکے اوپر سایہ ڈالے ہوئے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

میسرہ نے یہ عجیب واقعات اپنی مالکہ حضرت خدیجہ سے بیان کئے، ادھر خدیجہ کو حضور کے اس سفر سے بہت بڑا نفع ہوا۔ وہ ایک ہوشمند، شریف اور ذہین عورت تھیں۔ انھوں نے حضور کے یہ حالات سنے تو رسول اللہ صلعم کے پاس کہلا کر بھیجا:۔

"اے ابن عم، میں سابقہ رشتہ داری کی وجہ سے اور تمہاری عزت، امانت، حسن خلق، اور سچائی کی وجہ سے تم کو (اپنے نکاح کیلئے) پسند کرتی ہوں"۔

حضور نے اس پیغام کا ذکر اپنے چچاؤں سے کیا۔ آخر یہ لوگ بھی راضی ہوگئے۔ اس کے بعد، آپ کا نکاح حضرت خدیجہ سے ہوگیا"۔

دوسری کتابوں کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ، نکاح کے لئے جناب ابوطالب اور دوسرے بزرگان خاندان سب، حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے۔ خواجہ ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا اور پانسو دینار مہر پر نکاح ہوگیا۔

خواجہ ابوطالب نے خطبہ نکاح میں پہلے خاندانی مفاخر بیان کیے پھر فرمایا:۔ "یہ میرے بھتیجے محمد بن عبداللہ ہیں۔ ہر شخص سے عزت شرافت، فضل اور عقل میں زیادہ ہیں۔ مال میں فروکم ہیں مگر مال چلتی پھرتی چھاؤں ہے، آثار بتاتے ہیں کہ ان کا مستقبل بہت تابناک ہے"۔

جواب میں حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل نے خطبہ پڑھا اور اس میں اعتراف کیا "(اے بنی ہاشم) کوئی قبیلہ تمہاری بزرگی کا انکار نہیں کرسکتا، اور کوئی شخص تمہارے فخر و شرف کی تردید نہیں کرسکتا ہماری تمنا تھی کہ تم سے تعلقات پیدا کریں لہذا قریش گواہ رہیں کہ میں نے (بطور وکیل نکاح) خدیجہ بنت خویلد کو محمد بن عبداللہ کے نکاح میں دیدیا"۔

اس کے بعد، خواجہ ابوطالب کی خواہش پر حضرت خدیجہ کے چچا نے بھی نکاح کی اجازت دی۔

اس تفصیل سے یہ حقائق بے نقاب ہوجاتے ہیں کہ:۔

---

[1] ...بخاری باب المناقب۔ ذکر زید بن عمرو بن نفیل۔ [2] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ صفحہ ...

تعصب کے یہ پردے زیادہ عرصہ تک پڑے نہیں رہ سکے۔ یورپ میں سترھویں صدی میں جب علم کی روشنی پھیلنی شروع ہوئی تو ایک طرف تو سیرۃ وحدیث کی عربی کتابوں کے یوروپین ترجموں کی اشاعت اور دوسری طرف وہاں کلیسا اور قیصر میں اقتدار کی کشمکش شروع ہوجانے کی وجہ سے مذہبی تعصب کے بادل چھٹنے لگے۔ اب اسلام اور پیغمبر اسلام کے منور و مقدس چہرہ کو، علم اور انصاف کی روشنی میں دیکھنے والے بھی کچھ اللہ کے بندے پیدا ہو گئے۔ چنانچہ متعدد یوروپین عیسائی سیرۃ نگاروں نے، ایک پیغمبر کی حیثیت سے نہ سہی، ایک مصلح معلم اور لیڈر کی حیثیت سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اعتراف کیا۔ ان حق پسند مسیحی مستشرقین کے ان اعترافات کو اگر جمع کیا جائے تو بلا شبہ ایک مستقل ضخیم کتاب سیرۃ تیار ہو سکتی ہے مگر افسوس ہے کہ آج بیسویں صدی میں بھی کہ علم کا آفتاب نصف النہار پر ہے اور تقریباً یورپ کی ہر زبان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ پر صحیح لٹریچر موجود ہے کچھ ایسے کج فطرت ہیں جو آج بھی یورپ کے قرون مظلمہ کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے نظر آرہے ہیں۔ اسی زمرہ میں دو امریکن مصنفین ٹامس اینڈ ٹامس ہیں جنکی کتاب نے مسلمانان عالم کے سینہ کو زخمی کر دیا ہے اور اخلاق و شرافت کی گردن شرم وحیا سے جھکا دی ہے۔ اس قسم کی کتابیں لکھنے والے تو جان بوجھ کر، خاص مقاصد کے پیش نظر، یہ زہر افشانی کرتے ہیں۔ آج جبکہ ہندوستان کے تعلقات اسلامی ممالک سے عموماً اور عرب ممالک سے خصوصاً، مضبوط بنیادوں پر استوار ہو رہے ہیں اور امریکہ اور انگلستان کے استعمار پسندوں کو اپنے اقتدار کی لاش سوئز کی موجوں میں غرق ہوتی نظر آرہی ہے، ہو سکتا ہے کہ خاص الخاص سیاسی اغراض کے لئے امریکن مصنفین نے یہ رسوائے عالم کتاب ہندوستان میں اشاعت کے لئے سپرد کی ہو، اس لئے مصنفین سے حق شناسی کی توقع فضول ہے۔ تاہم جیسا کہ ایک صحبت میں ہمارے لائق دوست ڈاکٹر شنکر داس صاحب مہرہ نے بتایا، ممکن ہے کہ کچھ سادہ دل اور ناواقف لوگ غلط فہمیوں کا شکار ہو جائیں اس لئے ہم اس مضمون میں مختصر طور پر اس قسم کی غلط بیانیوں کا سرسری جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ چونکہ صرف اصل حقائق کا اظہار مطلوب ہے۔ اس لئے معترضین کے اعتراضات کو بھی نقل نہیں کریں گے، بلکہ ان واقعات ہی کی، جن کو اعتراضات کی بنیاد بنایا گیا ہے صحیح تفصیل پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔

(۱) داعی توحید کی شرک سے بیزاری۔ اسلام نے جس صفائی کے ساتھ، شرک کا گرد وغبار انسانیت کے چہرے سے دور کیا ہے دنیا کے مذاہب میں اس کی مثال آج بھی ناپید ہے۔ توحید اسلام کی بنیاد ہے جس پر اس کی پوری عمارت قائم ہے۔ کوئی شخص اسوقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک یہ یقین اس کے دل کی گہرائیوں میں پیوست نہ ہو کہ "معبود خدائے واحد ہی ہے اس کے سوا، کوئی انسان ہو یا فرشتہ، پیغمبر ہو یا ولی، سر جھکائے جانے کے قابل نہیں"۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتا دیا کہ یہ کوئی انوکھی تعلیم نہیں ہے جسے وہ پہلی مرتبہ دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہوں، بلکہ آفرینش عالم کی ابتداء سے خدا کے جتنے پیغمبر بھی دنیا کے مختلف حصوں میں آئے سب نے یہی اعلان کیا۔

مسیحی جو اپنے مقدس پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، روما کے قدیم بت پرستوں کے اختلاط سے، خدا کا بیٹا اور معبود بنا بیٹھے تھے، اور جن کی پیشانیاں سرگرجا میں آج بھی حضرت مسیح اور ان کی محترم ماں حضرت مریم کے بتوں کے آگے جھکتی دیکھی جا سکتی ہیں۔ خصوصی طور پر ان کے لئے فرمایا گیا:-

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ۔ درحقیقت ان لوگوں نے کفر اختیار کیا جنھوں نے کہا، کہ معبود مسیح ابن مریم ہے حالانکہ مسیح ابن مریم کی پکار تو یہ رہی ہے کہ اے بنی اسرائیل خدائے واحد کی پرستش کرو جو میرا بھی اور تمہارا بھی رب ہے۔

مسیحی مصنفین و مبلغین کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ احسان ماننا چاہئے تھا کہ انھوں نے حضرت مسیح اور مسیحیت کے دامن ...... کو کفر و شرک کے داغوں سے صاف کیا مگر افسوس کہ ان میں سے بعض بد فطرت لوگوں نے ماہتاب نبوت کے چہرہ روشن پر خاک اڑانے کی ناکام کوشش کی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کی زندگی پر، تین سو ساٹھ بتوں پر نذریں چڑھانے اور ان کے لئے پوجا کے الفاظ دہرانے کا الزام۔

واقعہ یہ ہے کہ کل انبیاء کرام کا آئینہ قلب نور نبوت کی ضوفشانی سے پہلے بھی ہر قسم کی معصیت کے داغ دھبوں سے پاک وصاف ہو[illegible] بت پرستی تو بڑی بات ہے آپکی فطرت سلیمہ نے تو کبھی نبوت سے پہلے [illegible]

بتوں کی تعظیم و تقدیس کے شائبہ کو بھی پسند نہیں کیا۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے کہ:-

"ایک مرتبہ قریش نے آپ کے سامنے کھانا لاکر رکھا جو بتوں کے چڑھاوے کا تھا۔ آپ نے اس کو کھانے سے صاف انکار فرمادیا"[1]

قاضی عیاض نے شفا میں، لکھا ہے کہ بچپن میں جب حضور اپنے چچا خواجہ ابو طالب کے ساتھ شام کی طرف تشریف لے گئے تو راستہ میں بحیرا نے آپ کا امتحان لینے کے لئے کہا "میں تم کو لات و عزیٰ کی قسم دے کر کچھ پوچھنا چاہتا ہوں" آپ نے فرمایا "تم لات و عزیٰ کے واسطہ سے مجھ سے کچھ نہ پوچھو، خدا کی قسم میں کسی شے کو اتنا مبغوض نہیں رکھتا جتنا ان بتوں کو" یہ واقعہ سیرۃ ابن ہشام میں بھی موجود ہے[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت بارہ سال کی تھی۔

ظاہر ہے کہ جب بچپن ہی سے بتوں سے بیزاری کا یہ حال تھا تو ان پر نذریں چڑھانے ابوجہل کے الفاظ دہرانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

(۱) حضرت خدیجہ سے شادی کس طرح ہوئی؟ :- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہ سے شادی آپکی پہلی شادی تھی۔ آپکی عمر اسوقت ۲۵ سال کی تھی اور حضرت خدیجہ کی ۴۰ سال کی حضرت خدیجہ دو مرتبہ کی بیوہ تھیں اور پہلے دو شوہروں سے آپ کے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں۔

"سیرۃ" کی مشہور کتاب سیرۃ ابن ہشام میں شادی کا واقعہ اسطرح مذکور ہے:-

"خدیجہ بنت خویلد ایک باعزت تاجر عورت تھیں، لوگوں کو ملازم رکھ کر اور ان کو شریک بنا کر اپنے مال سے تجارت کرتی تھیں۔ جب انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راست گوئی، دیانتداری اور خوش اخلاقی کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ان کا مال تجارت لے کر ملک شام جائیں، وہ انہیں اوروں سے کچھ زیادہ نفع کا حصہ دیں گی۔ رسول اللہ صلعم نے حضرت خدیجہ کی اس پیشکش کو قبول فرمالیا۔ اور آپ حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ کو ساتھ لیکر شام روانہ ہوگئے۔ ملک شام پہنچ کر وہیں پہنچکر حضور ایک درخت کے سایہ میں اترے جو ایک راہب کی خانقاہ کے قریب تھا۔ راہب نے میسرہ سے پوچھا، یہ "صاحب جو اس درخت کے نیچے مقیم ہیں" میسرہ نے کہا "حرم مکہ کے باشندوں میں سے خاندان قریش کے ایک صاحب ہیں"۔ راہب نے کہا "اس درخت کے نیچے سوائے اللہ کے نبی کے کوئی نہیں اترا"۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، شام پہنچکر خرید و فروخت کی اور مکہ معظمہ واپس ہوئے۔ میسرہ نے راستہ میں دیکھا کہ جب دوپہر ہوتی ہے تو دو فرشتے آپکے اوپر سایہ ڈالے ہوئے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

میسرہ نے یہ عجیب واقعات اپنی مالکہ حضرت خدیجہ سے بیان کئے، ادھر خدیجہ کو حضور کے اس سفر سے بہت بڑا نفع ہوا۔ وہ ایک ہوشمند شریف اور ذہین عورت تھیں۔ انھوں نے حضور کے یہ حالات سنے تو رسول اللہ صلعم کے پاس کہلا کر بھیجا:-

"اے ابن عم، میں سابقہ رشتہ داری کی وجہ سے اور تمہاری عزت، امانت، حسن خلق، اور سچائی کی وجہ سے تم کو (اپنے نکاح کیلئے) پسند کرتی ہوں"۔

حضور نے اس پیغام کا ذکر اپنے چچاؤں سے کیا۔ آخر یہ لوگ بھی راضی ہوگئے۔ اس کے بعد، آپ کا نکاح حضرت خدیجہ سے ہوگیا"۔

دوسری کتابوں کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ، نکاح کے لئے جناب ابو طالب اور دوسرے بزرگان خاندان سب حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے۔ خواجہ ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا اور پانسو دینار مہر پر نکاح ہوگیا۔

خواجہ ابو طالب نے خطبہ نکاح میں پہلے خاندانی مفاخر بیان کئے پھر فرمایا:- "یہ میرے بھتیجے محمد بن عبد اللہ ہیں۔ ہر شخص سے عزت شرف نفس اور عقل میں زیادہ ہیں۔ مال میں فرو کم ہیں مگر مال چلتی پھرتی چھاؤں ہے، آثار بتاتے ہیں کہ ان کا مستقبل بہت تابناک ہے"۔

جواب میں حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل نے خطبہ پڑھا اور اس میں اعتراف کیا "(اے بنی ہاشم) کوئی قبیلہ تمہاری بزرگی کا انکار نہیں کر سکتا، اور کوئی شخص تمہارے فخر و شرف کی تردید نہیں کر سکتا ہماری تمنا تھی کہ تم سے تعلقات پیدا کریں لہذا قریش گواہ رہیں کہ میں نے (بطور وکیل نکاح) خدیجہ بنت خویلد کو محمد بن عبد اللہ کے نکاح میں دیدیا"۔

اس کے بعد، خواجہ ابو طالب کی خواہش پر، حضرت خدیجہ کے چچا نے بھی نکاح کی اجازت دی۔

اس تفصیل سے یہ حقائق بے نقاب ہوجاتے ہیں کہ:-

---

[1] بخاری باب المناقب۔ ذکر زید بن عمرو بن نفیل۔ [2] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ صفحہ

(۱) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہ سے نکاح کوئی چھپے چوری نہیں ہوا تھا، بلکہ مجمع عام میں دونوں خاندانوں کے معززین کی موجودگی میں ہوا تھا اور دونوں خاندانوں کے بہترین اہل علم و شرف اشخاص نے اس وقت کے رواج کے مطابق خطبے دیئے تھے۔

(۲) حضرت خدیجہ کے خاندان والوں نے (حضرت خدیجہ کے علاوہ) اس تعلق کو اپنے لئے باعث عزت و شرف سمجھا تھا اور اسے اپنی بہترین آرزوؤں کی تکمیل قرار دیا تھا۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات میسرہ کی زبان سے سنکر حضرت خدیجہ کے دل میں آپکی جو عزت، عظمت اور محبت پیدا ہوئی اسکی بنا پر انھوں نے خود حضور کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ اور حضور نے اپنے بزرگوں کے مشورہ سے اس پیغام کو قبول فرمالیا۔

عرب کے دستور کے مطابق، عورتوں کی طرف سے نکاح کی سلسلہ جنبانی کوئی معیوب بات نہ تھی۔ یہ وہاں کا عالم دستور تھا۔ پھر حضرت خدیجہ تو دو مرتبہ کی بیوہ تھیں، اولاد والی تھیں، اپنے کاروبار کی نگراں اور گھر کے معاملات کی منتظم تھیں۔ ان کا اپنی مرضی سے حضور کو نکاح کا پیغام دینا، اور پھر خود اس نکاح کا اہتمام کرنا کسی طرح نامناسب نہ تھا۔

ایک ضعیف روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کے وقت حضرت خدیجہ کے والد موجود نہ تھے۔ وہ شراب کے دھتی ہونے کی وجہ سے شراب کے نشہ میں مدہوش پڑے تھے، اور شراب اسلام سے پہلے عرب میں پانی کی طرح پی ہی جاتی تھی، مگر حقیقت یہ ہے جیسا کہ محققین اہل سیرت نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ کے والد کا اس واقعہ سے پہلے ہی انتقال ہوچکا تھا۔

امام سہیلی نے مدلل طور پر ثابت کیا ہے کہ "حضرت خدیجہ کے والد جنگ فجار سے پہلے ہی انتقال کرچکے تھے اور حلبی نے اپنی سیرت میں تصریح کی ہے کہ اہل علم کے نزدیک صحیح یہی ہے۔ ابن سعد نے بھی طبقات میں اس موضوع پر مفصل گفتگو کی ہے[1]

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :-

قال الموملی المجمع علیہ ان عمھا عمرو بن سعد ھو الذی زوجھا منہ وھذا ھو الذی رجحہ السھیلی وحکاہ عن ابن عباس و عائشۃ. قالت وکان خویلد مات قبل الفجار[2]

مومل نے کہا ہے کہ متفق علیہ یہ بات ہے کہ حضرت خدیجہ کے چچا عمرو بن سعد نے ہی ان کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا تھا اسی کو سہیلی نے مرجح قرار دیا ہے اور اسے حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ خویلد (حضرت خدیجہ کے والد) جنگ فجار سے پہلے ہی مرچکے تھے۔

پھر جس ضعیف روایت میں یہ ہے کہ حضرت خدیجہ کے والد شراب کے نشہ میں بیہوش پڑے ہوئے تھے اس میں صراحت کے ساتھ یہ بھی موجود ہے کہ جب وہ ہوش میں آئے اور انھیں اپنی بیٹی کے نکاح کا حال معلوم ہوا تو پہلے تو برہم ہوئے، مگر جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سامنے لاکر بتایا گیا کہ خدیجہ کا نکاح ان صاحب سے ہوا ہے، تو انھوں نے فوراً کہا "اگر میں نے پہلے اجازت نہیں دی تھی تو اب دیتا ہوں!"[3]

الحاصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت خدیجہ الکبریٰ سے، دونوں خاندانوں کے بزرگوں کی رائے سے ہوا، پورے اعلان و اظہار کے ساتھ ہوا، دونوں خاندانوں نے اس پر اظہار مسرت کیا، نہ اس میں کوئی رازداری تھی، اور نہ عیاری۔ یہی وجہ ہے کہ حضور کی یہ ازدواجی زندگی نہایت راحت و انبساط کے ساتھ گزری۔ جب سنہ ۱۰ نبوی میں ۶۵ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے رنج و غم کا اظہار فرمایا اور اس سال کا نام "عام الحزن" پڑگیا۔

(۳) آغاز وحی کا واقعہ :- قبل نبوت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عبادت و ریاضت کے لئے مکہ سے کچھ دور ایک پہاڑ کے غار میں تشریف لیجاتے تھے اور وہاں کئی کئی روز تنہا رہ کر اپنے خدا سے لو لگاتے تھے۔ آخر ایک دن اس غار کی تنہائیوں میں جمال الہٰی کی پہلی تجلی نے آپکے قلب مبارک پر کرنیں ڈالیں۔ امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری کے بالکل شروع میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے اسکا خلاصہ یہ ہے :-

"ایک دن آپ حسب معمول غار حراء میں مصروف عبادت تھے کہ فرشتہ ظاہر ہوا اور اس نے (ایک ریشمین کپڑے پر لکھی ہوئی سورۂ اقراء کی آیات پیش کرکے) کہا پڑھو۔ حضور نے جواب دیا "میں پڑھ نہیں سکتا"۔ فرشتے نے آپ کو خوب بھینچا اور چھوڑ کر کہا اب پڑھو۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا کہ "میں پڑھ نہیں سکتا"۔ تین مرتبہ یہی صورت پیش آئی۔ آخر تیسری مرتبہ جب حضور کو بھینچ کر چھوڑا تو آپ نے وحی الٰہی پڑھی۔ اس کے بعد حضور غار سے لوٹے تو آپ کا دل دھڑک رہا تھا۔ آپ نے گھر پہنچ کر حضرت خدیجہ (اپنی بیوی) سے کہا مجھے کپڑا اڑھا دو

[1] طبقات ابن سعد [illegible] [2] البدایہ والنہایہ ج [illegible]

بیا جواب کہا اور اوڑھا دیا گئی، اور آپکی گھبراہٹ دور ہوئی۔ اب آپنے حضرت خدیجہ کو ماجرا کا پورا واقعہ سنایا اور کہا "مجھے اپنے متعلق خوف ہے" حضرت خدیجہ نے آپ کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ:-

"اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز نقصان نہ پہنچنے دیگا۔ آپ عزیزوں سے بہتر برتاؤ رکھتے ہیں، محتاجوں کی مدد کرتے ہیں، فقیروں کی ضرورت پوری کرتے ہیں مہمانوں کی مہمانداری کرتے ہیں اور ہر طرح دوسروں کے کام آتے ہیں۔"

اس کے بعد حضرت خدیجہ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جو بہت بڑے نصرانی عالم تھے۔ اور بوڑھے ہو کر نابینا ہو چکے تھے۔ ورقہ نے تمام واقعہ سن کر کہا "اے محمد یہ فرشتہ جو تمہیں نظر آیا وہی "ناموس" ہے جو حضرت موسیٰ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا کرتا تھا۔ کاش میں اسوقت تک جب تمہاری قوم تم کو جلا وطن کریگی زندہ رہوں اور تمہاری مدد کر سکوں۔" مگر ورقہ کا اس واقعہ کے بعد جلد ہی انتقال ہو گیا۔ اس حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔

لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِی "مجھے اپنے متعلق خوف ہے۔" معترض نے اپنی طرف سے اس پر جو یہ اضافہ کر دیا ہے کہ "یہ خوف شیطانی روح کو دیکھنے کی دہشت کی وجہ سے تھا" تو یہ اس کی اپنی شیطنت ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ جیسا کہ شارحین حدیث نے تشریح کی ہے حقیقت یہ ہے کہ:-

(۱) اسلام کے نقطۂ نظر سے خدا کا پیغمبر انسان ہی ہوتا ہے اور اسمیں تمام لوازم بشریت پائے جاتے ہیں۔ کسی ہیبت ناک اور حیرت انگیز چیز کو دیکھ کر ڈرنا اور مرعوب ہو جانا طبیعت انسانی کا خاصہ ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پہلی مرتبہ ناموس اعظم حضرت جبریل کو انکی اصلی صورت میں دیکھا، اور نہ صرف دیکھا، بلکہ اس نے بار بار آپکو بھینچا تو باقتضائے بشریت آپ پر خوف طاری ہو گیا، اور آپ ڈرے کہ کہیں آپکی جان کو نقصان نہ پہنچ جائے۔

(۲) "نبوت" کی ذمہ داری سب سے زیادہ اہم اور گراں بار ذمہ داری ہے۔ پیغام خداوندی کا تحمل کرنا، اسے بے کم و کاست دوسروں تک پہنچانا، خود اپنی ذات کو بہترین نمونہ بنا کر امت کے سامنے پیش کرنا مخالفوں کی ہر قسم کی ایذا رسانی اور مخالفت کو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرنا، اور اپنے مشن کی تکمیل کے راستے میں ثابت قدمی کے ساتھ بڑھتے چلے جانا، اس سے زیادہ کسی انسان کے دل کو لرزا دینے اور قدموں کو ڈگمگا دینے والی ذمہ داری اور کیا ہو سکتی ہے؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جب پہلے پہل اس ذمہ داری کا بوجھ آکر پڑا تو اپنی بشری کم طاقتی کو دیکھتے ہوئے آپ کو یہ بھی ڈر ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان سختیوں کو آپ برداشت نہ کر سکیں اور عزم و ہمت اور صبر و تحمل کا دامن آپ کے ہاتھ سے چھوٹ جائے۔

مگر جب آپکی ذکی و ذہین، روز و شب کی آپکی مقدس زندگی کا مشاہدہ کرنے والی بیوی نے آپکو تسلی دی کہ آپ جیسے پارسا، پاکباز اور مخلوق خدا کے کام آنے والے کی جان کو اللہ تعالیٰ نقصان نہ پہنچنے دیگا، اور ورقہ بن نوفل جیسے عالم کتب قدیمہ نے بتایا کہ "یہ تو وہی جبریل امین ہیں جو خدا کا پیغام لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اترے تھے اور آخر کار پیغام بھیجنے والے کی غیبی امداد سے انھوں نے اپنے زمانہ کی سب سے بڑی دنیوی طاقت (فرعون) کو دریا برد کر دیا تھا" تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا خوف و ہراس جاتا رہا۔

یہ ہے اس خوف کی حقیقت جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں باقتضائے بشریت پیدا ہوا اور خدا کے دو نیک بندوں کی تسلی سے جاتا رہا۔ معلوم نہیں معترض کو اس واقعہ میں "شیطانی روح" کس گوشہ میں چھپی ہوئی نظر آ گئی۔

(۴) مسلم کے معنی؟ :- عربی زبان کا ایک مبتدی بھی جانتا ہے کہ عربی میں "اسلام" کے معنی اپنے آپکو کسی کے حوالہ کر دینے کے ہیں۔ "مسلم" اسکا اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ مسلم کو مسلم اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنی ذات کو خدا کے حوالہ کر دیتا ہے اور خداوند قدوس کا اطاعت گزار و فرمانبردار بن جاتا ہے۔ "مسلم" کا لفظ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنے لئے اور اپنے پیروں کے لئے ہی استعمال نہیں کیا، بلکہ جیسا کہ قرآن کریم کی سینکڑوں آیتوں سے ثابت ہے آپ نے ہر زمانہ میں خدا کی فرمانبرداری کی دعوت دینے والے پیغمبروں اور اس دعوت کو قبول کرنے والے انکے امتیوں کو اسی مبارک نام سے یاد کیا ہے۔

مگر حیرت ہے کہ جاہل معترض نے "مسلم" کے معنے "وفا" کی بجائے "غدار" لکھ دیئے ہیں۔ یہ اس کی انتہائی جہالت یا خیرہ چشمی ہے۔ "عربی زبان" کوئی عبرانی زبان نہیں ہے جس کے جاننے والے دنیا میں معدوم کے درجہ میں ہوں۔ یہ زبان چونکہ دنیا کی آخری اور دائمی شریعت کی زبان ہے۔

(باقی صفحہ ۲۸ پر ملاحظہ فرمائیے)

شاعر الحرم جناب مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

نعت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

مری آرزو انکا در ڈھونڈتی ہے

انہیں اسطرح چشم تر ڈھونڈتی ہے
لٹاتی ہے موتی جدھر ڈھونڈتی ہے

نگاہ محبت دم طوف کعبہ
مدینے کے دیوار و در ڈھونڈتی ہے

دیار مدینہ کے پرکیف جلوے
مری آرزو سب بسر ڈھونڈتی ہے

کسی کی تجلی، بعنوان تازہ
نگاہ محبت اثر ڈھونڈتی ہے

گنہگار خوش ہوں کہ رحمت کسی کی
دل غم زدہ، چشم تر ڈھونڈتی ہے

لپٹ جائے روضے کی جالی سے جاکر
دعائے سحر، گر اثر ڈھونڈتی ہے

فریدی مجھے قصر شاہی سے حاصل
مری آرزو آن کا در ڈھونڈتی ہے

(خاص برائے الحرم)

سلام بدرگاہ خیر الانام

(حضرت برق انصاری سہسرامی)

اے کہ تو وجہ تخلیق ہر دو جہاں
اے کہ تو باعث خلق کون و مکاں
اے کہ تو موجب خلقت این و آں
از وجودت وجود زمین و زماں
الصلوٰۃ علیک السلام علیک

اے مجلی، منور، مرصع، یتیم
اے مشرف، محمد رسول کریم
الصلوٰۃ علیک السلام علیک

اے کہ تو مونس و ہمدم بیکساں
اے کہ تو حامی عاجز و ناتواں
اے کہ از ذکر تو مرہم زخم جاں
اے کہ از فکر تو دور درد نہاں
الصلوٰۃ علیک السلام علیک

اے کہ تو ہادی و پیشوائے سبل
اے کہ تو سرور انبیاء و رسل
اے کہ از شرف تو شرف انسان کل
از بہارت بہار ہمہ برگ و گل
الصلوٰۃ علیک السلام علیک

اے کہ نامت بود زیب عرش بریں
اے کہ تو نازش آسمان و زمیں
اے کہ تو تکیہ گاہ مکان و مکیں
یک نگاہ کرم سوئے برق حزیں
الصلوٰۃ علیک السلام علیک

اے کہ تو منبع و مصدر اتقا
اے کہ تو معدن فیض وجود و سخا
اے کہ تو مرکز علم و صدق و صفا
اے کہ تو مظہر شان رب العلےٰ
الصلوٰۃ علیک السلام علیک

اے کہ تو مہبط جبرئیل امیں
اے نبی الورےٰ شافع المذنبیں
تاجدار عرب شاہ دنیا و دیں
یک نگاہ کرم سوئے برق حزیں
الصلوٰۃ علیک السلام علیک

اے مقدس، مطہر، مصفا جسیم
اے معظم، مکرم، مفخر، وسیم

(خاص برائے الحرم)

مدینہ کی گلیاں

وارث القادری بانسرہ، سیتاپور
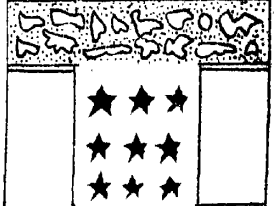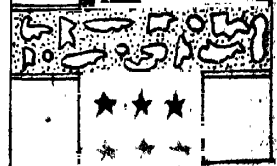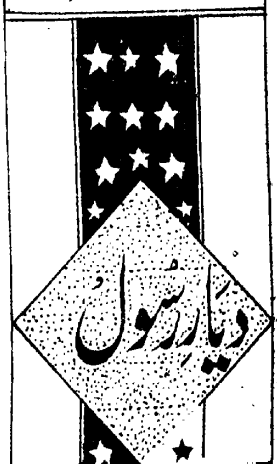
روشن بہ طفیلِ آنحضرتؐ قسمت کا ستارا ہو جائے
اللہ مدینہ کی دلکش گلیوں کا نظارا ہو جائے

صرف ایک توجہ ہو جائے، صرف ایک اشارا ہو جائے
اتنا ہی بہت ہے میرے لئے، اتنا ہی سہارا ہو جائے

اے کاش کہ میری رگ رگ میں پیوست ہو دردِ عشقِ نبیؐ
اے کاش کہ میرا ہر آنسو آنکھوں کو گوارا ہو جائے

اے شافعِ محشر، ختمِ رُسُل، بدیاں مری نیکی بن جائیں
رحمت کی دہائی دیتا ہوں، رحمت کا اشارا ہو جائے

گرداب بلا میں اے آقا، میں ڈوب چلا میں ڈوب چلا
کافی ہے اگر اس وقت مجھے تنکے کا سہارا ہو جائے

یہ حشر، یہ سُورج، یہ شعلے، یہ دُھوپ، یہ گرمی، اُف توبہ
اب سایۂ دامانِ رحمت وارث پہ خدارا ہو جائے

دیارِ رسولؐ

نور تقی میرٹھی

دیارِ رسولِ انامؐ آ رہا ہے
مرا جذبۂ عشق کام آ رہا ہے

نظر آ رہی ہے زمینِ مدینہ
ستاروں سے اونچا مقام آ رہا ہے

وہ غارِ حرا اور شانِ عبادت
سلام آ رہا ہے پیام آ رہا ہے

مرے لب ہیں فرطِ مسرت میں رقصاں
زباں پر محمدؐ کا نام آ رہا ہے

فضائے جہاں جگمگانے لگی ہے
رسُولوں کا ماہِ تمام آ رہا ہے

لئے آ رہے ہیں وہؐ کالی کملیا
خطا پوشیوں کا مقام آ رہا ہے

یہ کس جانِ رحمت کی ہے آمد آمد
زباں پر درود و سلام آ رہا ہے

درِ پاک کی برکتیں اللہ اللہ
جہاں سے ہر اک شادکام آ رہا ہے

مجھے دیکھ کر نور کہتی ہے دُنیا
وہ دیکھو نبیؐ کا غلام آ رہا ہے

مفسر قرآن جناب مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی

رحمۃ للعالمین کے جنگی قیدی

(مولانا قاسمی کا یہ مضمون جو آپ نے خصوصیت کیساتھ الحرم کے اس نمبر کیلئے تحریر مایاہے، یقین ہے کہ دلچسپی کیساتھ پڑھا جائیگا۔ اس مضمون سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ مولانا موصوف جسطرح سیرۃ نبوی کے ہر پہلو پر بہترین انداز میں بول سکتے ہیں اسی طرح بہترین طرز پر لکھ بھی سکتے ہیں۔ مدیر)

مکہ کے تیرہ سالہ دور میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم و ستم کا ب مہربانی اور رحمت سے دیا، ستم کرنیوالوں کو معاف فرمایا، گالیاں ے والوں اور الزام لگانے والوں کو دعائیں دیں اور انکی ہر طرح کی بت کرکے ان سے "الامین" کا لقب پایا۔

یہ تیرہ سالہ دور بظاہر بے سروسامانی کا دور تھا، چند افراد کی ایک ت تھی مال و دولت سے محروم، اثر و رسوخ سے محروم، خاندان اور ی طاقت ساتھ نہیں۔ توپ و تفنگ کی تیاریاں تو کجا آزادی کے ساتھ کا نام لینا بھی ناممکن ——— اس لئے ایک ظاہر پرست یہ کہہ تا ہے کہ ایک بے سروسامان انسان کا اپنے دشمنوں پر رحم کرنا اخلاق قت کا کوئی بڑا کارنامہ نہیں ہوسکتا، وہ صبر نہ کرے تو کیا کرے اسکے ب جب طاقت ہی نہ تھی تو وہ دشمن کی تعداد اور طاقت سے ٹکرا تا کیسے؟ ں مجبوری کو صبر کرتے ہی ہیں ——— لیکن حقیقت میں "صبر" مجبوری ام نہیں،

ایک مسلمان اگرچہ اسکا یہ جواب دیگا کہ مکہ کے تیرہ سال بے وسامانی کے سال نہیں تھے، توپ و تفنگ کے اعتبار سے مکہ کی گی ضرور بے سروسامانی کی زندگی تھی، مگر توپ و تفنگ ہی سرو ان نہیں کہلاتے غیبی طاقتوں کے پوشیدہ خزانے بھی سروسامان ——— بلکہ مادی سروسامان سے زیادہ اثر رکھنے والے ——— پہنچانے میں بھی اور نقصان پہنچانے میں بھی ——— انسانی ت کا انشاد خطا کرسکتا ہے لیکن قدرت کی غیبی طاقت کا وار کبھی نہیں جاسکتا، ——— اور ایک پیغمبر خدا کا مقبول نمائندہ ہوتا ہے اسکی اہانت کا سفیر یا تدبیر ہوتا ہے، وہ خدائی طاقتوں کو پھر وقت حرکت میں لاسکتا ہے، کیونکہ رسول کی تکذیب خود خدا کی تکذیب ہوتی ہے، رسول کا کفران خدا کا کفران ہوتا ہے اس لئے پیغمبر کی مظلومیت کے تیرہ سال بے سروسامانی کے سال نہیں تھے، اس دور میں بھی آپکے پاس طاقت تھی، ——— غیبی طاقت ——— آسمانی طاقت ———

یہ بات ایک مسلمان کہہ سکتا ہے ——— لیکن ایک ظاہر پرست اس جواب سے مطمئن نہیں ہوسکتا، وہ تو یہی کہے گا کہ کمزور کا مہربانی کرنا کوئی بہت بڑا کارنامہ نہیں ہوسکتا،

اسلئے واقعات کو محض تاریخی نقطۂ نظر سے دیکھنے والوں کے لئے سرور عالم صلی اللہ علیہ کی رحمت کا مدنی دور پیش کیا جاتا ہے، جس دور میں حضور ایک طاقتور منظم جماعت کے قائد تھے، بڑھتی ہوئی طاقت کے ملک تھے اور ایک فاتح جرنیل تھے، ———

یوں سمجھئے کہ مکہ کا دور رحمت کی تربیت کا دور تھا اور مدینہ کا دور اس تربیت کے عملی مظاہرے کا دور تھا، ——— یہی دور تھا جسمیں رحمۃ للعالمین کا اصل جوہر کھلا، دشمنوں کو تسلیم کرنا پڑا کہ واقعی محمد رسول اللہ رحمۃ للعالمین ہیں۔

مدینہ طیبہ کی زندگی میں حقیقت یہ ہے کہ حضور سب کچھ کرسکتے تھے مگر پھر بھی آپنے دشمنوں کے ساتھ رحمت اور مہربانی کا وہ سلوک فرمایا جسکی مثال انسانی تاریخ پیش کرنے سے عاجز ہے،

اس رحمت کی ایک مثال غزوہ بدر کے قیدیوں کے ساتھ سرور عالم کا رحیمانہ برتاؤ ہے۔

عرب جاہلیت کا برتاؤ:- اسلام سے پہلے عرب میں جنگی قیدیوں کے ساتھ کیا برتاؤ ہوتا تھا۔؟ ——— چند واقعات سے اس کا اندازہ

لگائیے، تاکہ یہ معلوم ہو کہ اسلام نے جنگی قیدیوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا اسمیں انتقام کا جذبہ کتنا تھا اور انسانی رحمت اور شرافت کا حصہ کتنا -

عرب کی مشہور جنگ جنگ اُدارہ میں بنی شیبان کو شکست ہوئی، منذر ابن امرؤ القیس نے اس قبیلہ کے آدمیوں کو گرفتار کیا، قسم کھائی کہ ان قیدیوں کو اسوقت تک قتل کراؤں گا جب تک ان کا خون بہہ کر پہاڑ کی جڑ تک نہ پہنچ جائے، چنانچہ پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا کر ان قیدیوں کو قتل کرانا شروع کیا، مقتولوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی مجبور ہو گیا، منّت مان چکا تھا، اسے پورا کرانے کے لئے خون پر پانی ڈلوا دیا۔ جب وہ بہہ کر پہاڑ کی جڑ تک پہنچ گیا تب قتل بند کرایا،

حجر ابن حارث نے بنی اسد کو مغلوب کیا، اس قبیلہ کے آدمیوں کو قید کر کے حکم دیا کہ انھیں ڈنڈے مار مار کر ہلاک کیا جائے .

یہ عرب جاہلیت کا برتاؤ تھا جنگی قیدیوں کے ساتھ ـــــــ آج کی دُنیا مہذب کہلاتی ہے اور امریکہ اس مہذب دُنیا کا اپنے آپکو اُستاد کہتا ہے، تہذیب کے اس استاد نے جاپان کے جنگی قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا، اسکی تفصیلات ابھی تک ذہنوں میں تازہ ہیں، وحشت اور بربریت کی انتہا ہوگئی، حیوانیت اور درندگیت نے شرم سے سر جھکا دیا، پھر آج جمہوری حکومتوں میں سیاسی قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے، برسر اقتدار پارٹی سے معمولی سا اختلاف رائے رکھنے پر بڑے سے بڑا قومی اور ملکی وفادار چور ڈاکوؤں کی صف میں کھڑا ہو جاتا ہے، روس جیسے غریب نوازی اور آزادی کے مدعی ملک نے محض اختلاف رائے پر ملک کی مشہور ترین ہستی کو گولی سے اڑا دیا،

اسکے مقابلہ میں اب رحمۃ للعالمین کے جنگی قیدیوں کو دیکھو ـــــــ غزوہ بدر میں حضور کو فتح ہوئی، ستر کے قریب بڑے بڑے سردار مارے گئے، اتنے ہی گرفتار ہوئے .

اسیران جنگ مدینہ لائے گئے، حضور نے ان کے متعلق صحابہ کرام سے مشورہ لیا مجلس مشاورت میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ذمہ دار مسلمانوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ حضرت انس اور حضرت ابن عباس کے بیانات کو ایک جگہ کر کے ذیل میں پیش کی جاتی ہے.

اصحاب رائے مسلمانوں کو مخاطب کر کے خدا کے رسول نے فرمایا ماتقولون فی ھولاء الاساری . ؟ ان قیدیوں کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟

ان اللہ قد امکنکم منھم ، اللہ تعالیٰ نے آج انہیں تمہارے قابو میں دیدیا ہے .

جماعت کے ذمہ دار لوگوں میں سب سے پہلے حضرت عمر بولے یارسول اللہ کذبوک واخرجوک فقدم فاضرب اعناقھم ، سرکار! یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے آپ کو جھٹلایا وطن سے نکالا، پس مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان کی گردنیں اڑا دوں :

سرور عالم نے حضرت عمر کی رائے سُنی اور انکی طرف سے منہ پھیر لیا پھر صحابہ سے فرمایا :-

یا ایھا الناس ان اللہ قد امکنکم منھم وانما ھم اخوانکم بالامس لوگو! خدا تعالیٰ نے ان لوگوں پر تمہیں قابو عطا فرمایا ہے یہ لوگ کل تک تمہارے بھائی بندی تھے ،

حضرت عمر نے پھر کھڑے ہو کر اپنی رائے دوہرائی، حضور نے پھر ان کی طرف سے منہ موڑ لیا .

حضرت عمر کے بعد حضرت عبداللہ ابن رواحہ کھڑے ہوئے، عبداللہ نے حضرت عمر سے بھی زیادہ سخت رائے دی، بولے :-

یارسول اللہ انت فی واد کثیر الحطب فاضرم الوادی علیھم نارا ثم القھم فیہ . حضور! آپ اس وادی میں ہیں جس میں لکڑیاں بکثرت ہیں ان لکڑیوں میں آگ لگوا دیجئے اور اسی آگ میں انہیں ڈلوا دیجئے ،

حضور نے یہ رائے سنکر سکوت اختیار فرمایا، پھر صحابہ کرام سے رائے طلب فرمائی، اب کی دفعہ حضرت ابو بکر صدیق کھڑے ہوئے اور بولے ، یارسول اللہ قومک واھلک استبقھم واستانھم لعل اللہ ان یتوب علیھم . حضور! یہ آپ کی قوم ہے، آپ کے گھر والے ہیں . انہیں زندہ رکھیے اور توبہ کر لیجئے، شاید خدا تعالیٰ ان پر مہربانی فرمائے،

صحابہ کرام کی مختلف رائیں سنکر حضور بھی مشاورت سے اُٹھ کر اندر حجرہ میں تشریف لے آئے، مجلس میں کچھ لوگ حضرت عمر کے ساتھ ہو گئے کچھ حضرت عبداللہ کے اور کچھ حضرت ابو بکر کے ـــــــ جب آپس کا تبادلہ خیالات ہو چکا تو حضور تشریف لے آئے اور فرمایا :-

خدا تعالیٰ بعض آدمیوں کے دل نرم کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ دودھ سے زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور بعض کے دل سخت کر دیتے ہیں

بیشک کہ وہ پتھر سے زیادہ سخت ہوجاتے ہیں۔

اے ابوبکر تم میرے صحابہ میں ایسے ہو جیسے رسولوں میں حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ،

حضرت عیسیٰ اتنے نرم دل تھے کہ وہ اپنی گناہگار امت کے متعلق قیامت میں حضرت حق سے فرمائیں گے،

ان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفرلہم فانک انت العزیز الحکیم،

خداوندا! اگر تو ان گناہگاروں کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر انہیں بخشدے تو تو زبردست ہے، حکمت والا ہے،

حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی بہت نرم دل اور رحیم تھے، انہوں نے اپنی امت کے گمراہ کن لیڈروں کے متعلق فرمایا تھا

فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم، الٰہی! جو میری اتباع کرے وہ میرا ہے اور جو میرا کہنا نہ مانے سو تو بخشنے والا مہربان ہے۔

پھر حضرت عمر کی طرف مخاطب ہو کے فرمایا:-

اے عمر! تم میرے صحابہ میں ایسے ہو جیسے رسولوں میں حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

حضرت نوح علیہ السلام نے گمراہ قوم سے مایوس ہوکر فرمایا تھا

رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا، خداوندا! زمین پر کسی کافر کو زندہ باقی نہ رکھ۔

حضرت موسیٰ نے فرعون سے تنگ آکر اسکو بددعا دی تھی

ربنا اطمس علی اموالہم واشدد علی قلوبہم فلا یؤمنوا حتی یروا العذاب الالیم

الٰہی! انکے مالوں کو تباہ کر دے اور ان کے دل سخت کر دے یہاں تک وقت تک ایمان نہ لائیں گے۔ جب تک عذاب الیم نہ دیکھ لیں گے۔

ان دونوں رسولوں کے مزاج پر قہر وجلال غالب تھا، حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ کے مزاج میں نرمی اور رحمت کا غلبہ تھا،

انسانی ذہنوں کی ان مختلف حالتوں پر تبصرہ فرمانے کے بعد حضور نے حضرت ابوبکر کی رائے قبول فرمائی، کیونکہ صدیق اکبر کی رائے حضور کے ذاتی رجحان کے مطابق تھی، اس رحمت وشفقت کے مطابق تھی جو حضور کی طبعی خصوصیت بن چکی تھی،

اس سلسلہ میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا جو بیان ترمذی اور ابن حبان میں منقول ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشورہ

کے موقع پر خدا تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبریل تشریف لائے اور حضور سے فرمایا

حضور! اپنے صحابہ سے دریافت فرمائیے، چاہے وہ ان قیدیوں سے تاوان لے کر انہیں چھوڑ دیں یا انہیں قتل کر دیں، ہاں اگر انہیں چھوڑیں گے تو آئندہ سال ان کے اتنے ہی آدمی لڑائی میں قتل کرائے جائیں گے۔

حضور نے صحابہ کے سامنے یہ تجویز رکھدی، صحابہ کرام نے ان دو صورتوں میں سے تاوان کی صورت کو اختیار کیا اور اپنے میں سے ستر آدمیوں کی قربانی منظور کر لی۔

چنانچہ غزوہ احد میں ستر صحابہ کی شہادت اسی رضامندی کا نتیجہ تھی،

ان جنگی قیدیوں سے حضور نے کیا تاوان لیا ــــــ؟ اسکی تفصیل بھی سن لیجئے۔

قیدیوں میں جو مالدار لوگ تھے ان سے تو کچھ مالی تاوان لیا گیا، باقی قیدیوں کو مسلمانوں کے بچوں کی تعلیم پر متعین کیا گیا اور انکے کھلانے پلانے اور کپڑے کی ذمہ داری صحابہ کرام پر عائد کی گئی۔

صحابہ کرام نے ان قیدیوں کو کس طرح رکھا؟ قیدیوں کی طرح رکھا یا اپنی جان سے زیادہ رکھا ــــــ؟ خود ان قیدیوں کی زبان کو سنئے۔

ابوعزیز مصعب ابن عمیر کے بھائی تھے، وہ فرماتے ہیں حضور نے مجھے جن انصاری مسلمانوں کے سپرد فرمایا وہ صبح وشام میرے لئے کھانا لاتے اور خود کھجوروں پر قناعت کرتے، مجھے شرم آتی، میں روٹی اپنے سامنے سے اٹھا کر ان کے آگے رکھدیتا، مگر وہ کسی طرح اسے نہ چھوتے اور کھجوروں کو اپنے لئے کافی سمجھتے،

سہیل ابن عمر بڑا بدزبان شخص تھا، اس نے حضور کے خلاف بڑی تقریریں کی تھیں، اسے دیکھ کر حضرت عمر نے کہا، حضور! اس بدتمیز شخص کے نچلے دو دانت نکلوا دیجئے تاکہ آئندہ یہ آپکے خلاف تقریر نہ کر سکے، فرمایا، اگر میں اس شخص کا چہرہ بگاڑوں گا تو خدا تعالیٰ میرا چہرہ بگاڑ دے گا، اگرچہ میں نبی ہوں۔

نتیجہ! اوپر کے واقعات سے یہ نتیجہ نکلا،

(۱) بدر کی لڑائی حق وباطل کی پہلی لڑائی تھی اور جو لوگ تیرہ برس تک پیچھے چلے آرہے تھے آن کی فتح تھی، اس موقع پر حضور قریش سے جتنا سخت انتقام لیتے اتنا تھوڑا تھا۔ لیکن آپنے رحم فرمایا باقی صفحہ پہ

★ —————— حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم

رسول اللہؐ کی صورت اور سیرت

(حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم جو پچھلے دنوں آغوش رحمت الٰہی میں جا سوئے، ہندوستان کے ایک اہل دل صوفی، وسیع النظر عالم اور صاحب طرز انشا پرداز تھے۔ افسوس الحرم جس وقت مطلع صحافت پر نمودار ہوا مولانا کا آفتاب زندگی لب بام تھا۔ تاہم بستر علالت ہی سے مولانا نے بزرگانہ محبت و شفقت کے جذبات کے ساتھ اسکا خیر مقدم کیا اور اسے پھلنے پھولنے کی دُعائیں دیں۔ اس زمانہ میں حضرت مولانا اس سے زیادہ کچھ کر بھی نہ سکتے تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا نے مدیر الحرم کو جو گرامی نامے لکھے وہ اس محبت و تعلق کے آئینہ دار ہیں جو موصوف کو الحرم اور مدیر الحرم سے تھا۔ انشاءاللہ تعالیٰ یہ گرامی نامے کسی آئندہ اشاعت میں شائع کئے جائینگے۔ ذیل میں "سیرۃ طیبہ" کے موضوع پر حضرت مولانا کا ایک مختصر مگر جاذب قلب و نظر مضمون شائع کیا جا رہا ہے۔ اُمید ہے کہ شوق سے پڑھا جائے گا —— "مدیر")

اُسی ذات قدسی صفات کی پیدائش کا یہ مبارک مہینہ ہے جس کا دُنیا کے کسی سچے دین اور دھرم سے تردید و تکذیب کا نہیں بلکہ صرف تصدیق و تجدید و تکمیل کا واحد تعلق ہے ملنے کے بعد جو کھویا گیا تھا وہ بھی اور آئندہ جو کچھ مل سکتا تھا سب کو اسی کے ذریعہ محفوظ ترین شکل میں عطا کر کے قدرت نے نبوت ختم کر دی۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ان کا ماننے والا سب کا ماننے والا ہے ان کی کتاب کا پڑھنے والا سارے جہاں کی آسمانی کتابوں کا پڑھنے والا ہے۔ باطن کی عالمگیریوں کیساتھ ان کا ظاہر بھی ہمہ عزیز تھا۔ وہ بڑے خوبصورت تھے۔ چہرۂ مبارک میں گویا آفتاب تیر رہا ہے دیکھنے والوں نے اپنا یہ احساس ظاہر کیا ہے۔ سُرخ دھاریوں کی چادر پوش مبارک پر پڑی ہوئی تھی۔ چاندنی رات میں مقابلہ کیا گیا ہے تو چودھویں رات کا چاند نظروں میں پھیکا پڑ گیا۔ مسکراتے وقت بشرۂ انور چمک اٹھا ایسا کہ جیسے کھرے سونے یا کندن کی کرن تختی چمک رہی ہو، دندان مبارک سے جب گفتگو کرتے تو معلوم ہوتا کہ ان سے شعاعیں جھانک رہی ہیں کرنیں پھوٹ رہی ہیں حالانکہ بینی مبارک زیادہ بلند نہ تھی لیکن ناک کے بانسوں پہ ایک قسم کا نور لوٹتا رہتا تھا جس سے شبہ ہوتا کہ آپ اشم یعنی غیر معمولی اونچی ناک والے ہیں نہ زیادہ پست بلکہ موزوں اور درمیانہ قد، گداز بدن گٹھا ہوا جوڑ بند

مضبوط اطراف کی ہڈیاں مثلاً کہنیوں، کلائیوں، ٹخنوں، کی ہڈیاں موٹی اور بھاری اُبھری ہوئی، گورا، درخشاں، سرخی آمیز چہرہ کا رنگ نہ جو بالکل گول گول تو نہ تھا، لیکن گولائی لئے ہوئے گویا بیضوی شکل تھی سیاہ داڑھی رخسار سے نہ دھنسے ہوئے نہ پھولے ہوئے آنکھوں کے شگاف لمبے لمبے سیاہ پتلیاں بغیر سرمہ کے سرگیں معلوم ہوتی تھیں۔ پہلی نظر میں دیکھنے والا مرعوب ہو جاتا لیکن میل ملاپ کے بعد آپ اسکے لئے محبوب بن جاتے خوشی کے وقت نگاہیں جھک جاتیں غصہ کی حالت رُخ پھیر لیتے گھنے سیاہ بالوں سے بھرے ہوئے دونوں ابروؤں کے بیچ میں تھوڑا سا فاصلہ تھا اسی میں ایک رگ تھی جو حالت غضب میں جنبش پذیر ہو جاتی۔ سر کے بال بھی سیاہ، نہ بالکل سیدھے نہ بالکل گھونگر والے درمیانی کیفیت تھی، اتنے گھنے تھے کہ کنگھی کے بغیر مانگ نہیں نکلتی، کبھی کانوں کی لو تک کبھی نصف کان تک کبھی اتنی نیچے ہوتیں کہ مونڈھوں پر لٹکتی تھیں۔ جسد مبارک عموماً صاف بالوں سے پاک تھا۔ صرف کہنیوں کے نیچے اور گردن سے ناف تک ایک پتلی لکیر گھنے بالوں کی تھی، پیشانی مبارک چوڑی بلند، روشن، کشادہ سینہ، موٹے پٹھے، گردن مبارک اتنی چکنی صاف جیسے چاندی کی ڈھلی ہوئی گڑیا، بلکہ سارا جسم مبارک بعضوں کو چاندی کا ڈھلا ہوا پتلا سا معلوم ہوتا تھا۔ ہتھیلیاں گدّہ دار ...

ہتھیلی بھی مضبوط، بھری ہوئی لیکن دیبا و حریر سے بھی زیادہ نرم، قدم مبارک بھاری بھاری، البتہ پنڈلی اور ایڑیوں میں گوشت کم تھا، پشت مبارک پر بائیں شانے کی ہڈی کے نیچے سرخ گوشت کا ایک ابھار (کبوتر یا چکور کے انڈوں کے برابر) جس میں چند تل یا مسے اور چند بال بھی تھے، ہاتھ کی لکیریں ہاتھ والوں کی خصوصیتوں کی سمجھا جاتا ہے کہ ترجمان ہوتی ہیں، اسی طرح ختم نبوت کی علامت پشت مبارک کی یہ خاص چیز تھی، تریسٹھ سال کی عمر تک تازگی کا یہ حال کہ بمشکل چودہ پندرہ بال سر اور داڑھی میں سفید تھے، تیل لگانے، کنگھی کرنے سے ان کا بھی پتہ نہ چلتا، جسد مبارک کی ترکیب ایسے لطیف اور پاکیزہ عناصر سے ہوئی تھی کہ جسطرح بعض کثیف اخلاط والوں کا پسینہ سخت بدبودار ہوتا ہے برعکس اسکے آپ کے پسینہ میں ایک قدرتی خوشبو تھی، بعض لوگ عطر کی جگہ اسے استعمال کرتے، یوں بھی بدبو سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ کچے لہسن اور پیاز کھا کر مسجد میں آنے کی لوگوں کو ممانعت تھی، عطر اور خوشبو آپ کو فطرتاً مرغوب تھی جدھر سے نکل جاتے فضا معطر ہو جاتی۔

عادات مبارک:- فطرتاً آپ نرم دل، نرم خو، سیر چشم، کنواری لڑکیوں سے زیادہ شرمیلے تھے، بناوٹ، تکلف، تشخص، نمود، تفوق سے آپ کو دور کی بھی مناسبت نہ تھی، بچوں بوڑھوں دیہاتیوں، سبھی طرح کے لوگوں سے ہنستے بولتے ابو زاہر نامی بدوی سے آپ کو خاص تعلق تھا۔ وہ بڑے تن و توش کے آدمی تھے، عین بازار میں پیچھے سے آکر ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر فرماتے: میرے اس غلام کو کوئی ہم سے خریدتا ہے (ابو زاہر کہتے تو آپ کا سودا بڑا کھوٹا ہوگا، اے اللہ کے رسول لیکن آپ فرماتے کہ لیکن اللہ کے نزدیک بڑا قیمتی ہے) باوجود خادم کے گھر کے کاموں میں خود ہی ہاتھ بٹاتے، جھاڑو بھی دے دیتے، جوتیاں بھی گانٹھ لیتے، پیوند بھی لگا لیتے، ہمراہ راست باوجود پیغمبر ہونے کے عموماً خود کسی کو نہیں ٹوکتے دوسروں سے کہلواتے یا عام طریقہ سے خطاب کرتے مجلس میں جہاں جگہ خالی ہوتی بیٹھ جاتے مصنوعی تعظیم و تکریم کو پسند نہیں فرماتے حرام چیزوں کے سوا جائز امور میں پستی اور بلندی پر اصرار نہ تھا جو کی سوکھی، خشک کھجور ستو بھی کھا لیتے، ضرورت کے وقت پیٹ پر پتھر بھی باندھا لیکن اس کے ساتھ شہد، گھی، پنیر، روغن زیتون، ثرید، بکرے کا گوشت بھی، گوشت، کدو، چقندر، خربوزہ، ککڑی کھیرے سب ہی چیزیں استعمال کرتے، کھانے میں سیاہ مرچ اور دوسرے مسالے بھی ڈالے جاتے، ٹھنڈا پانی بہت مرغوب تھا، غلاموں کی دعوت بھی قبول فرما لیتے جو کی روٹیاں، پرانی چربی لا کر میزبان رکھ دیتا تو کھا لیتے، کسی کھانے کی مذمت نہ فرماتے نہ پسند ہوتا تو چھوڑ دیتے، گھر میں کھانا ہوتا تو کھا لیتے ورنہ روزہ کی نیت فرما لیتے، لباس کا بھی یہی حال تھا، جس لباس میں وفات ہوئی سب جانتے ہیں کہ پیوند لگا ہوا کمبل اور گاڑھے کی لنگی تھی۔ زرد رومال آخری بیماری میں درد سر کی شدت سے سر میں باندھے ہوئے تھے لیکن اس کے ساتھ قمیص (کرتہ) بہت پسند تھا شلوار پہنی نہیں، لیکن اسے پسند فرمایا، سرخ سبز دھاریوں کی چادریں سیاہ یا دوسرے رنگ کے عمامے تنگ آستینوں کا رومی جبہ سیاہ رنگ کی نقش دار عبا، سیاہ چمڑے کے موزے دو دو تسموں کی نعلین، اس قسم کی چیزیں بھی استعمال فرماتے۔ چاندی کی انگوٹھی چاندی کے قبضہ کی تلوار، آہنی خود بھی پہنتے۔ مسجد میں کھلے فرش پر بھی لیٹ جاتے، تکیہ لگا کر بھی بیٹھتے خرما کی چھال سے بھرا ہوا گدا دوہرا کیا ہوا ٹاٹ آپ کا عام بستر تھا، باغوں اور کھلیانوں کی جھونپڑیوں میں بھی جا کر سو رہتے۔ سفر میں درختوں کے نیچے بھی سرخ چمڑے کے خیموں میں بھی آرام فرماتے۔ مکان کی البتہ نگاہ میں بہت کم اہمیت تھی۔ آخر جس مکان سے رہنے والوں کے جنازے نکلیں وہ دلچسپی کی کیا چیز ہو سکتی ہے مسجد نبوی کے اطراف کے حجروں کی چھت کھجور کے شاخوں کی تھی۔ دروازوں پر ٹاٹ پڑا رہتا چھت اتنی بلند کہ ہاتھ سے چھو لی جاتی لیکن اسی کے ساتھ دو منزلہ مکانوں میں بھی آپ فروکش ہوئے مشربہ (بالاخانہ) بھی بنوائی تھی۔ ام ابراہیم کے باغ میں بھی مشربہ تھا جس میں کبھی کبھی آرام فرماتے سواری کی ضرورت محسوس فرماتے تھے اسی لئے اونٹ، گھوڑے، خچر، گدھے، عرب کی عام سواریوں پر سوار ہوتے، عضباء، قصواء آپکی سانڈنی عرب کی مشہور سانڈنی تھی۔

اصل زندگی کے ان تمام شعبوں میں پستی و بلندی کے کسی خاص طرز پر اصرار نہ تھا۔ تاہم مختصر گری کے ساتھ مزدوروں، ضعیفوں، غریبوں، خستہ حالوں کی تسلی کے لئے غربت ہی کی حالت کو زیادہ پسند فرماتے۔ اس کی دعا فرماتے۔ روحانی قوتوں کے سوا آخر عمر میں سارے عرب کی حکومت کی شکل میں مادی قوت آپ کو مل چکی تھی، لیکن بے تکلفی کا جو حال تھا برابر باقی رہا۔

ترجمہ :- خلیل حامدی ★ ڈاکٹر فؤاد فخرالدین (انڈونیشیا)

حضورؐ نے انسانی معاشرت کو کیا دیا؟

۱۲ ربیع الاول کی تاریخ۔ وہ مبارک تاریخ ہے جس میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئے ہم مسلمان اس ولادت باسعادت کی خوشی میں اس مبارک تاریخ کو جابجا جلسے منعقد کرتے ہیں میرے لئے بھی یہ امر انتہائی مسرت کا موجب ہے کہ میں اس تقریب سعید کے موقع پر تمام عالم اسلامی کو اپنی پرخلوص مبارکباد کا ہدیہ پیش کر رہا ہوں۔ اس کے ساتھ میری یہ بھی انتہائی خواہش ہے کہ امتِ اسلامیہ کی صفوں میں اتحاد و یگانگت کی روح جاری و ساری ہو جس کی جدوجہد کے میدان میں ملت محمدی کے اندر باہمی تعاون و توافق کی فضا پیدا ہو اور دین حنیف کی سربلندی کی خاطر ہر فرد ملت مشترک طور پر جہاد کرنے کے لئے کمربستہ ہو جائے۔ تاکہ اسلام اپنی مرکزی حیثیت کو پورے استحکام کے ساتھ اپنی وحدت کا ملاد اخوت صادقہ کی قوت کے ساتھ دنیا کے گوشہ گوشہ میں قائم کر سکے۔ بالخصوص ان ممالک میں جن کو آزادی استقلال کے ساتھ عزت و شرف کی نعمت بھی حاصل ہے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جس روز دین حق کا پیغام لے کر دنیا میں تشریف لائے ہیں۔ وہ روز دنیا کے اندر نئی روشنی کے ظہور کا روز تھا۔ اس نئی روشنی کی برکت تھی کہ اس نے انسان کو وہ عقیدہ اور تصور دیا جو سراسر مکارمِ اخلاق اور فضائل و محاسن کا مجموعہ تھا۔ اور تسامح، رواداری اور رذائل سے اجتناب کی دعوت تھی۔ اس عطیہ نے انسانیت کے وجود کو افراط و تفریط کے گرداب سے نکال کر اعتدال پر فائز کیا۔ عورت کو جو انسانی معاشرہ میں انتہائی پستی کے مقام پر گر چکی تھی عزت و تکریم کے اعلیٰ مراتب سے ہمکنار کیا۔ جمہوریت کو رواج دے کر حقوق انسانی کی حد بندی کر دی۔ جو اس سنہری اصول پر قائم تھی۔ کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی سفید فام کو سیاہ فام پر کوئی امتیازی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ اولاد آدم باہم دندانہ ہائے شانہ کی طرح ہیں۔

اسلام کے ظہور نے دنیا کے تختہ پر ایک نئے تمدن اور ایک نئی تہذیب کو جنم دیا۔ دنیا کا فرسودہ نظام بدل کر رکھ دیا دنیا کے اندر بہ انداز نو نظم و نسق قائم کیا۔ دستور زندگی کی طرح ڈالی۔ انسانوں کے اندر ایک ایسی روح پھونک دی جس نے فرد اور جماعت کے درمیان الفت و محبت، اخوت و تعاون کے جذبِ مقناطیسی کو نشو و نما بخشی۔ شوریٰ فی الامر پر مملکت کی بنیادیں استوار کیں۔ اور دین میں اکراہ و اجبار کی کوئی گنجائش نہ رکھی "تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین" کہہ کر گویا اس بات کا اعلان کر دیا کہ اسلام کی اطاعت کا قلادہ گلے میں ڈالنے کے لئے ہر انسان کو اختیار اور آزادی حاصل ہے۔ کسی شخص کو اس لئے نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا کہ وہ کافر ہے۔ بلکہ اہل کتاب کے ساتھ ازدواجی تعلقات استوار کرنے کی بھی اجازت دے دی۔ الغرض اسلام کے دوسرے اصول اس امر کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں کہ اسلام روادارانہ نظریات کا حامل ہے اور ایک ایسے جہانِ نو کی ایجاد اس کے پیش نظر ہے۔ جو بغض و عداوت کی آلودگیوں سے مبرا اور تعصب و تنگ نظری کے جذبات سے پاک ہو۔ اور نوع انسان کے لئے امن و سلامتی کا گہوارہ ثابت ہو سکے!

اس مبارک گھڑی میں جس چیز کا بار بار جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ وہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ کے محامد و فضائل ہیں۔ یہ معلوم کیا جائے کہ دعوت دین کو پھیلانے میں آپ نے کس طرح انتھک کوششیں کیں۔ گھر بار کو خیرباد کہہ کر کس طرح سفر و غربت کی صعوبتوں سے دوچار رہے۔ دشمن جنگ و جدال پہ اتر آئے تو ان کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور بہت سے معرکے سر کئے۔ قوم کی طرف سے ایذائیں دی گئیں تو صبر و شکیب کے ساتھ انہیں سہا۔ یہ تمام واقعات آپ کے فضائل حسنہ اور اعلیٰ کردار کی شہادت دیتے ہیں۔ خود ذات خداوندی نے آپ کی تعریف میں فرمایا ہے:-

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ !

(اے پیغمبر) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم لوگوں کے لئے بڑے نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد وپیش سے چھٹ جاتے۔

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ! بیشک آپ انسانی اخلاق کے بلند مدارج پر فائز ہیں!

اسلام دُنیا کے سامنے بے شمار مفید اور گراں قدر اصول لے کر آیا ہے۔ اس نے انسانوں کا ایک گروہ تیار کر دیا جس کی اساس اعلیٰ انسانی اخلاقیات پر قائم تھی اور اس عقیدے پر قائم تھی جو کائنات کے فرمانروا نے اپنی بشری مخلوق کیلئے انفرادی واجتماعی زندگی کا نظام بنا کر بھیجا ہے۔ اور اس میں ہر اُس چیز کی وضاحت کر دی جس کی انسانوں کو اس جہان بے ثبات میں فروت لاحق ہو سکتی ہے۔ اور اُن تمام اعمال کا نقشہ پیش کر دیا ہے جو آخرت کی زندگی میں سلامتی ونجات کے ضامن ہو سکتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس یادگار دوام آثار میں ہمارے لئے جو نعت بخش پہلو ہیں۔ وہ آپؐ کا عمل اور آپؐ کا اسوہ ہے جو آپؐ کی ذاتی زندگی سے لے کر خاندانی اور قومی زندگی تک پھیلا ہوا ہے۔ آپؐ کا یہی اسوہ ہماری دین و سرخروئی کے لئے اور دُنیا میں ہماری قوت کی بقاء کے لئے بہت بڑا بیش قیمت اور نایاب سرمایۂ وراثت ہے۔ آپؐ کے اسوہ حسنہ اور آپکی تعلیم کا خلاصہ چند نقاط میں عرض کرنے کی کوشش کرتا ہوں:-

(۱) دعوت حق کو خلقِ خدا تک پہنچانے میں آپؐ نے کوشش کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ نہایت صبر اور تحمل و بُرد باری کے ساتھ اس پیغام کو پہنچایا۔ یہ جدوجہد کسی دُنیوی غرض اور ذاتی مفاد کی خاطر نہ تھی۔ بلکہ خالص خدا کے لئے تھی اسی بات کی تشریح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا:-

وَاللّٰهِ لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِیْ يَمِيْنِیْ وَالْقَمَرَ فِیْ يَسَارِیْ عَلٰى اَنْ اَتْرُكَ هٰذَا الْاَمْرَ مَا تَرَكْتُهٗ حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللّٰهُ اَوْ اَهْلِكَ دُوْنَهٗ۔

بخدا اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ پر سورج لا رکھیں اور بائیں ہاتھ پر چاند کہ میں اس کام سے باز آجاؤں۔ تو میں کبھی نہیں باز آؤں گا۔ یہانتک کہ اللہ اس دین کو غالب کر دے یا میری جان جاتی رہے!

دُنیا وی مال ومتاع سے ہمیشہ آپؐ نے بے اعتنائی اختیار فرمائی جب آپؐ کے سامنے سونے کے پہاڑ بھی پیش کئے گئے تو آپ نے لینے سے انکار کر دیا، اور شرف وکرامت کی زندگی بسر کرنے کے لئے معمولی کفاف پر اکتفا کی۔

(۲) تواضع اور رواداری:- آپؐ کی پوری زندگی میں ہمیں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ آپؐ نے کبھی اپنے آپ کو دوسروں سے برتر رکھنے کی کوشش کی ہو۔ بلکہ آپؐ کی مجلس غرباء ومساکین اور معمولی حیثیت کے لوگوں کے ساتھ رہتی تھی۔ اور جسطرح رؤساء اور سرداروں کے ساتھ آپکا سلوک تھا۔ اسی طرح نچلے درجہ کے لوگوں کے ساتھ آپ کا مساویانہ طرز عمل تھا۔ آپؐ کی روادارانہ تعلیم کی اس سے بڑھ کر کیا مثال ہو سکتی ہے کہ وہ قریش جو ہمیشہ آپکے جانی دشمن رہے، آپؐ کو ایذائیں دیتے رہے۔ آپکے رفقاء اور اتباعین کو آپؐ سے توڑنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے۔ یہانتک کہ ترک وطن پر انھوں نے آپؐ کو مجبور کر دیا۔ ان تمام سختیوں اور ایذا رسانیوں کے باوجود وہی قریش فتح مکہ کے دن جب گرفتار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کھڑے ہیں۔ تو آپؐ کی زبان مُبارک سے اُن کے حق میں یہ کلمات جاری ہوتے ہیں:-

اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ۔

جاؤ تم آزاد ہو۔ آج تم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ اللہ تمہیں معاف کرے گا اور وہ سب سے بڑھکر رحم کرنیوالا ہے!

(۳) عام مساوات:- آپنے جس باہمی مساوات اور طبقاتی کشمکش کے استیصال کا درس دیا۔ اس کی عملداری اسقدر ہمہ گیر تھی کہ آپ کا اپنا گھر اور اپنا خاندان بھی اُس میں شامل تھا۔ آپؐ کے قبیلے کے کسی فرد کو دوسروں پر کسی درجہ کوئی فضیلت وبرتری حاصل نہ تھی۔ اس سلسلہ میں آپؐ کا وہ ارشادِ مُبارک بہت مشہور ہے۔ جو آپؐ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:-

يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ ، اِعْمَلِیْ فَاِنِّیْ لَا اُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا !

اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہ! اپنے لئے نیک عمل کر لو۔ میں اللہ کی گرفت سے تمہیں ذرہ بھر نہیں بچا سکتا!

اسی طرح دوسرے افراد خاندان کو مخاطب ہو کر آپؐ نے فرمایا تھا:-

يَا آلَ مُحَمَّدٍ لَا يَأْتِيَنِّي النَّاسُ بِأَعْمَالِهِمْ وَتَأْتُونِي بِأَنْسَابِكُمْ فَإِنِّي لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا۔

اے محمدؐ کی آل! ایسا نہ ہو کہ لوگ میرے پاس نیک اعمال لے کر آئیں اور تم حسب و نسب لے کر عام انسانی مساوات کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا۔

اَلنَّاسُ فِي الْحَقِّ سَوَاءٌ قَرِيبُهُمْ كَبَعِيدِهِمْ وَبَعِيدُهُمْ كَقَرِيبِهِمْ۔

حقوق میں تمام انسانوں کو برابر رکھو۔ اسطرح کہ اپنے بیگانوں کی طرح اور بیگانے اپنوں کی طرح ہوں!

(۴) اسلامی اور انسانی اخوت:۔ یہ وہ تعلیم تھی جس نے قوم کی منتشر صفوں میں اتحاد و الفت کے روح پرور گلشن کھلا دیئے۔ اور مدت سے بچھڑے ہوؤں کو گلے ملا دیا۔ اخوت اسلامی کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر ہے:۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔

تمام مومن بھائی بھائی ہیں۔ پس تم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح رکھو اور اللہ سے ڈرو تاکہ وہ تم پر رحم کرے۔

اسی نعمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا۔

اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے!

اسی نازک آبگینہ کی حفاظت کے اصول و قواعد بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

(الف) وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا۔

آپس میں ایک دوسرے پر حسد نہ کرو۔ اور نہ آپس میں کسی کو دوسرے کے خلاف بھڑکاؤ۔ اور نہ آپس میں بغض رکھو۔ اور نہ آپس میں کسی کی پیٹھ پیچھے برائی کرو۔ اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی بیع پر بیع کرے۔ اور تم اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ!

(ب) اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَكْذِبُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ۔ اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا وَيُشِيرُ إِلٰى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ۔

مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ اور نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے۔ اور نہ اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

(ج) كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ۔

آپؐ اپنے سینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین بار فرماتے ہیں۔ تقویٰ یہاں ہے۔ انسان کو شر سے یہ بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔

"ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر خون، مال، آبرو حرام ہے"

عالمگیر انسانی برادری کے قیام کی دعوت دیتے ہوئے قرآن نے بیان کیا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ۔

لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اسکا جوڑا بنایا۔ اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔ اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو۔ اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔

(۵) اعتماد علی النفس:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا ایک اہم پہلو یہ بھی تھا کہ آپؐ قوم کے اندر اعتماد علی النفس اور خودداری کی اعلیٰ صفات کو اجاگر کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ ایک طرف ہر ہر فرد بذات خود قوت کی چٹان بن جائے اور دوسری طرف پوری امت قوت و طاقت کا ایک ایسا ہمالہ بن جائے جو حوادث کے ہجوم اور جنگوں کی شعلہ باری کے موقع پر دوسروں کے سامنے تعاون اور امداد کی جھولی پھیلانے کے بجائے اپنی ذات پر اعتماد کرنے والی اور اپنی مدد آپ کرنے والی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَاَعِدُّوا لَهُم مَا استَطَعتُم مِن قُوَّةٍ وَمِن رِبَاطِ الخَيلِ تُرهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُم۔

جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے اُن کے (دشمن کے) مقابلے کے لئے مہیا رکھو۔ تاکہ اسکے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ کرو۔

یہ ہے مختصر اور سرسری خلاصہ جو پیغمبرِ انسانیت کی تعلیم میں ہمیں ملتا ہے۔ اور پیغمبرؐ انسانیت کے یوم ولادت پر اس کے اعادہ و تکرار کی ہمیں ضرورت ہے۔ یہ وہ انمٹ آثار ہیں جو اُمتوں اور قوموں کو زندگی کے میدان عمل میں فلاح و بہبودی سے متمتع کرتے ہیں۔ اسلام نے اس ربّانی تعلیم صحیح اور صحیح فکر کی طرف تمام دُنیا کو دعوت دی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ انسانیت کی بہتری اور سلامتی بھی اسی میں ہے کہ زمام حیات اسی صالح قائد کے ہاتھ میں دے دی جائے۔ تاریخ ہمارے سامنے ہے کہ جس قوم نے اپنی زندگی کی گاڑی اس فکر و عقیدے کے خطوط پر چلائی ہے اور اسلام کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا ہے۔ وہ عزّت و شوکت اور تہذیب و تمدّن کے بالاترین مدارج پر جاگزیں ہوئی ہے۔

ان تمام گزارشات کے بعد ہم ملّت اسلامیہ کو خواہ وہ مُسلمان ممالک کی ہو یا غیر مُسلم ممالک کی۔ دعوت دیتے ہیں کہ تعلیم نبوی کی روشنی میں وہ اپنے موجودہ نظام حیات اور طرزِ عمل پر غور و فکر کرے۔ کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اُمّت اپنے اعمال میں اور زندگی کے معاملات میں عملی ربط و اتصال سے دامن کش ہے۔ اور ایمان کی دولت سے بہرہ ور ابھی تک گوشہ ہائے خلوت کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ اور مضبوط محاذ بنانے کے لئے اور مسلم قوم کے اندر عملی تعاون (Cooperation) کی روح پھونکنے کے لئے اُن میں کوئی حرکت نہیں ہوتی۔ حالانکہ مُسلم معاشرہ، گروہ بندی اور جماعت پرستی کا شکار ہو چکا ہے۔ اور ہر گروہ کا عقیدہ مختلف اور مسلک جداگانہ ہے۔ نہ افکار و نظریات میں اتحاد پایا جاتا ہے اور نہ اصول و مبادی میں ہم آہنگی نظر آتی ہے۔ اور سب سے افسوسناک یہ بات ہے کہ اپنی اس زبوں حالی کے باوجود مسلمان شب و روز ... پسند ... چکے ہیں مستقبل بینی اور دُور اندیشی اُن کے پاس نہیں پھٹکتی۔ اور ... سدا ... کرنے کا اصول اُن کے نزدیک مضحکہ انگیز بات ہے ... عمل و

کردار کے لحاظ سے اسقدر کھوکھلے ہیں کہ موجودہ خطرناک حالات (جن میں مسلمان ممالک گھرے ہوئے ہیں) کی ایک ٹھوکر کی تاب نہیں رکھتے۔

(آخر میں ہم یہ گزارش کریں گے کہ موجودہ حالات میں مسلمانوں پر مشرق کے رہنے والے ہوں یا مغرب کے۔ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور کام کا ایک ایسا پروگرام بنائیں جو ملّت کے لئے مفید اور نتیجہ بخش ہو۔ اور اس اسکیم کو بروئے کار لانے کے لئے اجتماعی عمل کے لئے فضا ہموار کریں۔ اجتماعی تعاون پیدا کرنے کی صورت یہ ہے کہ چند دُعوات و عمارکا نفرنسیں منعقد کر دی جائیں۔ اور اُن میں تقریریں اور لیکچر دیئے جائیں۔ اور گھڑی دو گھڑی باغوں کی سیر کرادی جائے۔ بلکہ اس ورطۂ مذلّت سے نکلنے کے لئے ٹھوس طریقے عمل میں لائے جائیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے جس امر کی ضرورت ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک ایسا فنڈ جاری کیا جائے جس کے ذریعہ اسلامی علاقوں میں جتنی دینی تحریکیں ہیں ان کی عام اشاعت اور پبلسٹی کی جائے۔

یہ امر مسلّمہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر مل جل کر پتہ مار کر کام کرنے کی عادت نہیں اور نہ یہ تنظیم طلب امور کو سرانجام دینے کی زحمت گوارا کر سکتے ہیں۔ لیکن مذکورہ تجاویز پر علیحدہ آمد کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اوّلین فرصت میں اس پر سوچ بچار کیا جائے۔

(عربی سے ترجمہ)

بقیہ صفحہ ۱۹ :- اور ان کے قیدیوں کو معمولی جنگی تاوان کے بعد چھوڑ دیا۔

(۲) صحابہ کرام نے اپنے رحمۃ للعالمین آقا کا رجحان دیکھ کر اپنے دشمنوں کو معاف کر دینے کی رائے دی اور اس عفو و درگذر کے بدلے میں اپنے ستّر آدمیوں کی قربانی منظور کر لی،

(۳) اپنے جانی دشمنوں کو قید میں رکھا بھی تو اسطرح رکھا کہ خود بھوکے رہے انہیں عمدہ کھانا کھلایا، خود بے آرام رہے انہیں آرام سے رکھا۔

کیا طاقت ہاتھ میں آنے کے بعد ایک جرنیل دشمنوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتا ہے کیا عرب کے اس وقت کے دستور کے مقابلہ میں یہ برتاؤ معمولی اخلاق و شرافت کا برتاؤ تھا؟

یہ ہے عظیم آقا دنیا کے مہذب میں بھی جنگی قیدیوں کیساتھ ایسا ہی سلوک ... سلوک ... نے کیا اور اپنے صحابہ سے کرایا،

کا مظاہرہ، (صلی اللہ علیہ وسلم)

از مولوی نجم الدین احیائی متعلم دارالعلوم

شمعِ رسالت کے پروانے

راہِ خدا میں قربانیاں

(۲)

جان و مال کا سودا: حضرت صہیب رومیؓ حوادثات زمانہ کی وجہ سے مکہ میں اپنی زندگی کے دن پورے کر رہے تھے۔ وہ نہایت ہی ذہین اور دور اندیش تھے۔ اپنی تدبیروں کی وجہ سے اچھے خاصے مالدار ہو گئے تھے۔ آنحضورؐ کے بلانے پر آپ نے اسلام کو قبول کیا۔ اسلام لانے کے بعد ان پر بھی وہی تکلیفوں کے پہاڑ توڑے گئے جو کمزور اور بے بس مسلمانوں پر توڑے جا رہے تھے۔ آخر تنگ آکر ہجرت کے ارادہ سے مکہ سے نکل پڑے۔ کفار کو پتہ چل گیا۔ انھیں یہ چیز بھی پسند نہ تھی کہ کوئی یہاں سے ہم سے بچ کر نکل جائے۔ چنانچہ کفار مکہ آپ کے پیچھے لگ گئے۔ یہاں تک کہ آپ کے قریب ان کی ایک جماعت پہنچ گئی۔ آپ نے اپنا ترکش سنبھالا جس میں کافی تیر تھے۔ اور ان لوگوں سے بڑی متانت سے فرمایا۔ دیکھو تم لوگوں کو معلوم ہے کہ میں تم سب سے بہتر تیر انداز ہوں۔ جب تک میرے ترکش میں ایک تیر بھی باقی رہیگا۔ اسوقت تک تم مجھے پکڑ نہیں سکتے۔ پھر میں اپنی تلوار سے تمہارا شدت سے مقابلہ کروں گا۔ اور جب تک جسم میں جان رہیگی۔ انشاءاللہ اسوقت تک تم مجھے اپنی اطاعت پر مجبور نہیں کر سکتے۔ لہذا ایک تجویز پیش کرتا ہوں اگر پسند ہو تو تم منظور کر لو۔ میں اپنے مال کا پتہ بتاتا ہوں جو مکہ میں فلاں جگہ ہے اسی کو لے لو اور میری دو حسین باندیاں بھی ہیں۔ ان کو بھی اپنے قبضہ میں کر لو۔ اسی میں تمہارے لئے بھلائی ہے۔ کفار کو سیم و زر ملنا تھا راضی ہو گئے۔ اور لوٹ گئے۔ حضرت صہیب رومیؓ بخیر و خوبی مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ خدا کو یہ بات پسند آئی۔ چنانچہ اس بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ۔ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ

ترجمہ: بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی رضا کے واسطے اپنی جان [illegible] ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت زیادہ مہربان ہیں۔

یہ ہے اطاعت خدا کا جذبہ جس میں اپنے عزیز مال اور پیاری کو چھوڑنا پڑا۔ سب کچھ بالکل قربان کر دیا۔ لیکن ایک منکر خدا کی اطاعت نہیں کی۔

بے مثال استقامت: حضرت جندلؓ ایک نوعمر اور نوخیز صحابی تھے۔ تمام مسلمان ہجرت کر کے مدینہ جا چکے تھا۔ مکہ میں چند گنے گنائے لوگ رہ گئے تھے لیکن وہ بھی اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے۔ حضرت جندلؓ بھی انہیں میں تھے بالآخر جوش ایمانی سے مجبور ہو کر انھوں نے اسلام کا اعلان کر دیا انکے کافر باپ کو اپنے فرزند ارجمند کی پاک اور مبارک حرکت نہ بھائی غصہ میں چور پہنچے اور حضرت جندلؓ سے کہا کہ تم بیدین ہو گئے۔ اپنے آباء و اجداد کے مسلک کو چھوڑ بیٹھے۔ تم پر لات و عزیٰ کا غضب نازل ہوگا۔ جلد سے جلد اس دین سے توبہ کرو۔ حضرت جندلؓ نہایت ہی ادب سے بولے ابا جی میں جس دین پر ہوں وہ حق ہے۔ ان بتوں کے قبضہ و اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ نہ مجھ کو کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ زمین اور آسمان کا پیدا کرنیوالا صرف ایک ہے اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔ آپ کے والد کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ جتنا ہو سکا اس وقت پیٹا۔ زد و کوب کیا۔ اور پھر ایک گھر میں قید کر کے زنجیروں باندھ دیا۔ ان کو ہر روز قسم قسم کی تکالیف پہنچاتے اور کہتے کہ اس دین سے توبہ کرو۔ ورنہ تمہیں جان سے ختم کر دوں گا۔ صلح حدیبیہ میں آپ کے والد مکہ والوں کی جانب سے سفیر تھے۔ مسلمانوں کی شاندار فوج چار رکعت میں موجود تھی۔ مکہ میں اسکا غلغلہ مچا ہوا تھا۔ حضرت جندلؓ کے کان میں بھی بھنک پڑی۔ موقعہ پا کر گھر سے نکل بھاگے۔ حالت یہ تھی کہ ہاتھوں اور پیروں میں بیڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ دوڑتے ہوئے [illegible]

مسلمانوں کے لشکر کے قریب پہنچے اور بڑے زور و شور سے فریاد
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی وجہ سے آپ کو لوٹا دیا ۔
وجود ان کی طبیعت اس سے ذرا بھی مکدر نہ ہوئی ۔ بلکہ حضور
سنے کے بعد اسلام سے پھرنا تو درکنار اس پر اور جم گئے ۔ یہ کیوں؟
اس لئے کہ آپکے دل میں لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق کا جذبۂ عظیم
تھا ۔ آپکا یہ ایمان تھا کہ ہزاروں مصیبتوں کو سہنا پڑے ظلم و ستم کی
ہو ۔ جبر و تعدی کی آندھیاں چلیں لیکن خدا کی اطاعت چھوڑ کر ہرگز
غیر کی اطاعت نہ کریں گے ۔

ابوذر غفاری رسول اللہ کا غلام :۔ حضرت ابوذر غفاری رضی جو مشہور
صحابی ہیں جن کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت
ابوذر رضی نے بہت زیادہ علم حاصل کیا جس سے دوسرے عاجز ہیں ۔
اور کمال یہ ہے کہ انھوں نے اس کو محفوظ بھی رکھا ۔

آپ مشہور قبیلہ بنی غفار کے ایک مشہور فرد تھے ۔ آنحضور کی دعوت
ان کے کان میں پہنچی ۔ فطرت سلیمہ نے عود کیا ۔ لاشعور میں ایک جذبہ
اپنے بھائی کو تحقیق حقیقت کے لئے مکہ مکرمہ بھیجا ۔ وہ مکہ میں تشریف
لے گئے ۔ اور چند روز رہ کر حالات معلوم کرنے کے بعد چلے گئے ۔ اور
حضرت ابوذر رضی سے فرمایا کہ ایک عظیم انسان ہیں جو نبوت و رسالت کے
مدعی ہیں ۔ نیک باتوں کا حکم دیتے ہیں ۔ بری اور فحش باتوں سے روکتے
ہیں ۔ مردار خنزیر وغیرہ کھانے سے منع کرتے ہیں ۔ بتوں کی مذمت کرتے
ہیں صرف خدائے واحد کی عبادت اور بندگی کا حکم دیتے ہیں ۔ حضرت
ابوذر رضی کو اطمینان نہیں ہوا ۔ بذات خود مکہ تشریف لائے ۔ مگر اس
وقت ظلم و ستم کا اڈا بنا ہوا تھا مسلمانوں کے لئے مکہ کی زمین تنگ
ہو رہی تھی ۔ آپ نے کسی سے پوچھنا مناسب نہ سمجھا اور خود ہی تلاش کرنے
کی ہمت باندھی ۔ تھک کر یونہی ایک شاہراہ پر بیٹھ گئے ۔ اتفاقاً حضرت
علی کرم اللہ وجہہ اس راستہ سے گزرے ۔ شام ہو چکی تھی شہسوار مشرق
منزل پہنچنے کے قریب تھا حضرت علی کی یہ عادت تھی کہ عموماً غریبوں
مسافروں کو اپنے گھر لے جاتے ۔ اور ان کی پوری توقیر و تعظیم کرتے ۔
آپ نے ایک مسافر کو دیکھا کہ شام ہو گئی ہے ۔ لیکن وہ کسی کے انتظار
میں بیٹھا ہوا ہے ۔ اپنے ساتھ لیا اور آگے آگے خود ہو گئے ۔ حضرت
ابوذر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کچھ نہ بتایا ۔ رات پھر انھیں کے گھر رہے

لیکن انھیں کچھ نہ بتایا ۔ صبح رخصت ہو کر نکل پڑے ۔ اور حضور کی تلاش میں دن
بھر گھومتے رہے ۔ لیکن منزل نہ مل سکی وہ در یتیم جس کے وہ متلاشی تھے ۔ ابھی
آنکھوں سے اوجھل تھا ۔ شام ہو گئی آفتاب عالمتاب سرخ چادر میں اپنا
منہ چھپانا ہی چاہتا تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پھر اتفاق سے اسی راہ سے
گزرے ۔ اور ایک یکہ و تنہا مسافر کو دیکھ کر اپنے گھر لے گئے ۔ اور خوب خاطر
تواضع کی ۔ صبح ہوئی ۔ حضرت ابوذر رضی اجازت لے کر پھر تلاش محبوب کے لئے
نکل پڑے لیکن دن بھر کی راہ پیمائی کے بعد بھی محبوب نہ ملا ۔ شام ہوئی حضرت
علی رضی نے کہیں ان کو دیکھ لیا ۔ گھر لے گئے ۔ ان سے انھوں نے بہت زیادہ اصرار
کے ساتھ دریافت کیا کہ کیوں آئے ہیں اور کس کی تلاش ہے ۔ اعراض کرتے
رہے مگر کہاں تک چھپاتے ۔ آخر اخفائے راز کی شرط پر بتایا ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کا روئے مبارک مسرت کی وجہ سے چمک اٹھا ۔ دل باغ باغ ہو گیا ۔ آنکھوں
میں ایک عجب مسرت آمیز کیفیت پیدا ہوئی ۔ آپ ان کو نہایت ہی احتیاط
سے حضور کے دربار اقدس میں لے گئے ۔ مجلس ہو رہی تھی ۔ شمع رسالت
کے پروانے اردگرد منڈلا رہے تھے ۔ آفتاب رسالت اپنی ضیا پاشی سے
دلوں کی تاریکیوں کو دور کر رہا تھا حکیم روحانی قلوب کے مرض کی تشخیص کر کے
علاج کے لئے تجویزیں بتا رہا تھا ۔ ابوذر رضی جیوں ہی خدمت اقدس میں
حاضر ہوئے ان پر ایک روحانی کیفیت طاری ہو گئی ۔ ابھی حضور سے
چند ہی جملے وعظ و نصیحت کے سنے تھے ۔ کہ بے اختیار پکار اٹھے ۔
اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور پھر عرض کیا کہ
حضور مجھے اجازت دیجئے کہ میں اللہ کے مقدس گھر میں جا کر اپنے ایمان کا
اعلان کروں ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقتہً ارشاد فرمایا کہ تمہارے
لئے مناسب یہی ہے کہ چپکے سے اپنے قبیلہ میں جاؤ اور ان کو دعوت اسلام
دو ۔ یہاں اعلان کروگے تو تم کو کفار روکنے کی کوشش کریں گے ۔ تم کو مسلسل
مصیبتیں اٹھانی پڑیں گی ۔ اور تمہارا جینا دوبھر ہو جائیگا ۔ لیکن حضرت
ابوذر رضی باطل سے خوف کھانے والے کہاں تھے ۔ کلمہ توحید سویداء
قلب میں جگہ بنا چکا تھا ۔ کلمہ رسالت ان کے قلب و دماغ پر مکمل
قبضہ کر چکا تھا ۔ اسلام کی پاک تعلیم نے ان کے رگ و ریشہ میں ایک
گرمی پیدا کر دی تھی ۔ وہ بھلا حق کے اعلان سے خوف کھانے والے کہاں
تھے ۔ عرض کیا حضور میں کھلم کھلا اپنے پالنہار کی فرمانبرداری کا اعلان کرونگا ۔
مجھے مخالفین کے ظلم و ستم اس ارادے سے باز نہیں رکھ سکتے ۔ اتنا کہہ کر

کعبہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ وہاں کفار کا مجمع تھا۔ بڑے بڑے مشرکین مکہ اپنی اپنی مجلسیں جمائے ہوئے گپ بازیوں میں مصروف تھے۔ ان کی زبانیں [illegible] میں مشغول تھیں۔ استے میں ایک بجلی گری جس نے ان کے ہوش وحواس کو بالکل باختہ کر دیا۔ قبیلہ بنی غفار کا سردار اعلان کر رہا تھا کہ اللہ ایک ہے۔ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ ان بتوں میں کچھ بھی طاقت نہیں۔ کفار مکہ جوش وغضب سے بھر پور ہو کر حضرت ابوذر رضؓ پر ٹڈی دل کی طرح ٹوٹ پڑے۔ اور جسقدر ہو سکا زدوکوب کیا۔ یہاں تک کہ آپ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ لیکن ان ظالموں نے اس پر بھی نہ چھوڑا۔ حضرت عباس جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن حضور کے عم محترم ہونے کی وجہ سے یا فطرتاً سلیم الطبع ہونے کی وجہ سے مسلمانوں سے محبت رکھتے تھے۔ آگے بڑھے۔ اور بیچ میں کود پڑے اور فرمایا کہ یہ قبیلہ غفار کا سردار ہے جس کے راستہ سے ہمارے تجارتی قافلے گذرتے ہیں اگر کہیں یہ مر جائیگا تو پھر تمہارا اس راستہ سے گذرنا مشکل ہو جائیگا حضرت ابوذر رضؓ باوجود اتنے مار کھانے کے اسلام سے نہیں پھرے بلکہ اس پر اور زیادہ مستقل ہو گئے ان کو مخلوق اپنی اطاعت پر مجبور نہ کر سکی، دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا حضرت ابوذر لہولہان ہو گئے مرنے کے قریب پہنچ گئے حضرت عباس رضؓ کے پہنچنے سے آپ بال بال جان جانے سے بچ گئے لیکن باوجود اس کے آپ کی زبان مبارک صرف ایک ہی کلمہ کا تکرار کرتی رہی ایک ہی ورد زبان زد تھا" خدا ایک ہے۔ محمد اللہ کے رسول ہیں، خدا کے مقابلہ میں سب کی اطاعت ترک کر دینی چاہیئے" باوجودیکہ اتنی مصیبتیں اٹھائیں۔ جان پر بن آئی۔ لاتوں اور مکوں کے شکار رہے۔ لیکن غیر خدا کی اطاعت نہ کی۔ یہ کیوں؟ صرف اسی وجہ سے کہ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق پر مکمل ایمان رکھتے تھے۔ اور دل سے اس کو محبوب رکھتے تھے۔

غلامی منظور ہے:۔ حضرت خباب رضؓ ابن الارث مشہور صحابی ہیں انکے قریب جب حضرت علی کا گذر ہوا تو فرمایا کہ اللہ ان پر رحم فرمائے اپنی رغبت سے مسلمان ہوئے۔ خوشی سے ہجرت کی۔ جہاد میں دلیری سے لڑے۔ مصیبتیں برداشت کیں۔ مبارک ہے وہ شخص جو یوم قیامت و یوم حساب اور جہنم کو یاد رکھے۔ آپ ایک عورت کے غلام تھے۔ جو انتہائی ظالمہ تھی۔ اس کو جب آپ کے اسلام کی خبر ہوئی جل ہی تو گئی۔ زبان سے مغلظات نکالنا شروع کر دیا۔ لوہے کی سلاخوں کو گرم کیا۔ اور ان کو لٹا کر داغ دیا۔ اور یہی اسکا روز کا معمول تھا۔ تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیتی۔ طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتی۔

[illegible] بدن کی چربیاں پگھلنے لگیں۔ بالآخر کوئلوں کی آگ بھی اس سے بجھ جاتی لیکن آپ عزم کے پہاڑ بنے ہوئے تھے کہتی کہ تم اسلام کو چھوڑ دو۔ محمدؐ کے دین سے توبہ کرو۔ بتوں کو برا بھلا نہ کہو۔ اپنے آباء واجداد کے دین کی طرف لوٹ آؤ۔ خدا کو ایک نہ مانو تو میں تم کو آزاد کر دونگی۔ لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ ایسی آزادی کو میں لات مارتا ہوں۔ خدا کا غلام رہ کر ایسی ہزاروں غلامیاں پسند ہیں۔ مگر اس کی غلامی سے آزاد ہو کر کوئی آزادی پسند نہیں ہے۔ بالآخر اس پر قائم رہے۔ اور ہمیشہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اقدس لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق پر کاربند رہے۔ اگرچہ اس راہ میں ان کو بہم تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔

(باقی آئندہ)

بقیہ صفحہ ۱۳:۔ اس لئے آج بھی زندگی کی تمام صلاحیتوں کے ساتھ زندہ و پائندہ ہے۔ اور انشاءاللہ تعالیٰ رہے گی۔ مسلمان ہی نہیں بلکہ مصنف کے ہم مذہب عیسائی بھی، آج بھی اس زبان کے علم ودانش کے خزانوں میں اضافہ کرنا باعث فخر سمجھ رہے ہیں۔ بیروت کے "مکتبہ آباء الیسوعیین" (عیسائی پادریوں کا کتب خانہ) اور دوسرے مسیحی اشاعتی ادارے آج بھی عربی زبان کی لغات وقوامیس عربی، انگریزی، فرانسیسی، جرمنی اور دوسری یورپین زبانوں میں مرتب کر کے دنیائے علم میں مقام افتخار حاصل کر رہے ہیں۔ معترض اگر "الفرائد الدریہ" یا "المنجد" (جو عیسائی مصنفین کی مرتبہ ہیں) ہی اٹھا کر دیکھ لیتا تو اپنی اس شوخ چشمی پر خود اس کی نگاہیں جھک جاتیں۔

یہ بھی بالکل غلط ہے کہ کفار قریش نے مسلمانوں کو "مسلم" کا نام دیا۔ سیرۃ سے معمولی واقفیت رکھنے والے بھی جانتے ہیں کہ کفار قریش مسلمانوں کو چڑانے کے لئے ان کو "صابی" کہتے تھے۔ اور یہ لفظ انکی اصطلاح میں "مرتد" کے معنے میں تھا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ "مسلم" (خدا کا وفادار) کا نام پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے ساتھیوں کو، اور ان سے پہلے انکے پیش رو پیغمبروں اور ہر قوم کے خدا پرستوں کو بارگاہ خداوندی سے عطا ہوا۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ، اللہ نے تمہارا نام مسلم رکھا۔ (باقی آئندہ)

منتخبہ:- قاضی زین العابدینؒ

بارگاہِ نبوت میں غیر مسلموں کی نذرِ عقیدت

جناب لالہ دھرم پال گپتا وفا صاحب دہلوی

چھڑا کے بت پرستی سکھائی تھی وحدت — تیرے خیال کی ترویج عام ہو جائے
شراب نوشی کی بدعت کو اسطرح روکا — کہ اسکا پینا پلانا حرام ہو جائے
سکھایا اہل عرب کو برابری کا درس — کہ امتیاز کا قصہ تمام ہو جائے
سیاسیات سے مذہب ملا دیا تو نے — کہ دین و دنیا کا انتظام ہو جائے
عرب کو تو نے جہالت سے پاک کر ڈالا — تو کیوں نہ دلمیں ترا احترام ہو جائے
تیرے خیال میں یہ سخت نامناسب تھا — بشر کوئی بھی بشر کا غلام ہو جائے
رفاہ عام ہی تیرا تھا جبکہ نصب العین — لقب نہ کیوں ترا خیر الانام ہو جائے
وفا جہاں میں وہ عالی مقام ہوتا ہے — عطا جسے مے عرفاں کا جام ہو جائے

جناب لالہ چھنومل نافذ تلمیذ جناب بیخود دہلوی

اب حسین دل میں، نہ انکی یاد پہلو میں ہے — آجکل الجھا ہوا دل شاہ کے گیسو میں ہے
بحرِ احمدؐ میں ہوا ہوں اسقدر گریہ کناں — نوح کے طوفان کا عالم مرے آنسو میں ہے
پرسش روزِ جزا کی فکر پھر کیوں ہو ہمیں — بخشوانا جب ہمارا آپ کے قابو میں ہے
کعبۂ مسلم جدا ہے کعبۂ دل ہے جدا — سجدہ گاہ عاشقاں محراب ابرو میں ہے
اچھے اچھے اور بھی دیکھے ہیں گلشن دہر میں — گلشن بطحا مگر بس رنگ میں بو میں ہے
کیا مدینے کے چمن سے ہو کے آئی ہے ابھی — کس لئے یہ دلکشی قمری تری کو کو میں ہے
کس لئے ہو خوف تربت کی اندھیری کا مجھے — روئے زیبا کا تصور جب مرے پہلو میں ہے
الفت حضرت کا نافذ ایک ادنیٰ ہے یہ وصف — ہے کمال نعت گوئی اور بھی ہندو میں ہے

جناب لالہ چنڈی پرشاد صاحب شیدا

فطرت کی چادر دنیا کا منظر — یہ کوہ و صحرا یہ بحر و دریا
تیرے لئے ہیں تیرے لئے ہیں — اے پاک انساں، پیارے محمدؐ
اے پاک انساں پیارے محمدؐ

کیا کیا خزانے پیش نظر ہیں — نورانی کیسے شمس و قمر ہیں
راحت ہے دنیا شام و سحر ہیں — منظر خوشی کے فرحت کے گھر ہیں
اے پاک انساں، پیارے محمدؐ

اخلاق تیرا اشفاق تیرا — سب کو ہے یکساں سب اس پہ قرباں
بلبل غزل خواں طاؤس نالاں — داغ جگر سب باغ جگر ہیں
اے پاک انساں، پیارے محمدؐ

ارض و سما کے جلوے یہ سارے — عقد ثریا یہ چاند تارے
زیب نظر ہیں دنیا میں سارے — پیارے ہمارے آنکھوں کے تارے
اے پاک انساں، پیارے محمدؐ

جناب بخشی شوری لعل صاحب اختر امرتسری

دیکھی ہے کہیں صورت زیبائے محمدؐ — پھرتا ہے نظر میں قد رعنائے محمدؐ
قربان تصور کے پھرتی ہے شب و روز — آنکھوں میں مری صورت زیبائے محمدؐ
آنکھوں میں لگا لوں میں اسے سرمہ سمجھ کر — مل جائے اگر خاک کف پائے محمدؐ
ہیں کون و مکاں جلوۂ پرنور سے روشن — پھیلا ہوا ہر سو ہے تجلائے محمدؐ
پھر بھول کے لے نہ نام وہ حور جناں کا — دیکھے جو کوئی صورت زیبائے محمدؐ
روتا ہوں بہت سر گلستاں سے لپٹ کر — یاد آتا ہے جب وہ قد رعنائے محمدؐ
لے چل مجھے یثرب مجھے لے شوق مدینہ — دیکھوں میں عیاں حسن دل آرائے محمدؐ
کیوں نام محمدؐ نہ ہو ہر وقت زباں پر — ہے سر میں سمایا ہوا سودائے محمدؐ

کیوں کر نہ جہاں میں ہو میرا مرتبہ عالی
میں اختر ناچیز ہوں شیدائے محمدؐ

"نظر اپنی اپنی"

★ ——— "مدیر"

الحزب الاعظم:- سائز $\frac{20 \times 30}{16}$ صفحات ۱۶۰ - ہدیہ غیر مجلد دو روپے۔

انسان ضعیف البنیان قدم قدم پہ اپنے آقا و مولیٰ کے رحم و کرم اور اسکی امداد و اعانت کا محتاج ہے۔ اسلئے ہر انسان فطری طور پر اپنی حاجت روائی کے لئے بارگاہ خداوندی میں دست سوال دراز کرنے پر مجبور رہے۔ مگر خوش نصیب ہیں جو مانگنے کے آداب سے واقف ہیں اور انھوں نے دینے والے سے ہی مانگنے کا ڈھنگ بھی سیکھا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث میں بندوں کی اس ضرورت کا بھی کافی ووافی سامان موجود ہے۔ "الحزب الاعظم" ایک مقبول و متداول کتاب ہے جس میں قرآنی و حدیثی دعائیں جمع کر کے انہیں ہفتہ کے سات دنوں پر تقسیم کر دیا گیا ہے۔ تمام عالم اسلام میں علماء و صلحاء کے حلقوں میں یہ کتاب مروج ہے اور اسکے متعدد ایڈیشن، موری اور مترجم مختلف مقامات سے شائع ہو چکے ہیں۔

زیر نظر کتاب بھی الحزب الاعظم کا ایک نیا ایڈیشن ہے جو حال ہی میں دار العلوم یعقوبیہ کراچی سے ظاہری و باطنی محاسن سے آراستہ ہو کر شائع ہوا ہے۔ اس مجموعہ کی دو خصوصیتیں جاذب قلب و نظر ہیں:-

(۱) اصل عربی دعاؤں کی کتابت کی تصحیح کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ عربی زبان میں پیش کی جگہ زبر پڑھ دینے سے معانی بالکل الٹ جاتے ہیں۔ دعاؤں میں اسکی احتیاط کی بیحد ضرورت ہے۔ الحمد للہ یہ نسخہ اس سلسلہ میں ہر طرح قابل اعتماد ہے۔

(۲) دعاؤں کا اردو ترجمہ جامع علوم ظاہری و باطنی، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی کے قلم سے ہے۔ ترجمہ صحیح اور جامع ہونے کے علاوہ، بامحاورہ سلیس اور شگفتہ ہے۔ توضیح کے لئے جا بجا قوسین میں ضروری عبارتوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

ان خصوصیتوں کے علاوہ جو اسے دوسرے ایڈیشنوں سے ممتاز کرتی ہیں، لکھائی واضح اور روشن ہے۔ چھپائی نہایت صاف ہے اور کاغذ بھی چکنا سفید لگایا گیا ہے۔

یہ کتاب بھی حضرت الحاج خان بہادر وجیہ الدین صاحب زنا جر کراچی کے جذبۂ دینی کا مبارک ثمرہ ہے اور اسکی آمدنی دار العلوم یعقوبیہ کراچی کیلئے وقف کر دی گئی ہے۔ شائقین اس پتہ سے طلب فرمائیں:- جناب مولوی قاری الحاج محمد یعقوب صاحب۔ دار العلوم یعقوبیہ مسجد سٹی پوسٹ آفس کراچی سٹی۔

(نوٹ:- کوشش کی جائیگی کہ کچھ نسخے دفتر الحرم میں منگا کر رکھ لئے جائیں۔ دو روپے بارہ آنے بذریعہ منی آرڈر آنے پر رجسٹری سے بھیجی جاسکے گی)

الاحسان (دینی و اصلاحی ماہنامہ) مدیر مولانا عبد القدوس رومی:- صفحات ۳۲، سائز کتابی کلاں۔ چندہ سالانہ چار روپے۔ مجدد ملت، حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی رحمۃ اللہ کی ذات بابرکات "آیۃ من آیات اللہ" تھی۔ آپنے نصف صدی تک، درس و تدریس تصنیف و تالیف، افتاء و وعظ اور ارشاد و ہدایت کی وہ بارشیں برسائیں کہ مسلمانان ہند کے دلوں کی سوکھی ہوئی کھیتیاں لہلہا اٹھیں اور لاکھوں تشنہ کام رندیں مست بادۂ است ہو کر "غٹ غٹ" جھوم جھوم اٹھیں۔

یوں تو آپکے دریائے فضل و کمال کی ہر موج حیات بخش تھی مگر آپکے مواعظ نے تو بلاشبہ آب حیات کا کام کیا اور لاکھوں مردہ دلوں کے دلوں میں ایمانی زندگی کی لہریں دوڑا دیں۔ اسی طرح حضرت کے ملفوظات بھی، معارف کتاب و سنت کا گنجینہ اور رجال شریعت و طریقت کا آئینہ ہوتے تھے۔ حضرت کے مواعظ اور آپکے ملفوظات آپکی زندگی ہی میں محفوظ کر کے شائع کر دیئے گئے تھے۔

مگر، اب یہ گنج گراں مایہ امتداد زمانہ کے باعث نایاب ہوتا جا رہا تھا۔

ناظرین کو یہ معلوم ہو کر مسرت ہوگی کہ تقریباً دو سال سے، الہ آباد سے ایک ماہنامہ الاحسان کے نام سے اسی مقصد کے لئے نکل رہا ہے کہ حضرت کا یہ چشمہ فیض دوبارہ جاری ہو۔ اس ماہنامہ میں مجدد تھانوی کے مواعظ اور آپکے ملفوظات مسلسل شائع ہوتے ہیں۔ رسالہ کے سرپرست حضرت کے ایک خلیفہ اجل، عالم باعمل، حضرت مولانا شاہ محمد وصی اللہ صاحب فتحپوری ہیں۔ جناب موصوف بھی ایک قادر القلم لکھنے والے ہیں اور اپنے مرشد جلیل کے انداز پر اپنے قلم کے ذریعہ اصلاح امت کی اعلیٰ صلاحیت کے مالک ہیں۔ "الاحسان" میں آپکے مضامین بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ہم ناظرین الحرم سے اس دینی پرچہ سے مستفید ہونیکی بجہ

سفارش کرتے ہیں، اس پتہ سے طلب کریں:- منیجر ماہنامہ الاحسان، حسن منزل، الہ آباد ۳

حدیث کی چودہ کتابوں کا مکمل و نادر مجموعہ

جمع الفوائد (عربی)

یہ بے بہا، لاجواب اور نادر کتاب امام علامہ محمد بن اسماعیل رودانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مرتبہ ہے۔ امام موصوف نے کمال یہ کیا ہے کہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، موطا امام مالک، مسند امام احمد، دارمی، مسند ابویعلی، مسند ابوبکر اور طبرانی کی معجمات ثلثہ، کبیر و اوسط و صغیر کو بحذف اسناد و ترک مکررات یکجا کر دیا ہے۔ ہر حدیث کے شروع میں ابتدائی راوی کا نام اور آخر میں ان کتابوں کے نام لکھ دیئے ہیں جن میں یہ حدیث آئی ہے۔ نیز ہر حدیث کے درجہ قوت و ضعف کو بھی واضح کر دیا ہے۔ یوں اس کتاب میں نہ صرف صحاح ستہ کی احادیث کا پورا پورا ذخیرہ آگیا ہے بلکہ آٹھ اُن دوسری کتابوں کی بھی تمام حدیثیں آگئی ہیں جن میں سے بعض ابتک طبع ہی نہیں ہوئیں۔ میرٹھ کے مشہور فاضل مترجم قرآن کریم حضرت مولنا عاشق الٰہی رحمہ اللہ تعالیٰ کو اس نایاب کتاب کا قلمی نسخہ ملک شام میں ہاتھ آگیا تھا۔ حضرت موصوف نے اب سے تیس سال قبل اسے تصحیح فرما کر طبع کیا تھا۔ یہ مجموعہ احادیث کا گنج گراں مایہ اسی زمانہ میں ہاتھوں ہاتھ لٹ گیا۔ حضرت حکیم الامۃ تھانوی نے حدیث کی تمام کتابیں تقسیم فرمادی تھیں اور صرف اسے مطالعہ کے لئے کافی سمجھا تھا (درر الفرائد اسی کے ایک حصہ کا ترجمہ ہے) اب یہ گوہر بے بہا برسوں سے نایاب ہے۔ حسن اتفاق سے اس کے دو نسخے ہمیں مل گئے ہیں۔ پوری کتاب بڑی تقطیع کے چھ سو چھیالیس صفحات پر باریک مصری ٹائپ میں نہایت صاف چھپی ہوئی ہے۔ کاغذ سفید اور مضبوط ہے۔ جلد چرمی ہے۔ علماء اور طلباء عربی کے لئے صرف یہ ایک کتاب حدیث کے پورے کتب خانہ کی قائم مقام ہے۔ شائقین جلد طلب فرمائیں۔ ہدیہ پچھتر روپے (تاجران کتب کو کمیشن پیش نہیں کیا جا سکتا)۔

کلام عربی — بغیر استاد کے عربی سکھانیوالی کتاب

یہ کتاب ایسے انقلاب انگیز تعلیمی اصولوں پر لکھی گئی ہے کہ آپ بغیر استاد کی مدد کے صرف چند گھنٹے روزانہ اسکا مطالعہ کر کے چند ہفتوں میں قرآن و حدیث کو سمجھنے اور عربی میں گفتگو اور خط و کتابت کرنیکی قابلیت حاصل کر سکتے ہیں۔ قواعد، ادب، ترجمہ و انشاء کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ ایک ہی لڑی میں پرو دیا گیا ہے۔ مشاہیر علماء و فضلا نے اُسے آسان طریقوں پر عربی سکھانیوالی کتابوں میں بہترین قرار دیا ہے۔ عازمین حج کے لئے بہترین رفیق ہے۔ طباعت و کاغذ اعلیٰ ہر دو حصہ صفحات ۲۷۲ قیمت دو روپے چار آنے (۲/۴) (پتہ انگریزی میں بھی لکھیں)

ایک تازہ خط: — ملتان ۴ر جنوری ۱۹۵۹ء۔ بخدمت اقدس جناب قاضی صاحب۔ السلام علیکم مزاج شریف۔ کلام عربی کے دونوں حصے کوئٹہ ایجنسی سے منگوائے ہیں سلیس عبارت میں لکھی ہوئی ہے اور بہترین کتاب ہے مجھے واقعی ایسی کتاب کی تلاش تھی شکریہ۔

محمد عبد الکریم۔ ملتان

مکتبہ علمیہ قاضی منزل۔ قاضی واڑہ میرٹھ

قرآن و حدیث کو سمجھ کر پڑھنے کیلئے تین کتابیں

تالیف:- مولانا قاضی زین العابدین سجاد ناظم دائرۃ المصنفین میرٹھ

قاموس القرآن

مکمل و مدلل قرآنی ڈکشنری

لغات القرآن کے موضوع پر پہلی مستند و مکمل کتاب جس نے اردو زبان کے اہم خلا کو پر کر دیا ہے۔ اس میں الحمد سے والناس تک بترتیب حروف تہجی تمام الفاظ قرآنی کے معانی اور ان کی مکمل صرفی و نحوی تشریح درج کی گئی ہے نیز تمام اہم الفاظ پر سلف صالحین کی مستند تفاسیر اور متاخرین محققین کی معتبر تشریحات کی روشنی میں سادہ و شیریں زبان میں جامع و مدلل نوٹ لکھے گئے ہیں۔ جو گلہائے مضامین و معانی تفسیر و حدیث و فقہ و کلام و تاریخ و لغت کی قدیم و جدید کتابوں کے ہزار ہا صفحات میں بکھرے ہوئے تھے اس کتاب میں انکا عطر کشید کر لیا گیا ہے۔ بلا مبالغہ یہ کتاب علوم قرآنیہ و معارف فرقانیہ کی مختصر انسائیکلوپیڈیا ہے۔ جس سے طلبہ، مدرسین، مبلغین، مقررین، مصنفین اور عام شائقین قرآن کریم سب ہی کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں طباعت و کاغذ اعلیٰ صفحات آٹھ سو۔ قیمت مجلد آٹھ روپے

بیان اللسان

مکمل عربی اردو ڈکشنری

یہ لغت علمی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اپنی بے نظیر خوبیوں کی بنا پر چند ہی سال میں کئی بار طبع ہو چکی ہے چند خصوصیات یہ ہیں:- (۱) تیس ہزار قدیم و جدید عربی لغات و محاورات کا جامع ذخیرہ (۲) قرآن کریم کے تمام لغات و اصطلاحات کا مجموعہ (۳) مصر و شام و حجاز میں مستعمل جدید الفاظ کی تشریح (۴) ہر لفظ کی اپنی اصل صورت میں انگریزی ڈکشنریوں کے طرز پر ترتیب (۵) ہر عربی لفظ با اعراب (۶) ہر لفظ کی صرفی و نحوی توضیح (۷) شروع میں قواعد عربی پر مشتمل ایک جامع رسالہ (۸) اور حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کے قلم سے محققانہ مقدمہ۔ الغرض یہ لغت قاموس۔ المنجد۔ منتہی الارب۔ صراح وغیرہ ضخیم لغات سے مستغنی کر دیتی ہے۔ تازہ ایڈیشن۔ طباعت و کاغذ اعلیٰ صفحات نو سو (۹۰۰) قیمت مجلد پارچہ نو روپے۔ چرمی دس روپے

کلامِ عربی:- یہ کتاب ایسے انقلاب انگیز تعلیمی اصول پر لکھی گئی ہے کہ بغیر استاد کی مدد کے صرف اس کتاب کا مطالعہ کرکے بقدر ضرورت عربی پڑھنے اور بولنے کی قابلیت حاصل ہو سکتی ہے۔ قواعد ادب، ترجمہ و انشاء کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ ایک ہی لڑی میں پرو دیا گیا ہے۔ مشاہیر علماء و فضلاء نے اسے آسان طریقہ پر عربی سکھانے والی کتابوں میں بہترین قرار دیا ہے طباعت و کاغذ عمدہ قیمت دو روپے چار آنے۔ پتہ انگریزی میں بھی لکھیں اور فہرست کتب طلب فرمائیں

ملنے کا پتہ: مکتبہ علمیہ دائرۃ المصنفین قاضی واڑہ میرٹھ

مجلّہ

MAY 1957

مرتبہ
قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

Annual Rs. 3/-

25 N

قیمت

عام	[illegible] روپے
ممالک غیر سے	پانچ روپے
اعزازی	دس روپے
فی پرچہ	چار آنے

بسمہ تعالےٰ اسمائہ

نقوشِ اوّلین

★ ناشرین "ریلیجس لیڈرس" کا عذرِ گناہ!

رسوائے عالم کتاب "ریلیجس لیڈرس" کے متعلق اس کے امریکی ناشرین کی طرف سے بعض اخبارات میں ایک معذرت نامہ شائع ہوا ہے۔ اس معذرت نامہ میں کہا گیا ہے کہ "ہمارا تو ہمیشہ سے یہ اعتقاد رہا ہے کہ نبی محترم کی تعلیمات دُنیا میں جمہوریت کی ایک بنیادی مظہر ہیں۔ نیز یہ کہ بانی ریاست امریکہ ابراہام لنکن کے فلسفہ کا اصل منبع مذہب اسلام ہی کے اصول ہیں۔ اس امر کے باوجود کہ کتاب کو لکھے ہوئے پندرہ سال ہو چکے ہیں اور اس واقعہ کے باوجود کہ کتاب ایسے ایڈیٹر کی زیر ہدایت تحریر ہوئی تھی جس کا مقصد مغربی رنگ کی پبلک کے سامنے سوانح عمری (سیرت طیبہ) کو ایک رنگین اور دلپسند انداز میں پیش کرنا تھا یہ امر ہرگز ہمارے خیال میں نہ تھا کہ ہم ادنیٰ سی بے وقعتی نبی محترم کی اعلیٰ حکیمانہ عظمت کی کریں اور اسی لیے ہم کو انتہائی رنج ہے کہ ہم سے کسی کو شکایات کا موقع ملا"

ریلیجس لیڈرس اپنی نوعیت کی پہلی کتاب نہ تھی اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ آخری کتاب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تیرہ سو سال سے نہ صرف صلیبی معرکوں کے میدانوں میں بلکہ علم و تہذیب کی مجلسوں میں، اسلام نے عیسائیت کو جو پے در پے شکستیں دیں اس سے متعصب عیسائی تلملا اُٹھے اور انھوں نے آفتاب اسلام کی روشنی سے یوروپ کو محروم کرنے کے لیے، کذب بیانی اور دشنام طرازی کی چادریں تاننا شروع کر دیں۔ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ "عیسائی دنیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسقدر بدظن ہو جائے کہ پھر وہ آپکی تعلیمات کی نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کرے۔

گزشتہ دو صدیوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ پر جو کتابیں یوروپ و امریکہ میں شائع ہوئیں ان میں سے اکثر اسی مقصد کے ساتھ لکھی گئیں۔ اور اب بھی اسی مقصد کے لئے لکھی جاتی ہیں۔ پروپیگنڈے کے ترقی یافتہ اصول کے مطابق، اپنی حق پسندی اور صداقت شعاری کا سکہ جمانے کے لئے، دشمن کی کچھ خوبیوں کا بھی اعتراف کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ مگر جسطرح ایک ہوشیار کیمسٹ اور وہ بھی یوروپ اور امریکہ کا، کڑوی گولیوں کو نگلنے کے لئے ان پر قند کی ایک تہ چڑھا دیتا ہے، اسی طرح ان کتابوں میں بھی دروغ بافی اور بہتان طرازی کی سیاہی میں اعتراف حق کی ایک ہلکی سی جھلک دکھائی جاتی ہے۔ "ریلیجس لیڈرس" کے متعلق جہاں تک ہماری معلومات ہیں، ہمارا خیال ہے کہ یہ اسی قسم کی ایک کوشش ہے۔

تاہم ایک اور حقیقت بھی قابل توجہ ہے۔ ایک پبلشر اور وہ بھی امریکہ جیسے تجارتی ملک کا پبلشر سب سے پہلے وہ یہ سوچتا ہے کہ کسطرح اس کی کتاب عوام میں قبول عام حاصل کرے۔ ہندوستان اور پاکستان میں بھی سنجیدہ، محققانہ علمی و ادبی کتابیں اور رسالے ردی میں تلتے دیکھے جاتے ہیں اور ہیجان انگیز اور فحش، افسانوی فلمی اور جنسی لٹریچر ہر اسٹال اور ہر میز کی زینت نظر آتا ہے۔

لہٰذا ہو سکتا ہے کہ امریکہ اور یوروپ کی رنگین دنیا میں مقبول بنانے کے لئے انسانیت و اخلاق کے خون سے "ریلیجس لیڈرس" کو رنگین بنانے کی کوشش کی گئی ہو۔ جیسا کہ ناشرین نے اپنی معذرت میں اس طرف اشارہ بھی کیا ہے۔

بہر حال اس کتاب کا مسئلہ تو اب ختم ہو جانا چاہیئے، تاہم آئندہ اس قسم کی حرکات کو ناممکن ورنہ کم از کم ان کے نتائج کو بے اثر بنانے کے لئے غلامان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تعمیری کوششیں جاری رکھنی چاہیئیں۔

معارف القرآن ★ —— قاضی زین العابدین سجاد

فرقہ بندی قرآن کی نظر میں

وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ لَیْسَتِ النَّصَارٰی عَلٰی شَیْءٍ وَّقَالَتِ النَّصَارٰی
ـسَتِ الْیَھُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ وَّھُمْ یَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ ؕ کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ
ـلَ قَوْلِھِمْ ۚ فَاللّٰہُ یَحْکُمُ بَیْنَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ ○
ـنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِھَا
ـلٰٓئِکَ مَا کَانَ لَھُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْھَا اِلَّا خَآئِفِیْنَ ○
لَھُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَھُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○ (البقرہ ۱۱۴)

ـجمہ: اور یہود تو کہتے ہیں کہ نصاریٰ نہیں کسی راہ پر اور نصاریٰ کہتے ـں کہ یہود نہیں کسی راہ پر باوجودیکہ وہ سب پڑھتے ہیں کتاب۔ اسی طرح ـا ان لوگوں نے جو جاہل ہیں ان ہی کی سی بات۔ اب اللہ حکم کرے گا ان میں ـامت کے دن جس بات میں جھگڑتے تھے۔ اور اس سے بڑا ظالم کون ـن نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ لیا جائے وہاں نام اسکا اور کوشش ـ ان کے اجاڑنے میں۔ ایسوں کو لائق نہیں کہ داخل ہوں ان میں مگر ـرتے ہوئے۔ ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت ـں بڑا عذاب ہے (ترجمہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ)

ـفسیر: "مسیحیت" اور "یہودیت" اپنے اپنے زمانوں میں دونوں ہی ـذہب حق تھے، دونوں کے پاس اللہ کے مقدس پیغمبر اس کے احکام ـلے کر آئے تھے، دونوں ہی کو خدا پرستی اور نیک عملی کی راہیں بتائی گئی ـتھیں مگر نزول قرآن کریم کے وقت ان دونوں آسمانی مذاہب کے ـانے والوں کی حالت عجیب تھی۔ دونوں نے مذہب کی بنیادی تعلیمات ـکو چھوڑ رکھا تھا، جزوی اور فروعی اختلافات میں مصروف ہوگئے تھے ـاور ہدایت و نجات کو ہر ایک نے اپنے گروہ اور اپنے طبقہ کے ساتھ ـمخصوص کر لیا تھا۔

ـقرآن کریم نے ان دونوں گروہوں کے طرز عمل کو غلط قرار دیا، ـچنانچہ فرمایا یہودی کہتے ہیں کہ نصرانیوں کا مذہب لاشی اور بے حقیقت ہے

اور نصرانی کہتے ہیں کہ یہودیوں کا مذہب ناقابل اعتبار اور بے بنیاد ہے۔ قَالَتِ الْیَھُوْدُ لَیْسَتِ النَّصَارٰی عَلٰی شَیْءٍ وَّقَالَتِ النَّصَارٰی لَیْسَتِ الْیَھُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ شئی لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جو موجود و متحقق ہو۔ چنانچہ "لاشی" کہنے سے ان کا مطلب یہ تھا کہ فریق مخالف کا مذہب و مسلک محض اوہام باطلہ اور اختراعات خیالیہ پر مبنی ہے۔ اس کی کوئی اصل و بنیاد نہیں ہے۔

پھر فرمایا گیا، وَھُمْ یَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ حالانکہ یہ دونوں گروہ اہل کتاب ہیں اور اپنی اپنی آسمانی کتابوں کو پڑھتے ہیں۔ دونوں کی کتابوں کی بنیادی تعلیمات مشترک ہیں دونوں توحید، رسالت عقیدۂ آخرت جزاء و سزا وغیرہ اصولی باتوں میں متفق ہیں۔ دونوں میں، انکار حق، کتمان حقیقت، ناانصافی، حق پوشی اور جدال بالباطل کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ یہودیوں کی توریت میں صاف الفاظ میں مسیح علیہ السلام کی آمد کی بشارت دی گئی ہے اور وہ تمام علامات بیان کر دی گئی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہر طرح صادق آتی ہیں اسی طرح عیسائیوں کی انجیل میں بزبان مسیح کہا گیا ہے کہ "وہ ناموس موسیٰ کی تکمیل کے لئے آئے ہیں، اس کو توڑنے کے لئے نہیں" ان حالات میں ضروری تھا کہ یہودی اپنی کتاب کی بشارت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر برحق تسلیم کرتے اور عیسائیوں کے لئے لازم تھا کہ وہ توریت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے اور اسے اپنے مذہب کی اصل اور بنیاد سمجھتے۔

مگر ہوا یہ کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے مذہب کی حقانیت کا منکر بن گیا، ہر ایک نے دوسرے کو باطل پسند اور اوہام پرست قرار دیا۔

ارشاد فرمایا گیا کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِھِمْ، ان دونوں گروہوں کی تعصب کی یہ روش اور دوسروں کی سچی باتوں کو جھٹلانے کا یہ ڈھنگ تو بالکل جاہلوں کا سا ہے۔ کہ جاہل لوگ ہمیشہ اپنی ہر غلط سے غلط بات کو خواہ انہیں کتنا ہی سمجھایا جائے صحیح سمجھتے ہیں اور دوسروں کی صحیح بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ چنانچہ مشرکین قریش بھی جو محض ان پڑھ تھے

طائف الحدیث

قاضی زین العابدین سجاد

احادیث قدسیہ

مرض کی شکائت، اللہ اور بندوں کے حقوق

(۲۴) اِذَا اشْتَکٰی عَبْدِیْ فَاَظْهَرَ الْمَرَضَ مِنْ قَبْلِ ثَلَاثٍ فَقَدْ شَکَانِیْ۔
رواہ الطبرانی فی الاوسط ۔ (فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ نے) جب میرا
[illegible] کوئی بندہ بیمار پڑا اور اس نے تین دن گزرنے سے پہلے، دوسروں سے
[illegible] بیماری کا اظہار کیا تو اس نے میری شکائت کی۔ روایت کیا اسے طبرانی
نے اوسط میں۔

مومن کی بیماری بھی اس کے لئے اللہ کی رحمت کا سامان رکھتی ہے،
حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماری سے آدمی کے گناہ دھل جاتے ہیں حضور صلی اللہ
علیہ وسلم جب کسی بیمار کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تو فرمایا کرتے
تھے لَا بَاْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللہ کوئی پریشانی کی بات نہیں انشاء اللہ
اس سے گناہ دھل جائیں گے، لیکن یہ اجر اسی صورت میں ہے جب مریض
صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے نہ دے۔ اگر بے صبری اور جزع و فزع کا اظہار کرے
تو یہ ثواب حاصل نہ ہوگا۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ
ایک گنوار کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے اور آپ نے اس سے
حسب عادت وہی کلمات فرمائے تو اس نے جواب دیا کَلَّا بَلْ حُمّٰی تَفُوْرُ
عَلٰی شَیْخٍ کَبِیْرٍ تُزِیْرُهُ الْقُبُوْرَ نہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ تو بخار ہے جس نے
ایک بوڑھے کو کھولا رکھا ہے اسے قبر میں ہی پہنچا کر رہے گا اس پر
غصہ سے فرمایا فَنَعَمْ اِذًا تو یہی سہی۔ یعنی جب تو اللہ تعالےٰ کی رحمت کا منکر
ہے اور اس کی ناشکری کر رہا ہے تو اجر و ثواب سے محروم ہی رہیگا اور جو تو
کہہ رہا ہے دنیا میں تجھ کو وہی تیرے پلے پڑے گا (مرقاۃ علی المشکوٰۃ)
جزع و فزع کسی حال میں بھی درست نہیں۔ البتہ جب مرض بڑھ
جائے اور بیماری کی [illegible] ہو تو مناسب الفاظ میں آنے جانے والوں سے اسکا
[illegible] بیماری ہی [illegible] بھی درست نہیں بلکہ آخرت کے
[illegible] بیماری کا [illegible] حاصل ہو [illegible]

اور ذرا سی دنیا کی تکلیف کی شکائت کرنے لگتا ہے۔

تین دن کی میعاد تک جو بیماری رہے اسے مرض کثیر کہا جا سکتا ہے جس طرح
تین دن کے سفر کی مقدار معتد بہ مقدار سمجھی گئی ہے اور اس میں نماز کے قصر اور
روزہ کی قضا کی اجازت دی گئی ہے اسی طرح بیماری کی یہ مقدار بھی اس قابل سمجھی
گئی ہے کہ مریض اپنی طبعی کمزوری کی وجہ سے اپنی تکلیف کا اظہار کر سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس اللہ کی نعمتیں انسان کے ہر ہر سانس میں سمائی ہوئی
ہوں، اگر وہ کبھی کچھ مدت کے لئے اسے کسی تکلیف میں مبتلا کر دے تو یہ بات
بڑی ناشکری کی ہے کہ انسان ان نعمتوں کو بھول جائے اور اس مصیبت کے
ذکر کا دفتر کھول بیٹھے خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ وہ اپنے خزانہ کرم سے اس
تکلیف کا اسے گراں بہا معاوضہ بھی دے رہا ہے۔

یہ واضح رہے کہ دوا یا دعا کے لئے مرض کے اظہار میں حرج نہیں۔
اسی طرح تیمار داروں سے مدد لینے کے لئے اس کے بیان میں کوئی مضائقہ
نہیں۔ مگر ناشکری کا پہلو کسی حال میں نہ ہونا چاہئے۔

(۲۵) اَرْبَعُ خِصَالٍ وَاحِدَةٌ فِیْمَا بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ، وَوَاحِدَةٌ فِیْمَا بَیْنَکَ
وَبَیْنَ عِبَادِیْ، وَوَاحِدَةٌ لِیْ، وَوَاحِدَةٌ لَکَ، فَاَمَّا الَّتِیْ لِیْ فَتَعْبُدُنِیْ لَا تُشْرِکُ
بِیْ شَیْئًا، وَاَمَّا الَّتِیْ لَکَ فَمَا عَمِلْتَ مِنْ خَیْرٍ جَزَیْتُکَ بِهٖ، وَاَمَّا الَّتِیْ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ
فَمِنْکَ الدُّعَاءُ وَعَلَیَّ الْاِجَابَةُ وَاَمَّا الَّتِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَ عِبَادِیْ تَرْضٰی لَهُمْ مَا
...... تَرْضٰی لِنَفْسِکَ رواہ ابو نعیم عن انس۔

(فرمایا مولائے کریم عزّ اسمہ نے) چار خصلتیں ہیں، (اے بندے) ایک وہ ہے
جس کا تعلق مجھ سے اور تجھ سے ہے اور ایک وہ ہے جس کا تعلق مجھ سے اور تجھ سے
ہے اور ایک وہ ہے جس کا تعلق تجھ سے اور میرے بندوں سے ہے اور
ایک میرے لئے ہے اور ایک تیرے لئے جو خصلت میرے لئے ہے وہ
یہ ہے کہ تو صرف میری عبادت کرے میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرے

ہ جو تیرے لئے ہے وہ یہ ہے کہ تو جو نیک عمل کرے میں اسکا بدلہ دوں،
رجسکا تعلق مجھ سے اور تجھ سے دونوں کا ہے تو وہ یہ ہے کہ تو دعا مانگے
رمیں اسے قبول کروں اور جس کا تعلق تجھ سے اور میرے بندوں سے ہے
ہ یہ ہے کہ تو ان کے لئے وہ بات پسند کرے جو اپنی ذات کے لئے پسند
ا ہے۔

اس جامع حدیث میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان حقوق کا بیان فرمایا ہے
لہ تعالیٰ کے بندہ پر، بندہ کے اللہ تعالیٰ پر اور اللہ کے بندوں کے ایک
سرے پر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بندہ کا اللہ پر کوئی حق نہیں ایک غلام یا
م کا اپنے آقا پر کیا حق ہو سکتا ہے۔ یہ اسکا محض کرم ہے کہ اس نے خود اپنے
پر اپنے بندہ ناچیز کا حق لازم فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حق بندہ پر یہ ہے کہ صرف اس کی عبادت کی جائے اور
کے ساتھ کسی اور کو کسی حیثیت سے شریک نہ کیا جائے۔

عبادت کے معنی لغت میں "انتہائی عاجزی اور ذلت کے اظہار"
ہیں۔ انتہائی عاجزی اور ذلت کا اظہار اسی ذات اعلیٰ و اقدس کے
ہونا چاہیئے، جسکا انعام و احسان سب سے زیادہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ ذات
ی ذات ستودہ صفات ہے جس نے انسان کو وجود، حیات، حواس، عقل اور
ات غرض سب کچھ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ سجدہ جو امتیازی نشان عبادت ہے
للہ کے لئے حرام کیا گیا۔ سجدہ کو نشان عبادت اس لئے تجویز کیا گیا کہ انسان
رف المخلوقات ہے اور سر اشرف الاعضاء اور زمین سب سے زیادہ ذلیل
ہے کہ ہر وقت انسان و حیوان کے قدموں تلے روندی جاتی ہے تو اشرف المخلوقات
ب اپنے بہترین حصہ جسم کو ذلیل ترین چیز پر ٹیک دے تو اس سے زیادہ
ظہار عجز و ذلت کی اور کیا صورت ہو سکتی ہے (بیضاوی)

عبادت اپنے شرعی مفہوم کے لحاظ سے بہت وسیع ہے۔ ایک
یر و ذلیل غلام کا ایک شہنشاہ عالی مقام سے جو برتاؤ ہو سکتا ہے اس پر عبادت
قیاس کرنا چاہیئے۔ عبادت صرف یہی نہیں کہ نماز روزہ اور حج و زکوٰۃ
غیرہ کی ادائیگی کر لی جائے بلکہ عبادت یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں خداوند
ن و علیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کیا جائے اور اس کے احکام کی بلا چون و چرا
تعمیل کی جائے۔

لٰلہ تعالیٰ کا اپنے بندہ پر حق ایسی ہی عبادت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بطور انعام و اکرام اپنے ذمہ یہ
حق لیا ہے کہ بندہ عبادت کے حقوق ادا کر کے [illegible]
تو وہ اسکا اجر اسے ضرور عطا فرمائے گا۔ یہ اجر دس گنا سے سو گنا
اس سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے۔ اس کی تفصیل حدیث دعا کی تشریح میں گزر
چکی ہے۔ وہ حق جسکا تعلق ایک طرف بندہ سے ہے اور دوسری طرف اللہ سے
یہ ہے کہ بندہ اپنے مولا کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور اس سے دعا مانگے
اور اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائے۔

دعا کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی عاجزی اور درماندگی اور اپنے مولائے
کریم کی عظمت و رحمت کے پورے احساس کے ساتھ اس کے سامنے نہ
صرف ہاتھ پھیلائے بلکہ اپنے دل کو بھی جھکا دے۔ ایسی دعا انشاء اللہ تعالیٰ
مستجاب ہوگی۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ یہ دعا کسی خلاف شرع بات کے لئے نہ ہو کیونکہ
ایسی بات کے لئے دعا مانگنا دعا اور عبادت نہیں بلکہ گستاخی اور بے ادبی ہے۔

پھر قبول دعا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس بات کی درخواست کی گئی ہے
وہ پوری ہی ہو جائے۔ بندہ کبھی ایک چیز کو بھلائی سمجھ کر طلب کرتا ہے مگر
وہ حقیقت میں مضرت اور برائی ہوتی ہے۔ بندہ نادان کی حالت اس بچہ
کی سی ہوتی ہے جو بیماری کی حالت میں کھانے کے لئے مٹھائی طلب کرتا ہے۔
جب اسے اس کے ماں باپ مٹھائی نہیں دیتے تو وہ رونے لگتا ہے اور سمجھتا
ہے کہ اس کے والدین نے اس کی درخواست کو رد کر کے اس پر ظلم کیا۔
حالانکہ فی الحقیقت یہ ظلم نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ رحم و کرم ہوتا ہے۔
اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ بعض اوقات اپنے دعا کرنے والے بندہ
کی کسی دعا کو قبول نہیں فرماتے کیونکہ ان کے علم محیط میں اس کے لئے اس
دعا کا قبول کرنا مفید نہیں ہوتا۔ اس پر بھی اس کی یہ دعا رائیگاں نہیں
جاتی۔ حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی مسلم
ایسا نہیں جو کوئی دعا مانگے جس میں گناہ اور قطع رحم نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ اس
دعا کے سبب اس کو تین چیزوں میں سے ایک ضرور دیتا ہے۔ یا تو فی الحال
مانگی ہوئی چیز دے دیتا ہے، یا اس کو آخرت کے لئے ذخیرہ کر دیتا ہے
یا کوئی ایسی ہی برائی اس سے دور فرما دیتا ہے (رواہ احمد)

وہ حق جو اللہ کے ایک بندہ پر اس کے دوسرے بندوں کا ہے یہ ہے
کہ جو بات اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی دوسروں کے لئے پسند کرے
جب اپنے آپ دکھ میں مبتلا ہو تو دوسروں کی مصیبت کا احساس کرے
جب اپنے آپ [illegible] دوسروں کی [illegible]

ہر لمحہ ... کا دھیان رکھتا ہے مخلوق خدا کی بھلائی اور نفع رسانی ... ہو۔

... کی ایک اور حدیث ہے جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس بن مالکؓ نے روایت کیا ہے کہ فرمایا حضور نے "تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے بھی بات پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے" یعنی ایمان کی تکمیل کے لئے اس وصف کا ہونا ضروری ہے جب تک ایک مسلمان میں یہ وصف نہ ہوگا اسکا ایمان ناقص رہیگا۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ یہاں اخوت دینی مراد نہیں بلکہ اخوت انسانی مراد ہے۔ چنانچہ حدیث زیر تشریح میں "عبادی" فرماکر یہ بات صاف کردی گئی ہے۔ لہٰذا ان حدیثوں کی روشنی میں ایک مومن کی شان یہ ہونی چاہیئے کہ وہ کائنات انسانی کی بھلائی کی فکر میں لگا رہے اور مخلوق خدا کی سود بہبود کا خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر اسی طرح خیال رکھے جسطرح اپنی سود بہبود کا خیال رکھتا ہے۔ البتہ چونکہ ایک مومن کیلئے عزیز ترین دولت آخرت کی سعادت ہے اور محبوب ترین چیز دولت ایمان ہے اس لئے اس کی یہ کوشش بالکل طبعی ہوگی کہ اسکے غیر مسلم بھائی بھی اس دولت سے محروم نہ رہیں جو سب سے بڑی دولت ہے (النووی علی المسلم)

بقیہ صفحہ ۴۴:— دوسرے گروہ کے ساتھ وہی کچھ کر رہا ہے جو زمانہ نزول قرآن میں یہودی اور نصرانی ایک دوسرے کے ساتھ کر رہے تھے۔ کسقدر سچ فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان بالشت بہ بالشت اور گز بہ گز یہود و نصاریٰ کے ڈھنگ اختیار کریں گے، یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گھسے ہوں گے تو یہ بھی گھسیں گے"!

ہر فرقہ دوسرے فرقہ کے متعلق، تقریروں میں، تحریروں میں اخباروں میں رسالوں میں اعلان کر رہا ہے کہ صرف وہی فرقہ ناجیہ ہے، دوسرا "لیس علیٰ شیٔ" ہے۔ اسکا مسلک کتاب وسنت کے مطابق ہے دوسرے کا اوہام وخرافات پر مبنی۔ ایک دوسرے سے مسجدوں میں دست وگریباں ہے، عدالتوں میں برسر پیکار ہے، اپنی مسجدوں میں دوسروں کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا اور دوسروں کی مسجدوں میں تالے ڈلوانے سے نہیں چوکتا۔ پھر ان حرکات میں غیر مسلم عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے اور انہیں اپنے مذہبی اختلافات میں حکم بناکر ان کے فیصلے کے آگے سر جھکایا جاتا ہے۔

کیا ان حالات میں محض اس لئے کہ ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں خداوند قدوس کے ازلی وابدی قانون کی گرفت سے بچ سکتے ہیں۔ کیا زہر کی بوتل پر شہد کا لیبل لگا دینے سے وہ شہد کی تاثیر پیدا کر سکتا ہے ہرگز نہیں!

غیر مسلم عدالتوں میں اپنے مذہبی اختلافات کے مقدمے لے جانے اور ان کے سامنے اپنا جماعتی بھرم کھونے کی بے عزتی ہی، ایک باحمیت مسلمان کے لئے ڈوب مرنے کی بات ہے مگر یاد رکھئے کہ قیامت کے دن احکم الحاکمین کے دربار میں جب نام نہاد علماء اسلام سے سوال ہوگا کہ تم نے اپنے حلوے مانڈے کے طباقوں کو محفوظ رکھنے کے لئے کیوں ناموس اسلام کو مجمع عام میں چکنا چور کیا اور جاہل مسلمانوں میں اپنی مشیخت اور پروہتی کا وقار باقی رکھنے کے لئے کیوں اسلام کی عزت کو سر بازار برباد کیا، تو یہ رسوائی بڑی رسوائی ہوگی اور یہ عذاب عذاب عظیم ہوگا! لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ،

حکمت گہ بطحیٰ میں اُمی لقبی آیا
نعت شریف
فاران کی چوٹی پر اُمی لقبیؐ آیا — توحید کو پھیلانے مکی مدنیؐ آیا
اک دم میں مٹا ڈالی سب کفر کی تاریکی — بن کر شبِ یلدا میں نورِ سحری آیا
جاتا رہا دردِ دل، تسکین ہوئی حاصل — جو در پہ ترے بہرِ درماں طلبی آیا
صدقے تری رحمت کے سیراب کیا مجھ کو — جب میں ترے کوثر پر با تشنہ لبی آیا
عالم کو سبق دینے تہذیب و تمدن کا — حکمت گہ بطحیٰ میں اُمی لقبی آیا
انوارِ یقین چمکے بام و درِ کعبہ پر — جب اوجِ رسالت پر مہرِ عربی آیا
جذباتِ فریدی میں اک وجد ہوا پیدا
جب چشمِ تصور میں دربارِ نبیؐ آیا
شاعر الحرم مولانا مفتی نسیم احمد فریدی

شانِ ختم المرسلین

اسی سے شانِ ختم المرسلین معلوم ہوتی ہے
کرم کے فیض سے دنیا بھی دیں معلوم ہوتی ہے

کسوٹی بارگاہِ شاہِ دیں معلوم ہوتی ہے
حقیقت کفر و ایماں کی یہیں معلوم ہوتی ہے

یہاں تعلیم دی جاتی ہے تنظیم و اخوت کی
یہاں خاصیتِ حبل المتیں معلوم ہوتی ہے

یہاں تعلیم دی جاتی ہے دنیا کو تدبر کی
یہاں توقیرِ عقل و دور بیں معلوم ہوتی ہے

یہاں تعلیم دی جاتی ہے احسان و مروت کی
یہاں دشمن کی صورت بھی حسیں معلوم ہوتی ہے

یہاں تعلیم دی جاتی ہے مر مٹنے کی غیروں پر
یہاں قربانیوں کی سرزمیں معلوم ہوتی ہے

یہاں تعلیم دی جاتی ہے تہذیب و تمدن کی
یہاں انسانیت بالا نشیں معلوم ہوتی ہے

یہاں تعلیم دی جاتی ہے جذب شوق و مستی کی
یہاں حسرت بھی حسرت آفریں معلوم ہوتی ہے

یہاں تعلیم دی جاتی ہے اے اسنا وحدت کی
یہاں شانِ الٰہ العالمیں معلوم ہوتی ہے

یادِ مدینہ

دانش القادری

ہم نشیں یادِ مدینہ جو مجھے آتی ہے
یوں تڑپتا ہوں کہ دنیا ہی تڑپ جاتی ہے

ساقیٔ میکدۂ حق کو صدا دیتا ہوں
جب کبھی جھوم کے گھنگھور گھٹا چھاتی ہے

میرے مٹنے سے کہیں دین بھی مٹ سکتا ہے؟
مجھ کو اغیار کی چالوں پہ ہنسی آتی ہے

یہی محشر میں سہارا ہو گنہگاروں کا
"امتی امتی" کی یہ جو صدا آتی ہے

پھیکے پھیکے نظر آتے ہیں مجھے شمس و قمر
جلوۂ حسنِ محمدؐ کی جو یاد آتی ہے

آدمی ہوش میں آتا ہے تو بس موت کے وقت
زندگانی یوں ہی غفلت میں گزر جاتی ہے

لو خبر گنبدِ خضریٰ کے مکیںؐ، بہرِ خدا
آپ کی امتِ مرحوم لٹی جاتی ہے

مفسر قرآن مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلوی

بنی نوع انسان کی خدمت اور اسلام

یو۔ پی کے ایک تعلیمی ادارہ کے سالانہ اجلاس میں افتتاحی تقریر کرتے ہوئے ایک مسلمان لیڈر نے فرمایا۔

"کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جن پر ہمیں مذہب سے بلند ہو کر غور کرنا چاہیئے اور وہ ہیں بنی نوع انسان کی خدمت اور سچائی"

راقم اس اجلاس میں موجود نہ تھا، لیڈر موصوف کی یہ تقریر دماغ میں گھوم ہی رہی تھی کہ اخبارات میں سابق گورنر جنرل شری راجگوپال آچاریہ کی وہ تقریر نظر سے گذری جو موصوف نے آگرہ یونیورسٹی میں فرمائی تھی،

آچاریہ جی نے فرمایا

"ہم ہندوستانی مذہب سے بہت ڈرنے لگے ہیں، حالانکہ مذہبی تعلیم کے بغیر ہم میں ادائیگی فرض کا سچا احساس پیدا نہیں ہو سکتا، ہمیں مذہب کے معاملہ میں مثبت پالیسی اختیار کرنا چاہیئے"

دونوں تقریروں پر غور کرتا رہا اور تعجب کرتا رہا، پہلی بات جس نے کہی وہ ایک ذمہ دار مسلمان تھے، دوسری بات جو کہہ رہے ہیں وہ ایک غیر مسلم ہیں۔

مذہب سے بلند ہو کر سوچنے کا جو مطلب عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ باتیں مذہب سے بلند ہیں۔ مذہب کے تنگ دائرہ سے نکل کر ہمیں ان پر غور کرنا چاہیئے یعنی بقول لیڈر موصوف بنی نوع انسان کی خدمت اور سچائی وہ باتیں ہیں جو مذہب سے بلند ہیں، مذہب کے دائرہ میں رہتے ہوئے انسان نہ تو انسانی خدمت کا فرض ادا کر سکتا ہے اور نہ سچائی پر قائم رہنا اس کے لئے آسان ہے۔ بہت خوب ——— مذہب کے متعلق یہ تصور کیا ایک مسلمان کا ہو سکتا ہے؟۔ اس مسلمان کا جو اسلام کی حقیقت کا تھوڑا بہت بھی علم رکھتا ہو۔ ——— ہرگز نہیں ہو سکتا، یہ بات تو اس شخص کے منہ سے نکل سکتی ہے جو اپنے مذہب کی طرف سے احساس کمتری کا شکار ہو مسلمان رہنماؤں نے دوسرے لیڈروں کی طرح مذہب سے بلند ہو کر غور کرنے کا ایک جملہ یاد کر لیا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ اپنے آپکو سیکولر پالیسی کا علمبردار ثابت کرنے کے لئے یہ بات بار بار دہرانی بہت ضروری ہے، حالانکہ اسی سیکولر جمہوریت میں آچاریہ جی جیسے دانشمند لیڈر بھی ہیں جو باوجود نا مسلم ہونے کے مذہب کے اتنے حامی ہیں۔

مذہب کے متعلق راجہ جی نے جو کچھ کہا دراصل یہ بات تو مسلمانوں کے منہ سے نکلنی تھی، کیونکہ یہ بات اب کسی دلیل کی محتاج نہیں رہی ہے کہ موجودہ مذاہب میں صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جو انسان کا سچا ہمدرد انسانیت کا سچا بہی خواہ اور انسانی بھائی چارہ اور خدمت خلق کا بے لوث حامی ہے اور یہی مذہب ہے جس کی تربیت انسان کو سب سے اونچا، فراخ اور بے غرض خادم بنا دیتی ہے، یہاں تک کہ حکومت اور فرمان روائی جیسا بلند مقام جو دنیا کے نزدیک دولت کمانے، شہرت اور عزت حاصل کرنے کا ایک کامیاب ذریعہ ہے اسلام کے نزدیک خدمت خلق کی ایک بھاری ذمہ داری کے سوا کچھ نہیں۔

مذہب کے متعلق احساس کمتری کا یہ جذبہ انگریز کے دور غلامی کی یاد ہے، انگریز نے اپنی تہذیب کو ہندوستانیوں میں پھیلانے کے لئے مذہب کی طرف سے یہ نفرت اور ڈر پیدا کیا تھا، لیکن اب جبکہ ہم دشمن اسلام اقتدار کی غلامی سے آزاد ہو چکے ہیں تو ہمیں اس احساس کو دور کرنا چاہیئے اور اسلام کی روشن تعلیمات کی اشاعت کر کے یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ دنیا کی کوئی حقیقت اسلام سے بلند نہیں،

اسلام ہی تمام حقیقتوں سے برتر و فائق ہے، کیونکہ وہ تمام سچی حقیقتوں کا مستند مجموعہ ہے، ہر حقیقت اپنے صحیح مقام کے ساتھ اس میں موجود ہے

علماء اسلام کو ایک سبق:۔ مذہب کے بارے میں یہ ذہن خواص کا ہے، محض عوام کا نہیں، اس سے علماء اسلام کو ایک سبق ملتا ہے۔

موجودہ دور کو کتنی ہی بے کسی اور بے سر و سامانی کا دور کہیے، مگر یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس دور میں بھی اسلام کو تبلیغ و اشاعت کے کافی وسائل میسر ہیں، اصحاب فکر و بصیرت علماء بھی ہیں، اصحاب عزم و عمل مجاہد بھی ہیں، اگر یہ تمام حضرات اپنے اپنے مکاتب خیال کی نشر و اشاعت میں

پورا وقت صرف کرنے کے بجائے آدھا وقت اور آدھے وسائل اسلام کے بنیادی مسائل کو عوام تک پہنچانے، عوام کو سمجھانے اور برابر سمجھاتے رہنے میں لگا دیں تو اسلام کے بارے میں جو ناواقفیت پھیلی ہوئی ہے وہ کم ہوجائے۔ ہندوستان اور پاکستان میں شائع ہونے والے مذہبی رسائل اور اخبارات کی کمی نہیں ہے، مگر جس کو اٹھا کر دیکھئے اس میں نزاعی مسائل پر بحث! اخلاقی فروع پر مناظرہ بازی! ــــــ چھوٹا منہ بڑی بات ہوگی اگر میں یہ کہوں کہ یہ حالات سے لاعلمی اور بے خبری کا نتیجہ ہے یا اسکا سبب دین حق کے بنیادی تقاضوں سے لاپرواہی ہے، پھر کیا سبب قرار دوں؟

ہندوستان میں تو پھر حالت کچھ بہتر ہے، پاکستان کے مذہبی حلقے جن اکھاڑے بازیوں میں الجھے ہوئے ہیں اس پر تو سر پیٹنے کو جی چاہتا ہے، بہرحال یہ بات تو ویسے ہی بیچ میں آگئی، اصل گفتگو یہ تھی کہ کیا واقعی دنیا کا کوئی مسئلہ ایسا بھی ہے جسکا صحیح حل اسلام سے باہر نکلے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا؟

میں راجہ جی کو مبارکباد دیتا ہوں کہ مظلوم مذہب کی حمایت میں وہ اتنی جرأت سے میدان میں اتر آئے ہیں اور خدا کرے ان کے اس جرأت مندانہ اقدام کی وجہ سے ہماری سیکولر جمہوریت کے دوسرے ذمہ دار حضرات خصوصاً مسلمان زعماء کی غیرت مذہبی بھی جوش میں آجائے اور وہ دینی تعلیم اور سیرت رسول کریم کی اشاعت کے مشن کی اہمیت کو محسوس فرمائیں، زبانی اقرار کی حد تک نہیں بلکہ دامے، درمے اور سخنے اور ہر ممکن وسیلے کے ساتھ ــــــ

اسلام اور انسانی عظمت!:- انسانیت کے مشترک مسائل پر غور کرنے کے لئے اگر کسی مذہب کا نام ہم پورے فخر کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں تو وہ مذہب اسلام ہے۔

اسلام نے انسانی عظمت اور اولاد آدم کی برتری اور بڑائی کا اعلان کرتے ہوئے مشترک مسائل پر غور و فکر کی جو بنیاد ہمیں دکھائی ہے وہ یہ ہے، وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔
ہم نے اولاد آدم کو بزرگی اور بڑائی دی اور خشکی اور تری کی ذمہ داریاں اس کے کندھوں پر رکھیں۔

انسانی عظمت کے اس اعلان کو جب آپ انسانی مسائل کی بنیاد بنا کر آگے بڑھیں گے تو آپکا نقطہ نظر وسیع ہوگا، آپ کے خیال میں سماج کی بنائی ہوئی تمام اونچ نیچ لعنت ہوگی، ظلم ہوگا۔ آپ ہر انسان کو وہی حق دینگے جسکا حق دار اپنے آپ کو سمجھیں گے۔

پھر آپ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ انسانی برابری کا اعلان آج دنیا کے ہر گوشہ سے ہو رہا ہے، لیکن عملی زندگی میں انسانی برابری مفقود ہے، کیوں؟ وجہ یہ ہے کہ جمہوری قوانین بنانے والوں نے انسانی برابری کے قوانین بنا تو لئے مگر قانون بناتے وقت خود ان کے دلوں میں چھوت چھات موجود تھی، انسانی عظمت پر ان کو یقین نہ تھا، اعتقاد کے بغیر انھوں نے اس قسم کے قانون بنائے، نتیجہ یہ ہوا کہ قانون تو بن گئے مگر خود بنانے والے اپنے عمل سے اس کی دھجیاں اڑا رہے ہیں۔

اسلام کا قانون خدائے برحق کا قانون ہے۔ اس پروردگار کا قانون ہے جس کی نگاہ میں اس کے تمام بندے برابر ہیں، اسلئے اس کے قانون کے ایک ایک لفظ میں سچائی ہے، حقیقت ہے،

اس قانون حقیقی پر ایمان لانے والا " انسانی عظمت " کو محض سیاسی مصلحت نہیں سمجھتا بلکہ اس اعلان کو اپنا عقیدہ قرار دیتا ہے، انسانی برابری کو وہ اپنا ایمان بناتا ہے۔ اس لئے اس کے عمل میں سچائی ہوتی ہے، وہ سماجی تعلقات میں پوری ایمانداری کے ساتھ برابری کی اسپرٹ سے کام کرتا ہے، سیاسی معاملات میں اسکا رویہ عدل و انصاف پر مبنی ہوتا ہے،

پھر آپ ہی بتائیے کہ بنی نوع انسان کی خدمت کا معاملہ مذہب اسلام سے بلند کہاں ہوا، یہ تو مذہب اسلام کی اصلی روح ہوئی، ایک غیر مسلم کو نصیحت کرتے ہوئے یقیناً آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسانی خدمت کے معاملہ پر مذہب سے بلند ہو کر سوچیے لیکن ایک مسلمان کا ایک مسلمان سے اس قسم کا انداز بیان خود اپنی بھی توہین ہے اور مخاطب کی بھی توہین ہے۔

اسلام کا حقیقی مشن:- نوع انسان کی بے غرضانہ خدمت اسلام کا حقیقی مشن ہے جس کے لئے اسکی تعلیمات میں بڑے سے بڑے ایثار اور بڑی سے بڑی قربانی کا حکم موجود ہے۔

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ،
نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاؤ اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں تعاون نہ کرو،

بھلے کاموں میں تعاون اور برے کاموں میں عدم تعاون اور بائیکاٹ

کی جذبہ کے ساتھ کہ اس میں نہ دوست دشمن کی تمیز رکھی جائے نہ مسلمان اور غیر مسلم کی نہ ملکی اور غیر ملکی کی ۔ — یہ کتنی بڑی قربانی ہے، بھائی کو اس لئے چھوڑ دو کہ وہ غلط راستہ پر ہے اور ایک دشمن کا اس لئے ساتھ دو کہ وہ اچھا کام کر رہا ہے اور اچھے کام کے لئے دعوت دے رہا ہے،

ایک مفاد پرست اپنی ذات کو دیکھتا ہے، فرقہ پرست اپنے فرقہ کو دیکھتا ہے، قوم پرست اپنی قوم پر نظر رکھتا ہے مگر اسلام نیکی اور سچائی کو سامنے رکھتا ہے، اسے نہ کسی کی ذات سے بحث نہ کسی فرقہ سے اور نہ کسی قوم سے، بحث ہے تو صرف انسان سے صرف اولاد آدم سے اور اس کے مفاد سے،

ایک اس سے زیادہ وسیع حکم سنیئے،

مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا (سورہ نساء) جو شخص اچھے کام کی سفارش کرے گا تو اس نیک کام کے ثواب میں اسکا بھی حصّہ ہوگا اور جو شخص بری بات کی سفارش کرے گا تو اس کے گناہ میں اسے بھی حصّہ ملے گا،

انسانی خدمت کی اہمیت کے لئے اس سے زیادہ اور موثر پیغام کیا ہو سکتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جو شخص خدا کے بندوں کی خدمت کے قابل ہو، ضرورت مند لوگوں کی حاجت برآری کر سکتا ہو وہ ضرور ایسا کرے اور جو شخص اس قابل نہ ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ دوسروں کو اس کی ترغیب دے جو لوگ اس قابل ہوں انہیں اس خدمت کا شوق دلائے اور حتی الامکان کوشش کر کے ان لوگوں سے ضرورت مندوں کے کام نکلوا دے،

قرآن کریم کے یہ احکام سطحی اور سرسری نہیں ہیں، بلکہ اس اہمیت کے حامل ہیں جو اہمیت روزہ نماز کے احکام کو حاصل ہے،

جمہوری نظام زندگی میں اچھی اور صحت مند شہریت کو جمہوریت کی جان قرار دیا گیا ہے،

اچھے شہری کسطرح بنتے ہیں، اچھی شہریت کسطرح وجود میں آتی ہے — ؟ — باہمی تعاون سے، عوامی خدمت کی اسپرٹ سے، مذہبی اور نسلی بھید بھاؤ کے بغیر امیر اور غریب سب کو ضروریات زندگی حاصل کرنے کا یکساں موقع ملنے سے،

اس کے لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے کس بہترین انداز میں نصیحت فرمائی ہے،

اسلامی عقائد میں ایمان سے زیادہ قیمتی شے کوئی دوسری نہیں اسی ایمان کے متعلق فرمایا،

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ، تم میں سے کوئی شخص اسوقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اور لوگوں کے لئے وہی چیزیں پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے،

"للناس" یعنی لوگوں کے لئے فرمایا، مسلمانوں کے لئے نہ فرمایا اس سے عام انسانی ہمدردی کا اظہار مقصود ہے اور یہ بتاتا ہے کہ اسلام صرف قومی ہمدردی یا فرقہ وارانہ ہمدردی کو امن عالم کے لئے کافی نہیں سمجھتا بلکہ اس اہم مقصد کے لئے وہ ضروری قرار دیتا ہے کہ عام انسانوں کے ساتھ ہمدردی کا وہ برتاؤ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے،

"خدا کی رحمت" کا مفہوم اسلام میں کتنا وسیع ہے خدا کی ہر رحمت، جسمانی ہو یا روحانی، تندرستی ہو یا خوشحالی، اچھی اولاد ہو یا اچھی بیوی یہ سب خدا کی رحمت میں داخل ہیں، ایک مومن کے لئے خدا کی رحمت سب سے بڑا سہارا ہے، وہ ہر قدم پر اپنے آپکو خدا کی رحمت کا محتاج سمجھتا ہے، دعا میں وہ خدا کی رحمت کے لئے دعا کرتا ہے.

اس رحمت کے لئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا.

غور فرمایئے، آسمان والے کی رحمت کو کس بات سے وابستہ کیا ہے کتنی بلاغت کے ساتھ اور کتنے اچھے نفسیاتی انداز میں فرمایا ہے کہ اگر تم آسمان والے کی رحمت کے طلب گار ہو تو زمین والوں پر مہربانی کرو آسمان والا تم پر مہربانی فرمائیگا.

یہ نہیں ہو سکتا کہ تم دعاؤں میں آسمان والے سے رحمت کی دعا مانگو اور زمین والوں کی طرف سے تمہارے دل سخت ہوں، تنگ حوصلہ والے تمہارے گھر سے پناہ مانگیں، بھوکے تمہیں ترس نہ آئے، خیرات دو تو اس کو دوسروں میں ... سلام کرے وہ خود ... عزت نفس کی حفاظت ... ضرورت کے وقت ... [illegible]

اس حرکت کو تم فضول سمجھو اور پھر تم آسمان والے کی رحمت سے اچھی توقع رکھو ـــــ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا تم اگر خدا سے کچھ چاہتے ہو تو اس کے بندوں سے محبت کرو، اس کے بندوں پر رحم کرو،

اس حدیث میں بھی زمین والے کہا، مسلمان نہیں فرمایا، زمین والوں میں خدا کے اچھے اور برے وفادار اور غیر وفادار بندے سب شامل ہیں۔

اے کاش ! ۱- اسلام میں انسانی خدمت کے لئے کیا احکام ہیں اور اسے قرآن و حدیث میں کتنی اہمیت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے یہ اسکا ایک سرسری مطالعہ ہے ورنہ خدمت انسانی کے جتنے شعبے ہو سکتے ہیں ان سب کے لئے اسلام کے پاس مفصل احکام ہیں۔ تاکیدی ہدایات ہیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کا مستند ذخیرہ ہے، صحابہ کرام اور اسلام کی تاریخ کے مستقل باب ہیں۔

اے کاش ذمہ دار مسلمان اسلام کا اتنا مطالعہ ضرور کر لیا کریں تاکہ وہ اپنے مذہب کے بارے میں احساس کمتری کی لعنت سے محفوظ رہا کریں،

اسلام ایک فخر ہے، سب سے بڑی عزت ہے سب سے بڑی سچائی ہے جمہوری زندگی کو جمہوریت کی حقیقی روح سے آشنا کرنے والا پیغام ہے، انسان کو اس کا صحیح مقام اسلام کی پیروی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا،

انسان کو فریب دیا جا سکتا ہے، مختلف نعروں سے اس کو بہلایا جا سکتا ہے مگر انسان کی پیاس نہیں بجھ سکتی جب تک کہ اسلام کو خدا کے مکمل پیغام کی حیثیت سے انسانی زندگی میں اپنا صحیح مقام حاصل نہ ہوگا۔

بقیہ صفحہ ۱۶

اسلام کے واضح اصول کی روشنی میں حاکم پر تنقید کرنے کی آزادی ہے۔ اسلام "لقمۂ عیش" اس لئے نہیں دیتا کہ اس سے انسان کی آزادی کو سلب کر لے اور انسان کی نکیل پکڑ کر اس کو اس طرح کھینچے جس طرح حیوان کھینچے جاتے ہیں۔ جیسا کہ آجکل کے انتہا پسند جدید مذاہب کر رہے ہیں۔

اسلام ہر اس نظریئے سے جنگ کرتا ہے جو الحاد کی دعوت دے یا الحاد تک پہنچائے۔ جس طرح وہ جنگ کرتا ہے ہر ایسے نظام سے جو شرافت انسانی کو کالعدم کر دیتا ہے۔ اور اس سے اس کی آزادی چھین کر اس کو چوپایوں کی طرح زندگی گذارنے کے لئے چھوڑ دیتا ہے ـــــ اور اسلام ہر ایسے نظام کی دعوت دیتا ہے جس سے ایمان اور اخلاق کریمہ کے سائے میں سوسائٹی کے ارکان مضبوط ہوں اور سعادت انسانیہ زیادہ سے زیادہ حاصل ہو ـــــ

غالباً اس مختصر سی گفتگو کے بعد ہم نے اسلام کا نظریہ اور اسکا نظام سمجھ لیا ہوگا کہ اسلام تکافل، تضامن اور رعایت مصلحت عامہ کی بنیادوں پر اجتماعیت قائم کرتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی واضح ہو گیا ہوگا کہ اسلام تمام جدید اقتصادی تحریکات اور موجودہ نظاموں سے سبقت لئے ہوئے ہے اور اس نے ایسی سعید و صالح سوسائٹی قائم کی ہے کہ کوئی ترقی یافتہ سوسائٹی اس وقت تک اس کی گرد کو نہیں پہنچ سکی۔ اور یہ اصول ہر صالح سوسائٹی کو ترقی دینے اور ثابت رکھنے کے کفیل و ضامن رہیں گے بشرطیکہ فرزندان اسلام نے ان اصولوں پر توجہ کی اور ان پر عمل کرتے رہے۔

نتیجۂ فکر: فضیلۃ الاستاذ الشیخ عبد المنعم النمر مبعوث ازہر مصری فی ازہر الہند (دار العلوم دیوبند)

اسلام اور دوسرے اقتصادی نظام

مترجم :- مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہی

(فضیلۃ الاستاذ علامہ شیخ عبد المنعم النمر ازہری مصری مقیم دار العلوم دیوبند پچھلے دنوں میرٹھ تشریف لائے تھے اور علماء و عوام کی مختلف مجالس میں آپ کو دینی مباحث پر خطاب فرمانے کا موقعہ ملا تھا۔ اور خاکسار مدیر الحرم کو آپکی ترجمانی کا فخر حاصل ہوا تھا۔
اسی سلسلہ میں، کسی مجلس میں بعض نوجوانوں نے آپ سے اشتراکیت اور اسلام سے متعلق بعض عصری مباحث پر کچھ سوالات کئے۔ انکے مختصر جوابات دینے کے بعد علامہ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ اس موضوع پر "الحرم" میں کچھ لکھیں گے۔
گزشتہ ماہ علامہ موصوف کا یہ مضمون عربی میں موصول ہوا، اتفاقاً اسی زمانہ میں مکرم مولانا نسیم احمد فریدی دفتر میں خاکسار مدیر سے ملاقات کرنے تشریف لائے۔ احقر نے مولانا سے درخواست کی کہ وہ اس مضمون کا ترجمہ فرمادیں: مولانا نے اس درخواست کو قبول فرمایا۔ اور اب ترجمہ ناظرین کے سامنے ہے۔
ترجمہ سلیس و شگفتہ ہے اور اصل کی قوت اور روح کا حامل ہے۔
مدیر الحرم مضمون نگار اور مترجم ہر دو فضلاء کی نظر کرم کا شکر گزار ہے۔ اگرچہ اس مختصر مضمون سے ناظرین کی پیاس نہیں بجھ سکتی تاہم یہ چند قطرے بھی آب حیات کا حکم رکھتے ہیں۔) (مدیر)

ماہ رمضان، صدقات، بذل مال اور ادائے زکوٰۃ کا مہینہ ہے —— اسی مناسبت سے میں چاہتا ہوں کہ آپ حضرات سے اسلام اور اُن دیگر اقتصادی نظاموں کا ذکر کردں جنھوں نے لوگوں کے قلوب پر قبضہ کرلیا ہے، لاکھوں انسان اُن کے شیدا اور فریفتہ بن گئے ہیں بلکہ اُن پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ اور بہت سی حکومتیں بھی انہیں نظاموں پر یقین رکھتی ہیں اور ان کی تبلیغ و اشاعت اور دنیا کو ان کی خیر و سعادت کی یقین دہانی کے لئے ہر ممکن کوشش عمل میں لارہی ہیں۔

وہ اسلام —— جس نے چودہ سو سال کے عرصہ میں متعدد عظیم الشان حکومتیں قائم کیں اور ایک ایسی اُمت پیدا کی جو اس کے احکام اور نظام کے سائے میں پھلتی پھولتی رہی —— بہت سے لوگ چاہتے ہیں کہ اس اسلام کو ان نظاموں میں سے کسی نہ کسی نظام کی طرف کھینچ لیں ——

بعض حضرات کے نزدیک اسلام کمیونزم ہے، بعض کے نزدیک اشتراکیت ہے اور بعض کے نزدیک جمہوریت —— اور بعض کے نزدیک اسلام اس کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا کہ وہ کوئی کامیاب و سعادت مند سوسائٹی قائم کرسکے —— حالانکہ —— اسلام زندگی کیلئے ایک کامل نظام ہے۔ اُس کی ایک شاندار ماضی ہے قوموں کی تعمیر میں —— اپنے قوموں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں سے کسی پہلو کو نہیں چھوڑا کہ منظم نہ کردیا ہو اور سوسائٹی کی مصلحت اور سعادت و فلاح کی بنیاد قائم نہ کردیا ہو —— اسلام جب زندگی کی تنظیم کرتا ہے۔ تو اپنی مستقل شخصیت اور مخصوص نظریات کے ساتھ تنظیم کرتا ہے۔ اور وہ تعمیر کے لئے راستہ پیدا کرتا ہے اُس نظام پر جس کو وہ زندگی کے لئے پسند کرتا ہے اور اُن نظریات پر جن سے وابستگی کی اور جن کے آئینہ میں زندگی پر نظر کرنے کی وہ دعوت دیتا ہے۔ کبھی اسلام اور ان نظام کے درمیان بعض گوشوں کے اندر یک گونہ شباہت بھی پائی جاتی ہے لیکن اسکا مطلب یہ نہیں کہ ہم محض تھوڑی سی مشابہت کی وجہ سے ان نظاموں

میں سے کسی نظام کے نام سے اسلام کو موسوم کر دیں۔

وہ اصولِ عامہ جن پر اسلام اپنی سوسائٹی کے ستون قائم کئے ہوئے ہے وہ جامد نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اصول، سوسائٹی کی عام صلاح و فلاح کے پیش نظر، مصلحتوں اور زمانوں کے مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف ہوتے رہتے ہیں۔

اسی بنا پر اُس کے اصولِ عامہ قافلۂ حیات کا راستہ روک کر کھڑے نہیں ہو جاتے بلکہ زندگی کی دستگیری کرتے ہیں اور اس پر اپنی چھاپ لگاتے رہتے ہیں۔ نیز لوگوں کی بھلائی اور سعادت کے لئے قافلۂ حیات کو آگے بڑھاتے رہتے ہیں —— میں چاہتا ہوں کہ اسوقت اپنے کلام کو صرف دو گوشوں پر محدود کر دوں یعنی ——

—— اسلام اور اعتدال پسند اور انتہا پسند اشتراکی مذاہب میں اقتصادی اور اجتماعی پہلو اور یہی دو پہلو ایسے روشن ہیں کہ لوگوں کی نظریں اپنی طرف مائل کر رہے ہیں۔

(۱) اشتراکیت کے فارورڈ بلاک نے شخصی ملکیت کو سرے سے اُڑا دیا ہے۔ بایں دلیل کہ شخصی ملکیت، مال کو بعض افراد میں جمع کر دیتی ہے اور محتاج طبقوں پر اُن کا غلط اقتدار قائم ہو جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ انسان کا اپنی ذاتی ملکیت سے محروم ہونا طبیعت بشریہ کے خلاف ہے اور ایک ایسی خطرناک جنگ ہے جسکو فارورڈ نظام، طبیعت انسانیہ کے خلاف جاری رکھے ہوئے ہے اس طبیعت کے خلاف جو کبھی مغلوب نہیں ہوا کرتی۔

اس انفرادی ملکیت کے ساقط کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ نظام طبیعت بشریہ سے متصادم ہو گئے) اور جذبۂ ملکیت کے لئے اور اس خیال کے لئے میدان کشادہ ہو گیا کہ انسان کو اپنی خوشحال زندگی کی اقدار میں اضافہ کرنے کے لئے اپنی کوششوں کے مطابق انفرادی اقتدار حاصل ہونا چاہیئے —— اسلام نے اس حماقت کا ارتکاب نہیں کیا۔ اس لئے کہ اس کا قانون ایک ایسے حکیم مطلق نے وضع کیا ہے جو طبائع انسانی سے پورا پورا واقف ہے اور جو ایسا قانون بناتا ہے جو جبلیات انسانی اور طبائع کے موافق ہو۔ اور اسی وجہ سے اُس نے ایسی ملکیت کو مباح کر دیا ہے جو صحیح مناسب طریقے پر ہو۔ اور اُس نے ملکیت کے بارے میں انسان کی آزادی اور اُسکے حق کو محفوظ رکھا ہے بشرطیکہ وہ ملکیت سوسائٹی کی مصلحت عامہ کے حدود میں ہو۔ اور وہ انہیں کسی دن بھی کوئی ضرر نہ پہنچا سکے —— پھر جب کوئی ایسی صورت پیش آئے کہ مصلحتِ عامہ کا اقتضاء یہ ہو کہ ملکیت فردیہ کی حد بندی کر دی جائے یا عام بھلائی کی غرض سے فرد جس مال کا مالک ہے اُس میں سے کچھ حصہ لے لیا جائے جیساکہ مصر میں اور بعض دوسرے ملکوں میں پیش آیا ہے تو اسلام اس امر کو مصلحت عامہ کے وجہ سے جائز قرار دیتا ہے۔

(۲) اعتدال پسند اشتراکی مذاہب اور بعض حکومتوں نے منافع عامہ کو قومیانے، امدادی ٹیکس قائم کرنے ملکیت کی آزادی میں حد بندی کرنیکا اصول رکھا ہے۔ اسلام ان اصول کی جانب رضامندی کی نظر سے دیکھتا ہے جبکہ مصلحت ان چیزوں کا تقاضہ کر رہی ہو ——

—— اسلام قومیانے کے نظریئے میں سبقت کر چکا ہے۔ جب کہ عراق فتح ہو چکا اور فاتح لشکر نے ارادہ کیا کہ تقسیم غنائم کے قانون کی رو سے وہ ارض مفتوحہ کے مالک ہو جائیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس رغبت تمنا میں حائل ہوئے، نتیجے پر غور کیا اور یہ رائے قائم کی کہ اگر فاتحین پر زمین تقسیم کردی گئی جیسا کہ دستور ہے تو خزانہ حکومت اسلام خالی ہو جائیگا اور مستقبل قریب میں اتنا مال نہ رہیگا جس کے ذریعہ ضروری اخراجات پورے کئے جا سکیں اور ہتھیاروں اور دیگر ضروریات لشکر کو انجام دیا جا سکے اور حکومت کے مفاد عامہ کے کام تکمیل کو پہنچائے جا سکیں۔ اسی بنا پر اپنی صائب رائے کی مدد سے پوری اُمت کے فائدے کی غرض سے فاتحین کی ملکیت فرد کو ختم کر دینا مناسب سمجھا۔ مفتوحہ زمین کو حکومت کی ملک عام قرار دیدیا جس کے منافع کو حکومت مذکورہ اغراض و مقاصد پر خرچ کرتی رہے —— دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی بحث و تمحیص کے بعد اس بات پر ان سے متفق ہو گئے تھے —— اور یہ فیصلہ ایک ایسا عام اصول قرار پا گیا جس کے اوپر انفرادی ملکیت کو قومیانے اور اس کو بعض اوقات بالکل ختم کر دینے اور بعض حالات میں اس کی حد بندی کر دینے کے نظریہ کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔ رہا امدادی ٹیکس کا نظریہ —— تو اسلام نے اگرچہ ہر ایک مال میں —— کوئی سامان بھی ہو —— ایک نسبت مقرر کی ہے جو مال میں سے حکومت کے لئے لی جائے گی تاکہ اُس کے ذریعے سے اُن مصالح عامہ میں خرچ اخراجات کی آسانی ہو جن کی نگہداشت حکومت کے ذمے ہے —— اس کے باوجود اسلام نے آیات و احادیث کثیرہ کے اندر

اس نسبت مقررہ سے زیادہ خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اس لئے اسلام امدادی ٹیکسوں کے تقرر کا غیر معدوم کرتا ہے۔ جیسا کہ مصلحت حکومت اس کا متقاضی ہو ۔۔۔ اور مصالح حکومت کا کوئی حد و شمار نہیں ہے ۔۔۔ بوقت ضرورت حاکم اسلام کو حق ہے کہ وہ اس انفاق میں اپنا حق تنظیم استعمال کرے اور اس انفاق کو اجباری کر دے اس لئے کہ وہ اختیاری تھا اور اس کی ترغیب دی گئی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی یہ خواہش تھی کہ وہ اغنیاء کے فاضل اموال لے لیں تاکہ وہ اُن کو فقراء پر صرف کر دیں۔ اگر اُن کی زندگی ختم نہ ہوتی تو اُن کی یہ خواہش پوری ہو جاتی۔ اس کے باوجود اُن کی یہ رغبت ایک ایسا اصول قرار پا گئی جس سے یہ ممکن ہو گیا کہ ہم اُن امدادی ٹیکسوں کے مقرر کرنے میں جو آج بہت سی حکومتوں کا شعار بن گئے ہیں اس اصول پر اعتماد کر سکیں ۔۔۔ اسلام نے صدیوں پہلے اس اصول کو قبول کیا اور اُس سے بہت پہلے کہ اس اصول کے نئے مدعی اس کو پہچانتے اور جانتے ہوں، اسکا اعلان عام کیا۔

افق یورپ پر ایک اور روشنی چمکی ہے اور اُسکا نام انھوں نے ضمان اجتماعی رکھا ہے۔ اور اس سے مراد بیکاروں اور محتاجوں کے لئے حکومت کا بہترین زندگی کا ضامن ہونا ہے۔ ان عاجزوں کے لئے جنھیں مرض نے یا بڑھاپے نے کام سے بٹھا دیا ہے ۔۔۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ اصول یورپ کی ایجاد ہے اور اسی کے نئے افکار میں سے ہے۔ حالانکہ اسلام اور اہل اسلام کو بجا طور پر یہ شرف حاصل ہے کہ اس عمل انسانیت کو اس نے یورپ کے پہچاننے سے صدیوں برس پہلے پہچان لیا تھا اور اس کی تنظیم کر دی تھی۔ عہد فاروقی میں حکومت اسلامیہ اپنی رعایا میں سے عاجز و ضعیف بوڑھوں کے لئے اچھی زندگی گذارنے کی ضامن رہی۔

وہ مثال جو ہم آپ کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں وہ ایک یہودی کا واقعہ ہے جو کہ دولت اسلامیہ کی رعایا میں سے ایک فرد تھا اس یہودی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگوں کے گھروں کا چکر لگا رہا ہے اور بھیک مانگ رہا ہے۔ آپ نے سمجھ لیا کہ یہ کام کاج سے عاجز ہو چکا ہے۔ آپ نے فرمایا ۔۔۔ یہ ہمارا انصاف نہیں ہے کہ ہم تیری جوانی سے فائدہ اُٹھائیں اور تجھ کو عالم پیری میں دربدر ٹھوکریں کھانے کے لئے چھوڑ دیں۔ اس کے بعد اسکے لئے بیت المال سے امداد کا حکم جاری فرمایا ۔۔۔

دولت اسلامیہ اسی طرح مریضوں اور عاجزوں کے گذارے کی کفالت [illegible] ہے اس کی مثال جو ہم پیش کریں گے یہ ہے کہ اسلامی حکومت کی رعایا میں سے ایک نصرانی راہب تھا جو کہ جذامی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام میں اس کے پاس سے ہو کر گذرے آپ نے دیکھا کہ یہ مریض ہے اور کام کاج سے عاجز ہے۔ آپ نے اس کے لئے بیت المال میں سے ایک حصہ مقرر فرما دیا۔ اتنا کہ جس سے وہ اچھی طرح زندگی گذار سکے اور یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد اسلامی اصول بن گئی۔

(۳) بلکہ ہم اصول اسلامیہ میں ایک ایسا اصول بھی دیکھتے ہیں جو اجتماعی نقطۂ نظر سے اس سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ اور جس کے پیش نظر ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ اسلام ایک منفرد قانون ہے اور وہ اصول ہے قرضداروں کی اعانت اتنی کہ اُس سے اُن کے اُن قرضوں کی ادائیگی ہو جائے جو انھوں نے مصالح عامہ یا خانگی ضروریات میں جائز طریقے پر خرچ کرنے کے لئے لیا تھا ۔۔۔ اسلام نے حاکم پر واجب کر دیا ہے کہ وہ خزانۂ حکومت میں ان جیسے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے بھی حصہ مقرر کرے اسی طرح اُن مالکوں کو جن کو اُن کے مال میں یا گھروں میں کوئی حادثہ پیش آگیا ہو اتنا معاوضہ دیا جائے گا جس سے اُن کو نئی زندگی حاصل ہو جائے اور وہ بھوک، حاجت اور قرضے کی ذلت سے بچ سکیں۔ ہم موجودہ قوانین میں اصول اسلام کی طرح ایسا کوئی اصول نہیں پاتے جس سے قرضداروں کی اعانت، اُن کے قرضوں کی ادائیگی کی جائے اور جس سے اُن مسافروں کی بھی مدد ہوتی ہو جو اپنے سفر کو جاری رکھنے کے لئے اخراجات کے محتاج ہوں۔

یہ وہ انسانی اصول ہیں جن کو اسلام نے نزول قرآن کے وقت سے مقرر کر رکھا ہے۔ اور جن کو حکومت اسلامیہ نے آج سے تقریباً چودہ سو برس پیشتر سے قائم کر رکھا ہے۔ اور اس سلسلے میں اپنی رعایا کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھی مسلم ہو یا غیر مسلم دونوں اس سے بہرہ یاب ہوتے ہیں اس لئے کہ حکومت اسلامیہ کے زیر سایہ مجموعی حیثیت سے سب کا اچھی زندگی گذارنا ایک ضروری امر ہے۔ ان سب باتوں کے بعد اہم ترین بات یہ ہے کہ اسلام اپنی رعایا کے لئے جہاں ان سب باتوں کی ذمہ داری لیتا ہے وہاں ان کے حقوق میں سے کسی حق پر دست اندازی نہیں کرتا۔ [illegible] اور ان کے درمیان حائل نہیں ہوتا ۔۔۔ [illegible] ہیں اور حاکم کی کڑی نگرانی کے [illegible]

قاضی زین العابدین سجاد

اسلام اور تلوار

ماہ نبوت پر گرد افشانی

رسوائے عالم کتاب کے الزامات کے جوابات

(بسلسلہ گذشتہ)

معاہد :۔ وہ قومیں یا حکومتیں جو مسلمانوں سے " ناجنگ معاہدہ" کرلیں " معاہد " کہلاتی ہیں۔ ان سے دوستانہ تعلقات قائم رکھنا اور ان شرائط کا احترام کرنا جو معاہدہ کی رو سے طے پائی ہیں مسلمانوں پر لازم ہے۔ قرآن کریم نے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں ایفاء عہد پر بے حد زور دیا ہے اور اس صفت کو مومنین صادقین کی پہچان قرار دیا ہے۔ فرمایا گیا ہے :۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ (المومنون ۸)

اور وہ جو اپنی ذمہ داریوں کی اور اپنے عہد کی حفاظت کرتے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا گیا :۔

وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا (۱۷۷) اور اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے جب کہ وہ عہد کریں۔

وعدہ شکنی کو اسلام نے انسانیت سے خروج قرار دیا ہے اور انہیں جو اپنے وعدوں کو وفا نہ کریں بدترین چوپایہ بتایا ہے۔ فرمایا گیا

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ الَّذِينَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ (الانفال ۵۵، ۵۶)

اللہ کے نزدیک بدترین چوپایہ وہ لوگ ہیں جو کفر پر اڑے رہے اور وہ ایمان نہیں لاتے وہ جن سے آپ نے عہد کیا اور وہ ہر بار عہد کرنے کے بعد اپنا عہد توڑ ڈالتے ہیں اور اس عہد شکنی کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں کرتے۔

سورۂ توبہ میں جہاں کفار قریش کی پیہم عہد شکنیوں اور متواتر فتنہ کاریوں کی بنا پر چار ماہ کی مہلت دے کر ان سے جنگ کا حکم دیا گیا ہیں صراحت کے ساتھ ان قبائل کو مستثنیٰ کر دیا گیا جن کا مسلمانوں سے "ناجنگ معاہدہ" تھا، اور انھوں نے اس معاہدہ کو توڑا نہیں تھا۔

فرمایا گیا :۔

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (التوبۃ)

حکم جنگ سے وہ مشرکین مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے معاہدہ کیا پھر انھوں نے اسے نبھانے میں کوتاہی نہ کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں تمہارے کسی دشمن کی مدد کی تو ان لوگوں سے جتنی مدت کے لئے معاہدہ ہوا ہے اتنی مدت تک پورا کیا جائے اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں سے محبت رکھتا ہے۔

گویا کفار معاہدین سے جو معاہدہ ہو چکا ہے اس کی پابندی کو پرہیزگاری قرار دیا گیا، اور پرہیزگاری کو اللہ کی محبت کا سبب۔

اسلام کا رشتہ مسلمانوں کو ایک ملت بنا دیتا ہے بلکہ ایک جسم جس کے ایک عضو کی تکلیف سے دوسرا عضو متاثر ہوتا ہے مگر ایفاء عہد کی پابندی اس سے بھی بالاتر ہے۔ اگر اسلامی حکومت کسی غیر مسلم حکومت سے کوئی معاہدہ کرے اور اس غیر مسلم حکومت کے ماتحت مسلمان رشتہ اسلام کی بنیاد پر اسلامی حکومت سے کوئی مدد چاہیں جو شرائط معاہدہ کے خلاف ہو تو اسلامی حکومت کو اپنے دینی بھائیوں کی اس قسم کی مدد جائز نہ ہوگی۔ فرمایا گیا :۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (الانفال ۷۲)

اور جو لوگ ایمان لائے مگر ہجرت نہ کی تو تم کو ان کی رفاقت سے کچھ مطلب نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔ اور اگر وہ تم سے دینی معاملہ میں مدد چاہیں تو تم کو (مقدور کے مطابق) مدد کرنی چاہیئے لیکن اگر تمہارے اور کسی غیر مسلم قوم کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو تو تم (اپنے معاہدہ کی شرائط کے

[illegible] اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

آیت کے آخری جز میں اسطرح بھی اشارہ فرما دیا گیا کہ معاہدہ کے خلاف مسلمان بھائیوں کی مدد خفیہ طور پر بھی نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ معاہدہ کا تعلق فریقین سے ہی نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کو بیچ میں واسطہ بنایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر کھلی ڈھکی چیز سے واقف ہے۔

کیا پاس عہد اور ایفائے وعدہ کی ایسی اعلیٰ تعلیمات اور ایسی زرین ہدایات کتاب مبین قرآن کریم کے سوا اور کہیں مل سکتی ہیں؟

فسخ معاہدہ کی شرائط:- البتہ اگر کسی قوم سے معاہدہ ہو جانے کے بعد یہ معلوم ہو جائے کہ وہ عہد شکنی پر آمادہ ہے اور آثار و قرائن سے صریح طور پر ظاہر ہو کہ وہ مسلمانوں کو دھوکہ میں رکھ کر ان پر حملہ آور ہونا چاہتی ہے تو اسلامی حکومت کو یہ حق ہے کہ وہ مدت مقررہ سے قبل معاہدہ فسخ کر دے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ فسخ معاہدہ کا اعلان کیا جائے اور جنگ سے پہلے دشمن کو تیاری کا پورا پورا موقعہ دیا جائے۔ چنانچہ فرمایا گیا:-

وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ۔ (الانفال ۵۸۔ ۵۹)

اور اگر کسی گروہ سے (معاہدہ کے بعد) دغا کا اندیشہ ہے تو ان کا عہد ان کو واپس لوٹا دو مگر اسطرح کہ دونوں یکساں حالت میں ہو جائیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور کافر (عہد شکن) یہ خیال نہ کریں کہ وہ بازی جیت گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو عاجز نہیں کر سکتے۔

"فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ" کا مطلب یہ ہے کہ فسخ معاہدہ کا اعلان صاف طور ہو تاکہ دونوں اپنی اپنی حفاظت کی مناسب تدبیریں کر لیں اور جنگ کی تیاری کے متعلق دونوں کی پوزیشن یکساں ہو۔ ممکن تھا مسلمانوں کو یہ خیال آتا کہ دشمن پہلے سے تیاری میں مصروف ہے ہی، اس قسم کے اعلان سے اسے اور بھی قوت مضبوط کرنے کا موقعہ مل جائے گا۔ اور کافر یہ سمجھتے کہ مسلمان تو سادہ لوح قوم ہے جو کچھ کرتی ہے کھلم کھلا کرتی ہے۔ ہم اپنی خفیہ سازشی تدبیروں سے اس پر غالب آجائیں گے تو مسلمانوں کے اس خدشہ اور دشمنوں کے اس وہم کا یہ فرما کر ازالہ کر دیا گیا کہ اس عہد شکنی اور سازشی کارروائی سے [illegible] ان پر غالب آنا ممکن نہیں۔ سنہ ۹ ہجری میں [illegible] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے [illegible] اور جہاں مشرک دشمنوں سے مسلسل مخالفانہ سرگرمیوں کی وجہ سے فسخ معاہدات کا فیصلہ کیا [illegible] کے مطابق دشمنوں کو چار مہینے کی مہلت دی اور فسخ معاہدات کا اعلان کرنے کے لئے مناسب ترین تدابیر اختیار کی گئیں۔ وہ زمانہ اخبارات اور ریڈیو کا نہیں تھا۔ البتہ حج کا اجتماع عرب کے ایک قومی میلہ کی حیثیت رکھتا تھا جس میں قبائل عرب دور دراز سے سفر کر کے جمع ہوتے تھے۔ اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو اپنا نمائندہ خصوصی بنا کر مکہ معظمہ روانہ کیا۔ اور انہوں نے میدان عرفات میں فسخ معاہدات کا اعلان عام کیا۔

آجکل مسیحی اقوام دوسری اقوام سے جو معاہدے کرتی ہیں عموماً ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان معاہدوں کے ذریعے کمزور قوموں پر اپنے اقتدار کو جما رکھیں اور ان کو سیاسی اور اقتصادی طور پر اپنا غلام بنالیں۔ یہ معاہدے بظاہر دوستانہ ہوتے ہیں۔ مگر اسی دوستی کے پردے میں وہ معاہد قوموں کے خون کا آخری قطرہ تک چوس لیتے ہیں۔ سیاسی طور پر وہ ان کو بے دست و پا اور اقتصادی حیثیت سے اپنا محتاج دست نگر بنا دیتے ہیں۔ ہندوستان میں عہد انگریزی کی ابتدائی تاریخ اور افریقہ اور مشرق قریب و بعید میں مسیحی یورپین قوموں کی موجودہ سیاست پر اگر سرسری نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

قرآن کریم نے آج سے تیرہ سو برس پہلے اس استعمار پسندانہ ذہنیت پر ان الفاظ میں ضرب لگائی:-

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِن بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَن تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ (النحل ۹۱، ۹۲)

اور اس بے وقوف عورت کی طرح نہ ہو جو اپنا کاتا ہوا سوت [illegible] ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے کہ اپنی قسموں کو آپس میں دھوکہ بازی کا ذریعہ بناؤ محض اس لئے کہ ایک قوم دوسری قوم سے غالب و برتر ہو جائے۔

یعنی بین الاقوامی معاہدوں کا مقصد یہ ہرگز نہ ہونا چاہیئے کہ دھوکہ دیکر ایک قوم دوسری قوم پر تسلط حاصل کرے اور قوت و طاقت یا مال و دولت میں دوسرے پر فائق ہو جائے بلکہ ان کا مقصد [illegible]

اقتصادی اور سیاسی آزادی کا تحفظ ہونا چاہیئے۔ کیا اسلام کی اس امن پسندی اور عدل گستری کی مثال دنیا کے کسی مذہبی صحیفہ یا مہذب اقوام عالم قوموں کے کسی آئین میں مل سکتی ہے؟

تفصیل تو بہت کچھ کی جا سکتی ہے مگر جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے یہ حقیقت آفتاب عالم تاب کی طرح ظاہر ہو گئی کہ اسلام نے جب کبھی تلوار اٹھانے کی اجازت دی تو وہ محض تحفظ امن کے لئے اور صرف ظالم و بد خواہ دشمنوں کے خلاف جنھوں نے انھیں مسلسل ظلم و تشدد اور مکاری و بد عہدی کا نشانہ بنایا اور تلوار کے سوا ہر فیصلہ کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اصطلاح شریعت میں ان دشمنوں کو "حربی" یعنی جنگ پسند کہتے ہیں۔ لیکن جن غیر مسلموں نے مسلمانوں کے ساتھ مصالحانہ طرز عمل اختیار کیا اسلام نے ان کے ساتھ، نہ صرف مصالحانہ بلکہ دوستانہ برتاؤ کا حکم دیا۔ فرمایا گیا:۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ ....

وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ ، اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ٥ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ٥ (الممتحنہ ۸-۹)

جو لوگ تم سے دین کے معاملہ میں نہیں لڑے اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا، اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے منع نہیں کرتا کہ ان کے ساتھ بھلا برتاؤ اور انصاف کا سلوک کرو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انصاف پسندوں سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو تمہیں ان لوگوں سے دوستی کرنے سے منع فرماتا ہے جنھوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے اخراج میں دوسروں کے معاون بنے جو لوگ ان سے دوستی گانٹھیں گے تو وہ ظالم ہیں۔

اسلام کی اصلاحات جنگ:۔ پھر جو معاند غیر مسلم مسلمانوں سے برسر پیکار ہی ہوں اور جنگ سے چارہ کار نہ رہے تو ان سے جنگ کے لئے بھی اسلام نے وہ عادلانہ قانون وضع کئے جو آج تیرہ سو سال بعد کے بین الاقوامی قوانین جنگ سے ہر طرح فائق ہیں:۔

(۱) موجودہ بین الاقوامی قانون کی رو سے اگر ایک قوم دوسری قوم سے جنگ آزما ہو تو یہ ضروری ہے کہ وہ پہلے سے اعلان جنگ کردے اور محارب قوم کو اپنی حفاظت و مدافعت کا موقعہ دے۔ ہم تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں کہ اسلام نے اس پر کسقدر زور دیا ہے۔

(۲) بین الاقوامی قانون کی رو سے صرف ان لوگوں پر تلوار اٹھائی جا سکتی ہے۔ جو باقاعدہ فوجی ہوں یا ہنگامی طور پر بطور والنٹیر فوجی نظام میں شامل ہو گئے ہوں۔ اسلام اعلان کر چکا ہے

وَقَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا (البقرہ ۱۹۰)

اور جنگ کرو اللہ کے واسطے ان لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور اس معاملہ میں زیادتی نہ کرو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقعہ پر صاف طور حکم دیدیا تھا کہ شہر کی پر امن آبادی سے ہرگز تعرض نہ کیا جائے، جو اپنے گھر میں دروازہ بند کرکے بیٹھ جائے اسے ہرگز نہ چھیڑا جائے۔

(۳) بین الاقوامی قانون کی رو سے دشمن کی عورتوں بچوں اور بوڑھوں پر ہاتھ اٹھانا ممنوع ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم کے مقابلہ کے لئے لشکر بھیجتے تو حکم دیدیتے:۔

لَا تَقْتُلُوْا شَيْخًا فَانِيًا وَلَا طِفْلًا وَلَا صَغِيْرًا وَلَا اِمْرَأَةً (ابوداؤد کتاب الجہاد)

کسی بوڑھے کو کسی بچہ کو اور کسی عورت کو قتل نہ کرنا۔

(۴) بین الاقوامی قانون کی رو سے ایسا طریقۂ جنگ اختیار کرنا جس سے جنگ کی ہلاکت خیزی عام ہو جائے ممنوع ہے۔ شہری آبادی پر بمباری کرنا مہلک گیسوں سے فضا کو مسموم بنا دینا۔ اور عام منافع کی چیزوں کو نقصان پہنچانا جائز نہیں۔

غزوہ موتہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی فوج کو یہ بھی ہدایت فرمادی ولا تغرقن نخلا ولا تقلعن شجرا ولا تهدموا بنيا۔ کسی کھجور کو مت کاٹنا کسی درخت کو نہ اکھاڑنا کسی گھر کو منہدم نہ کرنا۔ شام و ایران کی فتوحات کے موقعہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق نے اسلامی فوج کے سپہ سالاروں کو جو ہدایات دیں وہ اور بھی مفصل ہیں

(۵) بین الاقوامی قانون کی رو سے وحشیانہ طریقہ پر قتل کرنا اور مقتولین کی لاشوں کی تذلیل و تحقیر کرنا ممنوع ہے۔ عہد جاہلیت میں عربوں میں بھی دوسری غیر متمدن قوموں کی طرح دشمن کے ناک کان کاٹ

کسی چیز سے باندھ کر تیروں کا نشانہ بنانے اور اس کے جسم کی تذلیل
کرنے کا طریقہ رائج تھا۔ جنگ احد میں بعض عورتوں نے مسلمان
شہداء کے ناک کان کاٹ کر اپنے گلے میں ہار بنا کر ڈالے تھے اور
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ کا جگر نکال کر اسے
چبایا تھا۔ (یہ واقعہ بھی بھولا نہیں جا سکتا کہ جنگ ۱۸۵۷ء میں
جنرل ہڈسن نے تیموری شاہزادہ کا خون پی کر اپنی درندگی کا ثبوت
دیا تھا) مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی کے ساتھ حکم دیدیا۔
اغزوا ولا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا (مسلم)
لڑو مگر زیادتی نہ کرو، دھوکہ نہ دو، کسی کے ناک کان نہ کاٹو اور نہ
کسی بچہ کو قتل کرو۔

حضور نے ہر لڑائی میں دشمن کے مقتولین کو دفن کرنے کا حکم دیا
اور ان کی لاشوں کی بے حرمتی سے منع فرمایا۔

(۴) بین الاقوامی قانون کی رو سے اسیران جنگ کے ساتھ منتقمانہ
سلوک جائز نہیں۔

مشرکین عرب اپنے قیدیوں سے ظالمانہ برتاؤ کرتے تھے بعض
اوقات مسلمان قیدیوں پر وحشیانہ مظالم توڑ کر جان سے مار ڈالتے
تھے۔ مگر قرآن کریم نے قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کو مومنین کا
خاص وصف قرار دیا۔ فرمایا:۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ، اور یہ لوگ خدا
کی محبت میں، مسکینوں اور یتیموں، اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔
اسیران بدر قید ہو کر آئے تو آپ نے صحابہ کرام کو تاکید فرمائی کہ کسی کو کھانے
پینے کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ چنانچہ صحابہ نے خود کھجوروں پر قناعت
کی اور قیدیوں کو کھانا کھلایا۔ غزوہ حنین میں چھ ہزار قیدیوں
کو کپڑے پہنا کے پھر سب کو آزاد کر دیا۔

سب سے بڑی بات یہ کہ اسلام نے جنگ کی حالت میں خدا
کی یاد سے غافل نہ ہونے، بلکہ اسے بکثرت یاد کرنے کا حکم دیا اور
اسے فلاح و کامیابی کا ذریعہ قرار دیا۔ فرمایا گیا:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا
لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (الانفال ۶)

اے ایمان والو جب تم کسی گروہ کے مقابلہ میں جنگ کیلئے
آؤ تو ثابت قدم رہو اور کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو تاکہ تم
کامیابی حاصل کرو۔

ظاہر ہے کہ جب میدان جنگ میں مجاہد کی زبان پر اللہ تعالیٰ کا نام
اور اس کے دل میں اللہ کی یاد ہوگی۔ اور اس کے پیش نظر کلمۃ اللہ کی
بلندی کا مقصد اعلیٰ ہوگا تو وہ ہرگز کوئی ایسی حرکت نہ کرے گا جو اسلام کی
عادلانہ و رحیمانہ تعلیمات کے خلاف ہو اور اپنے نفس کی ہر خواہش کو اللہ تعالیٰ
کے حکم کے مقابلہ میں نظر انداز کر دے گا چنانچہ تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ
ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک بہادر دشمن مغلوب ہو کر ان کی گرفت
میں آگیا اور انھوں نے اس کے سینہ پر چڑھ کر اپنا خنجر میان سے نکال
لیا تو اس دشمن نے آپ کے روئے مبارک پر تھوک دیا۔ حضرت علی فوراً اس کے
سینہ سے اتر آئے۔ لوگوں نے حیران ہو کر اسکا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا
ابتک میں اس شخص سے اللہ کے واسطے لڑ رہا تھا مگر اب اس کی اس ناشائستہ
حرکت سے میرے دل میں انتقامی جذبات پیدا ہو گئے۔ اب اگر میں اسے
قتل کرتا تو وہ فی سبیل اللہ نہ ہوتا بلکہ نفس کی خاطر ہوتا۔

اعلاء کلمۃ اللہ کا مقصد اعلیٰ اور اخلاص فی سبیل اللہ کا جذبہ ارفع
ہی وہ قوت بالادست ہے جو اسلام کے قوانین جنگ کے نفاذ کی مکمل
ضمانت ہے۔ بین الاقوامی قانون جنگ اور اسلام کے قانون جنگ کی
مذکورۂ بالا اصلاحات اگرچہ ملتی جلتی ہیں مگر دونوں میں بنیادی فرق یہی
ہے کہ ان کی پشت پر کوئی مضبوط قوت نافذہ موجود نہیں۔ صرف اخلاقی
قوت ہے جو آج کی لادینی دنیا میں کوئی وزن نہیں رکھتی اور ان کی پشت
پر اللہ کی خشیت کی وہ مضبوط طاقت ہے جس کے آگے جنگ و صلح اور
فتح و شکست کی ہر حالت میں ایک مسلم کا سر تسلیم خم ہے۔

پہلی قوت کی بے بسی کا حسرت ناک منظر ساری دنیا کی نگاہوں کے
سامنے ہے کہ دنیا کی دو عظیم طاقتوں برطانیہ اور فرانس نے تمام بین الاقوامی
قوانین کو پامال کرتے ہوئے عین اسوقت جبکہ اقوام متحدہ کے ایوان میں
مصالحت کی گفتگو جاری تھی، مصر پر حملہ کر کے ہزاروں عمارتوں کو منہدم
اور ہزاروں پرامن شہریوں کو تہ تیغ کر دیا۔ اور آج تک حملہ آور فوجیں
غزہ کی سرزمین پر دندناتی پھر رہی ہیں۔ مگر دوسری قوت کی مضبوطی کا
کا حال یہ تھا کہ حضرت امیر معاویہ کے عہد میں ان کے اور شہنشاہ روم کے
ایک میعادی معاہدہ تھا۔ جب میعاد ختم ہونے کے قریب آئی تو رومی سرحد

حضرت مولانا عبدالسلام قدوائی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

پیغمبرِ امن و سلام

رسول اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے دنیا جن حالات سے گذر رہی تھی، ان کے متعلق کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، ایک نامور مستشرق، مسٹر جے، ایچ، ڈنسن (J.H.DENSION) نے چند الفاظ میں اس دور کا نقشہ بڑی خوبی کے ساتھ کھینچ دیا ہے، فرماتے ہیں:-

"پانچویں اور چھٹی صدیوں میں متمدن دنیا انتشار اور بدنظمی کے کنارے پہنچ چکی تھی، پرانی جذباتی تہذیبیں جنھوں نے انسانوں میں وحدت اور اپنے حکمرانوں کے احترام کا احساس پیدا کرکے تمدن کے قیام کو ممکن بنا دیا تھا، اب شکستہ ہو چکی تھیں، اور کوئی ایسی چیز دریافت نہ ہو سکی تھی جو اُن کی جگہ لے سکنے کے قابل ہو، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ عظیم الشان تمدن جو چار ہزار سال کی مدت میں تعمیر ہوا تھا، انتشار کے کنارے پہنچ گیا ہے اور انسانیت پر وہ دور پھر آنیوالا ہے، جب بربریت اور درندگی ہر طرف چھائی ہوئی تھی، اور ہر قبیلہ اور ہر فرقہ دوسرے کے خون کا پیاسا تھا اور قانون یا نظم کا نام و نشان تک باقی نہ رہا تھا۔ قدیم قبائلی دستور اپنی قوت کھو چکے تھے، عیسائیت کے پیدا کردہ نئے دستور وحدت اور نظم قائم کرنے کے بجائے، تقسیم و تخریب کا کام کر رہے تھے، تمدن اس تناور درخت کی طرح جس کی پتیاں تمام دنیا میں پھیل گئی تھیں کھڑا لڑکھڑا رہا تھا، اور اندر اندر بالکل سڑ گیا تھا، کوئی ایسی جذبات آفرین تہذیب نظر نہ آتی تھی، جو قدیم تہذیب کی جگہ لے سکتی اور انسانیت کو دوبارہ متحد کرکے تمدن کو تباہی و بربادی سے بچا لیتی[1]"

یہ حالات تھے جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اصلاحی دعوت کا آغاز کیا، آپکے سامنے کوئی ایک قبیلہ، قوم یا ملک نہ تھا، بلکہ آپ سارے عالم کو راہ حق دکھانا۔ اور ساری نوع انسانی کو مشکلات و مصائب سے نجات دلانا چاہتے تھے، لیکن مشکل یہ تھی کہ انسانیت کی وحدت کا تصور کسی کے ذہن میں باقی نہ رہ گیا تھا، اس دنیا میں ... قبیلے تھے، ریاستیں تھیں، ملک تھے، رنگ تھے اور نسلیں تھیں لیکن انسان نہ تھے، آبادیوں کی علیحدگی، رنگوں کے فرق ملکوں کی حد بندیوں اور خاندانوں کے امتیاز نے انسانیت کو پارہ پارہ کر دیا تھا، اس انتشار میں اتحاد، اور اس رنگا رنگی میں یک رنگی کا تصور ذہنوں سے نکل گیا تھا، اور لوگ بھول گئے تھے کہ وہ ایک ہی اصل کی فرع اور ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں، معاشی ضرورتوں سے دور دور پھیل گئے ہیں آب و ہوا اور مشاغل کے فرق سے رنگ روپ بدل گئے ہیں، اور زبانوں اور تہذیبوں میں فرق ہو گیا ہے، بڑے بڑے فلسفی تک وحدتِ انسانی کے تصور کو اسقدر فراموش کر چکے تھے، کہ ارسطو جیسے شخص نے سکندر کو نصیحت کی تھی کہ

"تو یونانیوں کے ساتھ دوستوں اور رشتہ داروں کا سا برتاؤ کر اور ان کے علاوہ غیروں کے ساتھ ایسا برتاؤ کر جیسا کہ درندوں اور درختوں کیساتھ کیا جاتا ہے۔[2]"

انسانیت کی تفریق کا تخیل یہاں تک دماغوں پر چھا گیا تھا کہ خدا بھی ایک نہیں رہ گیا تھا، بلکہ ہر خاندان اور ہر قبیلہ کا ایک الگ معبود بن گیا تھا۔

ان حالات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ انقلاب انگیز اعلان کیا،

"سب انسان بھائی بھائی ہیں، نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے، نہ عجمی کو عربی ..... پرہیزگاری کا تفوق ہے"

آپ نے فرمایا میں کسی ایک کا بھلا نہیں چاہتا ہوں بلکہ تمام انسانوں کو راہِ حق دکھانا میرا مقصد ہے، کالے ہوں یا گورے میں سبھی کا خیر خواہ ہوں اور سارے عالم کے لئے امن و رحمت کا پیام لیکر آیا ہوں، آپ نے صرف زبان ہی سے یہ اعلان نہیں کیا بلکہ ان الفاظ کو اسلامی زندگی کا دستور العمل بنا دیا، خود بھی اس پر ساری زندگی عمل کیا اور اپنے پیرووں کو بھی اس عمل کی تاکید کی، آپ نے اُن کے سامنے اپنے عمل کا ایک ایسا واضح نمونہ قائم کیا، کہ انسانیت کی وحدت کا تصور کبھی ان کے دل سے نکل نہ سکا اسطرح آپ نے عداوت و دشمنی اور افتراق و انتشار کی سب سے بڑی بنیاد ڈھا دی، آپ نے یہ حقیقت بھی لوگوں کے دلوں میں اچھی طرح سے جمانے کی کوشش کی کہ انسانی وحدت کا تصور اسوقت تک پورے طور پر ذہن نشین نہیں ہو سکتا جب تک کہ وحدتِ معبود کا عقیدہ دلنشین

[1] ... [2] سیرت نبوی،

[1] اکنامک لائف آف دی اینشنٹ ورلڈ۔ [2] سیرت نبوی،

ذ ہو جائے، جب تک ہر قبیلہ کا خدا الگ اور ہر قوم کا خالق جدا سمجھا جائیگا اسوقت تک ناممکن ہے کہ سب انسان کسی ایک مرکز پر جمع ہو سکیں، نفسیاتِ اجتماعی کے علاوہ مشاہدۂ فطرت اور مطالعۂ کائنات بھی اسی نتیجہ تک پہنچاتے ہیں، اور خلاقِ عالم کی یکتائی کا یقین دلاتے ہیں، ایک خدا نے تمام انسانوں کو بنایا ہے، اور سب آدمی ایک ہی اصل کی شاخیں اور ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں، ان ہی بنیادی حقیقتوں پر انسانیت کی تعمیر ہو سکتی ہے اور نزاعوں اور تفرقوں کی جڑ کٹ جاتی ہے، اس لئے آپ نے ان دو اصولوں پر بہت زور دیا۔

اِن بنیادی باتوں کے بعد تفرقہ کی چند اور باتیں بھی تھیں، لوگ ذاتوں اور پیشوں کی بنا پر بھی ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تھے، لیکن آپ نے اس تفریق کے خلاف بھی آواز اٹھائی، آپ نے پیشوں کو نہ خاندانی قرار دیا، اور نہ انھیں عزت و ذلت کا معیار تسلیم کیا، بلکہ ہر شخص کو پوری آزادی دی کہ وہ اپنے حالات، ضروریات مزاجی مناسبت اور طبعی ذوق کی بنا پر اپنے لئے جو پیشہ مناسب سمجھے اختیار کرے کسی پیشہ کی بنا پر کوئی شریف یا رذیل نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ اپنے اعمال کی بنیاد پر عزت یا ذلت کا مستحق ہوگا، اگر سلیقہ، دانش مندی، اور ایمانداری کے ساتھ کام کرے گا تو عزت کی نظر سے دیکھا جائے گا، لیکن بد سلیقگی، فریب اور بد دیانتی سے کام کرنے والا برا سمجھا جائے گا، خواہ کتنا ہی اہم پیشہ کیوں نہ اختیار کرے، رنگ و نسل اور ملک و قوم کے ہاتھوں دنیا جسطرح مصیبت میں مبتلا تھی، اسی طرح بلکہ، شاید اُس سے بھی زیادہ مذہبی گروہ بندیاں انسانیت کے لئے تباہ کن تھیں، ایک مذہب کے ماننے والے دوسرے مذہب کے ماننے والوں کے جانی دشمن تھے، اور اپنے خیالات و مقاصد سے اختلاف رکھنے والوں کو قابل گردن زدنی سمجھتے تھے، اپنے مذہب پر عمل کرنے کے خیال سے زیادہ دوسرے مذہب والوں کے ساتھ دشمنی کا جذبہ عام تھا، یہ تعصب بسا اوقات دیوانگی کی حد تک پہنچ جاتا تھا، اور درندوں کی طرح انسان انسان کا خون چوسنے میں مطلق تامل نہ کرتے تھے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعصب کی ماری ہوئی دنیا کو غور و فکر، صبر و تحمل اور انصاف و رواداری کی تلقین کی، آپ نے اپنے نامۂ ہدایت کا یہ روادارانہ اعلان پڑھ کر سنایا، لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ، دین کے بارے میں کسی قسم کا جبر روا نہیں ہے، آپ نے لوگوں کو سمجھایا کہ

عقیدہ دل کے یقین کا نام ہے یہ مقصد زور و طاقت سے حاصل نہیں ہو سکتا جبر سے زبان بندی کی جا سکتی ہے لیکن دل مطمئن نہیں ہو سکتا ہے، اسلئے تشدد کے بجائے اپنی بات اسطرح سمجھانے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ مخالف کے دل میں اتر جائے، اس موقع پر آپ نے اس حقیقت کی جانب توجہ دلائی کہ

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ، ہر گروہ اپنے خیالات میں مگن ہو تا ہے

اسلئے کسی کے خیالات پر دل آزار طریقہ سے تنقید ناگوار کا باعث ہوتی ہے بحث و گفتگو میں اس کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ ہماری کسی [illegible] سے مخالف کے دل کو ٹھیس نہ لگنے پائے ورنہ اس کے اندر انقباض کی کیفیت پیدا ہو جائے گی، اور معقول سے معقول بات بھی اس پر اثر نہ کرے گی

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ، اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ دعوت دو اور ان سے بہت ہی اچھی طریقہ سے بحث کرو،

اس ہدایت کے ساتھ آپ نے مذہب کی حقیقت اسکا مقصد اور اس کی حقیقی تعلیمات کو سمجھنے کی جانب توجہ دلائی، دنیا کے تمام مذاہب ان بنیادی صداقتوں پر متفق ہیں، جو بنی نوع انسان کی فلاح و سعادت کی ضامن ہیں، ایمان داری، راست بازی، انصاف، رحم، حسن سلوک، صلہ رحمی، صبر، استقامت، پابندیٔ عہد، ایفائے وعدہ، خوش اخلاقی، طہارت اور پاکیزگی وغیرہ فضائل اخلاق پر تمام مذاہب نے زور دیا ہے، اور خیانت و بد دیانتی، بد عہدی، بیوفائی، ظلم و بے رحمی، کذب و غیبت، بغض و حسد، قتل و غارت گری، بے حیائی و بدکاری وغیرہ رذائل و عادات قبیحہ سے اجتناب کی سب نے تاکید کی ہے،

اسی طرح تمام مذاہب اپنے آپ کو کسی مقدس شخصیت سے منسوب کرتے ہیں، اللہ کے ان مقدس پیغمبروں کے حالات اور نام سے خواہ ہم واقف ہوں یا ناواقف، لیکن اتنا بہرحال یقینی ہے کہ زمین کا کوئی خطہ اور انسانوں کا کوئی گروہ ایسا نہیں ہے جس کے پاس خدا کا کوئی پیغمبر نہ پہنچا ہو۔

لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ، یعنی ہر قوم کے لئے ایک راہ ہدایت دکھانے والا ہے،

دین کے اصل مسائل اور بنیادی ہدایات میں تمام انبیا علیہم السلام متفق ہیں البتہ زمانہ کے حالات، قوم کی مخصوص ضروریات [illegible] کے لحاظ سے مذہبی رسوم و آئین میں کسی قدر فرق ہوتا ہے، [illegible]

اور متفق علیہ ہیں یہی اصل دین ہیں، باقی رسوم و آئین جو مختلف قوموں کی ضروریات اور ان کے زمانے کے حالات کے مطابق مختلف ہوتی رہی ہیں، آپ کو جو صحیفۂ ربانی عطا ہوا تھا، اس میں بنیادی صداقتوں کو دین اور رسوم و آئین کو شرع و منہاج کا نام دیا گیا ہے[1] دین ہمیشہ سے ایک ہی ہے، اور ایک ہی رہیگا، فرق صرف شرع و منہاج میں ہے، پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تمام قوموں کو دعوت دی کہ وہ اپنے نبیوں کی ہدایت پر عمل کریں اور ان احکام کی تعمیل کریں، جو اُن کی اصل کتابوں میں درج ہیں،

قرآن مجید وہی اصلی تعلیم دیتا ہے، جو اگلی مقدس کتابوں میں دی جا چکی ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہی صراط مستقیم اختیار کرنیکا مشورہ دیتے ہیں، جس پر سابق انبیا علیہم السلام چل چکے ہیں، یعنی

اِھدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ صِرَاطَ الَّذِینَ اَنعَمتَ عَلَیھِم، ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت دے یعنی ان لوگوں کی راہ کی جن پر تو نے انعام فرمایا تھا،

قرآن مجید پچھلی کتابوں کی تعدیق کرتا ہے، "مُصَدِّقٌ لِّمَا بَینَ یَدَیہِ" اور گذشتہ پیغمبروں کی زندگی کو نشان راہ قرار دیتا ہے، "فَبِھُدٰھُمُ اقتَدِہ" آپنے اس بات پر اتنا زور دیا کہ اس کو تسلیم کئے بغیر کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا ہے، ہر نبی کی عزت کرنا اور ہر مقدس کتاب کی تعظیم کرنا مسلمانوں کا اولین فرض ہے، اگر کوئی کسی ایک کتاب کو نہ مانے یا کسی ایک صحیفہ کا انکار کرے تو وہ مسلمان نہیں رہ سکتا ہے،

دنیا میں فتنہ و فساد دور کرنے کی اس سے بڑھ کر اور کیا صورت ہو سکتی تھی، کہ تمام مذاہب کا احترام کیا جائے، داعیان مذہب کی عزت کیجائے اور مقدس صحیفوں کی تنظیم کی جائے، لیکن یہ مصالحانہ دعوت اُن لوگوں کو کیونکر گوارا ہو سکتی تھی، جن کا اثر و اقتدار مذہبی اختلاف پر منحصر تھا، اور جنکے گھر کی رونق ہنگامہ ہی پر موقوف تھی، ان لوگوں نے آپؐ کی اس روادارانہ دعوت کی مخالفت کی، اور عوام الناس کو ظاہری رسوم اور نمائشی اعمال میں الجھا کر اصل دین کی طرف رُخ نہ کرنے دیا، لیکن آپؐ ان لوگوں کی مخالفت کے باوجود برابر اس خیال کی تبلیغ کرتے رہے اور اپنی انتھک جد و جہد سے ایک ایسی جماعت تیار کر دی جس نے تعصب کی شدید آندھیوں میں بھی رواداری کا چراغ گل نہ ہونے دیا، اس تعلیم کا اثر یہ ہوا کہ تیرہ چودہ سو برس کے طویل دور میں کبھی کسی مسلمان نے کسی مذہب کی توہین نہیں کی، بلکہ ہمیشہ ادب و احترام سے ان کا ذکر کیا، قرآن مجید نے خاص اہتمام سے انبیا علیہم السلام کی پاکیزہ سیرتیں اور انکی کتابوں کی سچی تعلیمات بیان کیں، اور غرض مند و نفس پرستوں نے اپنی اغراض کی تکمیل اور اپنی نفس پرستی کے جواز کے لئے مقدس بزرگوں اور ان کے صحیفوں پر جو دھبے لگانے چاہے تھے انھیں صاف کرنے کی کوشش کی، اگر آج تمام سچے اہل مذہب اس بنیاد پر مجتمع ہو کر مذہب کی اصل حقیقت لوگوں کو بتائیں اور اس کے اعلیٰ روحانی تصور اور بلند تعلیمات کو ذہن نشین کرائیں، تو عوام الناس، صاحب غرض مذہبی تاجر کے ہاتھوں سے محفوظ ہو جائیں اور ایک طرف مذہب کا روشن اور خوشنما چہرہ داغدار ہونے سے بچ جائے، اور دوسری طرف یہ دنیا فتنہ گاہ کے بجائے انسانوں کے لئے راحت کدہ بن جائے، قرآن مجید نے وضاحت کے ساتھ شاہراہ عمل نمایاں کر دی ہے، اور تحریف و تغیر سے پاک دستور العمل سب کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

ملک و قوم اور رنگ و نسل کے تفرقوں اور مذہبی تعصب کے ہنگامہ سے لوگوں کو محفوظ رکھنے کے علاوہ آپؐ نے سیاسی اور معاشی جبر و تعدی کے وسائل و اسباب پر بھی کاری ضرب لگائی، آپؐ نے انسان پر انسان کی حکومت کو غلط قرار دیا، ملوکیت و بادشاہت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا، مَلِکٌ (بادشاہ) تو اللہ ہے، انسانی عظمت کی حد یہ ہے کہ وہ عَبدُ المَلِکِ ہو جائے، اسلامی سفیروں نے رومی اور ایرانی دربار میں اس خیال کی کتنی واضح ترجمانی کی ہے،

فرمایا:- "تمہارے یہاں بعض لوگ بعض کے خدا ہوتے ہیں، لیکن ہمارے یہاں یہ طریقہ نہیں ہے، کہ ایک شخص خدا بنکر بیٹھے اور دوسرے اسکی بندگی کریں، ہم نے جس شخص کو اپنا امیر بنایا ہے، اگر اسے ایک لمحہ کیلئے بھی بادشاہی کا خیال آجائے تو ہم اسے معزول کر دیں، وہ اپنے آپکو ہم پر ترجیح نہیں دے سکتا ہے، زنا کرے تو درے لگائے جائیں، چوری کرے تو ہاتھ کاٹے جائیں اپنے کو وہ کسی سے بڑا نہیں جانتا، دولت میں

---

[1] دین اللہ شرع" دونوں پر اپنے زمانہ کے پیغمبر کی لائی ہوئی تفصیلات کے مطابق ایمان لانا ضروری ہے۔ چنانچہ آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیفہ ربانی قرآن کریم ہی جو دین و شریعت دونوں کا جامع ہے، واحد ذریعہ ہدایت ہے (مدیر)

...سے زیادہ نہیں ہے، سب سے بے روک ٹوک ملتا ہے،[۱]
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہنشاہ کا لفظ کبھی سننا پسند نہیں کیا،
...مرتبہ کسی نے آپ کو سیدنا کہا، آپ نے منع کیا اور فرمایا سید تو
...ہے غلام کے متعلق یہ تاکید تھی کہ کوئی اسے عبد نہ کہے، بلکہ فتیٰ (جوان)
...کو رب نہیں بلکہ مولیٰ (ہمدرد دوست) کہا جائے،[۲] آج لوگ روسو
...اس فقرہ پر سر دھنتے ہیں کہ۔
"انسان آزاد پیدا ہوتا ہے، مگر جدھر دیکھو پابہ زنجیر نظر آتا ہے"[۳]
لیکن اسلام کا تیرہ چودہ سو برس سے یہ اصول ہے۔
إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَكَ حُرًّا فَكُنْ كَمَا خَلَقَكَ[۴] اللہ نے تجھے آزاد
پیدا کیا ہے پس تو اسی طرح رہ جسطرح اللہ نے تجھے پیدا کیا ہے۔
صرف زبانی احکام نہ تھے بلکہ آپ نے ان پر عمل کرایا اور ان ہدایات کی روشنی
میں آپ کے پیروؤں نے ایسا مکمل جمہوری نظام قائم کیا، جو نوعِ انسانی کے
لئے ہمیشہ شمع ہدایت کا کام دیگا،
سیاست کی طرح معیشت کی راہ سے بھی جبر و تعدی کے جو امکانات
تھے، آپ نے ان سب کو ختم کر دیا، اس مختصر تحریر میں تفصیل کی گنجایش
نہیں، مختصر یوں سمجھیے کہ دولت کی پیدائش، مبادلہ اور صرف کے متعلق
ایسی ہدایتیں دیں کہ ان پر عمل کے بعد کسی معاشی ناانصافی کا امکان باقی
نہیں رہتا، معاملات میں ہر موقع پر یہ اصول پیش نظر رکھنے کی تاکید کی ہے،
کہ نہ کسی انسان کو دھوکا دیا جائے نہ اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا جائے
نہ ظلم و تخمین سے کام لیا جائے، اسلام کے معاشی نظام میں فرد اور جماعت
کے درمیان توازن پیدا کیا گیا ہے، افراد کو اپنے جوہر دکھانے کی اجازت
ہے لیکن یہ لحاظ رکھا گیا ہے کہ افراد کا مفاد جماعت کے مفاد سے متصادم
نہ ہو افرد کو جماعت کا خیر خواہ اور جماعت کو افراد کی بہبودی کا ذمہ دار
بنایا گیا ہے، ہر فرد کو حق ہے کہ وہ اپنی معاشی ضروریات کی فراہمی کے لئے
جد و جہد کرے، لیکن کسی شخص کو یہ اجازت نہیں ہے کہ جماعت کی قوت
پیدائش پر اثر انداز ہو، یا دوسرے افراد کی ترقی میں روک بن سکے،
ایسی چیزوں کی پیدائش کا کام جماعت کے انتظام کر دی گئی ہے، جن سے جماعت کو
نقصان پہنچے، محدود انفرادی ملکیت کی اجازت ہے، لیکن اسے حکومت کی
نگرانی اور قانون کے دائرہ میں محدود کر کے مفاد قومی کے تابع کر دیا گیا ہے
اسلام دولت مند کو اس کی دولت کا مالک نہیں بلکہ امین قرار دیتا ہے اسطرح
وہ یہ جائز قرار نہیں دیتا ہے کہ آدمی جسطرح چاہے اور جس مقدار میں چاہے اپنی
دولت صرف کرے، بلکہ وہ پیدائش کی طرح صرف دولت کے لئے بھی ہدایات
متعین کر دیتا ہے جن کی پابندی ضروری ہے، فضول اور بے جا خرچ کرنیوالوں
کو شریعت نے مجرم قرار دیا ہے، اور انہیں شیطان کا بھائی قرار دیا ہے، اسلامی
شریعت نے سرمایہ داری کی حد بندی کی، اور ایسے قوانین نافذ کئے جن کے بعد
دولت صرف چند مالداروں کے درمیان مقید نہ ہونے پائے بلکہ ساری دنیا میں
پھیلتی اور تقسیم ہوتی رہے، زکوٰۃ، صدقات، کفاروں کی ادائیگی، اور انفاق
فی سبیل اللہ کے حکم عام سے زندگی میں دولت مند کو اپنی دولت کا ایک حصہ
غریبوں تک پہنچانے پر مجبور کر دیا گیا ہے، اور موت کے بعد قانونِ وراثت کے ذریعہ
اسے بہت سے حصوں میں تقسیم کر دیا اسطرح مستقل سرمایہ داری کے قیام کا
امکان باقی نہیں چھوڑا،
اسلام نے سرمایہ اور محنت کے درمیان صحیح توازن قائم کیا، اس نے
بے زر اور بیکار اشخاص کو اپنے ہنر کے اظہار اور کارگذاری کا موقع دیا، سرمایہ
کو بے کار پڑے رہنے سے بچانے کا اہتمام کیا، اور نااہل سرمایہ دار کو مال
برباد کرنے سے محفوظ رکھا، زمین کو خدا کی ملکیت قرار دیا الْأَرْضُ لِلّٰهِ۔
اسطرح خلیفہ اور حکمران کو حق دیا کہ وہ اسے لوگوں کے درمیان تقسیم کرے،
واضح قوانین اور ہدایات عامہ کے ذریعہ سرمایہ دار اور مالکانِ اراضی کو
اسکا موقع نہیں دیا کہ وہ محنت کش طبقوں کو اپنا غلام بنا سکیں،
الغرض پیغمبر اسلام محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی کے تمام
پہلوؤں پر نظر ڈالی، اور ہر گوشہ سے ظلم و جبر کو دور کرنے کی کوشش کی، اور اس
اختلاف گاہ عالم میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی جد و جہد کی، آپ کا لایا ہوا صحیفہ
ربانی اور آپ کی زندگی کا اعلیٰ نمونہ آج بھی موجود ہے اور انسانیت کو فلاح و کامرانی
کی منزل تک پہنچانے میں دلیل راہ کا کام دے سکتا ہے، ضرورت ہے کہ ہم ان
اپنی زندگی کا دستور العمل بنائیں، اس کی روشنی میں دنیا کے پیچیدہ اور پریشان
کن مسائل کو حل کر کے عالمگیر صلح و اتحاد اور خوشحالی و فارغ البالی کے دروازے
کھول لیں اور مشرق و مغرب کے اندھیرے کو تعلیمات محمدی کی روشنی سے منور کر دیں
دنیا کی متحارب طاقتوں کے درمیان ایک امت وسطیٰ بن جائیں، اور بقول
ڈاکٹر نیول وہیٹ مین (DR. Neville whymant) دنیا کو
دیکھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر مشرق و مغرب ملتے ہیں۔

---

[۳] سعادت کا ... [illegible]

[۱] ملاحظہ ہو سیرت ... [illegible]

تاریخ وسوانح ★ —— قاضی زین العابدین

فاتحین اسلام کا سلوک مفتوحین کیساتھ

پانچویں صدی ہجری کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب خلافت عباسیہ کا آفتاب اقبال ڈھل چکا تھا۔ مسلمانوں کی فرقہ وارانہ خانہ جنگیوں نے ان کا شیرازہ بکھیر دیا تھا اور قسطنطنیہ کی عیسائی حکومت ایشیا و افریقہ پر دوبارہ اپنا اقتدار قائم کرنے کے حسین خواب دیکھ رہی تھی۔

اس نازک زمانہ میں، خدا کی رحمت بن کر سلجوقی میدان سیاست میں نمودار ہوئے۔ انھوں نے خلیفہ بغداد کا دایاں ہاتھ بن کر مسلمانوں کے اقتدار کی گرتی ہوئی دیوار کو تھام لیا۔

سلجوقیوں کا پہلا بادشاہ طغرل بیگ تھا، اس نے رومیوں کو کئی مرتبہ شرمناک شکست دی۔ اس کے انتقال کے بعد، ۴۵۱ھ میں اسکا دلیر اور بہادر بھتیجا الپ ارسلان تخت پر بیٹھا۔

اسکے زمانہ میں شہنشاہ روم ایک لاکھ سوار فوج اور یورپین ملکوں کے والنٹیروں کی بہت بڑی جمعیت لے کر اسلامی علاقہ پر حملہ آور ہوا۔ سلطان الپ ارسلان بھی چالیس ہزار مجاہدوں کو لے کر آگے بڑھا۔ دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اور خنجر ہلال نے صلیب کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ ہزاروں عیسائی مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہوئے مگر سلطان نے معمولی فدیہ کی رقم لیکر سب کو چھوڑ دیا۔

چاہئے تو یہ تھا کہ شہنشاہ روم سلطان کا احسان مند ہوتا۔ مگر اسے اس شرمناک شکست سے اور بھی طیش آیا اور پہلے سے بھی زیادہ تیاریوں کے ساتھ وہ دوبارہ اسلامی علاقہ پر حملہ آور ہوا۔

سلطان پھر مقابلہ کے لئے نکلا۔ وہ خدا کے بندوں کا خون بہانا بالکل پسند نہ کرتا تھا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح لڑائی ٹل جائے مگر شہنشاہ روم اس مرتبہ اپنی تین لاکھ ٹڈی دل فوج پر بیحد مغرور تھا، وہ کسی طرح واپس جانے کے لئے تیار نہ ہوا۔

سلطان نے تخت سے نیچے اتر کر اپنا چہرہ فرش خاک پر رکھدیا۔ [illegible]

فتح کی دعا مانگی۔ پھر اپنی فوج کے مٹھی بھر بہادروں کو جن کی تعداد صرف بارہ ہزار تھی، اسطرح خطاب کیا:—

مجاہدین اسلام! مجھے تمہاری وفاداری اور جاں نثاری کا پورا تجربہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم شہادت کو سب سے بڑی نعمت سمجھتے ہو۔ مگر پھر بھی میں اجازت دیتا ہوں کہ تم میں سے جو شخص لڑنے کے لئے تیار نہ ہو وہ واپس چلا جائے۔

مگر یہ مجاہدین بھی آخر الپ ارسلان کے تربیت یافتہ تھے ایک نے بھی پیچھے مڑ کر دیکھنا پسند نہ کیا اور اسطرح رومیوں کے جتھوں میں گھس گئے جسطرح بھیڑیئے بھیڑوں کے گلوں میں۔

تھوڑی ہی دیر میں ناقوس کی صدا مدہم پڑ چکی تھی، میدان نعرہ ہائے تکبیر سے گونج رہا تھا۔ ہزاروں عیسائی خاک و خون میں تڑپ رہے تھے اور مغرور شہنشاہ روم سلطان الپ ارسلان کے سامنے زنجیروں میں جکڑا کھڑا تھا۔ مشہور عیسائی مورخ گبن لکھتا ہے کہ:—

جب الپ ارسلان کی نگاہ شہنشاہ پر پڑی تو سلطان تخت سے اتر کر چند قدم آگے بڑھا۔ نہایت تپاک کے ساتھ اس سے ہاتھ ملایا اور بڑی عزت کے ساتھ اسے اپنے برابر تخت پر بٹھایا۔ سات روز تک لشکر میں فتح کا جشن رہا۔ اس کے بعد سلطان نے شہنشاہ سے کہا

اے شہنشاہ اب تم مجھ سے کس سلوک کی امید رکھتے ہو؟

شہنشاہ نے جواب دیا:— اگر تم ظالم ہو تو مجھے قتل کردو، مغرور ہو تو قید میں ڈال دو اگر دوراندیش اور وسیع النظر ہو تو فدیہ لیکر آزاد کردو

سلطان نے کہا:— اگر مجھے شکست ہوتی اور تمہارے سامنے گرفتار ہو کر پیش ہوتا تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے؟

شہنشاہ نے گستاخانہ جواب دیا:— میں تمہارے لئے سزا تازیانہ تجویز کرتا۔

سلطان یہ جواب سن کر ہنس پڑا اور جواب دیا۔ یہ دستور عیسائیوں کا تھا [illegible]

تبصرہ و تعارف

"نئی نسلیں" ۔ سالگرہ نمبر :- مرتبہ م نسیم و طیب عثمانی و ابو المجاہد زاہد وغیرہم ضخامت ۲۰۰ صفحات ۔ سائز ۱۸×۲۲/۸ کتابت و طباعت اعلیٰ قیمت خاص نمبر ایک روپیہ ۔ ملنے کا پتہ دفتر نئی نسلیں ۔ یحییٰ گنج لکھنؤ ۔

"نئی نسلیں" کا تعارف الحرم کے صفحات پر کئی بار کرایا جا چکا ہے ۔ یہ ایک سنجیدہ، ستھرا اور دلچسپ ادبی پرچہ ہے جسکا مقصد خدا پرستانہ پاکیزہ اور تعمیری ادب کا تریاق مہیا کر کے ملک کے نوجوانوں کو فلمی رومانوی اور افسانوی لٹریچر کے زہریلے اثرات سے بچانا ہے ۔

اپنی زندگی کے چوتھے سال کے آغاز میں اس پرچہ نے اپنا ضخیم سالگرہ نمبر شائع کیا ہے ۔ اس نمبر میں مقالات علمیہ، تنقیدی مضامین، افسانے ڈرامے، نظمیں اور غزلیں سب ہی کچھ ہے اور جو کچھ ہے بہت خوب ہے ۔ یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے کہ باطل کے حملوں کی مدافعت کے لئے اہل حق اصحاب قلم کی ایک جماعت ادبی میدان میں بھی آ گئی ہے اور وہ اسلام اور انسانیت کی جدید ہتھیاروں سے مسلح ہو کر مدافعت کر رہی ہے ۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اسلامی ادب کے علمبردار اپنی کوششوں میں کامیاب ہوں اور "نئی نسلیں" "اپنی" "پرانی اصل" کا تحفظ کر سکیں ۔ ناظرین الحرم سے ہم اس مجموعہ کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں ۔

رضوان (لکھنؤ) :- ادارہ تحریر مولانا محمد ثانی حسنی و محترمہ امۃ اللہ تسنیم ۔ سائز ۱۸×۱۲/۸ صفحات ۳۲ ۔ کتابت و طباعت جلی و نفیس ۔ چندہ سالانہ تین روپے ۔ ملنے کا پتہ دفتر "رضوان" ۳۰ گوئن روڈ لکھنؤ ۔ فحش رسائل و کتب کی تاخت سے ہمارے ملت کدے بھی محفوظ نہیں ہیں اور ریڈیو کی وساطت سے شیطان کی آواز پردہ ساتت تالوں میں بھی پہنچ رہی ہے ۔ سخت ضرورت تھی کہ شریف گھرانوں کی بہو بیٹیوں کو بد اخلاقی کے اس سیلاب سے بچایا جائے اور اللہ کا پیغام ان کے کانوں تک پہنچایا جائے ۔

الحمد للہ کہ لکھنؤ کے مشہور دینی گھرانے کی قابل فخر خاتون محترمہ امۃ اللہ تسنیم سے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی یہ خدمت لی اور انہوں نے عورتوں کے لئے ایک صاف ستھرا معیاری دینی رسالہ جاری کر دیا ۔

اس رسالہ کی ترتیب و تزئین میں موصوفہ محترمہ کے نامور بھائی مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے علاوہ دوسرے ممتاز اہل قلم مولانا محمد منظور مولانا محمد ادریس ندوی مولانا عبد الرب صوفی وغیرہ بھی حصہ لے رہے ہیں مضامین سب مستند، مفید اور ہلکی پھلکی زبان میں ہوتے ہیں ۔ رسالہ کتابت بھی جلی ہے تاکہ بوڑھی عورتیں بھی اس سے استفادہ کر سکیں ۔

ہم ناظرین الحرم سے اپنی بہو بیٹیوں کے لئے اس رسالہ کی خریداری کی پُر زور سفارش کرتے ہیں ۔

مقالاتِ اکابر دار العلوم :- مرتبہ مولانا محمد سالم صاحب قاسمی ۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۱۹۲ ۔ کتابت طباعت و کاغذ عمدہ ۔ مجلد مع رنگین گرد پوش : قیمت ۶/۔ ملنے کا پتہ :- ادارہ تاج المعارف ۔ طیب منزل ۔ دیوبند ۔ یہ کتاب دراصل ادارہ تاج المعارف دیوبند کے سہ ماہی رسالہ کا تازہ نمبر ہے ۔ ادارہ کا مقصد یہ ہے کہ زمانہ حال کے مسائل کے متعلق اکابر علما، جماعت دیوبند کے بلند پایہ افکار سے ملت کو روشناس کرایا جائے ۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند اس ادارہ کے سرپرست ہیں اور آپکی سرپرستی ادارہ کے مقاصد کے حسن تکمیل کی ضمانت ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرات علماء دیوبند کو علم و معرفت کے جو خزانے عطا فرمائے ہیں وہ ملت اسلامیہ کا بہترین سرمایہ ہیں ۔ تاہم یہ سرمایہ تحریروں کی بجائے تقریروں کی صورت میں زیادہ لٹایا جاتا رہا ہے ۔ اور اس امر کے اعتراف میں کوئی تامل نہ ہونا چاہیے کہ تصنیف و تالیف کے جدید انداز اور زبان و بیان کے نئے اسلوب کو قبول کرنے میں ہمارے علماء نے وقت کے تقاضوں کا زیادہ ساتھ نہیں دیا ۔ تاہم زیر نظر رسالہ میں "اکابر علماء" کی فہرست میں جو وسعت نظر آتی ہے اس کے پیش نظر اگر تلاش و جستجو سے کام لیا جائے تو جماعت دیوبند کے بحر ذخار سے بہت سے گوہر ہائے آبدار نکالے جا سکتے ہیں ۔

اس رسالہ میں حضرت شیخ الہند رح، حکیم الامۃ حضرت تھانوی رح، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رح، حضرت مدنی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا اعزاز علی رح، جناب مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا محمد طاہر قاسمی و مولانا حامد الانصاری غازی کے علمی دینی اور تاریخی مقالات و مضامین ہیں۔ شروع میں حضرت مہتمم صاحب کا ایک مضمون "اسلام کا پیغام بطور مقدمہ" شامل ہے۔ تمام مضامین ایمان افروز اور معلومات افزا ہیں اور اس قابل ہیں کہ ہر مسلمان ان کو بار بار پڑھے۔

ہم مولانا سالم صاحب کو اس مجموعہ کی اشاعت پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اور توقع کرتے ہیں کہ اس سلسلے کے دوسرے رسالے بھی شائع ہو کر علماء دیوبند کے فیوض علمیہ کے دائرہ کو وسیع سے وسیع تر کریں گے۔ کتاب میں کتابت کی غلطیاں کہیں کہیں نظر آتی ہیں۔ امید ہے کہ آئندہ اسکی طرف مزید توجہ مبذول کی جائے گی۔

سراپائے رسول: مرتبہ مولانا اعجاز الحق قدوسی۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۱۱۰ کتابت و طباعت و کاغذ عمدہ
قیمت ۱۲؍ ناشر۔ اسلامک پبلشرز چنچل گوڑہ۔ حیدر آباد۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی "سیرۃ طیبہ" کو مسلمانوں کے لئے نمونہ عمل بنایا گیا ہے۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر قدوسی صاحب نے یہ مختصر مگر جامع رسالہ مرتب کیا ہے جس میں حضور کی زندگی کے معمولات آسان زبان میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ حضور کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، پہننا اوڑھنا، کھانا پینا، سفر حضر، خوشی غمی، گھر کی زندگی باہر کی زندگی، غرض سیرت طیبہ کے ہر پہلو پر حدیثوں کی روشنی میں مستند مواد جمع کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب اسلامی زندگی اختیار کرنے کے لئے بچوں اور عورتوں کے لئے خصوصاً بہت مفید ہے اور اس قابل ہے کہ اسے داخل درس کیا جائے۔

خاصانِ خدا کی نماز: مرتبہ مولانا ابو محمد امام الدین رام نگری۔ سائز ۲۲×۳۶/۱۶ کاغذ عمدہ۔ کتابت گنجان۔
قیمت ۱۲؍ ناشر مکتبہ تحفظ ملت رام نگر بنارس۔

نماز اسلام کی عمارت کا ستون ہے اور دین کی پوری عمارت اس پر قائم ہے۔ مگر یہ ستون اب بے حد کمزور ہو گیا ہے۔ مسلمان عام طور پر نماز نہیں پڑھتے اور جو پڑھتے ہیں ان کی نماز ضابطہ کی ہوتی ہے اس کے اثرات ان کی دینی زندگی پر کچھ نہیں پڑتے۔

مولوی امام الدین صاحب نے اس رسالہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور اولیاء عظام کی نمازوں کے حالات و کیفیات و اثرات کو مختلف مستند کتابوں سے جمع کر کے یکجا کر دیا ہے۔ نمازوں میں خشوع و خضوع پیدا کرنے کے لئے اور مناجات حق کی لذت سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ مفید ہوگا۔
کتاب کی زبان اگر زیادہ سہل اور خط جلی ہوتا تو کتاب زیادہ مفید ہو سکتی تھی۔

تبصرہ و تعارف

"نئی نسلیں" سالگرہ نمبر: مرتبہ م نسیم و طیب عثمانی و ابوالمجاہد زاہد وغیرہم ضخامت ۲۰۰ صفحات۔ سائز ۱۸×۲۲/۸ کتابت و طباعت اعلیٰ قیمت خاص نمبر ایک روپیہ۔ ملنے کا پتہ دفتر نئی نسلیں۔ یحییٰ گنج لکھنؤ۔

"نئی نسلیں" کا تعارف الحرم کے صفحات پر کئی بار کرایا جا چکا ہے۔ یہ ایک سنجیدہ، ستھرا اور دلچسپ ادبی پرچہ ہے جسکا مقصد خدا پرستانہ پاکیزہ اور تعمیری ادب کا تریاق مہیا کر کے ملک کے نوجوانوں کو فلمی، رومانوی اور افسانوی لٹریچر کے زہریلے اثرات سے بچانا ہے۔

اپنی زندگی کے چوتھے سال کے آغاز میں اس پرچہ نے اپنا ضخیم سالگرہ نمبر شائع کیا ہے۔ اس نمبر میں مقالات علمیہ، تنقیدی مضامین، افسانے ڈرامے، نظمیں اور غزلیں سب ہی کچھ ہے اور جو کچھ ہے بہت خوب ہے۔ یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے کہ باطل کے حملوں کی مدافعت کے لئے اہل حق اصحاب قلم کی ایک جماعت ادبی میدان میں بھی آگئی ہے اور وہ اسلام اور انسانیت کی جدید ہتھیاروں سے مسلح ہو کر مدافعت کر رہی ہے۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اسلامی ادب کے علمبردار اپنی کوششوں میں کامیاب ہوں اور "نئی نسلیں" "اپنی" پرانی اصل" کا تحفظ کر سکیں۔ ناظرین الحرم سے ہم اس مجموعہ کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں۔

رضوان (لکھنؤ): ادارہ تحریر مولانا محمد ثانی حسنی و محترمہ امۃ اللہ تسنیم۔ سائز ۱۸×۱۲/۸ صفحات ۳۲۔ کتابت و طباعت جلی و نفیس۔ چندہ سالانہ تین روپے۔ ملنے کا پتہ دفتر "رضوان" ۳۷ گوئن روڈ لکھنؤ۔ فحش رسائل و کتب کی تاخت سے ہمارے عفت کدے بھی محفوظ نہیں ہیں اور ریڈیو کی وساطت سے شیطان کی آواز اب سات تالوں میں بھی پہنچ رہی ہے۔ سخت ضرورت تھی کہ شریف گھرانوں کی بہو بیٹیوں کو بداخلاقی کے اس سیلاب سے بچایا جائے اور اللہ کا پیغام ان کے کانوں تک پہنچایا جائے۔

الحمد للہ کہ لکھنؤ کے مشہور دینی گھرانے کی قابل فخر خاتون محترمہ امۃ اللہ تسنیم سے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی یہ خدمت لی اور انہوں نے عورتوں کے لئے ایک صاف ستھرا معیاری دینی رسالہ جاری کر دیا۔

اس رسالہ کی ترتیب و تزئین میں موصوفہ محترمہ کے نامور بھائی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے علاوہ دوسرے ممتاز اہل قلم مولانا محمد منظور نعمانی مولانا محمد ادریس ندوی مولانا عبدالرب صوفی وغیرہ بھی حصہ لے رہے ہیں۔ مضامین سب ستھرے، مفید اور ہلکی پھلکی زبان میں ہوتے ہیں۔ رسالہ کا قلم بھی جلی ہے تاکہ بوڑھی عورتیں بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔

ہم ناظرین الحرم سے اپنی بہو بیٹیوں کے لئے اس رسالہ کی خریداری کی پُرزور سفارش کرتے ہیں۔

مقالاتِ اکابر دار العلوم: مرتبہ مولانا محمد سالم صاحب قاسمی، سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۱۹۲۔ کتابت طباعت و کاغذ عمدہ۔ مجلد مع رنگین گرد پوش۔ قیمت عہ/ ملنے کا پتہ:۔ ادارہ تاج المعارف۔ طیب منزل۔ دیوبند۔ یہ کتاب دراصل ادارہ تاج المعارف دیوبند کے سہ ماہی رسالہ کا تازہ نمبر ہے۔ ادارہ کا مقصد یہ ہے کہ زمانہ حال کے مسائل کے متعلق اکابر علماء جماعت دیوبند کے بلند پایہ افکار سے ملت کو روشناس کرایا جائے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند اس ادارہ کے سرپرست ہیں اور آپکی سرپرستی ادارہ کے مقاصد کے حسن تکمیل کی ضمانت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرات علماء دیوبند کو علم و معرفت کے جو خزانے عطا فرمائے ہیں وہ ملت اسلامیہ کا بہترین سرمایہ ہیں۔ تاہم یہ سرمایہ تحریروں کی بجائے تقریروں کی صورت میں زیادہ لٹایا جاتا رہا ہے۔ اور اس امر کے اعتراف میں کوئی تامل نہ ہونا چاہیئے کہ تصنیف و تالیف کے جدید انداز اور زبان و بیان کے نئے اسلوب کو قبول کرنے میں ہمارے علماء نے وقت کے تقاضوں کا زیادہ ساتھ نہیں دیا۔ تاہم زیر نظر رسالہ میں "اکابر علماء" کی فہرست میں جو وسعت نظر آتی ہے اس کے پیش نظر اگر تلاش و جستجو سے کام لیا جائے تو جماعت دیوبند کے بحر ذخار سے بیش بہا گوہر [illegible] جا سکتے ہیں۔

اس رسالہ میں حضرت شیخ الہند، حکیم الامۃ حضرت تھانویؒ، حضرت مولنا حبیب الرحمن عثمانیؒ، حضرت مدنی، حضرت مولنا شبیر احمد عثمانی حضرت مولنا اعزاز علیؒ جناب مولنا حفظ الرحمن سیوہاروی مولنا محمد طاہر قاسمی و مولنا حامد الانصاری غازی کے علمی دینی اور تاریخی مقالات و مضامین ہیں۔ شروع میں حضرت مہتمم صاحب کا ایک مضمون "اسلام کا پیغام بطور مقدمہ" شامل ہے۔ تمام مضامین ایمان افروز اور معلومات افزا ہیں اور اس قابل ہیں کہ ہر مسلمان ان کو بار بار پڑھے۔

ہم مولنا سالم صاحب کو اس مجموعہ کی اشاعت پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اور توقع کرتے ہیں کہ اس سلسلہ کے دوسرے رسالے بھی شائع ہو کر علماء دیوبند کے فیوض علمیہ کے دائرہ کو وسیع سے وسیع تر کریں گے۔ کتاب میں کتابت کی غلطیاں کہیں کہیں نظر آتی ہیں۔ امید ہے کہ آئندہ اسکی طرف مزید توجہ مبذول کی جائے گی۔

سراپائے رسولؐ:— مرتبہ مولنا اعجاز الحق قدوسی۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۱۱۰ کتابت و طباعت و کاغذ عمدہ۔ قیمت ۱۴ / ناشر۔ اسلامک پبلشرز چنچل گوڑہ۔ حیدرآباد۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی "سیرۃ طیبہ" کو مسلمانوں کے لئے نمونہ عمل بنایا گیا ہے۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھکر قدوسی صاحب نے یہ مختصر مگر جامع رسالہ مرتب کیا ہے۔ جس میں حضور کی زندگی کے معمولات آسان زبان میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔

حضور کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، پہننا اوڑھنا، کھانا پینا، سفر حضر، خوشی غمی، گھر کی زندگی باہر کی زندگی، غرض سیرت طیبہ کے ہر پہلو پر حدیثوں کی روشنی میں مستند مواد جمع کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب اسلامی زندگی اختیار کرنے کے لئے بچوں اور عورتوں کے لئے خصوصاً بہت مفید ہے اور اس قابل ہے کہ اسے داخل درس کیا جائے۔

خاصانِ خدا کی نماز:— مرتبہ مولنا ابو محمد امام الدین رام نگری۔ سائز ۲۲×۳۰/۱۶ کاغذ عمدہ۔ کتابت گنجان۔ قیمت ۱۲ / ناشر مکتبہ تحفظ ملت رام نگر بنارس۔

نماز اسلام کی عمارت کا ستون ہے اور دین کی پوری عمارت اس پر قائم ہے۔ مگر یہ ستون اب بے حد کمزور ہو گیا ہے۔ مسلمان عام طور پر نماز نہیں پڑھتے اور جو پڑھتے ہیں ان کی نماز ضابطہ کی ہوتی ہے اس کے اثرات ان کی دینی زندگی پر کچھ نہیں پڑتے۔

مولوی امام الدین صاحب نے اس رسالہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور اولیاء عظام کی نمازوں کے حالات و کیفیات و اثرات کو مختلف مستند کتابوں سے جمع کر کے یکجا کر دیا ہے۔ نمازوں میں خشوع و خضوع پیدا کرنے کے لئے اور مناجات حق کی لذت سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ مفید ہوگا۔ کتاب کی زبان اگر زیادہ سہل اور خط جلی ہوتا تو کتاب زیادہ مفید ہو سکتی تھی۔

ماہنامہ فاران کراچی کا عظیم الشان

توحید نمبر

جون ۱۹۵۷ء میں آرہا ہے!

شرک و بدعت کے بت کدوں میں نعرۂ توحید کی گونج، عجمی صنم کدوں میں دین خالص کا غلغلہ، ایک ایک مقالہ ایمان افروز، علم و تحقیق کی وہ راہیں جو صراطِ مستقیم سے جا کر ملتی ہیں۔ اردو ادب میں اصلاح و انقلاب کا مثالی اقدام، کتاب و سنت کی طرف واپسی کی دعوت۔ اب تک جن علماء کرام و اہلِ فکر حضرات کے مقالے آچکے ہیں :- مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا امین احسن اصلاحی صاحب، مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب، مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب، مولانا محمد اسمٰعیل سلفی صاحب، مولانا محمد ناظم ندوی، مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی مدیر الحرم، مولانا عبدالحمید ارشد صاحب، مولانا عامر عثمانی صاحب (مدیر تجلی دیوبند) مولانا محمد اسحٰق سندیلوی صاحب، مولانا محمد ادریس ندوی صاحب، مولانا حافظ محمد مجیب اللہ ندوی صاحب، مولانا ابو محمد امام الدین رام نگری صاحب، مولوی ابو منظور شیخ احمد صاحب، مولانا ابوالبیان حماد صاحب، محترمہ عطیہ خلیل صاحب۔

عربی زبان کے سب سے بڑے انشاپرداز علامہ محمد البشیر الابراہیمی (الجزائری) اپنی کبرسنی اور علالت کے باوجود "توحید نمبر" کے لئے مقالہ تحریر فرما رہے ہیں، شاعروں کے نادر و اعلیٰ منظومات کے علاوہ ماہر القادری مدیر فاران کا معرکہ آرا نقشِ اوّل بھی ہوگا۔

ضخامت :- کم سے کم تین سو صفحات۔ سرورق رنگین و دلکش۔ قیمت :- تین روپے، محصول ڈاک رجسٹری آٹھ آنے

اور مستقل خریداروں کو سالانہ چندہ چھ روپیہ آٹھ آنہ میں ہی توحید نمبر دیا جائے گا

ہندوستان میں :- دفتر "الحسنات" رامپور (یو۔پی) کو توحید نمبر کی قیمت تین روپیہ آٹھ آنہ یا سالانہ چندہ چھ روپے آٹھ آنے پیشگی بھیجا جائے۔

منیجر ماہنامہ "فاران" کیمبل اسٹریٹ کراچی نمبر ا

ہندوستان کے ممتاز دینی و ادبی ماہنامہ "الحرم" کی اشاعت خاص

سیرت طیبہ نمبر

- ★ ہندوستان و پاکستان و مصر و شام کے فضلاء کے قلم سے سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر روح پرور و بصیرت افروز مضامین
- ★ متعصب غیر مسلم معترضین کے اعتراضات کے محققانہ و دلنشیں جوابات
- ★ ممتاز شعراء کرام کی پرکیف و وجد آفریں نعتیہ نظمیں
- ★ مقامات مقدسہ کے تازہ فوٹو

الحرم کا یہ نمبر اپنی نظر فریبی اور دل آویزی میں سبھگ ہوگا جس میں گلشن سیرت محمدی کے رنگا رنگ پھول مہک مہک کر مشام دل و دماغ کو معطر کر رہے ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ نمبر صفر المظفر (ستمبر) میں شائع ہوگا اور مستقل خریداروں کو مفت پیش کیا جائے گا۔

آپ بھی سالانہ چندہ صرف تین روپے بذریعہ منی آرڈر بھیج کر مستقل خریدار بن جائیے! چونکہ یہ نمبر بڑی تعداد میں شائع ہوگا مشتہرین اشتہار دہندگان اپنی جگہ فوراً محفوظ کرالیں۔

(نوٹ :- الحرم کا پرانا پرچہ بطور نمونہ مفت منگایا جا سکتا ہے)

منیجر الحرم قاضی منزل۔ قاضی واڑہ میرٹھ

علمی غارت گری کا تحفظ کیجئے!

"بیانُ اللّسان" پر محمد سعید اینڈ سنز، کراچی کے غاصبانہ تصرف کیخلاف احتجاج

مکتوب بنام کارفرمایانِ حکومت و مدیرانِ جرائد و رسائلِ ہندوستان و پاکستان و صدر پاکستان پبلشرز اینڈ بکسیلرز ایسوسی ایشن۔ لاہور

جناب والا!

میں ایک صحافی و مصنف ہوں۔ میرا مشغلہ علمی و تعلیمی موضوعات پر تالیف و تصنیف ہے۔ یہی میرا ذریعہ معاش بھی ہے۔ اپنی کتابیں خود ہی چھپواتا ہوں اور اس مقصد کے لئے "مکتبہ علمیہ" کے نام سے ایک چھوٹا سا مکتبہ بھی قائم کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس کے ذریعہ سے علم و دین کی بھی تھوڑی بہت خدمت کر لیتا ہوں اور قوت لایموت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

میری تالیفات کے سلسلہ میں سب سے زیادہ مقبول کتاب "بیانُ اللّسان" ہے۔ ۱۹۴۷ء میں سالہا سال کی مسلسل محنت و کاوش کے بعد، میں نے عصر حاضر کی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے انگریزی ڈکشنریوں کے انداز پر مرتب کیا تھا۔ تمام متداول عربی لغات کے برخلاف میں نے اس کی ترتیب مادہ کی بنیاد پر نہیں، بلکہ اصل لفظ کی صورت پر رکھی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ لغت سے متعلق تمام ضروری تفصیلات بھی اس میں درج کر دی تھیں۔ ان تفصیلات کو مختصر سے مختصر الفاظ میں پیش کرنے کے لئے مخصوص رموز و اشارات سے کام لیا تھا جس سے یہ کتاب بقول جناب مولانا عبدالماجد دریابادی "مدیر صدق" "دریا بکوزہ" کا صحیح مصداق بن گئی تھی۔ اپنی ممتاز خصوصیات اور مجتہدانہ طرز ترتیب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے علما و طلبہ میں حسن قبول عطا فرمایا، اور گذشتہ آٹھ سال میں اس کے چار ایڈیشن شائع ہو کر ہند و پاکستان میں مقبول خاص و عام ہوئے۔ نیز برعظیم کے اکثر ممتاز علماء و ادباء اور اصحاب صحافت نے میری اس خدمت کو شرف تحسین بخشا۔ ان علماء میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت علامہ سید سلیمان ندوی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی جیسے ارباب علم و قلم شامل ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد قدرتی طور پر ہندوستان میں علمی و دینی خصوصاً ضخیم کتابوں کی نکاسی بہت کم ہو گئی ہے۔ بیشتر تعداد میں یہاں کی کتابیں پاکستان کے بازاروں میں ہی بکتی ہیں۔ چنانچہ "بیان اللّسان" کا مارکیٹ بھی پاکستان ہی ہے۔ اگرچہ لائسنس کی پابندیوں کے بعد کتابوں کے بھیجنے میں مشکلات پیش آتی رہیں تاہم ہم ان مشکلات کو انگیز کرتے رہے اور کسی نہ کسی طرح اپنی گاڑی گھسیٹتے رہے۔

"مرتے کو مارے شاہ مدار" تازہ حادثہ یہ ہے کہ "قرآن محل کراچی" کے مالک محمد سعید اینڈ سنز نے مکتبہ علمیہ پر ہاتھ صاف کیا اور برلئے نام تغیر کے ساتھ "مفتاح اللغات کے نام سے" بیان اللّسان کو شائع کر دیا۔ اور اس فتوحات پر مصنف کے نام کے بجائے کسی صاحب ابوالفتح عزیزی کا نام .... درج کر دیا۔ شروع اور آخر کے آٹھ دس صفحات میں تھوڑی سی کمی و بیشی کی گئی آخر میں چند صفحات ضرب الامثال کے اور چند مشہور بیروتی لغت المنجد کی تصاویر کے بطور ضمیمہ لگا دیئے گئے تاکہ کتاب بادی النظر میں مختلف نظر آئے اور چوری کا مال پہچانا نہ جائے۔ اس معمولی فرق کے علاوہ کتاب میں کسی محنت کی تکلیف گوارا نہیں کی گئی حتیٰ کہ لغات کے معانی متعددہ جس ترتیب کے ساتھ لکھے گئے ہیں اس ترتیب کو بھی نہیں بدلا گیا کہ بہرحال اسکے لئے علم کی نہ سہی محنت کی تو ضرورت تھی۔ اسی طرح جملہ رموز و اشارات اور ان کے استعمال کی ترتیب بھی برقرار رکھی گئی۔ اگرچہ صحت کی طرف توجہ نہ کی جا سکی جو لغت کی روح ہے۔ چنانچہ کتاب میں جابجا فحش غلطیاں نظر آتی ہیں۔ مگر طرز کتابت و مسطر، بعد دل بھی جوں توں رکھی گئی ہے تاکہ خریدار کو پوری طرح مغالطہ میں ڈالا جا سکے اور مطمئن کیا جا سکے کہ کتاب "بیان اللّسان" ہی ہے۔

کتاب کے مقدمہ میں اس سرقہ اور غارتگری پر ان الفاظ میں اظہار فخر کیا گیا ہے:-

"الحمد للہ کہ ہم عربی لغت کی زیر نظر کتاب پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جو لوگوں کے لئے قرآن و حدیث اور عربی زبان کے سمجھنے میں یقیناً معاون ثابت ہوگی۔ قرآن و حدیث کی خدمت اور ان کے افہام و تفہیم کے ذرائع کو عام کرنا میرا نصب العین رہا ہے اور یہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔"

کاش محمد سعید صاحب قرآن کریم اور حدیث رسول کی مزعومہ خدمت اور ان کے افہام و تفہیم کے ذرائع کو عام کرنے کے ساتھ ساتھ کبھی قرآن و حدیث کے احکام کو خود بھی سمجھتے اور

وَلَا تَاكُلُوا اَموالكم بينكم بالباطل (القرآن)

آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ۔

اِنَّ دماءكم و اموالكم عليكم حرام (الحديث)

درحقیقت تمہارے خون اور مال ایک دوسرے پر حرام ہیں۔

جیسی نصوص قطعیہ پر عمل کرنے کی کوشش کرتے!

حیرت ہے کہ ابوالفتح صاحب (نام نہاد مصنف) نے اپنے پیش لفظ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان کو بھی اپنی گندگی میں ملوث کرنے کی کوشش کی ہے اور لکھا ہے کہ موصوف کے مشورے اس کتاب کے سلسلے میں شامل حال رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ حضرت موصوف پر اتہام ہے اور آپ اس بد دیانتی اور غارتگری کا مشورہ ہرگز نہیں دے سکتے۔ مجھے امید ہے کہ حضرت موصوف خود اس کی تردید فرما کر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوں گے۔

الغرض ہم خدام علم و دین یوں ہی اقتصادی پریشانیوں سے ہیں۔ اس طرز عمل سے تو گویا ہمیں موت کے گھاٹ اتارا جا رہا ہے۔ اس افسوسناک طرز عمل کے دو ہی نتیجے ہو سکتے ہیں یا تو ہم آئندہ کے تالیف و تصنیف کا کام چھوڑ دیں یا پھر آنکھوں پر ٹھیکری رکھ کر پاکستانی مطبوعات پر دست اندازی شروع کر دیں اور جس کتاب کو مناسب سمجھیں بے تکلف شائع کر دیں ظاہر ہے کہ ان دونوں صورتوں میں اردو زبان کی علمی ترقی رک جاتی ہے اور جدید تالیفی و تصنیفی کوشش و کاوش کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

لہٰذا، پاکستان و ہندوستان کے ذمہ دار افسران سے مودبانہ درخواست ہے کہ وہ اس علمی و ادبی غارت گری کے انسداد کی طرف فوری توجہ فرمائیں، محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی کے اس ظلم کے خلاف میری امداد فرمائیں، پاکستان اور ہندوستان میں میری کتاب کی ناجائز اشاعت کو رکوائیں اور اس کی اشاعت سے میرا جو نقصان ہوا ہے اسکا ہرجانہ دلوائیں۔ نیز دونوں ملکوں کے مدیران اخبارات و رسائل سے بھی استدعا ہے کہ وہ مَنْ رَاَى مِنكُم مُنكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ کے فرض کو ادا کریں۔ "بیان اللسان" پر اس ناروا تعرض کے خلاف اپنے جریدہ میں موثر نوٹ لکھیں اور اپنی اپنی حکومتوں کو مجبور کریں کہ وہ اس غارتگری کو روکے اور اہل علم کی متاع علم و دانش کی حفاظت کا مکمل انتظام کرے۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان!

(نوٹ) "بیان اللسان" اور "مفتاح اللغات" کے چند مختلف صفحات حسب الطلب بغرض ملاحظہ بھیجے جا سکتے ہیں۔

قاضی زین العابدین سجاد
مولف "بیان اللسان" مدیر الحرم میرٹھ

گرمیوں کے لیے
ہمدرد دواخانہ
کا
بے مثال تحفہ

ایک بوتل میں ایک سیر دو چھٹانک روح افزا ہوتا ہے،
جس میں عموماً سولہ بڑے گلاس شربت کے بنتے ہیں۔
مقامی اسٹاکسٹ سے خریدیے

قیمت فی بوتل ہر مقام پر
علاوہ مقامی ٹیکس دو روپے آٹھ آنے

ہمدرد دواخانہ (وقف) دہلی

Regd No A 440 Monthly ALHARUM Meerut.

5(4)
1958

مرتبہ

قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

بابت اپریل ۱۹۵۸ء مطابق رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ

جلد ۵ نمبر ۴

قیمت

عام — تین روپے
ممالک غیر سے — پانچ روپے
سرپرستوں سے — یکصد روپے
فی پرچہ — چار آنے

التماس۔۔۔ جن اصحاب کے پاس پرچا کسی طلب پر بطور نمونہ پہنچے انکا فرض ہے کہ خریداری کے متعلق اپنے فیصلے سے اطلاع دیں۔ ورنہ انہیں خریدار تصور کیا جائیگا اور قیمت [illegible] صرف تین روپے ۱۰/ کا وی۔ پی کیا جائے گا۔ اور [illegible] جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا لفافہ [illegible] آردو انگریزی میں منی آرڈر کے کوپن پر اور خط میں [illegible] نمبر خریداری بھی لکھیں۔

اگر دیئے ہوئے دائرہ میں سرخ نشان لگا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ آپکی مدت خریداری ختم ہو گئی، لہٰذا چندہ سال جدید ارسال فرمائیں یا اپنے آئندہ ارادے سے مطلع فرمائیں۔

پاکستان میں قیمت بھیجنے کا پتہ:۔

کوثر بک ایجنسی۔ 11/C شاہ عالم مارکیٹ لاہور

([illegible] پرنٹر پبلشر کے اہتمام سے [illegible] پریس آردو بازار دہلی میں چھپ کر دفتر الحرم متصل [illegible] میرٹھ سے شائع ہوا)

بسم تعالیٰ سبحانہ

نقوشِ اوّلین

★ مولانا ابوالکلام آزادؒ

افسوس، حضرت مدنیؒ کے غم میں بہنے والے آنسو ابھی خشک نہ ہوئے تھے کہ مولانا ابوالکلام آزاد کی مفارقت کا تیر سینہ میں پیوست ہو گیا! مولانا علم و فضل کا ایک کوہِ گراں، سیاست و تدبر کا بحرِ عمیق، ادب و انشاء کا گلشنِ صد بہار اور تقریر و خطابت کا ابرِ گوہر بار تھے۔ قدرت نے ان کو بے مثال دماغی صلاحیتیں بڑی فیاضی سے عطا کی تھیں۔ مولانا نے ۱۴ سال کی عمر تک عربی زبان میں علوم متداولہ کی تکمیل کی، کچھ عرصہ درس دیا، پھر ذوقِ علم کی تشنگی آپ کو مصر و شام و عراق وغیرہ لے گئی جہاں آپ نے علامہ عبدہ اور علامہ رشید رضا رحمہما اللہ تعالیٰ کے گلستانِ علم و نظر سے اپنے دامانِ طلب کو بھرا۔ غالباً اسی زمانہ میں مسلک اہلِ حدیث کی طرف آپ کا رجحان ہوا۔

۱۹۱۲ء کے ہنگامہ خیز زمانہ میں، جبکہ ایک طرف جنگِ بلقان کے سیاہ بادل عالمِ اسلام کے افق پر چھائے ہوئے تھے اور دوسری طرف معرکۂ کانپور نے مسلمانانِ ہند کی آنکھوں میں دنیا تاریک کر رکھی تھی، آپ کا تاریخی اخبار "الہلال" ایمان و یقین کی روشنی بکھیرتا ہوا مطلعِ صحافت پر طلوع ہوا اور اس نے فکر و عمل کی گم گشتہ راہیں روشن کر دیں۔ اس نوجوان صحافی کی آتش بیانی نے، افسردہ دلوں کو گرمی عطا کی، یاس کو آس سے بدلا، مدرسوں کو جنگی تربیت گاہوں میں تبدیل کیا اور خانقاہوں سے الا اللہ کی بجائے اللہ اکبر کی صدائیں بلند کرائیں۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ العزیز یہ کہتے ہوئے سنے گئے کہ "جو راستہ ہم بھول چکے تھے آزاد نے ہمیں یاد دلایا۔"

۱۹۱۴ء میں الہلال بند کر دیا گیا اور مولانا آزاد رانچی (بہار) میں نظر بند کر دیئے گئے۔ اب مولانا کے سمندِ قلم نے دوسرا میدان انتخاب کیا اور آپ نے اپنی فکر و نظر اور ادب و انشاء کی اعلیٰ صلاحیتیں قرآن کریم کی ترجمانی میں صرف کرنی شروع کر دیں۔

مولانا فطرتاً تقلید و جمود سے بیگانہ تھے، طبیعت آزاد پائی تھی۔ کسی خاص مدرسۂ فکر سے آپ کا تعلق استوار نہیں ہوا تھا، اپنی ذات پر پورا اعتماد کرتے تھے اس لئے آپ نے ترجمہ و تفسیرِ قرآن میں ایک جدید و بدیع اسلوب اختیار کیا اور علم و تحقیق کے میدان میں فکر و نظر کے نئے نئے پھول کھلائے۔

ترجمان القرآن کی دوسری جلد کے مقدمہ میں مولانا اپنے کام کا اس طرح تعارف کراتے ہیں:۔

"قرآن کے جس قدر اردو فارسی ترجمے موجود ہیں سب سامنے رکھ لئے جائیں، نیز قدیم تفاسیر میں سے بھی چند مقبول و مستند تفسیریں یا کم از کم تفسیر کبیر ہی منتخب کر لی جائے کہ تفسیری مباحث میں متاخرین کا منتہائے نظر وہی رہی ہے پھر کم سے کم کسی ایک سورت کا ترجمہ ترجمان القرآن میں نکال کر ایک ایک آیت کے ترجمہ و شرح کا ان سب سے مقابلہ کیا جائے اور پوری دقیقہ سنجی کے ساتھ دیکھا جائے کہ کونسی بات وہاں کس نوعیت میں آئی ہے اور یہاں اس نے کونسی شکل و نوعیت اختیار کر لی ہے اور پھر اس اختلافِ نظر نے مقاصد و مطالب قرآن کا حامل کہاں تک پہنچا دیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسے اہلِ نظر کہاں سے آئیں اور اگر کوئی ہو بھی تو اتنی زحمت کیوں برداشت کرنے لگا؟"

مولانا کے اس دعویٰ کو چیلنج کیا گیا، آج سے چھ سال قبل، پاکستان سے فاران کراچی نے مولانا کے ترجمان پر اعتراضات کا ایک سلسلہ شروع کیا، اور راقم الحروف کو اس زمانہ کے موصولہ مشہور اعتراضات کے جوابات لکھنے کا موقع ملا۔

بہرحال علمی مباحث کے [illegible]

ید طبقہ کے ذہن کی بہت سے کانٹے نکال دیئے ہیں۔ اور بہت سے ان مغرب زدہ مسلمانوں کے لئے جو قرآن کریم کو ناقابل فہم قرار دے چکے تھے قرآن فہمی کی راہیں روشن کر دی ہیں۔ ایک دوست نے بیان کیا کہ مولانا غلام رسول مہر سابق مدیر انقلاب کہتے تھے کہ "اگر مولانا آزاد کی رہنمائی نہ ہوتی تو ہم اسلام پر قائم نہیں رہ سکتے تھے"۔ افسوس کہ مولانا کی ہنگامہ خیز سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے مولانا کی ترجمان القرآن مکمل نہ ہو سکی۔ کاش وہ یہ کام کر جاتے جو لیکن ... عد ناتمام رہ گیا۔

جنگ عظیم اوّل کے بعد ہندوستان میں جو معرکۂ حریت گرم ہوا مولانا آزاد اس کے صف اوّل کے قائدین میں تھے۔ مولانا نے کانگریس کے طریق کار کو اپنایا، اور ۱۹۴۷ء تک آپ عزم و ہمت، یقین و اعتماد اور ثبات و استقلال کے ساتھ اپنی پسند کردہ راہ پر گامزن رہے۔ اس دوران میں مخالفتوں کے طوفان اٹھے، مزاحمتوں کے پہاڑ راہ میں آئے، اور خطرات کے سمندروں میں گزرنا ہوا مگر مولانا جس راستہ پر قدم اٹھا چکے تھے اور اس راہ پر آخر تک چلتے رہے۔

آخر آزادیٔ ہند کا سورج طلوع ہوا مگر وہ آزادی کی روشنی کے ساتھ قتل و خون کی سرخی بھی ساتھ لایا۔ قائدین ملت پاکستان کو سدھارے اور مسلمانان ہند گم کردہ راہ قافلہ کی طرح چاروں طرف ٹامک ٹوئیاں مارتے رہ گئے۔

مولانا آزاد پھر میدان میں آئے اور آپ نے جامع مسجد دہلی کے منبر سے یہ صدا بلند کی۔۔۔

"یہ دیکھو مسجد کے مینار تم سے جھک کر سوال کرتے ہیں کہ تم نے اپنی تاریخ کے صفحات کو کہاں گم کر دیا ہے، ابھی کل کی بات ہے کہ یہیں جمنا کے کنارے تمہارے قافلوں نے وضو کیا تھا اور آج تم ہو کہ یہاں رہتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے، حالانکہ دہلی تمہارے خون سے سینچی ہوئی ہے!"

مولانا کی اس آواز نے صور اسرافیل کا کام دیا، مسلمانوں کے مردہ دلوں میں زندگی پیدا ہوئی، ان کے لڑکھڑاتے ہوئے قدم رک گئے اور انھوں نے ہندوستان کی فضاؤں کو توحید کی گونج سے آباد رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ آزادیٔ ہند کے بعد مولانا آزاد مرکزی کابینہ میں شریک ہو گئے جہاں ان کا بہت اونچا مقام تھا۔ وہ جواہر لال کے دست و بازو ہی نہیں بلکہ پورے کابینہ کا دماغ تھے۔ بے شک اپنے اس نئے بلند مقام پر پہنچ کر وہ عام مسلمانوں کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔ مولانا مدنی کی طرح مسلمانوں سے ان کا بے تکلفانہ علاقہ باقی نہیں رہا تاہم ان کی ذات مسلمانوں کے لیے بہت بڑا سہارا تھی۔ اور جب کبھی اپنی شہ نشین کے کسی جھروکے سے مسلمانوں کو اپنی دلربا صورت دکھا دیتے تھے تو مسلمانوں کے مرجھائے ہوئے دلوں کی کلیاں کھل جایا کرتی تھیں۔ چنانچہ یہ موقع آخری بار ۱۵ر فروری ۵۸ء کی سہ پہر کو اردو کانفرنس کے پنڈال میں عین اس مقام پر حاصل ہوا جہاں ٹھیک ایک ہفتہ بعد بالکل اسی وقت انہیں، اللہ تعالیٰ کی بیکراں رحمتوں کے آغوش میں سونا تھا۔

خداوند قدوس مولانا کو رُوٹ کروٹ جنت دے اور مسلمانان ہند کو ان کے، اور مولانا مدنی کے نقش قدم پر چلنے کی طاقت دے!

مولانا آزاد کی یادگار

مولانا ابوالکلام آزاد کی ذات جس طرح مختلف اوصاف و کمالات کی حامل تھی اسی طرح ان کی مختلف یادگاریں بھی قائم کی جانی چاہئیں اور وہ قائم ہوں گی مگر سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ مولانا کے نوک قلم سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کو محفوظ کر دیا جائے۔ بعض اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ مولانا تفسیر ترجمان القرآن کی تیسری جلد کے تمام مسودات مکمل ... کرنا چاہتے تھے کہ پیغام اجل نہ پہنچا۔

اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو سب سے مقدم کام یہ ہے کہ ترجمان القرآن جلد سوم کو مرتب کر کے شائع کیا جائے مگر یہ کام بہت اہم اور نازک ہے۔ ایک لفظ کے ادھر ادھر ہو جانے سے، یا کسی ایک نوٹ کے بے محل چھپ جانے سے بات کہیں کی کہیں پہنچ سکتی ہے۔ یہ خدمت وہی شخص انجام دے سکتا ہے جس نے ایک طرف مولانا آزاد کے کام کی روح کو سمجھا ہو اور دوسری طرف وہ اس وادی پر پیچ کی نزاکتوں سے بھی واقف ہو اور سب سے زیادہ یہ کہ اس کی علمی و عملی حیثیت مسلمانوں کی

بسمہ تعالیٰ سبحانہ

نقوشِ اولین

مولانا ابوالکلام آزادؒ

افسوس، حضرت مدنیؒ کے غم میں بہنے والے آنسو ابھی خشک نہ ہوئے تھے کہ مولانا ابوالکلام آزاد کی مفارقت کا تیر سینہ میں پیوست ہو گیا۔ مولانا علم و فضل کا ایک کوہِ گراں، سیاست و تدبر کا بحرِ عمیق، ادب و انشار کا گلشنِ صد بہار اور تقریر و خطابت کا ابرِ گوہر بار تھے۔ قدرت نے ان کو بے مثال دماغی صلاحیتیں بڑی فیاضی سے عطا کی تھیں۔ مولانا نے ۱۴ سال کی عمر میں عربی زبان میں علوم متداولہ کی تکمیل کی، کچھ عرصہ درس دیا، پھر ذوق علم کی تشنگی آپکو مصر و شام و عراق وغیرہ لے گئی جہاں آپ نے علامہ عبدہ اور علامہ رشید رضا رحمہما اللہ تعالےٰ کے گلستان علم و نظر سے اپنے دامان طلب کو بھرا۔ غالباً اسی زمانہ میں مسلک اہل حدیث کی طرف آپ کا رجحان ہوا۔

۱۹۱۲ء کے ہنگامہ خیز زمانہ میں، جبکہ ایک طرف جنگ بلقان کے سیاہ بادل عالم اسلام کے افق پر چھائے ہوئے تھے اور دوسری طرف معرکۂ کانپور نے مسلمانان ہند کی آنکھوں میں دنیا تاریک کر رکھی تھی، آپ کا تاریخی اخبار "الہلال" ایمان و یقین کی روشنی بکھیرتا ہوا، مطلع صحافت پر طلوع ہوا اور اس نے فکر و عمل کی گم گشتہ راہیں روشن کر دیں۔ اس نوجوان صحافی کی آتشِ بیانی نے، افسردہ دلوں کو گرمی عطا کی، یاس کو آس سے بدلا اور سوتوں کو جگایا، تربیت گاہوں میں تبدیل کیا اور خانقاہوں سے الا اللہ کی بجائے اللہ اکبر کی صدائیں بلند کرائیں۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ العزیز کو یہ کہتے ہوئے سُنے گئے کہ "جو راستہ ہم بھول چکے تھے آزاد نے ہمیں یاد دلایا"۔

۱۹۱۴ء میں الہلال بند کر دیا گیا اور مولانا آزاد رانچی (بہار) میں نظر بند کر دیئے گئے۔ اب مولانا کے سمند قلم نے دوسرا میدان انتخاب کیا اور آپ نے اپنی فکر و نظر اور ادب و انشار کی اعلیٰ صلاحیتیں قرآن کریم کی ترجمانی میں صرف کرنی شروع کر دیں۔

مولانا فطرتاً تقلید و جمود سے بیگانہ تھے، طبیعت آزاد پائی تھی۔ کسی خاص مدرسہ فکر سے آپ کا تعلق استوار نہیں ہوا تھا، اپنی ذات پر پورا اعتماد کرتے تھے اس لئے آپ نے ترجمہ و تفسیر قرآن میں ایک جدید و بدیع اسلوب اختیار کیا اور علم و تحقیق کے میدان میں فکر و نظر کے نئے نئے پہلو نکالے۔ ترجمان القرآن کی دوسری جلد کے مقدمہ میں مولانا اپنے کام کا اسطرح تعارف کراتے ہیں:۔

"قرآن کے جسقدر اُردو فارسی ترجمے موجود ہیں سب سامنے رکھ لئے جائیں۔ نیز قدیم تفاسیر میں سے بھی چند مقبول و مستند تفسیریں [illegible] یا کم از کم تفسیر کبیر ہی منتخب کر لی جائے کہ تفسیری مباحث میں متاخرین کا منتہائے نظر وہی رہی ہے۔ پھر کم سے کم کسی ایک سورت کا ترجمہ [illegible] میں نکال کر ایک ایک آیت کے ترجمہ و شرح کا ان سب سے مقابلہ کیا جائے اور پوری دقیقہ سنجی کے ساتھ دیکھا جائے کہ کونسی بات [illegible] نوعیت میں آئی ہے اور یہاں اس نے کونسی شکل و نوعیت اختیار کر لی ہے اور پھر اس اختلاف نظر نے مقاصد و مطالب قرآن کا [illegible] پہنچا دیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسے اہل نظر کہاں سے آئیں اور اگر کوئی ہو بھی تو اتنی زحمت کیوں برداشت کرنے لگا؟"

مولانا کے اس دعویٰ کو چیلنج کیا گیا، آج سے [illegible] سال قبل، پاکستان سے قاران کراچی نے مولانا کے ترجمان پر اعتراضات کا ایک سلسلہ شروع کیا اور راقم الحروف ہی کو اس زمانہ کے مورخ [illegible] کے ارشاد پر ان اعتراضات کے جوابات لکھنے کا فخر حاصل ہوا۔

بہر حال علمی مباحث کے بے ثمرہ [illegible] ہیں اور کون [illegible] ایسا ہے جس میں بھول [illegible] کے ساتھ کانٹے [illegible]

جدید طبقہ کے ذہن کے بہت سے کانٹے نکال دیئے ہیں۔ اور بہت سے ان مغرب زدہ مسلمانوں کے لئے جو قرآن کریم کو ناقابل فہم قرار دے چکے تھے قرآن فہمی کی راہیں روشن کر دی ہیں۔ ایک دوست نے بیان کیا کہ مولانا غلام رسول مہر سابق مدیر انقلاب کہتے تھے کہ "اگر مولانا آزاد کی رہنمائی نہ ہوتی تو ہم اسلام پر قائم نہیں رہ سکتے تھے"! افسوس کہ مولانا کی ہنگامہ خیز سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے مولانا کی ترجمان القرآن مکمل نہ ہو سکی۔ کاش وہ یہ کام کر جاتے جو ان کے بعد ناتمام رہ گیا۔

جنگ عظیم اول کے بعد، ہندوستان میں جو معرکۂ حریت گرم ہوا مولانا آزاد اس کے صف اول کے قائدین میں تھے۔ مولانا نے کانگریس ہی کے طریق کار کو پنایا، اور شروع سے آخر تک آپ عزم و ہمت، یقین و اعتماد اور ثبات و استقلال کے ساتھ اپنی پسند کردہ راہ پر گامزن رہے۔ اس دوران میں مخالفتوں کے طوفان اٹھے مزاحمتوں کے پہاڑ راہ میں آئے اور خطرات کے سمندروں میں گزرنا ہوا مگر مولانا جس راستہ پر قدم اٹھا چکے تھے اور اس راہ پر آخر تک چلتے رہے۔

آخر آزادی ہند کا سورج طلوع ہوا مگر وہ آزادی کی روشنی کے ساتھ قتل و خون کی سرخی بھی ساتھ لایا۔ قائدین ملت پاکستان کو سدھارے اور مسلمانان ہند گم کردہ راہ قافلہ کی طرح چاروں طرف ٹامک ٹوئیاں مارتے رہ گئے۔

مولانا آزاد پھر میدان میں آئے اور آپ نے جامع مسجد دہلی کے منبر سے یہ صدا بلند کی:۔

"یہ دیکھو، مسجد کے مینار تم سے جھک کر سوال کرتے ہیں کہ تم نے اپنی تاریخ کے صفحات کو کہاں گم کر دیا ہے، ابھی کل کی بات ہے کہ یہیں جمنا کے کنارے تمہارے قافلوں نے وضو کیا تھا اور آج تم ہو کہ یہاں رہتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے، حالانکہ دلی تمہارے خون سے سینچی ہوئی ہے!"

مولانا کی اس آواز نے صور اسرافیل کا کام دیا، مسلمانوں کے مردہ دلوں میں زندگی پیدا ہوئی، ان کے لڑکھڑاتے ہوئے قدم رک گئے اور انھوں نے ہندوستان کی فضاؤں کو توحید کی گونج سے آباد رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ آزادی ہند کے بعد مولانا آزاد مرکزی کابینہ میں شریک ہو گئے جہاں ان کا بہت اونچا مقام تھا۔ وہ جواہر لال کے دست و بازو ہی نہیں بلکہ پورے کابینہ کا دماغ تھے۔ بے شک اپنے اس نئے بلند مقام پر پہنچ کر وہ عام مسلمانوں کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔ مولانا مدنی کی طرح مسلمانوں سے ان کا بے تکلفانہ علاقہ باقی نہیں رہا تاہم ان کی ذات مسلمانوں کے لئے بہت بڑا سہارا تھی۔ اور جب کبھی اپنی شہ نشیں کے کسی جھروکہ سے مسلمانوں کو اپنی دلربا صورت دکھا دیتے تھے تو مسلمانوں کے مرجھائے ہوئے دلوں کی کلیاں کھل جایا کرتی تھیں۔ چنانچہ یہ موقعہ آخری بار ۱۵ر فروری ۵۸ء کی سہ پہر کو اردو کانفرنس کے پنڈال میں عین اس مقام پر حاصل ہوا جہاں ٹھیک ایک ہفتہ بعد، بالکل اسی وقت انہیں، اللہ تعالےٰ کی بیکراں رحمتوں کے آغوش میں سونا تھا۔

خداوند قدوس مولانا کو کروٹ کروٹ جنت دے اور مسلمانان ہند کو ان کے، اور مولانا مدنی کے نقش قدم پر چلنے کی طاقت دے!

مولانا آزاد کی یادگار

مولانا ابو الکلام آزادؒ کی ذات جس طرح مختلف اوصاف و کمالات کی حامل تھی اسی طرح ان کی مختلف یادگاریں بھی قائم کی جانی چاہئیں اور وہ قائم ہو رہی ہیں مگر سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ مولانا کے نوک قلم سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کو محفوظ کر لیا جائے۔ بعض اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ تفسیر ترجمان القرآن کی تیسری جلد کے تمام [illegible] کرنا چاہتے تھے کہ پیغام اجل آ پہنچا۔

اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو سب سے مقدم کام یہ ہے کہ ترجمان القرآن جلد سوم کو مرتب کر کے شائع کیا جائے مگر یہ کام بہت اہم اور نازک ہے۔ ایک لفظ کے ادھر ادھر ہو جانے سے، یا کسی ایک نوٹ کے بے محل چسپاں ہو جانے سے بات کہیں کی کہیں پہنچ سکتی ہے۔ یہ خدمت وہی شخص انجام دے سکتا ہے جس نے ایک طرف مولانا آزاد کے کام کی روح کو سمجھا ہو اور دوسری طرف وہ اس وادی پرپیچ کی نزاکتوں سے بھی واقف ہو اور سب سے زیادہ یہ کہ اس کی علمی و عملی حیثیت مسلمانوں کی

نگاہوں میں قابل اعتماد ہو ایسا نہ ہو کہ کوئی چیز مولانا کی طرف منسوب ہو کر شائع ہو اور وہ مولانا کی علمی عظمت کو مجروح کرے اور انتقال کے بعد مسلمانوں کو مولانا کی طرف سے سوء ظن پیدا ہو۔

اسی طرح دوسرا اہم کام یہ ہے کہ الہلال والبلاغ کے علمی و دینی مقالات اور مولانا کے دوسرے نتائج قلم کو مجلدات کی صورت میں مرتب کر کے شائع کیا جائے۔ ساتھ ساتھ ان کا تاریخی پس منظر بھی واضح کر دیا جائے۔

ہماری رائے میں یہ کام حکومتی حلقوں سے باہر ہونا چاہیئے۔ مولانا آزاد کے بھتیجے نورالدین صاحب اگر اپنے طور پر اس اہم کام کا کوئی نظام بنانا چاہیں گے تو انشاء اللہ تعالےٰ ان کو صحیح مشورہ دینے، اور ان کا ہاتھ بٹانے والے مولانا کے بہت سے عقیدتمند مل جائیں گے۔

ہمیں یقین ہے کہ یہ نظام خود کفیل ہو گا۔ تاہم اگر حکومت باہر سے مالی امداد دینا پسند کرے تو اسے قبول کرنے میں ہرج نہ ہو گا۔ مگر اس علمی و دینی کام کو حکومت کے ہاتھ میں دینا مناسب نہیں۔ بے شک مولانا کی سوانح حیات، مولانا کے سیاسی خطبات و مقالات اور مولانا کی خالص ادبی تحریریں اگر حکومت اپنی نگرانی میں شائع کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔ اُمید کہ ہماری اس تجویز پر مولانا مرحوم کے قریبی حلقوں میں پوری دور اندیشی کے ساتھ غور کیا جائے گا۔

والدہ مرحومہ

عَنْ اَبِی هُرَیرہ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فَقَالَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ مَنْ اَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِی۔ قَالَ اُمُّکَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ اُمُّکَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ اُمُّکَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ اَبُوکَ۔

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ سب سے زیادہ میری حسن خدمت کا مستحق کون ہے۔ آپ نے جواب دیا تمہاری ماں۔ اس نے عرض کیا پھر کون؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں۔ اس نے عرض کیا پھر کون؟ آپ نے پھر یہی ارشاد فرمایا تمہاری ماں۔ اس نے پھر عرض کیا، اس کے بعد کون؟ حضور نے ارشاد فرمایا پھر تمہارا باپ۔

اس حدیث میں معلم اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں میں سب سے زیادہ حسن خدمت اور عمدہ برتاؤ کا مستحق ماں کو قرار دیا ہے اور اس کے بعد باپ کو۔ مگر ماں کا حق تین درجہ بڑھا ہوا قرار دیا ہے۔ یا یوں کہئے کہ اگر حسن خدمت کے چار موقع ہوں تو تین کا مصرف ماں ہے اور ایک کا محل باپ۔

حقیقت یہ ہے کہ محسن اور منعم کا شکر زبان سے بھی اور عمل سے بھی طبعی اور عقلی بات ہے۔ اگر جانور کے ساتھ بھی کوئی اچھا برتاؤ کرے تو اپنی حیوانی فہم کے مطابق وہ بھی اسے مانتا ہے اور اپنے محسن کو پہچانتا ہے۔ پھر ظاہر ہے کہ نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت وجود کی نعمت ہے۔ اگر یہ نعمت نہ ہو تو دوسری کسی نعمت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ موجد حقیقی تو باری تعالیٰ عز اسمہ ہے اس لئے اسکا انعام و احسان سب سے بڑا ہے مگر ظاہری اسباب کے لحاظ سے والدین بھی وجود کا سبب اور اس کے بقا کا ذریعہ بنتے ہیں اس لئے دوسرے عام انسانوں کے مقابلہ میں تعظیم و تکریم اور شکر و احسان میں ان کا درجہ سب سے اونچا قرار دیا گیا۔

وجود انسانی کے مختلف ادوار و مراتب کے لحاظ سے اسے چار درجوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :-

(۱) عدم سے وجود میں آنے کا مرحلہ یعنی جب وہ صلب پدر سے رحم مادر میں منتقل ہو اور گوشت کے لوتھڑے کی صورت اختیار کرے

(۲) رحم مادری میں بصورت جنین اس کی پرورش کا زمانہ (ایام حمل)

(۳) پیدائش کے بعد شیر خوری کا دور (ایام رضاعت)

(۴) دودھ چھوڑنے کے بعد سے جسمانی نشو و نما کی تکمیل تک کا زمانہ (ایام طفلی)

جہانتک پہلے درجۂ وجود کا تعلق ہے اسمیں ظاہری اسباب کے درجہ میں ماں اور باپ دونوں کا حصہ برابر ہے۔ دوسرے اور تیسرے درجہ میں ماں ہی ماں ہے باپ کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ جب تک بچہ بطن مادر میں رہتا ہے وہ اپنا خون پلا کر اس کی پرورش کرتی ہے۔ اور جب دنیا میں قدم رکھتا ہے تو اپنی چھاتیوں سے دودھ

اس کی زندگی کی بقاء کا سروسامان کرتی ہے۔ البتہ چوتھے درجہ میں جب بچہ دودھ سے بے نیاز ہوجاتا ہے تو اگرچہ ماں اور باپ دونوں اس کے وجود کے بقاء، اور اس کے جسمانی نشوونما میں ساعی ہوتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں بھی ماں کو خصوصی امتیازی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ ماں اپنے بچہ کے لئے جو قربانی کرتی ہے وہ بے مثال ہے۔ ہر وقت اپنے بچہ کی دیکھ بھال رکھتی ہے کہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ خود بھوکا رہتی ہے اور بچہ کا پیٹ بھرتی ہے، خود جاگتی ہے اور بچہ کو سلاتی ہے، خود تکلیف اٹھاتی ہے اور بچہ کو آرام پہنچاتی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے وجود و بقاء اور اس کی نشوونما کی چار ابتدائی منزلوں میں سے ایک میں ماں اور باپ دونوں شریک ہیں اور تین میں ماں منفرد لہذا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکر و احسان میں بھی ماں کا حق تین درجہ بلند قرار دیا۔

جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر اور کونسی عبادت ہوسکتی ہے۔ حق بندگی ادا کرنے کا درجہ اس سے برتر کیا ہو سکتا ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ کے اشارہ پر اپنی جان عزیز اس کے راستہ میں قربان کردے۔ مگر بعض حالات میں ماں کی خدمت کو اس بہترین عبادت پر بھی ترجیح دی گئی ہے معاویہ بن جاہمہ راوی ہیں کہ:۔

اِنَّ جَاهِمَةَ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اَرَدْتُ اَنْ اَغْزُوَ وَقَدْ جِئْتُ اَسْتَشِيْرُكَ فَقَالَ هَلْ لَكَ مِنْ اُمٍّ۔ قَالَ نَعَمْ قَالَ الْزَمْهَا فَاِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلَيْهَا،

حضرت جاہمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں جہاد میں شریک ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں اور آپ سے مشورہ لینے آیا ہوں۔ حضور نے پوچھا تمہاری ماں زندہ ہے انھوں نے عرض کیا ہاں۔ حضور نے فرمایا اس کی خدمت گزاری کرو کیونکہ جنت اس کے قدموں میں ہے۔

یہ لکھتے ہوئے راقم الحروف کا قلم شق ہوتا ہے کہ ۲۹ دسمبر ۸۵ء کی صبح کو یہ جنت اس کے ہاتھوں سے نکل گئی۔

والدہ محترمہ بڑی صالحہ عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔ فرائض واجبات کے علاوہ نوافل وتطوعات بھی پابندی کے ساتھ ادا کرتی تھیں۔ روزانہ تقریباً چار پانچ پارے قرآن کریم کے تلاوت کرلینا معمو[ل] اوراد و وظائف اس کے علاوہ تھے۔ والد مرحوم کے ساتھ حج سے بھی مشرف ہوچکی تھیں۔

بچپن میں نانا صاحب قاضی عبدالواحد (وکیل) نے انہی[ں] بہنوں کے ساتھ ضلع مظفر نگر کے ایک بزرگ سے بیعت کرادیا یہ بزرگ صاحب کرامات تھے اور حضرت سید احمد شہید رحمۃ [اللہ علیہ کے] جہاد میں شریک ہوچکے تھے۔ میرے خاندان کے ایک بزرگ مولانا احمد اللہ صاحب بھی (جن کا ذکر مولانا غلام رسول مہر اور حضرت مولانا علی میاں نے اپنے اپنے تذکروں میں کیا ہے) حضرت سید صاحبؒ [کے] خصوصی رفقاء میں سے تھے اور حق رفاقت ادا کرتے ہوئے انہی[ں کے] ساتھ بالاکوٹ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے تھے۔ یہ بزرگ ا[کثر] سے ہمارے ہاں قیام فرمایا کرتے تھے۔ والدہ مرحومہ بڑے د[لچسپ] انداز سے ان بزرگ کا ذکر فرمایا کرتی تھیں۔

آں مرحومہ نے اگرچہ ستر برس کی عمر پائی مگر وہ آخر دم تک تمام کام خود انجام دیتی رہیں۔ ان کی دعاؤں میں سے ایک مستقل یہ تھی کہ " اے اللہ مجھے چلتے ہاتھ پاؤں اٹھالینا " چنانچہ یہ دعا[قبول] ہوئی۔ اور تادم مرگ اپنے تمام کام خود انجام دیتی رہیں۔ نماز [بھی] سب ادا ہوتی رہیں صرف انتقال کے دن صبح کی نماز قضا ر[ہی]

مرحومہ ومغفورہ کو اپنی اولاد میں مجھ سے سب سے زیا[دہ] لگاؤ تھا۔ اسی لئے دوسرے بھائیوں کے پاکستان چلے جانے [کے] بعد وہ میری وجہ سے مقیم رہیں۔ ہر نماز کے بعد میرے لئے دعا[ئیں] مانگنا اور ہر دس منٹ کے بعد پان بناکر دینا ان کا مستقل مشغ[لہ تھا] افسوس میں ان کی دعاؤں اور محبتوں سے محروم ہوگیا!

اس حادثہ نے میرے دماغ ودل پر اسقدر اثر کیا کہ تق[ریباً] ایک ماہ تک میں خطوط کا جواب لکھنے کے قابل بھی نہ رہا۔ اب میں [دل] پذیری کے عمیق جذبات کے ساتھ ان تمام بزرگوں اور دوست[وں] کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے قدم رنجہ فرماکر یا خط لکھ کر میرے دل پر مرہم رکھا۔ اس سلسلہ میں حضرات ذیل کا خصوصیت سے شکر گزار ہوں:۔

(۱) مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحب ایم۔ پ[ی]

۱) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند (۲) حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمان صاحب ناظم ندوۃ المصنفین دہلی (۳) حضرت مولانا محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند دہلی (۴) حضرت مولانا قاضی سجاد حسین صاحب صدر المدرسین فتحپوری دہلی (۵) حضرت مولانا انظر شاہ صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند (۶) مولوی سید محمد احمد کاظمی سابق ایم۔ پی الہ آباد (۹) جناب خان بہادر حاجی وجیہ الدین صاحب ایم۔ بی۔ اے کراچی (۱۰) جناب حاجی جنگ باز خاں صاحب کراچی (۱۱) جناب مولانا نصر اللہ خاں صاحب عزیز مدیر ایشیا۔ لاہور (۱۲) حضرت مولانا لقاء اللہ صاحب عثمانی پانی پت۔ (۱۳) جناب حافظ فیاض احمد صاحب جامعہ ملیہ دہلی (۱۴) حضرت مولانا مفتی ارفریدی صاحب بستی نظام الدین دہلی (۱۵) جناب سید محمد مجتبیٰ صاحب مشیر قانون ادارہ اسلامی کرنال (۱۶) قاری جلیل الرحمان صاحب عثمانی مدرس دارالعلوم دیوبند (۱۷) جناب پیرا محمد حسین صاحب رئیس شملہ، دہلی (۱۸) جناب سید محمد حسن برنی صاحب ایڈوکیٹ بلند شہر (۱۹) جناب قاضی ظہیر احمد صاحب۔ ایڈیٹر اوقات (۲۰) بابو محمد لطیف صاحب منیجر وقف کرنال مظفر نگر وغیرہم۔

ان حالات میں "مدنی نمبر" (جس کا اعلان میں نے والدہ محترمہ کی حیات میں دسمبر نمبر میں کر دیا تھا) کی ترتیب ایک طرف میں عام نمبر بھی مرتب کرنے کے قابل نہ رہا۔ ادھر حالیہ جنگ پر بعض خریداروں کی شکایتوں کا طومار موصول ہو رہا تھا مجبوراً یہ فیصلہ کیا کہ مدنی نمبر کو مزید ایک ماہ موخر کر دیا جائے اور معمولا ماہنامہ مرتب کر کے ناظرین کے اطمینان کا سامان کر دیا جائے۔ چنانچہ اپریل نمبر حاضر خدمت کیا جا رہا ہے۔ اور مدنی نمبر جو جنوری فروری اور مارچ کا مشترکہ پرچہ ہوگا۔ ۱۵ر اپریل کو نذر ناظرین ہوگا۔ اس جبری تاخیر کے لئے میں اپنے دوستوں اور بزرگوں سے معافی کا خواستگار ہوں۔ اور عرض گزار ہوں کہ اپنے مخصوص اوقات میں والدہ محترمہ مرحومہ کے لئے دعاء مغفرت و رحمت اور میرے لئے دعاء صبر و طمانیت فرما کر مرہون منت فرمائیں۔

قطعۂ تاریخ وفات

والدۂ محترمہ مدیر الحرم

نتیجہ فکر:۔ حاجی منظور حسین صاحب الدنی مدرس مدرسہ عربیہ جامع مسجد ہاپوڑ

کونسی ہے آنکھ جو پُر نم نہیں
موت پر انکی ہے کس کو غم نہیں

سالِ رحلت کیلئے لکھدو کہا سُے
غم زدہ ہیں آج زین العابدین

۱۳۸۶ھ

مناجات نسیمِ شبی!

تاج الدین احمد اشعر رام نگری
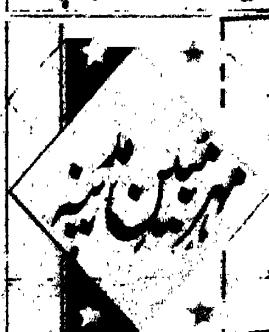
الٰہی! مجھ پہ رحمت عام فرما! — مجھے بہرہ ورِ انعام فرما!
میں جس سے خفتہ روحوں کو جگا دوں — مجھے وہ شاعریِ الہام فرما!
میرے ایمان کو تابانی عطا کر — نظر کو پاک دامانی عطا کر
خلاصہ یہ کہ اے فیاضِ اکبر! — مجھے قلبِ مسلمانی عطا کر
مجھے صدیق رضی کی حق پروری بخش — مجھے فاروق رضی کا قلبِ جری بخش
مجھے عثمان رضی کا جود و حیا دے — مجھے تاب و توانِ حیدری رضی بخش
مجھے عشقِ بلالی رضی مرحمت کر — وہ عزم و جزمِ عالی مرحمت کر
ابوذر رضی وہ شہہ فقر و توکل — اسی کی خستہ حالی مرحمت کر
مجھے از دامِ مکر و فن بچانا — تعلی سے مرا دامن بچانا
شرارِ کبر و تزویر و ریا سے — مرے کردار کا خرمن بچانا
مجھے بھی ہے تمنائے نظارا — دکھا مجھ کو بھی حسنِ انجمن آرا
مگر تابِ نظر مت جانچ میری — حریمِ دل میں ہو جا آشکارا
مئے عرفان سے مستانہ بنا دے — مجھے تو اپنا دیوانہ بنا دے

میں اس علم و خرد سے باز آیا
جو مجھ کو تجھ سے بیگانہ بنا دے

مہرِ مبینِ مدینہ

سید آلِ احمد، احمد نگر بہاولپور

مرا دل بنا سرزمینِ مدینہ — بسے جب سے مہرِ مبینِ مدینہ
مجھے ہے محبت شہہ دو جہاں سے — میں ہوں خاکپائے مکینِ مدینہ
تمنا ہے دل میں کہ طیبہ کو جاؤں — نظر ڈھونڈتی ہے زمینِ مدینہ
کرم فرما مجھ پہ جو ہو جائیں حضرت — تو ہو جاؤں جا کر مکینِ مدینہ
میں خاکِ مدینہ لگاؤں جبیں سے — رہوں زندگی بھر رہینِ مدینہ
مجھے خواہشِ حور و جنت نہیں ہے — میں ہوں عاشقِ سرزمینِ مدینہ

دعا ہے یہ احمدؔ کہ بس بعدِ مردن
بنوں خاکِ راہِ زمینِ مدینہ

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی مقدس زندگی کے علمی، دینی، روحانی اور سیاسی پہلوؤں پر بصیرت افروز اور روح پرور مضامین کا مجموعہ

حضرتِ مدنی نمبر

مطلعِ صحافت پر عنقریب جلوہ آرا ہونے والا ہے

—— (مضمون نگار) ——

(۱) حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب قاسمی مہتمم دار العلوم دیوبند۔ (۲) مفتی اعظم حضرت مولانا سید مہدی حسن صاحب صدر دار الافتاء دار العلوم دیوبند
(۳) حضرت مولانا الحاج احتشام الحسن کاندھلوی مولف تجلیات کعبہ و مدینہ (۴) جناب مولانا سید انظر شاہ صاحب۔ مدرس دار العلوم دیوبند
(۵) جناب مولانا محمد نعیم صاحب مدرس دار العلوم دیوبند (۶) جناب مولانا محمد ظفیر الدین صاحب۔ رکن دار الافتاء دار العلوم دیوبند
(۷) جناب مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی۔ بیت الہدایت دہلی (۸) جناب مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری مولف القاسم قدسیہ
(۹) جناب مولانا طاہر حسین صاحب صدر مدرس مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ (۱۰) جناب مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی فاضل دیوبند دار المبلغین لکھنؤ اور دوسرے علماء

سائز:- ۲۲×۱۸/۸ متوسط کتابی (تاکہ محفوظ رکھنے میں آسانی ہو) صفحات تقریباً سوا سو۔ کتابت حسین، طباعت جمیل اور سرورق نظر افروز

قیمت صرف ایک روپیہ۔ محصول مع رجسٹری ۱۰/ —— الحرم کے مستقل خریداروں کو مفت پیش کیا جائے گا ——

حضرت شیخ الاسلام کے ہر مرید ہر شاگرد ہر عقیدتمند بلکہ ہر مسلمان کے لئے بے نظیر دینی تحفہ ہے۔ محدود تعداد میں شائع کیا جا رہا ہے: لہٰذا آج ہی تین روپے آٹھ آنے بھیجکر الحرم کے مستقل خریدار بن جائیے۔ اور حضرت مدنی نمبر کے علاوہ سال بھر تک الحرم جیسے شاندار پرچہ سے فائدہ اٹھایئے
"حضرت مدنی نمبر" صرف ان ہی خریداروں کو بھیجا جائے گا جن کا چندہ واجب الوصول نہیں ہے لہٰذا اگر اس ماہ کے آپ

ہدایات:- پرچہ میں سرخ نشان لگ رہا ہے تو فوراً سالانہ چندہ ارسال فرما دیجئے۔

★ —— اگر آپکو اپنی کاپی بحفاظت منگانی ہے تو آٹھ آنے فیس رجسٹری ضرور بھیجدیجئے ورنہ پرچہ ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔

★ —— صرف "حضرت مدنی نمبر" کے خواہشمند اصحاب ایک روپیہ دس آنے کا منی آرڈر کریں۔ ایک پرچہ دی۔ پی نہ بھیجا جائے گا۔

★ —— ایجنٹ و تاجر صاحبان کو کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر ۲۵ فیصدی کمیشن دیا جائے گا۔ محصول رجسٹری و دی۔ پی ان کے ذمہ ہوگا۔ نصف رقم پیشگی آنی ضروری ہے۔ باقی رقم کا دی۔ پی ہوگا۔

★ —— کئی صاحبان اگر یکجا پرچے منگائیں گے تو فیس رجسٹری و منی آرڈر میں بہت کفایت رہے گی۔

پاکستان میں ارسال زر کا پتہ :—— منیجر کوثر بک ایجنسی ۱۱/۶ شاہ عالم مارکیٹ۔ لاہور

خط و کتابت و ارسال زر کا پتہ :—— منیجر الحرم۔ قاضی منزل۔ قاضی واڑہ میرٹھ

تاریخی حقائق

از مولانا محمد ظفیر الدین رکن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

حضرت نانوتویؒ کی زندگی کے بعض گوشے

(اس عنوان سے پہلے بھی مختلف رسالوں میں لکھ چکا ہوں، آج کی فرصت میں پھر سوانح قاسمی سے بعض حقائق ناظرین کی خدمت میں حاضر ہیں (ظفیر صدیقی)

حضرت نانوتویؒ کی طبیعت میں خودستائی کا شائبہ تک نہیں تھا، صحابہ کی سی عاجزی تھی، علم و عمل کے اعتبار سے سمندر پی چکے تھے، مگر کیا مجال کہ کسی لب و لہجہ سے اپنی بڑائی کا ادنیٰ سا بھی اظہار ہو مولانا یعقوبؒ نے لکھا ہے:-

"اللہ تعالیٰ نے اس کا کمال ضبط عنایت فرمایا تھا، کبھی کوئی کلمہ خودستائی کا، یا کسی طرح کوئی صورت رعونت یا خودبینی کی خلوت جلوت تنہائی، مجمع، اپنے، بیگانے کسی میں بھی کبھی ظاہر نہیں ہوتی تھی (سوانح قاسمی ص ۸۱)

اب یہ چیز کہاں نظر آتی ہے بھلے چنگے لوگوں کو چھوڑ کر اکثر اہل علم تو اب خودستائی کے مرض میں مبتلا ہوتے جارہے ہیں، اور اس بُری طرح کہ لوگوں کو نفرت ہونے لگی ہے، حضرت نانوتویؒ کی زندگی کے اس پہلو میں ہم نام لیواؤں کے لئے بڑا سبق ہے، کاش ہم سوچیں۔

مانپور کے مضافات میں آپ کے جان نثار دوست حکیم ضیاء الدینؒ تھے، اور اس آبادی کے اکثر لوگوں کو آپ سے عقیدت و محبت تھی، اسی آبادی میں بعض گھرانے ایسے بھی تھے جن کو آپ سے عداوت تھی، مگر آپکا یہ دستور تھا کہ جب کبھی وہاں پہنچتے تو جہاں سب سے ملتے، ان کے بھی گھر کی خدمت میں بھی تشریف لے جاتے، آپکے ماننے والوں کو اس سے تکلیف ہوتی تھی کہ آپ ان کے یہاں جاکر کیوں ملتے ہیں۔ ایک دفعہ وہاں جانا ہوا تو حضرت گنگوہیؒ بھی ساتھ تھے، جب آپ ان حضرات سے ملنے گئے تو موقع پاکر حکیم صاحب نے حضرت گنگوہیؒ سے شکایت کی کہ آپ نے دیکھا ناکر آج ملنے گئے، یہ سن کر مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا۔

"حکیم صاحب! آپ کیا فرماتے ہیں آپ ان (حضرت نانوتویؒ) کے قلب کی حالت ملاحظہ نہیں فرماتے، جس شخص کے قلب میں ایمان کی طرح یہ راسخ ہوچکا ہو کہ دنیا میں مجھ سے زیادہ ذلیل و خوار کوئی ہستی نہیں ہے، اس کے متعلق آپ کیا چاہتے ہیں" (ایضاً ص $\frac{۲۸۲}{۱۲}$)

غور کیجئے یہ تھا اپنے متعلق حضرت کا یقین، ذمہ داری سے بتلائیے کہ اب ایسے لوگ کتنے رہ گئے؟ اور آج کون ایسا بے نفس رہ گیا ہے؟ جو اپنے کو ذلیل و خوار سمجھتا ہو، افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب تو ایک معمولی شاگرد بھی اپنے کو اپنے اساتذہ باکمال کے مقابلہ میں باعزت سمجھنے لگا، یہ تو بڑائی کے ہیضہ کا دور ہے۔

حضرت نانوتویؒ عقیدتمندوں سے گھبرایا کرتے تھے، اور تدبیر اختیار کرتے تھے کہ لوگوں کے دلوں میں دلی عقیدت گھر کرنے نہ پائے، مولانا عبدالعلیؒ کا بیان ہے۔

"میرٹھ میں حضرت سے جس زمانہ میں ہم لوگ پڑھتے تھے مخلوق خدا آپ پر ٹوٹ رہی تھی، لوگ روکے نہیں رُک رہے تھے، آپ نے ایک دن ہم شاگردوں کو جمع کرکے فرمایا، کہ اس مصیبت سے نجات کی میرے لئے کوئی صورت سوچو، اور میری عقیدت لوگوں کے دلوں سے نکالو" (ص $\frac{۲۸۵}{۱۲}$)

اب یہ جذبہ عجز و انکساری کہاں رہا؟ اب مٹانے کے بجائے لوگ عموماً اپنے کو اجاگر کرنے کی ہی فکر میں رہتے ہیں، اور موجودہ دور کی پیداوار کا رنگ تو کچھ اور ہی ہے، بس اللہ ہی توفیق کی دولت سے نوازے۔

آپ کو معلوم ہوکر حیرت ہوگی کہ حضرت نانوتویؒ نے اسے کہنے کی ہی حد تک نہیں رکھا، بلکہ شاگردوں کا بیان ہے، کہ ہم لوگ آنے والوں کو دروازہ پہ روک لیتے اور کہتے

"اے بھائی! تو کس دھوکہ میں ہے، یہ مولوی نرے ملاں ہیں،

یہ کیا جانیں کہ فقیری کس کو کہتے ہیں، اگر تم کو کسی فقیر بزرگ کی تلاش ہے، تو کسی اور بزرگ کی خدمت میں جاؤ، یہاں کیا لوگے؟" (ص ۲۸۵/۱۷۰)

ہے کوئی مثال اس زمانہ میں؟ جہاں باضابطہ شاگردوں کے ذریعہ اپنے کو جاہل مشہور کرنے کی کوشش ہوتی ہے، آج کچھ مقامی لوگوں کو حیرت ہے کہ آخر اتنے سادے لوگوں اور دنیا کے مختلف خطوں میں وہی کیوں استقدر مقبول ہے؟ دوسرے لوگ بھی تو تھے! ان کو حضرت رح سے متعلق اسطرح کے واقعات پر غور کرنا چاہیئے! اور پھر اس حدیث کو پیش نظر رکھنا چاہیئے، جس میں آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو بندہ اللہ کیلئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اسے بلند کرتا ہے۔

حضرت نانوتوی رح کی تواضع پسندی کا یہ عالم تھا کہ آپ بسا اوقات فرمایا کرتے،

"اگر میں جانتا کہ پڑھ لکھ کر یہ دقتیں پیش آئیں گی (اور لوگ میرا پیچھا کرینگے) تو میں نہ لکھتا، نہ پڑھتا، صرف سیدھی سادی نماز، روزے

کے مسائل سیکھ لیتا!" (ص ۲۸۵/۱۷۰)

پھر اگر قدرت نے اپنے اس بندہ کو مقبول عام و خاص بنایا تو کیوں ہے؟ من جانب اللہ یہی ہونا ہی چاہیے تھا، جو آنکھوں کے آرہا ہے، ہاں ان حقائق میں ہمارے لئے بیتہ سبق ہے، کاش ان کی سعی کرتے،

اللہ تعالیٰ نے جو علم و فہم عطا فرمایا تھا، اسے کون نہیں جانتا حال یہ تھا کہ اگر کوئی کسی مسئلہ میں استفساء کرتا تو اس کو جواب میں تحریر "میں حیران ہوں، نہ میں ایسا عالم، نہ ایسا محقق، آپ نے کیوں اس کام کے لئے تجویز کیا، مجھ کو تو کبھی فتوی لکھنے کا اتفاق نہیں ایسے لوگ اب کہاں ملتے ہیں، جو باایں ہمہ فضل و کمال سچ انکساری کا مجسمہ نظر آئیں، اپنی کسی ادا سے بھی بڑائی کی بو محسوس نہ ہونے دیں پھر اپنی ایک ایک چیز پر نگاہ رکھیں، اور تکلف و تصنع سے بیزار

ہوں،

بھوپال کے وزیر اعظم کے پوتے مولوی ابوالقاسم نے ایک علمی سوال روانہ خدمت کیا، تو جواب کی تمہید میں اپنے متعلق تحریر فرمایا

"آں مخدوم را خود معلوم است ہمچو سپاہی کہ آلۂ حرب بدست ندارد، لے کتابے در بغلش نبود، بکارے نیاید، خصوصاً کسے کہ از علم ہم جز م بدست نیاوردہ" (ص ۳۸۹)

اللہ تعالیٰ قیامت تک قبر پر رحمتوں کی موسلا دھار بارش سا تا ہے، اپنے بعد والوں کے لئے عملی نمونے چھوڑ گئے، یہ الگ بات ہے ، اسے پڑھ کر گذر جائیں اور نہ سوچیں،

کسی اور نے کچھ پوچھا تو جواب میں لکھا گیا

"آپ جانتے ہیں کہ میں خود ذی علم نہیں ہوں" (ص ۳۹۰/۱۲)

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اگر حضرت نانوتوی اصرار کے بعد کسی کو کچھ لکھ کر بھیجتے، تو وہاں اپنے فضل و کمال کو چھپانے اور اس سے اپنے آپ کو پوشیدہ نے کے لئے لکھتے

"مصلحت آنست کہ جواب احقر را بخدمت مولانا رشید احمد صاحب نادہ ملاحظہ شاں گذرانند"

یہ تھا ہمارے اکابر کا خلوص، جس کی پیروی کی اس زمانہ میں اشد رت ہے،

نماز کی امامت بھی ایک ایسی چیز ہے، جو آدمی کو ذرا اجاگر کرتی حضرت نانوتوی غالباً اسی وجہ سے امامت سے بھی گریز فرماتے تھے، دوسروں سے یہ فرما کر کہ میں امامت نہیں کرتا، دامن چھڑاتے ، بلکہ اپنے نزدیک امامت کا مستحق اپنے آپ کو نہیں سمجھتے تھے" (ص ۲۹۳/۱۲)

اس منصب کو علماء عموماً اپنا حق سمجھتے ہیں، مگر حضرت نانوتوی ، کو اس لائق بھی نہیں سمجھتے تھے کہ وہ امامت کے فرائض انجام ،، اس فروتنی کا کیا کہنا، نوجوان علماء کے لئے اس میں بڑا موثر سبق ، ــــ اقتداء کے سلسلہ میں فرمایا کرتے،

"دعوت کا کھانا اور جماعت کی نماز ایسی چیزیں ہیں کہ ان میں ، اوپر کچھ بوجھ نہیں پڑتا ...... اللہ اکبر کہہ کر کھڑے ہوگئے، اب کچھ خبر نہیں کہ کیا ہوگا، سب بار امام کے ذمہ" (ص ۲۹۳/۱۲)

دوسری طرف مولانا نانوتوی اپنے چھوٹوں کو بھی خوش اسلوبی سے اجاگر کرتے، اور انہیں لوگوں میں متعارف کرنے کی سعی فرماتے، ایک دفعہ کسی نے بذریعہ خط کوئی علمی مسئلہ دریافت کیا، اس کو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا۔

"مولانا یعقوب صاحب آجکل اپنے وطن کو گئے ہیں، پھر ایسے مسائل کا جواب کون لکھے"۔

"کتنا اچھا انداز تھا، اپنے چھوٹوں کو آگے بڑھانے اور انکی حوصلہ افزائی کا، اب یہ باتیں ناپید ہوتی جارہی ہیں، سیاسی جوڑ توڑ میں اگر کوئی معاون ہو تو اس کی تعریف تو ممکن ہے کہ کوئی کردے، لیکن علمی لائن میں کسی چھوٹے کی خدمت کا اعتراف، اور اسے آگے بڑھانا، اب تو خواب خیال ہی ہے الا ماشاء اللہ،

حضرت نانوتوی اپنے تلامذہ اور چھوٹوں کی حوصلہ افزائی اور ان کو لوگوں میں معزز بنانے کا بڑا نیک جذبہ رکھتے تھے، سوانح مخطوطہ میں ہے،

"تلامذہ اور ارادتمندوں کی ایسی تعظیم و توقیر فرماتے، جیسے کوئی مرید، یا شاگرد اپنے شیخ یا استاذ کی کرتا ہے" (ص ۲۶۳/۱۲)

یہ قحط الرجال کیوں ہوتا جارہا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ علماء نے اس نقش قدم پر چلنا چھوڑ دیا، جو حضرت اپنے عمل سے بنا گئے تھے، اسی طرح سیرتوں کے بنانے کا جذبۂ خیر، اب کہاں باقی رہا؟ اب تو ہر جگہ تاجرانہ نقطۂ نگاہ پھیلتا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ ارباب فضل و کمال کو اس مرض سے محفوظ رکھے،

تعمیر سیرت کس طرح فرمایا کرتے تھے؟ حال یہ تھا کہ

"جس طالب العلم کے اندر تکبر دیکھتے تھے، اس سے کبھی کبھی جوتے اٹھوایا کرتے تھے"!

اسے کہتے ہیں، استاذی و شاگردی، کہ آپ ضابطہ ہی کی حد تک بات محدود نہیں رکھتے، بلکہ لڑکوں کی تعمیر سیرت کے فرائض بھی انجام دیا کرتے تھے، جس کا ہمارے اس زمانہ میں قحط سا ہوگیا ہے، اور ہوتا جارہا ہے۔

(باقی آئندہ)

از فضیلۃ الشیخ عبدالمنعم النمر رکن وفد مؤتمر اسلامی و الازہر

اسلام اور یورپ

ترجمہ مولوی اشتیاق احمد قاسمی گیاوی دارالعلوم دیوبند

(علامہ عبدالمنعم النمر مصری رکن وفد مؤتمر اسلامی چند سال سے دارالعلوم دیوبند میں مقیم تھے اب واپس مصر تشریف لے جا چکے ہیں، الحرم سے خصوصی وابستگی کی بنا پر آپ نے الحرم کو مضمون ذیل بطور خصوصی مرحمت فرمایا ہے جس کے لئے ہم شکر گذار ہیں۔ مدیر)

پہلی عالمگیر جنگ میں جنرل لینبی ترکی فوجوں کے مقابلہ میں یورپین فوجوں کی قیادت کر رہا تھا۔ ترکی فوجوں کو شکست دیکر بیت المقدس میں داخل ہوتے ہوئے اُسنے یہ کہا تھا کہ "آج صلیبی جنگیں ختم ہوگئیں"۔ اسی جنرل لینبی نے یہ بھی کہا تھا کہ "عرصہ دراز تک ہمارے آباؤ اجداد اس مقدس شہر پر تسلط و غلبہ کے لئے برسرپیکار رہے لیکن انہیں ہمیشہ ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس مسلسل شکست خوردگی سے انکی ساری تمنائیں اور کوششیں خواب و خیال بنکر رہ گئیں لیکن اس صورت حال نے ہمارے آباء و اجداد کے دلوں کو کبیدہ خاطر پست ہمت کرنے کی بجائے ان کے دلوں میں بغض و حسد، کینہ و عداوت کی بھٹیاں مشتعل کر دیں"۔

مسلمانوں کے خلاف کینہ و حسد کی یہ چنگاریاں برابر مشتعل ہوتی رہیں۔ مدتوں کے بعد یہ ہزیمت خوردہ قوم اس سرزمین مقدس پر غالب آ گئی جو بارہا مسلمانوں کے مقابلہ میں بھیڑ بکریوں کی طرح مار مار کر ہنکا دی گئی تھی اس فتحیابی کے بعد جنرل لینبی نے اپنی دلی کینہ پرور کا اظہار خیال کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ "آج صلیبی جنگیں ختم ہوگئیں"۔

ترکوں پر اس فتحیاب جنرل لینبی کو یورپ نے مبارکبادیاں دیں اور آباؤ اجداد کی دیرینہ ہزیمت خوردگی کی پرانی داستانیں اسکے سامنے دہرائی گئیں۔ پہلی جنگ عظیم میں جرمنی اور اسکے حلیف ترکی کی شکست کے بعد یورپ نے مفتوح ملکوں کے حصے بخرے کرلئے۔ شام فرانس کے حصہ میں آیا۔ شام میں جب قبضہ کے لئے فرانسیسی فوجیں داخل ہوئیں تو شام کے غیور بہادر باشندوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا جس کہ فرانسیسی فوجوں کو سوا لوٹ جانا پڑا اور آج تک انکا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ دمشق میں فرانسیسی فوجوں کے داخلہ کے وقت اسکے کمانڈر جنرل نے بھی لینبی کی طرح یہ ارشاد فرمایا تھا کہ "ہمارے آباؤ اجداد نے ان اسلامی ملکوں پر اپنا تسلط جمانے کے لئے برابر جد و جہد کی لیکن صلاح الدین ایوبی نے اس مقدس سرزمین کو عیسائیوں کے وجود سے پاک کر دیا اور انہیں ایسی شکست دی کہ مدتوں سر اٹھانے کی تاب نہ لا سکے لیکن آج ہم ان ممالک کے مالک ہیں جنپر ہمارے آباؤ اجداد کبھی قابض نہ ہو سکے۔ کینہ و حسد کی آگ جنرل مذکور کے قلب کو کھائے جا رہی تھی اس کا مظاہرہ کرتے ہوئے تنگ قلبی اور خساست نفسی کے ساتھ سلطان صلاح الدین ایوبی (نور اللہ مرقدہٗ) کے مزار مبارک پر جاکر صلاح الدین ایوبی کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "اے صلاح الدین ایوبی آج ہم یہاں فاتح بن کر آئے ہیں"۔ حالانکہ ایک بہادر کے شایان شان تو یہ تھا کہ اس مرد مجاہد کی قبر پر جاکر داد شجاعت دیتا لیکن اس بزدل کمینہ خصلت جنرل نے داد شجاعت کی جگہ اپنے آباؤ اجداد کی شکست خوردگی کا انتقام قبر سے لیا۔ حالانکہ وہ یہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ ہم لوگ ایسے بہادر سے خطاب کر رہے ہیں جس کی قوت بازو نے تنہا مشرق کو یورپین قوموں کے ناپاک وجود سے پاک رکھا۔ اس ذلیل کمینہ خصلت کو صلاح الدین ایوبیؒ کی زندگی میں یہ کہنے کی جرأت نہ ہوتی بلکہ اپنے آباؤ اجداد کی طرح یہ بھی شکست کھا کر راہ فرار اختیار کرتا کیا آج کوئی شریف النفس انسان صلاح الدینؒ کی قبر پر اس کمینہ مخنث کی اس بزدلی و بزدلی کو شرافت اور بہادری سے تعبیر کر سکتا ہے؟

مشرق کو ایک سبق

یہ کلمات صلاح الدین ایوبیؒ کی موت کے بعد انکی قبر پر اس جرنل موصوف کے لئے باعث فخر و مباہات تو ہو سکتے ہیں لیکن ایک بہادر کے شایان شان نہیں ہو سکتے بلکہ اس کینہ پرور کا اور کمینہ خصلت کی حرکتوں سے مشرق کے تمام باشندوں

اتنا تو ضرور معلوم ہو گیا کہ مغرب کبھی مشرق کے ساتھ شریفانہ زندگی نہیں گزار سکتا۔ یورپ کی اسلام اور مسلم کش پالیسی کی جرنل موصوف خود جرنل یعنی زندہ تصویریں ہیں۔ اسکے باوجود یورپ کے یہ قائد ہمیشہ اپنے متعلق اس خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ ان کا دامن تعصب و تنگ نظری سے پاک رہا ہے ع ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہئے۔

اور اس فریب خوردگی کی بھی کوئی حد نہیں ہے کہ خود کو ہمیشہ مسلمانوں کا بہی خواہ ہی کہتے رہے لیکن ان کے اس گرگ صفت دل کی تکذیب خود ان کا ضمیر ہی کر سکتا ہے کیوں وہ ایسی باتیں زبان پر لاتے ہیں جو دل کی آواز نہیں ہوتی؟ ہمیں یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ مشرق کے خلاف انکی اس کینہ پروری اور اسلام دشمنی پر دو ہی چیزیں ابھارتی رہتی ہیں۔

پہلی چیز اسلام کے خلاف بغض و حسد، اور تعصب و تنگ نظری کی چنگاری ہے دوسری چیز جو سب سے اہم ہے وہ یہ کہ یورپ ہمیشہ اپنی خود غرضی کی بنا پر اسلام کی نشو و نما اور مسلمانوں کی بیداری سے لرزہ براندام رہا ہے اس لئے کہ اہل یورپ اس سے بخوبی واقف ہیں کہ مسلمان ایک شاندار ماضی اور اچھے کردار کے حامل ہیں۔ اور یہ وہ قوم ہے جو صدیوں دنیا پر حکمرانی کرتی رہی ہے۔ انہیں یہ تصور بھی رہ رہ کر ستاتا رہتا ہے کہ اسلام اپنے پیروکاروں کو غلامی کی نکبت و ذلت کی زندگی پر قانع رہنے کا درس نہیں دیتا بلکہ اسلام ہمیشہ باعزت سیادت کا خواہاں ہے۔ مسلمانوں میں مسلم رہنما بھی غیرت و خودداری اور باعزت سیادت کی روح پھونکتے رہے ہیں تاکہ وہ آباؤ اجداد کی کھوئی ہوئی مجد و شرافت کو واپس لا سکیں۔ اگر مسلمان اپنے آبائی مجد و شرافت اور کھوئی ہوئی سیادت کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یقین مانیے ہرگز ہرگز مغرب مشرق پر اپنے جابرانہ تسلط کو باقی نہیں رکھ سکتا ہے۔ اسکے بعد لازمی طور سے یورپ کو مشرق کی ان نعمتوں سے محروم ہو جانا پڑے گا جو یورپ کی خوشگوار زندگی کا دار و مدار ہے خصوصاً برطانیہ کو سمٹ کر اپنے چھوٹے سے جزیرہ کی طرف لوٹ جانا پڑیگا جہاں مچھلیاں اور گندم کے کچھ خوشوں ہی پر زندگی گزارنی پڑے گی۔ آخر اس چھوٹے سے جزیرہ میں اسکے سوا پیدا ہی کیا ہوتا ہے جس کی وہ تمنا کر سکتے ہیں چنانچہ عہد جہانگیری میں جہانگیر کے ایک یورپین مندوب نے جب یہ درخواست کی کہ شہنشاہ سے انگلستان کے بادشاہ کے نام ایک سفارشی خط دیدیا جائے تو وزیر موصوف نے بلا تامل اس انگریز مندوب سے کہا کہ جہانگیر جیسے ذی عزت عالی جاہ بادشاہ کے لئے یہ زیبا نہیں کہ انگلستان کے ایک چھوٹے سے جزیرہ پر حکومت کرنے والے بادشاہ کے نام خط لکھکر دیدے جہاں کے باشندے مفلس، حاجت مند اور مچھلیوں پر زندگی گزارنے والے اور زندگی کے قدرتی وسائل سے محروم ہیں۔

یہی وہ بنیادی حقائق ہیں جنکی بنا پر یورپ مشرق کو اپنی گرفت سے نکلتا اور مشرق کی ترقی اور اسکی بیداری میں مختلف راہوں سے روکاوٹیں ڈالتا رہتا ہے اور مشرق میں ابھرنے والی آزادی و بیداری کو اپنی روایتی بربریت کے ذریعہ کچل دیتا ہے جسکی بنا پر مدتوں مشرق سر اٹھا نہیں پاتا ہے۔ اسی واسطے عیسائی مشنریاں اور مستشرقین کے کلہاڑے مسلمانوں کے قلوب سے دینی اور روحانی حقیقتوں کو اکھاڑ پھینکنے کے لئے تیار رہتے ہیں تاکہ مسلمان اپنی دینی تعلیمات سے کوسوں دور ہوتے چلے جائیں اور اسلام کے انمٹ روحانی تعلیمات کے نشانات و آثار کسی نہ کسی طرح انکے قلوب سے محو کر دئے جائیں جن ممالک اسلامیہ پر ان سفید فاموں کا غلبہ ہا وہاں اپنی ان تمناؤں کو بروئے کار لانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اسکے لئے اس قسم کا نظام تعلیم جاری کیا کہ مسلمان خود بخود اپنے دین متین سے ناآشنا ہو کر رہ گیا بلکہ رفتہ رفتہ اسلام سے بدظن ہو گیا اور اسلام پر کئے گئے اعتراضات کو حق بجانب بھی سمجھنے لگا۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ انگریزی داں طبقہ اسلام متنفر ہو کر سامراجیت کا مؤید بنتا چلا جا رہا ہے۔

مغربی اداروں کا مقصد

مغربی مدارس اور مغربی شفاخانوں کی اقامت پر اہل مغرب ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی سعی کیوں کرتے رہتے ہیں؟ مشرقی ممالک میں انکی حقیقت اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ مدارس اور شفاخانے مغربی استبداد و سامراجیت کی بقا کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں اور یہ تمام مشنریاں انکے مقاصد کی تکمیل ہیں اسکا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں ایک ایسی نسل نشو و نما پا رہی ہے جو بظاہر بہت کچھ تہذیب و تمدن سے آراستہ معلوم ہوتی ہے جن کی نظریں یورپ کی ترقیوں اور انکی عظیم شخصیتوں پر تاریخ پر بہت گہری ہیں۔ لیکن اپنے دین کی تاریخ اور اسلام

رفیع المنزلت ہستیوں کے کارناموں سے بالکل نا آشنا ہیں بلکہ اگر تلخ نوائی سے کام لیا جائے تو یہ کہنا بھی بے جا ہو گا کہ وہ اسلام ہی سے کورے ہیں۔

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

یقین مانئے کہ اگر تفتیش کی جائے تو اسلام سے تمسخر اور اپنی مسلمانیت سے برأت کرنے والے مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد مل سکتی ہے مشرق میں مسلمانوں میں فقدان دین پیدا کرنے کے یہ مختلف اسباب ہیں جنہیں ظاہر بیں نگاہیں نہیں تاڑ سکتی ہیں۔

دنیا اور بنی نوع انسان اس سے بخوبی واقف ہیں کہ یہ پادری اور عیسائی مشینریاں ہمیشہ مقدمۃ الجیش کی طرح اجنبی ملکوں میں داخل ہو کر سامراجیت کے غلبہ کا ذریعہ بنی ہیں۔

سیاسی نقطۂ نگاہ سے اگر غور کیا جائے تو یورپ مسلمانوں کو خصوصاً مشرق کو غلام بنانے میں حریص رہا ہے اور مشرق میں اپنے تسلط کو برقرار رکھنے کے لئے مکر و حیلہ سے ہر ابھرنے والی قوت کو کچلتا رہا ہے انگریزی ممالک کا جائزہ لیں تو مغربی ممالک کو اقتصادی اور دیگر مادی وسائل کے اعتبار سے خود کفیل پائیں گے اسی کے ساتھ مغربی ملکوں کا مشرق کے کسی چھوٹے سے چھوٹے ملک سے باہم مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو باہم کوئی نسبت ہی نہیں اگرچہ مشرق کا چھوٹا سے چھوٹا ملک اپنے رقبہ اور آبادی کے اعتبار سے اس درجہ پر ہے کہ یورپ کے ملکوں کو بحر ابیض متوسط میں دھکا دے سکتا ہے لیکن مادی اعتبار سے یہ سب آج دوسروں کے دست نگر ہیں۔ ہمیشہ یورپ اسلامی ملکوں کو غلام بنانے کے لئے قوی سے قوی دلائل پیش کرتا رہا ہے۔ اور ان کی حریصانہ نگاہیں مشرق سے کبھی نہیں ہٹی ہیں۔ الجزائر ہی کی مثال لیجئے

والی مصر محمد علی کے زمانہ میں جزائری فوجی بیڑے کو مصری اور ترکی فوجی بیڑے کے ساتھ نیست و نابود کرنے کی تاک میں تھے لیکن الجزائر اپنی کہتری کے باوجود فرانسیسی فوجوں کو بحر ابیض متوسط میں دھکیلتے ہوئے تھا سنہ ۱۸۳۰ء میں ان ممالک اسلامیہ پر تسلط و غلبہ حاصل کرنے کے لئے بہت سی تدبیریں کی گئیں بہت سے حربے اختیار کئے گئے

تعصب کی بدترین مثالیں۔ یہ ساری تدبیریں محض اسلام کے خلاف تعصب آمیز نفسانی خواہشات کی بنا پر تھے خود اسلام دشمنی پر فرانس کے عہدیدار کی تقریر ناطق ہے۔ اپنی تقریر میں وہ کہتا ہے۔

"خدا کی یہ وہ مشیت ہے جس نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ سینٹ لوئی القدس کو پکار رہی ہے تاکہ وہ اپنا قصاص اور خون بہا وصول کر لے"

یہ مقدس لوئیس وہ نواں لوئیس ہے جسکو مسلمانوں نے منصورہ میں قید کر لیا تھا پھر کچھ فدیہ لیکر آزاد کر دیا گیا۔ قید سے آزاد ہونے کے بعد فرانس واپس جا رہا تھا راہ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس ذلت کے بدنما داغ کو مٹانا چاہئے۔ اس بدنما داغ کو دھونے کے لئے جزائری مسلمانوں پر حملہ کر کے اپنی شجاعت کا اظہار کیا لیکن الجزائر کے خود دار بہادر مسلمانوں نے دنداں شکن جواب دیکر اسکو قتل کر دیا یہ شخص فرانسیسیوں کی نظر میں قدیس لوئس سے تعبیر کیا جانے لگا۔ جنرل موصوف اسی قدیس لوئس کی ذلت کے بدنما داغ کو مٹانے کے لئے اسے مخاطب کر کے پکارتا ہے۔ تاکہ آج شکست خوردہ مسلمانوں سے اپنی پرانی ہزیمت کا انتقام لے

دوران تقریر میں پھر اسی مفہوم کا اعادہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

"اس اہانت کے بدنما داغ کو جو قدیس لوئس کو لاحق ہوا تھا دھونا اور دین و انسانیت کی خاطر اس کا قصاص لینا چاہئے"

قائد جیش جس کی کمانڈری میں الجزائر پر قبضہ کیا گیا تھا وہ اپنے لیکچر میں فوج کے سامنے اپنی رہنماؤں کی بات کو نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "اے لوگو! تم اس لئے آئے ہو تاکہ فتح و کامرانی کے دروازے کھول دو تاکہ افریقہ تک مسیحیت پھیل جائے"

اس طرح تعصب کے ساتھ اپنی فوجوں کو برانگیختہ کرتا رہا تاکہ ممالک اسلامیہ پر قبضہ کر لیا جائے اور ان ممالک کے بسنے والے مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دیا جائے۔ صدیوں سے انکی تقریریں اور انکی تحریریں باہم اسکی شہادت دیتی چلی آ رہی ہیں۔ یہ سب دفتروں میں مدون کیا جا چکا ہے ان مدونہ دفاتر کے حروف زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ یہ قوم وہی قوم ہے انکا نفس ذرہ برابر بھی نہیں بدلا ہے یہ آج کے مہذب دور میں بھی مہذب نہیں ہوئے ہیں بلکہ گرگٹ کی طرح لوگوں کے سامنے رنگ بدل بدل کر آیا کرتے ہیں۔ فرانس کے وزیر خارجہ جارج بیڈعے نے سنہ ۱۹۵۲ء میں سلطان مراکش کو معزول کر دیا اور [illegible]

مسلم ممالک میں اسکے اس تصرف کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا اور بڑی لے دے کی۔ سلطان مراکش کو ایسے وقتوں میں معزول کیا جبکہ مسلمان عیدالاضحیٰ کی تقریب منانے میں مشغول تھے۔ یہ وزیر خارجہ اخباری مضامین کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "مجھے یہ کیسے گوارا ہو سکتا ہے کہ صلیب پر ہلال کا غلبہ برداشت کروں۔ اے شریف لوگو! مجھے ملامت سے درگذر کر دو میں تو بیت المقدس کا خواب دیکھ رہا ہوں"

اسی طرح کا موروثی کینہ حسد بغیر کسی احتیاط کے جرمن وزیر خارجہ کی زبان سے بھی ظاہر ہو کر رہا اور یہ بات ان صحافیوں اور اخبار نویسوں کے سامنے کہی گئی جن کی عادت ہر سنی ہوئی شے کو چھاپ دینے کی ہوا کرتی ہے۔ یہ ہیں انکی موروثی خواہشات اور دلی کیفیات جن کی بنا پر الجزائر پر فرانس سنہ ۱۸۳۰ء سے قابض چلا آرہا ہے یعنی تقریباً ایک سو تیس سال سے جزائری مسلمانوں کے کاندھوں پر غلامی کا جوا رکھے ہوئے ہے۔ امریکہ کا "لائف" نامی پرچہ الجزائر کے متعلق اپنی صحافتی تحقیق میں لکھتا ہے کہ "فرانسیسی یہ کہتے ہیں کہ ہم الجزائر میں مسلمانوں کے ساتھ وہی قتل و غارتگری کا سلوک کریں گے جو امریکہ نے ہنود ھر کے ساتھ کیا تھا"۔ اسی فرانسیسی وزیر نے پارلیمنٹ میں کھڑے ہو کر بانگ دہل کہا تھا کہ ہم یہ کبھی نہیں برداشت کر سکتے کہ مشرق کا کوئی فرد جمال عبدالناصر) یورپ کے مقابلہ میں کھڑا ہو کر مشرق میں یورپ کے اثرات کا جنازہ نکال دے"۔

اب یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ اصل مسئلہ مشرق میں یورپ کے اثرات کی بقا و انہدام کا ہے!۔

حوادث فلسطین پر ایک نظر جو کچھ فلسطین میں پیش آیا وہ مغربی ممالک کی طرف سے مسلمانوں کو ذلیل و رسوا اور ان کی شان و شوکت کو ختم کرنے کی دوسری مثال ہے۔ آخر کار فلسطین میں یہودیت کے نام پر آمریت اور سامراجیت غالب ہو کر رہی۔ عرب کے مسلم عوام پر یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے بلکہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ فلسطین کے مسلم عوام کو شہر بدر کیا گیا انہیں انکی جائدادوں سے محروم کر دیا گیا انہیں اس طرح دھتکار کر نکال دیا گیا کہ وہ دور ہی سے اپنے گھروں اور کھیتوں پر دشمنوں کو قابض دیکھ کر خون کے آنسو روتے رہے۔ یہ ہے یورپ اور اسکی انسانیت نوازی

حالانکہ مسیحیت اور اسلام میں اعتقادی لحاظ سے جو قرب ہے وہ ظاہر ہے۔ مسلمان کبھی عیسیٰ علیہ السلام کی تحقیر اور ان کی والدہ محترمہ کو زنا کی تہمت کے ساتھ متہم نہیں کرتے جیسا کہ یہود نے کیا ہے۔ یہود عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہوئے لیکن خداوند قدوس نے انہیں نجات دی اور آسمان کی طرف اٹھا لیا۔ قرآن کریم عیسیٰ علیہ السلام اور انکی والدہ محترمہ کی تمجید کرتے ہوئے یہود کے تراشے ہوئے اتہامات سے برأت کا اظہار کرتا ہے۔

خواہش نفسانی سے مبرا اور سلیم الطبع انسان کی منطق تو یہ ہونی چاہیئے تھی کہ مسلمان اور مسیحی قریب سے قریب تر ہوتے اور دونوں ملکر بد طینت یہودیوں کا مقابلہ کرتے لیکن معاملہ برعکس ہے اس الٹی منطق کی وجہ مغرب کی ذاتی اغراض ہیں۔ نیز مشرق کی آزادی کے بعد مشرق سے حاصل ہونے والے منافع کے فوت ہو جانے کا اندیشہ بھی سب سے بڑی وجہ ہے۔

یہ صحیح منطق اس وجہ سے بھی الٹی رہی کہ انہیں اسکا خوف لاحق ہو چلا ہے کہ آزادی کے بعد اسلامی ممالک پٹرول اور خام مواد کے خود مالک بن بیٹھیں گے جو مغرب کی سب سے بڑی محرومی و بدقسمتی ہوگی۔ پس اس خوف کی وجہ سے انکے لئے یہ ضروری تھا کہ خبیث النفس یہودیوں کے وجود کو عالم عربی کے قلب و جگر میں باقی رکھیں اور ہر طرح کے جدید ہتھیاروں سے مسلح کر کے جب جی چاہے عالم اسلامی کی پشت میں خنجر گھونپ دیں۔ یورپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ دنیا کو جھوٹ اور فریب خوردگی میں مبتلا کرنے کے لئے اپنے آپ کو آزادی کا علمبردار کہے۔ حریت کے معنی و مفہوم کا کوئی حصہ انکے نصیبہ میں نہیں آیا ہے۔ اگر لوگوں کے مال و متاع پر غاصبانہ قبضہ اور دنیا کو آزادی سے محروم کر دینے کا نام حریت ہے تو پھر خدا حافظ ہے۔

جوانی اور اسپہ لاابالی
خدا حافظ ہے ناموس حیا کا

مصر پر نظر عنایت آج پھر یورپ مشرق کے مقابلہ میں باہم متحد ہو گیا ہے۔ فرانس اور برطانیہ اسکے ہراول دستے ہیں جو اپنی بری، بحری اور ہوائی فوجی بیڑوں کے ساتھ مصر کے مقابلہ کے لئے گٹھ جوڑ کر چکے ہیں۔ مصر کے قائد

جمال عبدالناصر پر آئے دن مغربی اخبار و جرائد اور انکی نشر گاہیں
گلفشانیاں کرتی رہی ہیں یہ اس لئے کہ یورپ نے اس کا احساس
کرلیا ہے کہ جمال عبدالناصر ایک مستقل سیاست کے حامل ہیں جس
کے ذریعہ مصری عوام ہی میں نہیں بلکہ تمام مسلمانوں میں بیداری کی
ایک روح پھونک دینا چاہتے ہیں تاکہ وہ ماضی کے گرد آلود دامنوں کو
جھاڑ کر مغرب کے پہنائے ہوئے طوق غلامی کو اتار پھینکنے کے لئے اُٹھ
کھڑے ہوں۔ یہ بات بھی انکی نگاہوں میں کھٹک رہی ہے۔ کہ
جمال عبدالناصر مصری فوج کو جدید اسلحہ سے آراستہ کرنے اور مصری
عوام کے معیار زندگی کو بلند کرنے کے در پے ہیں۔ مغرب کی اس
ناپسندیدگی کے باوجود بھی جمال عبدالناصر اس راہ پر گامزن رہیں
گے تاکہ مصر اور اسکے پڑوسی عرب ممالک کو قوی تر کر دیا جائے تاکہ
مصری آزاد ملکوں کی صف میں کھڑے ہونے کے لائق ہو سکیں۔ اس
راہ میں یورپ کو خطرہ ہی خطرہ ہے اس کے تو یہی معنی ہوئے کہ مشرق
سے وہ مغربی بیہودہ نشیوں اور یورپین سامراجیت کا جنازہ نکال دینا
چاہتے ہیں ایسی حالت میں ہر مغربی ملک کا فرض ہے کہ مصر سے پیدا
ہونے والے سرکش باغی جمال عبدالناصر کی سرکوبی کریں۔
جمال عبدالناصر کے متعلق ایک انگریز نے کہا کہ "وہ یورپ کا
پہلے درجہ کا دشمن ہے" فرانسیسیوں نے جمال عبدالناصر کے
متعلق بیدائے زنی کی کہ "وہ مغرب میں فرانس کے خلاف آزادی کی
تحریک کی قیادت کر رہا ہے" ایک دوسرے انگریز نے کہا کہ
"جمال عبدالناصر یورپ کے مقبوضہ ممالک کے عوام کو مغرب کے
خلاف اُبھارتا ہے" اگر واقعی جمال عبدالناصر ان جرموں کے
مرتکب بھی ہوئے ہیں تو کیا شریف، حق پسند دُنیا کے نزدیک
بھی یہ جرم ہے؟ بیشک یہ وہ شرافت ہے جس پر جمال عبدالناصر
ہی نہیں بلکہ مصر اور مشرق بھی فخر کرتا ہے لیکن یورپ شرافت اور
شریف النفس آزاد پسند انسان کو دیکھنا کب گوارہ کر سکتا ہے؟

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب ندوی مدراسی ندوۃ العلماء لکھنؤ

رویتِ ہلال

(مضمون کے ساتھ مضمون نگار نے جو محبت نامہ بھیجا ہے اس میں الحرم و مدیر الحرم کی بہت کچھ تعریف کی ہے۔ یہ سب ان کی چشم محبت کا کرشمہ ہے۔ تاہم اتنی بات ضرور صحیح ہے کہ میں دیوبند اور ندوہ میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔ اگر دیوبندیت اینٹ اور پتھر کی عمارتوں کا نام نہیں بلکہ فکر دینی کا نام ہے تو ظاہر ہے کہ مولانا محمد طیب مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا ابوالحسن علی کے افکار و عقائد میں کوئی خط فاصل نہیں کھینچا جا سکتا۔

مسئلہ زیر بحث کے متعلق عرض یہ ہے کہ مسئلہ کی اہمیت ناقابل انکار ہے۔ اس موضوع پر پہلے بھی کچھ مضامین لکھے جا چکے ہیں تاہم ابھی تک کوئی فیصلہ کن حل نہیں نکل سکا۔ اس مضمون کے دلائل بھی بحث طلب ہیں اور مدیر کلی طور پر ان سے متفق نہیں۔

ضرورت ہے کہ ذمہ دار حضرات اور جماعتیں مسئلہ کی اہمیت کو محسوس کریں اور مسلمانوں کے اہم دینی اجتماعات کو اتحاد و اتفاق کا مظہر بننے کی بجائے اختلاف و افتراق کا مرکز بننے سے بچائیں) (مدیر)

رویت ہلال رمضان کے موقع پر ایک ایسا اہم مسئلہ بن جاتا ہے کہ ہر سال کہیں نہ کہیں جدید اور قدیم طبقہ میں کوئی نہ کوئی کشمکش رونما ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ مفتی حضرات یہ کہنے لگتے ہیں کہ اس کے لئے اولین شرط یہ ہے کہ ہر جگہ چاند دیکھکر روزہ رکھا جائے اور چاند دیکھکر ہی افطار کیا جائے۔ ایک جگہ باوجود مطلع صاف ہونے کے رویتِ ہلال نہیں ہوئی اور دوسری جگہ ہوئی ہے، ریڈیو سے یا کسی معتبر ذریعہ سے اسکی تصدیق ہو گئی تو بھی اس جگہ کے لئے جہاں رویت ہلال نہیں ہوئی روزہ رکھنا جائز نہیں، اور مطلع صاف ہونے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ نہیں۔ جب جدید طبقہ یہ سنتا ہے کہ ہر جگہ کیلئے دیکھنا ضروری ہے اور ریڈیو وغیرہ کی باتیں معتبر نہیں۔ اس لئے کہ مفتی حضرات کا کہنا ہے کہ پہلے تو شریعت نے اتنی تکلیف ہی نہیں دی کہ اپنے مقام اور قصبہ کو چھوڑ کر خواہ مخواہ تکلیف اٹھاؤ اور اس کی تحقیق کرو۔ دوسرا یہ کہ ریڈیو وغیرہ کی خبریں معتبر نہیں، اس لئے کہ رویت ہلال کے سلسلہ میں شہادت چاہئے اور ریڈیو سے شہادت ادا نہیں ہوتی) تو برافروختہ ہوتا ہے اور اس کو قدامت پرستی پر محمول کرتا ہے۔ جنوبی ہند میں ہر سال اس قسم کے اختلافات ہوتے رہتے ہیں۔ جہاں تک شریعت اور فقہ حنفی کا تعلق ہے علماء کا یہ مرار اس سے ثابت نہیں ہوتا ہے۔ رویت ہلال کی پوری بحث کا دو حدیثوں پر دارومدار ہے پہلی حدیث یہ ہے۔

عن عبد اللہ بن عباسؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَکَرَ رَمَضَانَ فَقَالَ لَا تَصُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوُا الْھِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰی تَرَوْہُ فَاِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَاَکْمِلُوا الْعِدَّۃَ ثَلٰثِیْنَ۔

عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا تذکرہ کیا اور کہا ہلال کو دیکھکر روزہ رکھو اور ہلال کو دیکھکر افطار کرو۔ اگر بادل چھا جائیں تو تیس دن کی عدد پوری کرو۔ (موطا امام مالک صفحہ ۸۶)

اب یہ اہم بحث پیدا ہوتی ہے کہ رویت ہلال سے مراد کیا ہے؟

صاحب ہدایہ اس سے مراد لیتے ہیں۔

وینبغی للناس ان یلتمسوا الھلال فی الیوم التاسع والعشرین من شعبان فان راوہ صاموا وان غم علیھم اکملوا عدۃ شعبان ثلثین یوما ثم صاموا۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۱۷۳)

لوگوں پر لازم ہے کہ انتیسویں شعبان کو چاند تلاش کریں۔ اگر دیکھیں تو روزہ رکھیں اور اگر آسمان ابر آلود ہو تو شعبان کی تیس عدد پوری کریں پھر رمضان کا روزہ شروع کریں۔

رویت ہلال کے جہاں تک اصل مفہوم کا تعلق ہے یہ وہ نہیں ہے جو صاحب ہدایہ نے بیان کیا ہے یہ ان کی ذاتی رائے معلوم ہوتی ہے بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ "چاند کا ظہور ہو جائے"۔

اس مفہوم کے اندر ہرگز یہ بات نہیں کہ ہر جگہ کے تمام مسلمان باہر نکل پڑیں اور چاند کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ یہی اصل میں تکلیف مالایطاق ہے جہاں تک کتب حنفی کا تعلق ہے اس سلسلہ میں کوئی ایسی تصریحی بات نہیں ملتی جو صاحب ہدایہ نے کہی ہے۔ فقہ کی سب سے معتبر اور قدیم کتاب المبسوط للسرخسی میں صرف اس قسم کی عبارتیں ملتی ہیں۔

ولنا قول صلے اللہ علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان غم علیکم فاکملوا شعبان ثلاثین یوما۔ ولان وجوب الصوم برؤیۃ الہلال امر بینہ وبین ربہ۔ (ج ۳ صفحہ ۶۴)

ہمارے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ رویت کے بعد روزہ رکھو اور رویت کے بعد افطار کرو اگر آسمان ابر آلود ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کرو اس لئے کہ رویت ہلال سے روزہ کا وجوب بندے اور رب کے درمیان ایک حکم رکھتا ہے۔

رویت کے سلسلہ میں لغت کی طرف مراجعت ضروری ہے۔ راغب اصفہانی مفردات میں لکھتے ہیں۔

والرؤیۃ ادراک المرئی وذلک اضرب بحسب قوی النفس الاول بالحاسۃ وما یجری مجراها۔ والثانی بالوهم والتخیل والثالث بالتفکر والرابع بالعقل۔

رویت کے معنی اس چیز کو پالینا ہے جس کو دیکھنا مقصود ہے۔ قویٰ نفسانی کے مطابق اسکی کئی قسمیں ہیں پہلی قسم یہ ہے کہ حاسہ کے ذریعہ ادراک کیا جائے دوم وہم و تخیل کے ذریعہ سوم تفکر کے ذریعہ اور چہارم عقل کے ذریعہ۔

رویت کی اس وسعت کی بنا پر علامہ ابن رشد اس کے معنی یہ بیان کرتے ہیں۔

وعنی بالرؤیۃ اول ظہور القمر بعد السواد (بدایۃ المجتہد ج صفحہ ۲۶)

رویت سے یہ معنی مراد ہے کہ تاریکی کے بعد چاند کا ظہور ہو۔

چونکہ یہ معنی عربی ذوق اور مفہوم کے مطابق ہیں اسلئے اسمیں ائمہ میں کوئی اختلاف منقول نہیں ہے۔ ورنہ فقہ کی متداول کتابوں میں مثلاً کفایۃ المبسوط وغیرہ میں ائمہ کے آراء منقول ہوتے۔ چونکہ اس معنی کے اندر بڑی وسعت ہے اسلئے بڑے بڑے صحابہ، ائمہ اور تابعین نے بعض وقت چاند نظر نہ آنے کی صورت میں اسکے معلوم کرنے کے دوسرے ذرائع کو بھی جائز قرار دیا ہے۔

وروی عن بعض السلف انہ اذا اغمی الہلال رجع الی الحساب بمسیر القمر والشمس وهذا مذهب مطرف ابن الشخیر وهو من کبار التابعین وحکی ابن السریج عن الشافعی انہ قال من کان مذهبہ الاستدلال بالنجوم ومنازل القمر ثم تبین لہ من جهۃ الاستدلال ان الہلال مرئی وقد غم فان لہ ان یعقد الصوم ویجزیہ (بدایۃ المجتہد ج ۱ صفحہ ۲۶)

بعض سلف سے منقول ہے کہ اگر چاند ابر آلود ہو جائے تو سورج و چاند کی رفتار کے حساب پر عمل کیا جائے۔ یہ مذہب مطرف بن الشخیر کا ہے اور کبار تابعین کا ہے۔ ابن السریج نے امام شافعی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ جس کا عمل ستاروں سے استدلال اور چاند کی منزلوں سے ہو اور ایسے شخص کو بذریعہ استدلال یہ معلوم ہو جائے کہ باوجود بادل کے چاند ہو گیا تو روزہ رکھے گا اور یہ اس کے لئے جائز ہے۔

اس اختلاف کی وجہ غالباً یہ حدیث ہے۔

لا تصوموا حتی تروا الہلال ولا تفطروا حتی تروہ فان غم علیکم فاقدروہ

چاند دیکھے بغیر روزہ نہ رکھو اور نہ چاند دیکھے بغیر افطار کرو اگر بادل چھا جائے تو گنتی کا شمار کرو (موطا امام مالک ص ۸۶)

فاقدروہ کے لفظ کی وجہ سے یہ اختلاف واقع ہوا کہ آیا اس سے مراد تیس دن شمار کریں یا حساب لگائیں۔

بہرحال اس بحث سے یہ گنجائش دکھانا مقصود ہے کہ رویت کے اندر بہت وسعت ہے۔ اس وسعت کے مطابق رویت کے لئے کسی اور ذریعے سے کام لینا جائز ہے یا نہیں مثلاً یہی کہ حساب کے ذریعہ شمار کیا جائے۔ اس میں ائمہ احناف میں سکوت پایا جاتا ہے۔ ان کا کوئی واضح قول موجود نہیں ہے۔ صرف امام سرخسی اپنی ذاتی رائے دیتے ہیں کہ:-

ومنهم من قال یرجع الی قول اهل الحساب عند الاشتباه وهذا بعید فان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال من اتی کاهنا او عرافا وصدقہ بما یقول فقد کفر بما انزل اللہ علی محمد

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ رویت نہ ہونے کی صورت میں شبہ کے وقت حساب کی طرف مراجعت کی جائے۔ یہ بات بہت بعید ہے اسلئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کاہن یا جوتشی کے پاس گیا اور اس کی بات کی تصدیق کر لی گویا اس نے اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی باتوں کا انکار کیا۔

اس کے عدم جواز پر امام سرخسی جو دلیل پیش کرتے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ ائمہ احناف میں سے کسی کا بھی نہ یہ قول ہے اور نہ یہ دلیل یہ صرف ان کی اپنی بات ہے ورنہ ائمہ ایسی بے جوڑ دلیل نہیں دیتے کہ علم ریاضی کو علم نجوم جیسی اٹکل پچو اور عقائد کو خراب کرنے والی چیز سے تشبیہ دیتے۔

اس پوری گفتگو سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ کہیں چاند نظر نہیں آیا اور چاند کے لئے موجودہ وسائل ہوائی جہاز، راکٹ، اور مصنوعی چاند کے ذریعہ بھی دیکھا جائے تو شریعت کی رو سے کوئی رکاوٹ نہیں، اور اس وسعت کو تنگ کرنے کی کوشش کرنا یہی تکلیف مالا یجوز ہے اور فقہ کے دائرہ کو محدود کرنا ہے۔

اس سلسلہ میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک شہر میں رویت ہوئی اور دوسرے شہر میں نہیں۔ اب آیا جہاں رویت نہیں ہوئی اس جگہ کے لئے دوسری جگہ (جہاں رویت ہوئی) قابل حجت اور لائق عمل ہے یا نہیں۔ بعض غلو پسند علماء بغیر کسی استدلال کے عدم جواز کا فتوی دیتے ہیں۔ حالانکہ ائمہ احناف کے نزدیک یہ بالکل جائز ہے۔

مولانا احمد علی محدث سہارنپوری ترمذی کے حاشیہ نمبر ۶ میں تحریر فرماتے ہیں۔

لاخلاف فی ان رویۃ بعض	اسمیں کوئی اختلاف نہیں کہ ایک شہر والوں
اهل البلد موجبۃ علی	کی رویت باقی شہر والوں پر موجب
الباقین واختلفوا هل	عمل ہے، اسمیں اختلاف کیا ہے کہ آیا
یلزم رویۃ اهل بلد اهل	ایک شہر والوں کی رویت دوسرے
بلد آخر والاقوی عند الشافعی	شہر والوں پر بھی لازم آتی ہے۔ امام
یلزم حکم البلد القریب دون	شافعیؒ نے کہا ہے کہ اگر وہ شہر قریب ہو
البعید وعند ابی حنیفۃؒ	اور دور نہ ہو تو لازم ہے امام ابو حنیفہ
یلزم مطلقاً (ترمذی ج ا صفحہ ۹۹)	کے نزدیک مطلق طور پر بلا قید کے لازم ہے

دور امام ابو حنیفہ میں دو شہر مثلاً کوفہ اور شام کے درمیان سفر و خبر کی وہ سہولتیں مہیا نہیں تھیں جو آج دو براعظموں کے درمیان ہوائی جہاز، ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ کی ایجادات سے مہیا ہیں تو موجودہ دور کے دو ملکوں کی خبروں کو کیوں ناجائز قرار دیا جائے۔ یہ صحیح ہے کہ طول البلد کے فرق سے دو ملکوں کے اوقات میں گھنٹوں کا فرق واقع ہوتا ہے لیکن چونکہ ریاضیات کے ذریعہ اس کا بالکل صحیح حساب لگانا بہت آسان ہے اسلئے اب یہ کوئی دشواری نہیں۔

اور ریاضی کو علم جوتش پر محمول کرنا صریح ناواقفیت کے سوا اور کیا ہے؟ اسمیں کوئی بڑی مشکل بظاہر پیش آسکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ جب امریکہ میں رات کو جو نہیں رویت ہوئی شہادت اور تصدیق ہو گئی اور پورے ملک میں اعلان کر دیا گیا۔ وہی اعلان اس وقت ریڈیو کے ذریعہ ہندوستان میں بھی سنا دیا گیا تو اسوقت ہندوستان میں دن ہوگا۔ اب مسئلہ کیا ہوگا؟

ایسے موقع پر امام یوسف کے اس مسلک پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

اذا روی الهلال قبل الزوال	جب رویت قبل زوال ہو تو چاند کا
فهو للیلۃ الماضیہ وان	شمار شب گذشتہ سے کیا جائیگا اور
روی بعد الزوال فهو للیلۃ	اگر بعد زوال ہو تو آئندہ رات کا۔

(بدایۃ المجتهد صفحہ ۲۶۲)

امریکہ کے چاند کا بھی مسئلہ یہی ہو سکتا ہے اور یہی اس کی نظیر بن سکتا ہے کہ جب یہاں اسکی اطلاع صبح کے وقت ہو تو چاند گذشتہ دن کا سمجھا جائیگا۔ اور ظہر کے بعد ہو تو آنے والی رات کا۔

ہر جدید مسئلہ کے لئے ہماری فقہ میں اسقدر نظیریں ہیں کہ بہت کم اجتہاد کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ صرف تلاش و جستجو اور وسعت نظری چاہئے۔ نظر و فکر کو محدود کر دینے سے نہ صرف علم فقہ کی اہانت ہوتی ہے بلکہ دین اسلام کا بھی مذاق اڑایا جاتا ہے۔ حالانکہ ہمارا دین اور ہماری فقہ ہماری کوتاہ نظریوں سے بہت بالاتر ہیں۔

اس کے بعد جو تیسرا مسئلہ رہ جاتا ہے وہ رویت ہلال کا ثبوت ہے۔ اس سلسلہ میں بطور نص یہ حدیث ہے۔

انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ	رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ رویت کے بعد
وسلم قال صوموا الرویۃ و	روزہ رکھو اور رویت کے بعد افطار کرو۔
افطروا الرویۃ فان غم علیکم	اگر آسمان ابر آلود ہو تو شعبان کے تیس
فاتموا ثلاثین فان شهد	دن پورے کرو۔ جب دو آدمی گواہی دیں
شاهدان فصوموا وافطروا	تو روزہ رکھو اور افطار کرو۔

(رواہ ابو داؤد) (بحوالہ بدایۃ المجتهد صفحہ ۲۶۳ ج ۱)

یہ اور دوسری حدیثوں سے رمضان اور شوال کے لئے مختلف شہادتیں ثابت کی گئی ہیں اس سے اب ہمیں کوئی مطلب نہیں ہے صرف سوال یہ ہے کہ مثلاً لکھنؤ میں پوری شرائط سے رویت ثابت ہو گئی اور اس کا اعلان بھی ہو گیا ایسی صورت میں آیا مدراس اور سیلون والوں کے لئے اس رویت کی تصدیق

اور اس پر عمل صحیح ہے یا یہ کہ وہ یہ مطالبہ کریں کہ جن حضرات نے لکھنؤ علماء فرنگی محل کے سامنے گواہی پیش کی وہ یا اس مجلس میں موجودہ حضرات خود مدراس اور سیلون کے مفتی کے پاس آکر شہادت دیں۔

ظاہر ہے کہ مولانا احمد علی سہارنپوری کے قول کے مطابق "وهو قول یلزم

رویة اهل بلدٍ اهل بلدٍ آخر...... وعند ابی حنیفةؒ یلزم

مطلقاً" صرف لکھنؤ فرنگی محل کی شہادت پر اعتماد اور اس اعلان کی تصدیق کافی ہے۔ مزید شہادت کے معنی یہ ہوئے کہ نئے سرے سے مدراس میں رؤیت ہلال کا اثبات ہو حالانکہ اس کا اثبات شرعی اصول کے مطابق لکھنؤ میں ہو چکا اب صرف یہی سوال ہے کہ فرنگی محل والوں نے بذریعہ تار یا ریڈیو جو اس کی اطلاع بھیجی ہے یہ اطلاع فرنگی محل ہی کی ہو سکتی ہے یا غلط اطلاع ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اب صرف یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آیا ریڈیو کی یہ اطلاع صحیح ہے یا من گھڑت اور افتراء۔ ریڈیو کی خبر اور اعلان کو شہادت سمجھ کر شہادت کی شرائط یہاں لگانا اور اس سلسلہ کی ردوقدح اور موشگافیاں کرنا یہ ہرگز فقہ نہیں ہے آپ زیادہ سے زیادہ منطق اور نحو کو چلا سکتے ہیں کہ خبر میں صدق و کذب کا احتمال ہے جہاں (ریڈیو وغیرہ کی خبر رویت میں) صدق کا پہلو غالب ہے یا کذب کا..... اگر صدق کا پہلو غالب نظر آئے تو قبول کر لیجئے ورنہ انکار کر دیجئے۔

خواہ مخواہ کیوں اس کو شہادت سے جوڑا جائے اور اسمیں شہادت کی پابندیاں لگا دی جائیں۔

ریڈیو کے اصول و قوانین سے ناواقفیت کی بنا پر بہت سے اس خبر کے لئے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ گویا ریڈیو سے کسی کے ہاتھ میں چھوڑ دیا ہے پر رکھا رہتا ہے اور راستہ چلنے والا اسمیں اپنا مقالہ پڑھتا چلتا ہے اور اپنی بات کہا چلتا ہے نہ کوئی [illegible] نہ کوئی پابندی۔ ریڈیو نشریات اور اس کے انتظامات سے اسقدر بے خبری انتہائی افسوسناک ہے۔ ایسے ہی لوگوں سے تمام علماء کی بدنامی ہوتی ہے۔ ریڈیو کے اس غلط تصور رکھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ ریڈیو کی خبر کا کیا اعتبار؟ بہت سے اس قسم کے لوگ مناظرے کے لئے بھی تیار ہو جاتے ہیں اور اپنی بات پر اڑ جاتے ہیں۔ اس بنا پر ریڈیو کی خبر کو ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ افسوسناک ہے اور انہیں جدید ہر قسم کی تمام معلومات سے باخبر اور آگاہ ہونا چاہیے۔ تار اور ٹرنک کال کے ذریعہ بھی کہنے والے کی شناخت ہو جائے اور اس پر بھروسہ ہو جائے تو ایسی خبروں کو قبول کرنے میں آخر کون حرج ہے؟

ہاں ہم اس کے معترف ہیں کہ ہر شہر اور ہر ملک میں علماء کی ایک کمیٹی ہونی چاہیے اور وہی گواہی سے تصدیق کرلے اور اعلان کرے اور اسی کی نگرانی میں ریڈیو میں نشر کی جائے۔ اس کی ایک بہترین مثال لکھنؤ ہے۔ ایسے موقع پر فرنگی محل میں لکھنؤ کے بڑے علماء کی ایک مجلس بیٹھی ہے اور وہی یہ کام انجام دیتی ہے۔ جس شہر میں اور جس ملک میں بھی اس کا انتظام ہو اور ایسی جگہوں سے خبریں نشر ہوں تو انکو مان لینا بہت ضروری ہے ورنہ دین میں خواہ مخواہ حرج پیدا کرنا ہے اور غیر اسلام پسند عناصر کے ذہن میں اس سے اسلام کے بارے میں ایک فرسودہ اور از کار رفتہ مذہب ہونے کا تصور پیدا ہوتا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۵)

ان کا یہی عقیدہ رہا اور اسی عقیدہ کے طور پر ان کے تمام اعمال دائر و سائر رہے کہ علم جوہر انسانیت ہے، ذریعہ انسانی ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ علم کی آواز کو ہر ایک کان تک پہنچائے۔ علم اور علم دین کے لئے اس سے بڑھکر کوئی بھی نا سمجھی نہیں ہو سکتی کہ علم کو کسب دنیا کے لئے ایک سرمایہ سمجھا جائے۔

آپ عنقریب اس درس گاہ سے دستار فضیلت حاصل کریں گے۔ اسوقت آپ ایک عالم دین کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش ہوں گے۔ دین و ملت کی ذمہ داریاں آپ کے کاندھوں پر ہوں گی۔ اس وقت آپ کا پختہ عقیدہ اور آپ کا نصب العین اشاعت علم ہونا چاہیے۔ علم دین کی خدمت کو آپ اپنا فرض سمجھیں اور اس فرض کو فرض کی حیثیت سے ادا کریں۔ ہرگز ایسا نہ ہو کہ علم کو آپ متاع اور وسیلہ سمجھنے لگیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اس کی توفیق بخشے

مولانا عبد القدوس رومی مدیر "الاحسان" الہ آباد

شب برائت کیسے منائیں؟

عام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے خیال سے شب برائت کے متعلق کچھ ضروری باتیں عرض کی جارہی ہیں اور آپ سب حضرات سے نہایت ہمدردی اور خلوص کے ساتھ گذارش ہے کہ خدا کے واسطے ان باتوں کو آپ ٹھنڈے دل سے پڑھیں اور ذرا دیر کے لئے گروہ بندی سے علیحدہ ہو کر غور فرمائیں اگر یہ باتیں آپ کی سمجھ میں نہ آئیں تو آپکو کوئی اسپر تو مجبور نہیں کر سکتا کہ آپ ان باتوں کو ضرور ہی مان لیں۔ البتہ اگر ہماری گذارشات آپ کے جذبۂ ایمان سے اپیل کریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا شوق اگر آپ کو حق بات کے ماننے پر آمادہ کرے تو پھر ہم یہ ضرور کہیں گے کہ آپ ان باتوں پر عمل کرنے میں مطلق نہ ہچکچائیں اور ہمت سے کام لیکر عمل بھی شروع کر دیں اسلئے کہ دین میں اچھے لوگ وہی ہیں جو حق بات کو ماننے میں کسی کی ملامت اور مخالفت کی پرواہ نہیں کرتے کام کی بات تو مومن کی کھوئی ہوئی پونجی ہے۔ یہ جہاں بھی ملے اسکو قبول کر لینا چاہیئے۔

اصل مقصد سے پہلے دو باتیں اور بھی ذہن نشین کر لیجئے۔

(۱) پہلی بات تو یہ کہ ہمارے سرکار سیدنا و مولنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک ہی میں دین اسلام مکمل اور پورا ہو چکا تھا۔ آپ نے اسمیں کسی کے لئے کمی بیشی کی کوئی گنجائش نہیں رہنے دی تھی۔ بلکہ یہ بھی اعلان فرما دیا تھا کہ دین میں جو بات بھی نئی ایجاد کی جائے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے جس کا انجام دوزخ ہے اور ہونا بھی یہی چاہیئے کیونکہ دین میں نئی چیز کا اضافہ کرنے والا در اصل ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو ناقص اور ادھوری سمجھتا ہے۔ اسی بنا پر آپ کی سنتوں کے مقابلہ میں اپنی بدعت کا اضافہ کرکے دین کی اصلاح کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بدعات سے محفوظ رکھیں اور اسکے انجام سے بھی پناہ دیں۔ آمین۔

(۲) دوسری بات یہ کہ دین کے بڑے بھاری اور خاص اصول دو ہیں۔ قرآن[1] اور سنت[2]، ان ہی کے ذریعہ حق بات کو پہچاننا چاہیئے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کے علاوہ دوسرے علماء اور مشائخ کی شخصیات کو سند بنانا اور ان کے افعال کو دلیل میں پیش کرنا اکثر اوقات غلط ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے پچھلی اُمتوں کی بڑی گمراہی یہی بتائی ہے کہ انہوں نے اپنے رسولوں اور پیغمبروں کی تعلیمات کو پس پشت ڈالدیا تھا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو اپنا رب بنا لیا تھا۔ یہ حقیقت انہوں نے بھلادی تھی کہ کوئی بھی بزرگ اور عالم اپنی بزرگی اور علم کے باوجود خدا کا بندہ ہی رہتا ہے (نعوذ باللہ منہ) خدا کا مدِ مقابل نہیں بن جاتا۔

ان باتوں کو سمجھ لینے کے بعد آپ کو اپنی دینی زندگی کے لئے یہ اصول معلوم ہو گیا کہ جب بھی آپ کو حق بات کی تلاش ہو تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی میں اسے قرآن و حدیث ہی سے حاصل کیجئے ان دونوں ذخیروں کے سوا حق بات آپکو کہیں بھی نہ ملے گی۔ اگر آپ کو کسی موقع پر کسی بزرگ کے طرز عمل کی وجہ سے تردد پیدا ہو تو بھی آپ قرآن و حدیث کی اہمیت و عظمت کو نظر انداز نہ کیجئے اور آنکھ بند کرکے خدا و رسول کے ارشادات پر عمل کیجئے کیونکہ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ہم آپ جس کسی کو بھی اپنا بزرگ مانتے ہیں خدا و رسول اور قرآن و حدیث ہی کے ناطے سے مانتے ہیں آپ اپنے عمل کو تو حدیث و قرآن کے مطابق کیجئے اور ان بزرگ کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیجئے قبر میں یا قیامت میں آپ کو اپنے متعلق جواب دینا ہوگا۔ آپ سے نہ تو یہ سوال ہوگا کہ فلاں بزرگ نے ایسا کیوں کیا تھا اور نہ یہ پوچھا جائیگا کہ فلاں بزرگ کا طریقہ تم نے کیوں چھوڑ دیا! خوب سمجھ لیجئے کہ آپ سے سوال ہوگا تو یہی ہوگا کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تم نے کیوں چھوڑا؟ حوض کوثر سے وہی لوگ واپس لوٹا دئے جائینگے جنہوں نے دُنیا میں رہتے ہوئے دین میں نئی نئی باتوں کا اضافہ کیا تھا۔ لہذا آپ اپنی فکر کیجئے وہ بزرگ لوگ اپنی جواب دہی خود کر لیں گے انکو آپ کی وکالت کی

ضرورت نہ ہوگی۔

اب سُنئیے! کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شب براءت کے متعلق یہ باتیں منقول ہیں:-

(۱) شعبان (شب براءت) ہی میں بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش ہوتے ہیں اور سال بھر تک پیش آنے والے واقعات کی فہرست فرشتہ کو مل جاتی ہے۔

(۲) اس مہینہ کی پندرہویں رات کو عبادت کرنا افضل ہے لیکن اسکے لئے اجتماع اور اہتمام نہ کیا جائے۔ اس رات میں اللہ تعالیٰ آسمانِ دُنیا پر جلوہ افروز ہوتے ہیں اور ان تمام گنہگاروں کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔ جو مغفرت کی خواہش رکھتے ہیں لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اس رحمتِ مغفرت سے محروم رہتے ہیں۔ مثلاً مشرک۔ دل میں کینہ رکھنے والا یا وہ بدعتی جو جماعت سے الگ ہو۔ ظلم سے محصول لینے والا۔ جادوگر۔ غیب کی خبریں بتانے والا نجومی وغیرہ۔ ٹخنوں سے نیچے لنگی اور پائجامہ پہننے والا۔ ماں باپ کو ستانے والا۔ شراب پینے والا۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ماہ میں روزوں کی کثرت منقول ہے۔ خاص کر پندرہویں کا روزہ تو مستحب ہے ہی۔

(۴) پندرہویں شب میں مردوں کے لئے گورستان جاکر اموات کے لئے دُعا و استغفار کرنا مستحب ہے اور حدیث سے ثابت ہے مگر اسمیں بھی یہ شرط ہے اپنے اعتقاد میں اسکو لازم و ضروری نہ سمجھے اور نہ عمل ہی میں ایسی پابندی اور اہتمام کرے جس سے اسکے ضروری ہونے کا گمان ہونے لگے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ قبرستان میں خلافِ شرع اجتماع اور میلے کی صورت نہ ہو ورنہ علیحدگی ہی بہتر ہے۔ عورتیں ہرگز قبرستان نہ جائیں کہ ہمارے سرکار صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو قبرستان جانے سے بہت تاکید کے ساتھ منع فرمایا ہے۔

الغرض یہ ہے شبِ برات کا شرعی نظام جسکی سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تعلیم فرمائی ہے مگر غور تو کیجیے کہ ہمارے یہاں کا رواج یافتہ نظام اسی شرعی نظام سے کس حد تک مطابقت کرتا ہے۔ ہمارے مروجہ نظام میں نہ تو خاموشی سے نفل نماز اور اللہ کے ذکر کا پتہ ہے اور نہ تو عبرت و مغفرت کے لئے قبرستان جانے کا تصور ہے اگر کوئی نفل بھی پڑھتا ہے تو اسکو بھی سُنت کے خلاف بدعت بنا کر ہی پڑھتا ہے۔ لوگ قبرستان ضرور جاتے ہیں مگر اس انداز سے گویا کوئی غیر مسلم قوم تفریح کے لئے کہیں جارہی ہے۔ راستہ بھر عورتوں کے جھرمٹ ساتھ ساتھ ہیں اور ہر چہار طرف سے آتشبازیوں کی سلامی پہ سلامی ہورہی ہے گورِ غریباں چراغاں کے باعث دیوالی کی رات کا بازار معلوم ہوتا ہے۔ جہاں عبرت کا کوسوں نام و نشان نہیں ہے۔ ایسے حالات میں ہم کس طرح یقین کرلیں کہ جس ذاتِ گرامی نے قبر پر جانے والی عورتوں پر اور ان لوگوں پر جو قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں اور قبروں پر چراغ جلاتے ہیں لعنت فرمائی ہو وہ ان سے خوش ہوگی۔

مسلمانو! خدا کے لئے سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مبارک کو صدمہ نہ پہونچاؤ۔ خدا و رسول کی بغاوت و نافرمانی سے باز آؤ۔ کھیل اور تماشہ کی چیزوں کو دین میں داخل نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ۔ "اے رسولؐ آپ ان لوگوں سے علیحدہ ہوجایئے جنھوں نے کھیل تماشہ ہی کو دین بنا لیا ہے"۔ اس ارشاد پر غور کیجیے کہ آپ کا حال بھی تو ایسا نہیں ہے۔ اگر خدانخواستہ آپ کا بھی یہی حال ہے اور اس بنا پر حضرت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو چھوڑ دیا تو پھر کس کی شفاعت سے نجات حاصل ہوگی۔

اعلان مطابق قواعد رجسٹریشن اخبارات ورسائل (فارم ۴ رول ۸)

رسالہ کا نام ——— "الحرم"
مقام اشاعت ——— قاضی اسٹریٹ مفتی واڑہ میرٹھ
وقفہ اشاعت ——— ماہوار
پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر کا نام ——— قاضی زین العابدین سجاد
قومیت ——— ہندوستانی
پتہ ——— قاضی اسٹریٹ میرٹھ
ملکیت ——— قاضی زین العابدین سجاد
قاضی اسٹریٹ میرٹھ

میں قاضی زین العابدین تصدیق کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و یقین کے مطابق صحیح ہیں۔

از مولانا عبدالرؤف رحمانی

علمی چوری شریعت کی نظر میں

اکثر اخبارات شاکی ہیں کہ فلاں کے مضمون کو فلاں نے اپنے نام سے شائع کرا لیا۔ چنانچہ اخبار اہلحدیث کی حالیہ اشاعت میں ایک شکوہ شائع ہو چکا ہے (اہلحدیث ۱۵؍ستمبر ۱۹۵۷ء)

اسکے بعد الجمعیۃ میں دیکھا کہ کسی شخص نے "لاڈلی بیٹی" کے عنوان سے مضمون شائع کرایا جو درحقیقت خواجہ حسن نظامی کا تھا۔ الجمعیۃ ۶؍ستمبر ۵۷ء

اسی طرح مدیر الارشاد کراچی نے لکھا ہے کہ عید الاضحیٰ کے احکام کے سلسلہ میں مولانا ـــــــ نے جو مضمون چھپوایا ہے وہ مولوی حکیم علی صاحب متخلص بہ زاہد کا مضمون ہے۔ (الارشاد ۱۶؍اگست ۱۹۵۷ء)

اہل علم کو معلوم ہے کہ امام مسلم نے امام بخاریؒ کی کتابوں سے جب چند حدیثوں کو اخذ کیا اور امام بخاریؒ کی کتابوں کی طرف انکی نسبت نہ کی تو آئمہ حدیث نے مسلم کی اس حرکت پر سخت نوٹس لیا مثلاً امام حاکم کے الفاظ میں فرّق اکثر کتابہ فی کتابہ وتجلّد حق الجلادۃ حیث لم ینسبہ الیہ (مقدمہ فتح الباری صفحہ ۵۷۸)

دیکھیے ان کے بلا انتساب بعض عبارات کے نقل واخذ پر ائمہ حدیث نے کیسے سخت لفظوں میں ریمارک فرمایا ہے۔ اسی طرح امام قسطلانی نے جب علامہ سیوطی کا حوالہ دئے بغیر اپنی کتاب "مواہب لدنیہ" میں کچھ مواد جمع کر لیا تو علامہ سیوطی نے کس طرح شیخ الاسلام زین الدین زکریا کے سامنے اسپر محاکمہ کرایا تھا اور کس طرح سیوطی نے قسطلانی کو عاجز کیا تھا اور بلا حوالہ کتب نقل وسرقہ کا ملزم ٹھہرایا تھا۔ قسطلانی از حد شرمندہ ہوئے۔ سیوطی انکی اس حرکت پر کس طرح کبیدہ خاطر ہوئے کہ آخر عمر تک قسطلانی سے راضی نہ ہوئے۔ (حوالہ اتحاف النبلاء صفحہ ۱۸۵)

حافظ سخاوی لکھتے ہیں جن اشخاص کی کتابوں سے مضامین و مسائل کو لیا جائے اور ان کے اقتباسات و عبارات سے جو فائدہ اٹھایا جا سکے اس امام کی طرف منسوب کرکے بیان کرنا ضروری ہے اور یہ انتساب علم و اہل علم کی شکر گذاری میں داخل ہے۔ (فتح المغیث)

پس جب عبارتوں کی تلخیصات و شذرات و انتسابات کا یہ حکم ہے چنانچہ امام مسلم و قسطلانی کو صرف بعض روایات و شذرات کے نقل کرنے اور حوالہ نہ دینے پر اہل علم کی دنیا نے مطعون کیا اور بیانِ انتساب سے بے نیازی کو ناگواری سے دیکھا تو یہ جو صراحتاً پورے کا پورا مضمون اور تمام مواد کو اپنی کتابوں اپنے رسالوں، اپنے پمفلٹوں اور اخبارات میں شائع کرتے رہتے ہیں اور جس اہل علم کا مضمون لیا اس کا حوالہ تک نہیں دیتے تو یہ چوری ہی نہیں سینہ زوری بھی ہے۔ ایک پاکستانی ناشر محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی نے مولانا قاضی زین العابدین صاحب مدیر الحرم کے مستند و مشہور لغت بیان اللسان کا نام بدل کر من و عن سارا مواد وہی رکھ کر اپنی طرف سے شائع کر دیا۔ بیچاروں نے احتجاج کیا۔ مدیر اعتصام مدیر ایشیا۔ مدیر انجام مدیر چٹان وغیرہم نے بھی اس طرز عمل کی بڑی مذمت کی۔ معلوم نہیں پبلشر صاحب نادم ہوئے یا نہیں[۵]۔ جس طرح کسی کے مال پر زبردستی قبضہ کرنا مادی ڈاکہ ہے اسی طرح نام اور عنوان بدل کر یہ ڈاکہ مالی ڈاکہ بھی ہے اور علمی ڈاکہ بھی۔

اہل پاکستان و اہل ہند کو اس برے وطیرہ سے حیا چاہیئے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے۔

اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِنَ الْاِیْمَانِ۔ اگر بے حیائی سے یہ سلسلہ قائم رکھا گیا تو یہ لوگ بے ایمان و بے حیا کے القاب کا صحیح مصداق ہوں گے۔ اور دوسروں کی علمی کاوشوں پر یوں مفت قبضہ کرنے کا جب بھرم کھلے گا تو شرم سے منہ چھپا کر چلو بھر پانی میں ڈوب مرنے کے سوا دوسری تدبیر کارگر نہ ہوگی۔

[۵] کچھ آثار ندامت بحمد اللہ ظاہر ہو رہے ہیں۔ ایک دوست کے توسط سے گفتگو جاری ہے خدا کرے کامیاب ہو۔ اسی لئے فی الحال اس موضوع پر لکھنا بند کر دیا گیا ہے۔ مدیر الحرم

(مولانا حافظ محمد صدیق صاحب میمن - بمبئی)

بھوپال کے تبلیغی اجتماع پر ایک نظر

بھوپال کے تبلیغی اجتماع میں اس عاجز کو بھی امسال شریک ہونے کا موقع نصیب ہوا۔ اجتماع میں شرکت سے طبیعت کافی متاثر ہوئی۔ اور قلبی مسرت و خوشی کے ساتھ ہی ساتھ روحانی تسکین بھی میسّر ہوئی۔

اجتماع میں شریک ہونیوالوں کی صحیح تعداد کا تو علم نہیں ہو سکا لیکن ایک اندازے کے طور پر بآسانی کہا جا سکتا ہے کہ پندرہ بیس ہزار افراد ضرور شریک ہوئے ہوں گے۔ بہر حال ایک جم غفیر تھا جس کے لئے تاج المساجد کا وسیع رقبہ اور احاطہ بھی ناکافی ثابت ہو رہا تھا۔ وسطِ صحن میں، اطراف کے کمروں میں، مسجد کے اندرونی اور بالائی حصّوں میں حاضرین کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ ان میں تاجر بھی تھے اور کاشتکار بھی، چھوٹے بھی تھے اور بڑے بھی، بچّے بھی اور بوڑھے بھی، امیر بھی اور غریب بھی، راحت پرست بھی اور فاقہ مست بھی، مزدور بھی، اور زمیندار بھی، اہلِ دفتر بھی اور اہلِ مدرسہ بھی، ملک کے مختلف گوشوں سے کشاں کشاں آئے ہوئے تھے۔ بمبئی والے بھی، اور مدراس والے بھی، لکھنؤ والے بھی اور علی گڑھ والے بھی، الغرض مختلف طبقوں، طبیعتوں، مزاجوں، اور مرتبوں کے لوگ اس اجتماع کی عام دینی فضا میں اپنی اصلاحِ نفس اور تربیت کے لئے حق کے متلاشی بن کر حاضر ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اُن پراگندہ حالوں، اچھے خاصے لباس والوں اور حق کے متوالوں میں کتنے ہی اللہ کے نیک اور مقبول و برگزیدہ بندے ہوں گے۔

الغرض مسجد کا گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ ذکرِ الٰہی اور تسبیحاتِ ایزدی میں دن رات گونج رہا تھا۔ اور اجتماع نالہ ہائے نیم شبی و عبادت ہائے انفرادی و اجتماعی سے معمور اور آباد نظر آ رہا تھا۔ انسانوں کا یہ دل آویز اور ایمان پرور مجمع اس بیسویں صدی میں بھی جیتی جاگتی تصویر پیش کر رہا تھا۔ اُن قدسیوں کی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ وہ مغفرت طلب کرتے ہیں سحر کی گھڑیوں میں،

اور نقشہ پیش کر رہا تھا اُن بزرگوں کا جن کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے۔

اَلْعَابِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ	وہ عبادت کرنے والے، چلنے پھرنے والے،
الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ	رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے،
الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	امر بالمعروف کرنے والے اور نہی
وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ	عن المنکر کرنے والے ہیں۔

اس مجمع میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اسلافِ صالحین کی ایک ہلکی سی جھلک نظر آ رہی تھی۔ اور اُس مبارک عہد کی یاد تازہ کر رہی تھی۔

اس عام دینی فضا میں وہ شخص بھی نہیں بچا نہ نمازوں اور ذکر و فکر کے علاوہ شب بیداریوں اور تہجد گذاریوں کے لئے بصد شوق آ، وہ نظر آ رہا تھا جو اپنے وطن میں اپنی گوناگوں مصروفیتوں کی وجہ سے روزمرہ کی نمازیں بھی پابندی کے ساتھ ادا کرنے سے اپنے آپ کو قاصر پایا کرتا تھا۔ اس مبارک و تاریخی اجتماع کا ایک خاص امتیاز اور اضافہ یہ نظر آیا کہ علی گڑھ یونیورسٹی کے کئی طلبا بھی ذوق و شوق کے ساتھ شریک تھے۔ مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا ابو الحسن علی ندوی نے اپنی عام تقریروں کے علاوہ خصوصی اوقات میں ان طلباء کو بھی اپنے اپنے افاداتِ طیبّہ سے بہرہ اندوز ہونے کا جب کبھی موقع عطا فرمایا تو یہ نونہالانِ قوم بیحد متأثر نظر آئے۔ اور ایک جماعت ان میں سے تبلیغِ دین کے لئے آگے بڑھنے اور باہر نکلنے کے لئے آمادہ ہو گئی۔ چنانچہ بہت سے طلباء نے باہر نکلنے والی جماعتوں کی فہرست میں کئی کئی روز کے لئے اپنے نام بھی درج کرائے ہیں جب ان طلباء سے تبادلۂ خیالات کا موقع ملا تو گفتگو سے اور ان کے جذبات سے یہ اندازہ کر کے بیحد مسرت ہوئی کہ دین کی خدمت کا ایک قابلِ رشک ولولہ یہ طلباء اپنے دلوں میں لئے ہوئے ہیں۔ ہر ایک اُن میں سے احکامِ خداوندی اور تعلیماتِ نبوی کو اپنا نے [illegible] کے لئے بیتاب و مشتاق نظر آتا تھا۔ ہماری دلی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ [illegible] پاکیزہ [illegible] کی توفیق عطا فرمائے۔ [illegible] ذوق و شوق سے سرفراز کرے۔ اجتماع کے اختتام پر [illegible] کر دیئے

مولانا ابوالکلام آزاد کا طلباء دیوبند سے ایک خطاب — ۸ جنوری ۱۹۵۱ء

علم کو وسیلۂ معاش نہ بناؤ

مولانا آزاد کے ارشادات

طلباء عزیز! آپ نے اپنے گھروں کو چھوڑا اور اعزاء و اقارب کو چھوڑا، ہندوستان میں دوسرے طریقۂ تعلیم بھی رائج ہیں، لوگ انکی طرف دوڑتے ہیں، تم نے ان سب کو چھوڑا ہے اور یہاں آئے تاکہ علوم دینیہ کی تکمیل کرو۔ بہت اچھا ارادہ ہے لیکن سوال یہ ہے کہ :-

یہ علم جس کو آپ حاصل کرنے کے لئے یہاں آئے ہیں یہ وسیلہ ہے یا مقصد ہے؟

اگر تمہارے دماغ نے اس کو صاف نہیں کیا — تو میں تم کو متنبہ کروں گا، کہ تم صحیح کام نہیں کر رہے ہو۔

عزیزانِ ملت!! دیکھئے، دُنیا نے علم کو ہمیشہ وسیلہ سمجھا ہے مگر مسلمانوں کی خصوصیت ہے کہ انہوں نے علم کو کبھی وسیلہ نہیں سمجھا۔ بلکہ مقصد سمجھا — ان تمام یونیورسٹیوں میں جو ہندوستان میں ۲۲ ہیں جو بیس سے زیادہ ہیں اور ان کالجوں میں جو ہر ضلعوں میں ہیں اور ان اسکولوں میں جن کے دامن دیہات تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں جو تعلیم ہوتی ہے، اسکو وسیلہ سمجھا جاتا ہے، مقصد نہیں سمجھا جاتا — کیونکہ ان میں صرف اس لئے تعلیم حاصل کی جاتی ہے کہ سرکاری ملازمتیں مل سکیں، اونچے عہدے حاصل ہو سکیں۔ مگر تمہیں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ :-

"علم دین وسیلہ نہیں ہے بلکہ مقصد ہے"

اس کو کسی وسیلہ کے لئے حاصل نہیں کیا جاتا بلکہ اس لئے حاصل کیا جاتا ہے کہ اس کا حصول فرض سمجھا۔

"طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ" (حدیث)

مسلمانوں نے ہمیشہ علم کو علم کے لئے سیکھا ہے۔ وسیلہ کے لئے نہیں سیکھا۔ مسلمانوں نے کبھی بھی علم کو اس لئے حاصل نہیں کیا کہ اس کے ذریعہ معیشت حاصل کریں گے یا کسی سرکاری منصب پر فائز ہوں گے۔

مسلمانوں نے ذریعہ معیشت کسی اور چیز کو بنایا اور علم کو صرف علم کے لئے سیکھا اور اسی کو اپنا مقصد بنایا)

حضرت ابو حنیفہؒ جن کی فقہ پر کروڑوں مسلمان عمل کرتے ہیں۔ وہ بزاز تھے، انہوں نے اپنے وسیع علم کو ذریعہ معیشت نہیں بنایا بلکہ ذریعہ معاش پارچہ فروشی تھا حضرت امام معروف کرخیؒ موچی تھے۔ آج تم ان پیشوں کو سننے کے لئے تیار بھی نہ ہوں گے۔

مگر جن امام کرخی کے احترام کے لئے تمہارے دلوں کے دریچے کھل جاتے ہیں وہ کرخ کے بازار میں نکل جاتے تھے اور راستہ چلنے والوں میں سے کسی کا جوتا ٹوٹا ہوتا تھا تو اسی کو سی دیا کرتے تھے اور اسکی اجرت سے اپنی ضروریات پوری کر لیا کرتے تھے۔

شمس الائمہ کا نام بھی حلوائی پڑ گیا تھا۔ ایک طرف خطاب شمس الائمہ اور دوسری طرف حلوائی — یعنی اتنا بڑا عالم حلوہ فروش بنا ہوا تھا۔

اسی طرح اسلام کے مشہور علماء نے علم دین کے چشمے بہائے مگر کبھی علم دین کو ذریعہ معیشت نہیں بنایا، بلکہ وہ علم کو علم کے لئے حاصل کرتے رہے۔ زخارف۔ دُنیا کے لئے نہیں۔ وہ اسی کو فریضہ مذہبی سمجھتے تھے۔ ان کے لئے یہ گناہ تھا۔ کہ علم کو دُنیا کے لئے حاصل کیا جائے۔

اگر تم اس حقیقت کو سمجھ گئے ہو — تو گویا تم نے اپنی پوری زندگی کا پورا پروگرام بنا لیا۔

طلباء عزیز سے دوسری بات یہ کہنی ہے کہ وہ دین کی خدمت اور اشاعت دین کو اپنا فریضہ سمجھیں۔ وہ اسکو کاروباری متاع سمجھکر خرید و فروخت کے لئے کوئی بازار تلاش نہ کریں۔

آپ کے اسلاف نے علم کو کبھی بھی سرمایہ فروخت نہیں سمجھا۔

مسائل رمضان

چاند دیکھنے کے مسائل

مسئلہ: اگر آسمان پر بادل یا غبار ہو تو ایک دیندار مسلمان مرد یا عورت کی شہادت سے رمضان کا چاند ثابت ہو جاتا ہے۔ مسئلہ: اگر آسمان صاف ہو تو ایک بڑی جماعت کی شہادت سے رمضان کا ثبوت ہوگا۔ دو چار آدمیوں کی شہادت کافی نہیں۔ مسئلہ: اگر آسمان صاف ہو تو بغیر دو دیندار پرہیزگار مرد یا ایک مرد اور دو دیندار عورتوں کی شہادت کے عید کے چاند کا ثبوت نہ ہوگا۔ ایک آدمی کی شہادت خواہ کتنا ہی دیندار ہو کافی نہیں۔ مسئلہ: یہ جو مشہور ہے کہ جس دن رجب کی چوتھی اسی دن رمضان کی پہلی ہوتی ہے اس کا شریعت میں کچھ اعتبار نہیں نہ ہندوؤں کے اس حساب کا اعتبار ہے کہ آج دوج ہے چاند ضرور ہوگا۔ مسئلہ: چاند کو دیکھ کر یہ کہنا کہ بڑا ہے کل کا معلوم ہوتا ہے بری بات اور قیامت کی نشانی ہے۔ مسئلہ: شہر بھر میں مشہور ہے کہ چاند دیکھا گیا لیکن ایسا کوئی شخص نہیں ملتا جو شہادت دے کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو ایسی خبر کا کوئی اعتبار نہیں۔ مسئلہ: ایک شخص نے تنہا رمضان کا چاند دیکھا اسکے سوا شہر میں کسی نے نہیں دیکھا تو اسپر روزہ رکھنا فرض ہو گیا۔ مسئلہ: ایک شخص نے عید کا چاند دیکھا لیکن اسکی شہادت قبول نہیں ہوئی اسلئے دوسرے لوگوں نے عید نہیں کی تو اس شخص کو بھی عید نہ کرنا چاہئے بلکہ اور لوگوں کی طرح روزہ رکھنا چاہئے۔

روزہ کی نیت

مسئلہ: روزہ کی نیت کے لئے یا تو دل میں کہدے اور ارادہ کرلے یا زبان سے کہدے کہ رمضان کا روزہ رکھتا ہوں یا عربی میں کہدے بِصَوْمِ غَدٍ نَّوَيْتُ بغیر نیت روزہ درست نہ ہوگا۔ مسئلہ: رمضان کے روزہ کی نیت ٹھیک دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے تک کر لینا ضروری ہے ورنہ روزہ نہ ہوگا۔

روزہ کا وقت

روزہ کا وقت صبح صادق سے شروع ہو کر غروب آفتاب تک ہے اس درمیان میں کچھ کھانا پینا صحبت کرنا درست نہیں۔

جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

(۱) ناک یا کان میں دوا ڈالنے سے (۲) قصداً منہ بھر قے کرنے سے (۳) کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلے جانے سے (۴) ناس لینے سے (۵) حقنہ کرنے سے (۶) کنکر پتھر لوہے وغیرہ کے کھانے سے (۷) غلطی سے بخیال غروب آفتاب روزہ کھولنے سے (۸) رات سمجھکر صبح صادق کے بعد کھانے سے (۹) لوبان وغیرہ کی دھونی سونگھنے سے (۱۰) سگریٹ و حقہ پینے سے (۱۱) جس تھوک میں غالب خون کی آمیزش ہو اسکے نگلنے سے (۱۲) پاخانہ کی جگہ دوا استعمال کرنے سے ان سب باتوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے ہاں پیشاب کی جگہ دوا استعمال کرنے سے عورت کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے مرد کا نہیں۔ دانتوں میں جو گوشت کا ریشہ یا ڈلی وغیرہ کا ٹکڑا رہ گیا ہے اسکو منہ سے باہر نکال کر پھر کھالیا تو خواہ وہ کتنی ہی مقدار کا ہو روزہ ٹوٹ گیا اور اگر اندر ہی اندر دانتوں سے نکال کر نگل گیا تو اگر چنے کے برابر یا اس سے زائد ہو تو روزہ فاسد ہو جاوے گا ورنہ نہیں۔

جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا

(۱) بھول کر کھانے سے (۲) مسواک کرنے سے (۳) خود بخود قے کرنے سے (۴) خوشبو سونگھنے سے (۵) بلا قصد حلق میں گرد و غبار مکھی چلے جانے سے (۶) سر میں تیل اور آنکھ میں سرمہ لگانے سے (۷) احتلام ہونے سے (۸) آنکھ میں دوا یا پانی ڈالنے سے (۹) تھوک اور بلغم نگلنے سے (۱۰) منہ بھر سے کم قصداً قے کرنے سے (۱۱) پان کی سرخی غرغرہ کے بعد باقی رہنے سے (۱۲) رات کا وقت سمجھکے صبح صادق کے قبل نہ نہانے سے ان سب باتوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔ اسی طرح انجکشن کرانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

افطار و سحر

سحری کھانا سنت ہے اگر بھوک بھی نہ ہو تب بھی بقصد سنت دو ایک چھوارے کھالے یا [illegible] لے۔ سحری دیر کرکے کھانا سنت ہے مگر اتنی دیر نہ کرے کہ صبح [illegible]

ہوجانے غروب کے بعد فوراً روزہ کھولنا مستحب ہے اور دیر کرنا مکروہ ہے۔ البتہ ابر کے دن افطار میں دیر اور سحری میں جلدی کرنا چاہئے۔ اور افطار کے وقت اگر ممکن ہو تو مختصر کھاپی لے جس سے شدتِ اشتہا میں تخفیف ہوجائے اور نماز باطمینان خشوع وخضوع سے پڑھی جائے لیکن امام کو چاہئے کہ مغرب کی نماز میں عجلت نہ کرے بلکہ مقتدیوں کی قدرے رعایت مناسب ہے تاکہ سب لوگ باطمینان کلی وغیرہ سے فارغ ہوکر شریک جماعت ہوسکیں چھوارے یا کسی اور چیز سے روزہ افطار کرنا بہتر ہے ورنہ پانی یا اور کسی چیز سے افطار کرے بعض عورتیں اور مرد نمک سے افطار کرنے میں ثواب سمجھتے ہیں سو یہ غلط ہے اور بوقت افطار یہ دعا پڑھنا مسنون ہے۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ۔

مسائل تراویح

رمضان شریف کی راتوں میں عشا کی فرض نماز کے بعد بیس رکعت تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ ہے تراویح میں ایک مرتبہ کلام اللہ پڑھنا یا سننا بھی سنت ہے اور یہ دونوں جدا جدا سنتیں ہیں اس لئے جو لوگ چند راتوں میں ایک کلام مجید سنکر تراویح چھوڑ دیتے ہیں انکی ایک سنت ادا ہوگئی دوسری نہیں اور چونکہ تراویح فرض عشاء سے قبل درست نہیں اسلئے جو شخص مسجد میں بعد نماز فرض آوے اسکو فرض پڑھکر تراویح میں شریک ہونا چاہئے۔ اور جسقدر تراویح ہوچکی ہوں ان کو بعد میں یا جلسۂ استراحت میں ادا کرے البتہ وتر تراویح کے بعد اور قبل دونوں صورتوں میں جائز ہے اس لئے جس شخص کے ذمے کچھ تراویح باقی تھیں اس نے وتر امام کے ساتھ پڑھکر تراویح بعد میں ادا کیں تو کوئی حرج نہیں۔ تراویح کی جتنی دیر میں چار رکعت پڑھی جاویں اتنی ہی دیر ہر چار رکعت کے بعد بیٹھنا مستحب ہے خواہ دعا درود پڑھے یا خاموش رہے۔ ہاں اگر نمازیوں کی گرانی دل کی جانب کا اندیشہ ہو تو اس سے بھی کم بیٹھنا درست ہے لیکن مقتدیوں کی عجلت گرانی کے باعث رکوع وسجود و سُبحانک اللّٰھمّ و درود چھوڑنا بالکل درست نہیں البتہ دعاؤں کے چھوڑنے میں بشرطیکہ مقتدیوں کو عجلت ہو چنداں مضائقہ نہیں اور ختم قرآن شریف کے دن زائد روشنی کرنا اور جھنڈیاں وغیرہ لگانا یہ سب اسراف وناجائز امور ہیں اور تقسیم شیرینی کے لئے جبراً چندہ لینا اور تقسیم کے وقت مسجد میں شور وشغب کرنا اور اس تقسیم کو ضروری اور لازم سمجھنا اور تقسیم نہ کرنے والوں پر لعن وطعن کرنا یہ جملہ امور بھی شرعاً ناجائز ہیں۔

اعتکاف

رمضان شریف کی بیسویں تاریخ کے دن چھپنے سے ذرا پہلے عید کے چاند نظر آنے تک مسجد جماعت میں بہ نیت اعتکاف ٹھہرنا سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے اگر محلہ میں سے ایک آدمی بھی معتکف ہوجائے گا تو تمام لوگ بری الذمہ ہوجائیں گے ورنہ سب کے سب تارک سنت اور گنہگار رہیں گے مرد کے اعتکاف کے لئے نیت اور مسجد جماعت ہونا ضروری ہے اور عورت اپنے گھر میں ایک خاص جگہ مقرر کرکے معتکف ہو اور نیت کا نہ ہونا اور حیض ونفاس سے پاک ہونا شرط ہے اس جگہ سے بلا ضرورت نکلنا درست نہیں کیونکہ بلا ضرورت جائے اعتکاف سے نکلنا مفسد اعتکاف ہے یعنی جن دنوں میں اعتکاف ہوچکا ہے وہ درست رہا باقی دنوں کا نہیں۔ ہاں البتہ ضرورت طبعی وشرعی جیسے پیشاب خانہ اور نماز جمعہ کی وجہ سے باہر نکلنا درست ہے۔ جمعہ کی نماز کے لئے اتنا پہلے جاوے کہ وہاں جاکر تحیۃ المسجد اور جمعہ کی سنت پڑھ لے اور بعد کی بھی سنتیں وہاں ٹھیر کر پڑھنا جائز ہے۔ بھول کر یا جان کر جماع وغیرہ کرنا مفسد اعتکاف ہے کیونکہ اس میں نسیان معتبر نہیں حالتِ اعتکاف میں بالکل چپ رہنا مکروہ ہے البتہ فضول باتیں نہ کرے بلکہ تلاوت کلام اللہ یا اور کسی عبادت میں مشغول رہے۔

(الاحسان)

(بقیہ صفحہ ۱۰ سے) مجھے یہ معلوم ہوکر مسرت ہوئی کہ جناب مولانا خلیل احمد صاحب جامعی کی مساعی سے [illegible] میں ان کی [illegible] شاخ قائم ہوگئی ہے۔ اور مولانا موصوف نے اپنے مخلص ساتھیوں کے ساتھ اس مبارک مقصد کے لئے [illegible] طریقے پر کام شروع کر دیا ہے۔ میں جامعی صاحب کو اس مبارک اقدام پر مبارکباد دیتا ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ جامعی صاحب کی یہ خدمت ملک اور قوم کے لئے مفید ہو۔

مولانا کے ساتھ اس پتہ پر ملاقات وخط وکتابت کی جاسکتی ہے۔

مولانا خلیل احمد جامعی [illegible] سیکنڈ فلور [illegible] نمبر ۲ ممبئی [illegible]

از مولوی محمد احمد کاظمی ایڈوکیٹ ہائی کورٹ الہ آباد

انجمن اشاعتِ سیرت بمبئی

انگریزی سلطنت کے قیام کے زمانہ میں ہندوستان میں سیاست کا چرچا شروع ہوا۔ ایک بیرونی حکومت کو جس کا مقصد ہندوستان کے روپیہ سے فائدہ اٹھاتا تھا۔ ہندوستان سے نکالنا ہر ہندوستانی کا فرض تھا۔ انگریزی حکومت میں بہت سی خوبیاں تھیں اس سے ہندوستان کو بہت سے فائدے پہونچے۔ اور منجملہ اس کے جمہوری سلطنت کا تخیل بھی ہندوستانیوں کے سامنے اس نے پیش کیا۔ چنانچہ آج اسی کے نمونہ پر ہندوستان کی سیاست چل رہی ہے۔ چونکہ انگریزی سلطنت کے سامنے علاوہ ہندوستان کے ایک اور ملک کا فائدہ بھی تھا اسوجہ سے اسکا رہنا ہندوستان کے مقاصد کے خلاف تھا۔ انگریزی حکومت کے خلاف ۱۰۰ برس سے زیادہ جدوجہد کرکے ہندوستانیوں نے اسکو ہندوستان سے نکالدیا اور بہت زبردست کامیابی حاصل کرلی۔ اور اب جبکہ آزادی حاصل ہوگئی ہے۔ اب ہمارا فرض ہوگیا ہے کہ ہندوستان کے ہر شعبہ کو ترقی دیں۔ بالخصوص ہندوستانیوں کے اخلاق وکیرکٹر کو درست کریں لیکن افسوس ہے کہ ہم ابھی تک کلیتاً سیاست ہی کی طرف متوجہ ہیں۔ ہماری قوم اور ملک کے دماغوں پر اسوقت سیاست ہی چھائی ہوئی ہے۔ ہمارا کوئی کام کوئی فعل ایسا نہیں ہوتا جسکے اندر سیاست کی بو نہ آتی ہو۔ اگر ہم قوم کی فلاح وبہبود کے لئے قدم اٹھاتے ہیں۔ تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ آئندہ انتخاب میں ہمکو زیادہ سے زیادہ ووٹ مل سکیں۔ اسمیں ذرا بھی شک نہیں کہ سیاست پر قوموں کی ترقی کا دارومدار ہے لیکن یہ یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں۔ جو سوسائٹی کے قیام کے لئے انتہا درجہ ضروری ہیں اور وہ سیاست سے حاصل نہیں ہوسکتیں۔ ہم سیاست میں کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرجاویں اگر ہم ہندوستان میں اخلاق اور کیرکٹر پیدا نہ کرسکیں گے تو ہندوستان ترقی کے میدان میں آگے نہ بڑھ سکے گا۔ کیرکٹر اور اخلاق نہ اسمبلیوں اور پارلمینٹ کے قانون سے بنایا جاسکتا ہے۔ اور نہ انتخاب کے لئے ووٹ مانگنے سے۔ انتخاب کے لئے جب ہم ووٹ مانگتے ہیں تو اس امر کا لحاظ رہتا ہے۔ کہ وہ بات کہی جائے جو ووٹر کو خوشگوار ہو سامع کی نظر کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔ برعکس اسکے اخلاق واصلاح اور کیرکٹر کے لئے صحیح چیز عوام کے سامنے پیش کرنا پڑتی ہے خواہ وہ اُس کے لئے خوشگوار ہو یا ناگوار۔ سیاست میں ووٹر سے چیز مانگی جاتی ہے۔ اور اصلاح وریفارم میں سننے والے کو کچھ دیا جاتا ہے اور یہ بنیادی اختلاف ان دونوں چیزوں میں ہے۔ سیاست سے ہم زندگی کا معیار بلند کرسکتے ہیں لیکن اخلاق کا معیار بلند نہیں کرسکتے۔ اس لئے ہندوستان میں اخلاق کو بلند کرنے کے لئے ایک ایسی جماعت کا ہونا ضروری ہے۔ جسمیں شامل ہونے والوں کو اس بنا پر تامل نہ ہو کہ بالآخر اس سے یہ ریفارمر بھی سیاسی قوت حاصل کرلیں گے۔

دل آزار کتاب رنگیلا رسول کے ایجی ٹیشن پر اگر غور سے توجہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس کا باعث جتنی سیاست تھی اتنا اخلاق محمدی کو لوگوں کے سامنے پیش کرنا نہ تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اگر کوئی غلط فہمی پیدا ہوجائے تو ہر مسلمان اور ہر ہواخواہ انسانیت کا فرض ہوجاتا ہے کہ وہ اس غلط فہمی کو دور کرے اور چونکہ ایسے وقت میں لوگوں کی توجہ آپکی زندگی کی طرف مرکوز ہوتی ہے۔ اُس سے فائدہ اُٹھاکر آپکی صحیح زندگی پیش کی جاوے۔ اسی بنا پر انجمن تحفظ ناموس رسول جس کا نام بدل کر اب "انجمن اشاعت سیرت" رکھدیا گیا ہے قائم کی گئی ہے اور اپنی بساط کے موافق کام کررہی ہے۔ اس [illegible] ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نام پر نہ کسی سے ووٹ مانگیں گے اور نہ کسی کو ووٹ دیں گے بلکہ آپ کی زندگی کے بیش بہا اصول پیش کرکے ملک کی اصلاح کا کام کریں گے۔

(دیکھئے صفحہ ۴۶)

تبصرہ و تعارف

منہاج

مدیر مولانا محمد اسحاق۔ سائز $\frac{20 \times 30}{8}$ صفحات ۸۔ سالانہ چندہ بارہ روپے۔ مقام اشاعت شیش محل لاہور۔

پاکستان کے ممتاز صحافی مولانا محمد اسحٰق صاحب نے اس نام سے ایک سہ روزہ دینی و علمی صحیفہ حال ہی میں جاری کیا ہے۔ مولانا موصوف "الاعتصام" (لاہور) کے سابق مدیر کی حیثیت سے اپنے زورِ قلم، حُسنِ بیان اور سلامتِ فکر کے نقوش اپنے پڑھنے والوں کے دلوں پر ثبت کر چکے ہیں۔ ان کی یہ تمام خصوصیات "منہاج" کے صفحات پر مزید تابانی و درخشانی کے ساتھ نمایاں ہیں۔ پرچہ کی دو اشاعتیں (۹ فروری - ۱۲ فروری) ہمارے سامنے ہیں۔ ملی و ملکی مسائل پر سنجیدہ اور پُر مغز مقالات کے علاوہ فکر و نظر کے عنوان سے دلچسپ شذرات اور راہ و رسم کے عنوان سے دلآویز تبصرے اخبار کی مستقل خصوصیات ہیں۔ مضمون نگاروں میں حضرت مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا محی الدین احمد قصوری اور جناب خالد بزمی جیسے مشہور و ممتاز ادباء و شعراء کا تعاون حاصل ہے۔

مدیر منہاج جماعت اہلحدیث سے تعلق رکھتے ہیں مگر تعصب و تنگ نظری کی دلدل سے آپ ہمیشہ دور رہے ہیں۔ چنانچہ زیر نظر شمارہ میں بھی حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی زندگی پر مولانا محمد سمیع الحق دارالعلوم حقانیہ اوکاڑہ کے قلم سے ایک مسلسل مقالہ موجود ہے۔ اخبار میں چند صفحات جماعتی و غیر جماعتی خبروں کے لئے بھی مخصوص ہیں۔ کتابت طباعت اور کاغذ بھی اعلیٰ اور جاذبِ نظر ہے۔ ہم مولانا محمد اسحٰق صاحب کو ایسے بلند پایہ اور سنجیدہ علمی و دینی صحیفہ کے اجراء پر مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدا اسے پروان چڑھائے اور قوم و ملت کے لئے مفید بنائے۔ ہندوستانی خریدار غیر اخبار "اہلحدیث" بازار ہندو باڑہ دہلی کے پتہ پر چندہ بھیج کر اخبار جاری کرا سکتے ہیں۔

رسول اللہؐ کے مکتوبات و معاہدات :-

مرتبہ مولانا سید محبوب رضوی۔ صفحات ۲۰۰۔ سائز $\frac{20 \times 30}{16}$ کتابت و طباعت و کاغذ اعلیٰ مجلد قیمت دو روپئے

ملنے کا پتہ :- علمی مرکز۔ ادارۂ تاریخ۔ دیوبند۔

تبلیغ و دعوت اسلام اور قیام امن و سلام کے لئے داعی اعظم رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے عرب کے قبائلی سرداروں اور دنیا کے مختلف خطوں کے حکمرانوں کو جو خطوط بھیجے اور ان سے جو معاہدات کئے وہ حضورؐ کی پیغمبرانہ فراست و حذاقت کا بہترین مرقع ہیں۔ ان مکتوبات و معاہدات سے ایک طرف ہم یہ جان سکتے ہیں کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تعلقات سیاسی و تمدنی کی حدود کیا ہیں تو دوسری طرف تبلیغ اسلام کے لئے ہمیں حکمت و موعظت کی روشنی بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ زیر نظر کتاب میں مولانا سید محبوب رضوی صاحب دیوبندی نے سیرۃ نبوی کے اس گوشہ کو نمایاں کیا ہے۔

اس کتاب میں حضور سرور کائنات کے تمام مکتوبات و معاہدات کو تاریخی ترتیب کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔ نیز ان ممالک و مقامات کے جہاں یہ نامہائے مبارک ارسال کئے گئے، جغرافی، سیاسی، تہذیبی حالات بھی مختصر بیان کر کے ان کا پس منظر واضح کر دیا گیا ہے اور پھر ان اعلیٰ سیاسی و مذہبی نتائج کی طرف بھی اشارات کر دئے گئے ہیں جو ان سے حاصل ہوئے۔ مؤلف ایک کہنہ مشق صاحب قلم ہیں۔ لکھنے کا انداز بھی سادہ مگر دلکش اور مؤثر ہے۔ جا بجا مفصل حواشی نے کتاب کے افادی دائرہ کو وسیع اور تاریخی مآخذ کے حوالوں نے اس کی سندی حیثیت کو بلند کر دیا ہے۔

ایک کمی جو ہمیں محسوس ہوتی ہے یہ ہے کہ مکتوبات و معاہدات کے اصل متن کو درج نہیں کیا گیا۔ ہماری رائے میں اس کی ضرورت تھی جسے آئندہ ایڈیشن میں پورا کر دینا چاہئے۔

کتاب گوناگوں باطنی محاسن کے ساتھ ظاہری خوبیوں سے بھی آراستہ ہے۔ کتابت و طباعت حسین و جمیل ہے اور متعدد مکتوبات طیبات کے فوٹو نے اس کے حُسن میں چار چاند لگا دئے ہیں۔ ہم ہر دینی ذوق رکھنے والے مسلمان اور غیر مسلم سے اس کتاب کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں۔

5 سبب کیوں صافی بہترین مصفّی خون ہے!
1
2
3
4
5
۱۔ معدہ کے فعل کو درست کرتی ہے اور فاسد مادّہ کو خارج کرتی ہے۔
۲۔ خون کو صاف کرتی ہے اور خون میں بیماریوں سے مقابلہ کی طاقت بڑھاتی ہے۔
۳۔ کیل، چھائیوں، داغ دھبوں کو دور کرتی ہے اور جلد کو خوشنما بناتی ہے۔
۴۔ خارش کو جڑ سے دور کرتی ہے اور مکمل شفا دیتی ہے۔
۵۔ دورانِ خون میں توازن پیدا کرتی ہے اور خرابی خون سے پیدا ہونے والی بیماریوں سے محفوظ رکھتی ہے۔
SAFI
THE GREAT
BLOOD
PURIFIER
نوٹ:۔ بیرونی استعمال کے لئے ہمدرد مرہم بے حد مفید ہے۔
Hamdard
DAWAKHANA
ہمدرد دواخانہ (وقف)

مدیر
قاضی زین العابدین سجاد

تحریک" اشاعت سیرت" کا نقیب

ماہنامہ الحرم میرٹھ

مقام اشاعت: مکتبہ علمیہ۔ قاضی منزل قاضی واڑہ میرٹھ

بابت مئی ۱۹۵۸ء مطابق شوال ۱۳۷۷ھ

جلد ۵ — نمبر ۵

قیمت

عام	تین روپے
ممالک غیر سے	پانچ روپے
لائف ممبری	پچاس روپے
فی پرچہ	چار آنے

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ

التماس:- (۱) جن اصحاب کے پاس پرچہ انکی طلب پر بطور نمونہ پہنچے انکا فرض ہوکر خریداری کے متعلق اپنے فیصلہ سے اطلاع دیں۔ ورنہ انہیں خریدار تصور کیا جائیگا۔ (۲) قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیجیں ورنہ تین روپے۔ آٹھ آنے کا وی پی کیا جائیگا۔ اور دس آنے زائد خرچ ہونگے (۳) جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ یا لفافہ بھیجیں۔ (۴) اپنا پتہ صاف اردو یا انگریزی میں منی آرڈر کے کوپن پر اور خط میں ضرور لکھیں۔ اور نمبر خریداری بھی لکھیں۔

○ اگر دیئے ہوئے دائرہ میں سرخ نشان لگا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ آپکی مدت خریداری ختم ہوگئی، لہٰذا چندہ سال جدید ارسال فرمائیں یا اپنے آئندہ ارادے سے مطلع فرمائیں۔

پاکستان میں قیمت بھیجنے کا پتہ:-

کوثر بک ایجنسی، ع/ ۱۱ شاہ عالم مارکیٹ لاہور

(قاضی زین العابدین سجاد ایڈیٹر پرنٹر پبلشر کے اہتمام سے یونین پریس اردو بازار دہلی میں چھپ کر دفتر الحرم مفتی واڑہ میرٹھ سے شائع ہوا)

جمعیۃ علماء ہند کے ترجمان اخبار الجمعیۃ دہلی کا تبصرہ

الحرم کا حضرت مدنی نمبر

ایڈیٹر:- قاضی زین العابدین سجاد صاحب میرٹھی، صفحات ۱۲۸، قیمت ایک روپیہ، ملنے کا پتہ:- مکتبہ علمیہ قاضی منزل قاضی واڑہ شہر میرٹھ

ماہنامہ الحرم ایک علمی اور اسلامی مجلہ ہے جو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت بڑی سنجیدگی اور خاموشی کے ساتھ انجام دے رہا ہے۔ زیر تبصرہ مجلہ اسکا خصوصی نمبر ہے جو "حضرت مدنی نمبر" کے نام سے شائع ہوا ہے، قاضی صاحب اپنے دور کے ایک سلجھے ہوئے اور خاموش مفکر ہیں اسلئے اپنے ان ہی مضامین کو شریک اشاعت کیا ہے جو حضرت علامہ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے طرز فکر کی ترجمانی کرتے ہیں اور مسلمانوں کے لئے دستور العمل کا کام بھی دے سکتے ہیں۔ چنانچہ نقوش اولین میں جو اس مجلہ کا دیباچہ ہے اسکی جھلک موجود ہے، لکھنے والوں میں حضرت مولانا محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا سید محمد میاں ناظم جمعیۃ علماء ہند، مولانا سعید احمد اکبرآبادی پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ، مولانا نسیم احمد فریدی اور متعدد مضامین نگار اور ارباب قلم کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ہر مضمون کی خوبی یہ ہے کہ وہ مختصر ہے اور اس میں جس نکتہ کو اٹھایا گیا ہے اس کی تکمیل کردی گئی ہے، نمبر کے آخر میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ کے سوانح حیات درج کئے گئے ہیں جو تقریباً ۳۶ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں، یہ سوانح عمری بہت جامع اور مختصر ہے، امید ہے کہ یہ نمبر حضرت رحمۃ اللہ کے حلقوں میں خصوصیت کے ساتھ مقبول ہوگا۔ (الجمعیۃ سنڈے ایڈیشن، ۲۷ اپریل ۵۸ء)

بسمہ تعالیٰ سبحانہ

نقوشِ اوّلین

اوقافِ اسلامی

اسلامی اوقاف کے تحفظ کی اہمیت اور انکے بقاء و ترقی کے لئے مناسب انتظام کی ضرورت جسقدر اس وقت ہے شاید ہی ہندوستان میں کبھی ہوئی ہو، مسلم خانقاہوں عبادت گاہوں مدرسوں اور قبرستانوں کی زمینیں اور عمارتیں خائن متولیوں کے ہاتھوں جسطرح خورد برد ہو رہی ہیں اسکی مثال پہلے موجود نہیں ہے، تقسیم ہند کے سلسلہ میں صاحب اثر اور تعلیم یافتہ مسلمانوں کے بڑے طبقہ کے پاکستان منتقل ہو جانے کی وجہ سے اس تغلب اور تصرف کے لئے میدان صاف ہو گیا ہے اور مسلمانوں میں ایک مستقل گروہ وہ پیدا ہو گیا ہے جس نے متولی یا سجادہ نشین کی حیثیت سے اوقاف پر قبضہ کرکے ان کو اپنا ذریعہ معاش بنا لیا ہے۔ چونکہ اس طبقہ کو فساد پسند عناصر کی پشت پناہی حاصل ہے اس لئے عام بلکہ خاص مسلمانوں کو بھی (جنھیں الیکشن وغیرہ کے سلسلہ میں ان کی خدمات کی ضرورت پڑتی رہتی ہے) ان سے ٹکرانے کی جرأت نہیں ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ عرصہ دراز سے یو۔ پی دلی اور دوسرے صوبوں میں وقف ایکٹ موجود ہے اور اس کے تحت ان اوقاف کی کچھ نہ کچھ نگرانی بھی ہوتی ہے، یہ بھی معلوم ہے کہ پچھلے دنوں جمعیتہ علماء ہند کی امداد اور مولوی محمد احمد کاظمی سابق ایم۔ پی کی کوشش سے ایک سنٹرل وقف ایکٹ بھی پاس ہو چکا ہے، مگر سابقہ وقف ایکٹ اوقاف کا مکمل تحفظ کرنے میں ناکام ثابت ہوئے ہیں اور جدید وقف ایکٹ جن صوبوں میں جاری ہونا ہے ابھی عملاً نافذ نہیں ہو سکا ہے، ادھر یہ تغافل و تساہل ہے اُدھر موقع شناس پیشہ ور قومی خدمت گزار تیزی کے ساتھ اپنا کام کر رہے ہیں اور قبرستان محلوں میں، مدرسے ذاتی جائدادوں میں اور خانقاہیں جاگیروں میں تبدیل ہو رہی ہیں، اور اندیشہ ہے کہ تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود

کسی قانون کے کامیاب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی دفعات موزوں اور مفید ہوں نیز اس کی قوت نافذہ بھی صحیح اور قابل اعتماد ہو،

اس سلسلہ میں چند اصولی اشارات جو ہمارے ذہن میں آئے ہیں پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں،

(۱) ہر وقف کا رجسٹریشن لازمی قرار دیا جائے اور ہر وقف کی منتظم ایک کمیٹی ہو جو بہ منظوری ضلع وقف کمیٹی ایک شخص کو سکریٹری یا متولی منتخب کرے، ضلع وقف کمیٹی اس امر کا اطمینان کرلے کہ منتظم وقف تعلیم کیرکٹر اور انتظامی صلاحیت کے اعتبار سے اسکا اہل ہے یا نہیں،

(۲) ہر ضلع یا ڈویژن میں ایک وقف کمیٹی قائم کی جائے، اس کے ممبران سند یافتہ علماء مسلم وکلاء اور میونسپل بورڈوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں اور اسمبلی کے ممبران میں سے ایک خاص تناسب کے ساتھ منتخب کئے جائیں ہر رکن متدین ہو اور کمیٹی کا صدر کوئی مسلم گزیٹڈ آفیسر ہو،

(۳) ہر صوبہ میں ایک وقف بورڈ قائم ہو جسکے دو ثلث ارکان ضلع کمیٹیوں میں سے منتخب ہوں اور باقی ایک ثلث ممبران پارلیمنٹ و اسمبلی اور صوبہ کے ذمہ دار مسلمانوں میں سے نامزد کئے جائیں۔ صوبجاتی بورڈ ماتحت ضلع یا ڈویژن کمیٹیوں کی نگرانی کریں، اور ان کے لئے ضوابط بنائیں، ان کا صدر ہائی کورٹ کا کوئی مسلم جج ہو،

(۴) مرکز میں ایک سنٹرل وقف بورڈ قائم کیا جائے جو ماتحت بورڈوں کو مشورہ دے ان کے کاموں کی عمومی نگرانی کرے اور انکی پالیسی کو متوازن بنا کر باہم ربط پیدا کرے، اس بورڈ کے دو تہائی ممبر صوبجاتی بورڈوں میں سے منتخب کئے جائیں اور ایک تہائی مرکزی مسلم اداروں کے کار پردازوں ممبران پارلیمنٹ اور اوقاف کے معاملات سے خصوصی دلچسپی رکھنے والے مشاہیر میں سے نامزد کئے جائیں، بورڈ کا صدر کوئی اعلیٰ ترین حیثیت کا سرکاری عہدیدار ہو،

(۵) مقامی صوبجاتی اور مرکزی کمیٹیوں اور بورڈوں کے ارکان اور صدر کا انتخاب تین سال سے زیادہ کے لئے نہو اور یہ بھی ضروری ہو کہ کوئی ایک ممبر مسلسل دو مرتبہ سے زیادہ منتخب نہ کیا جائے تاکہ کسی خاص فرد یا جماعت کی اجارہ داری قائم نہو اور مختلف افراد کو اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا موقع مل سکے،

بہرحال ضوابط کی عمدگی کے ساتھ ساتھ جب تک قوت نافذہ بہتر عناصر پر مشتمل نہو، ان میں کام کی صلاحیت اور جذبہ نہو اور اس جذبہ کو ابھارنے کے لئے مناسب محرکات نہوں اوقاف کا بہتر انتظام ہونا ممکن نہیں۔ یہ چند اشارات ہیں جن پر فی الحال اکتفا کیا جا رہا ہے، ہم سلیم صحافیوں اور ارباب فکر و نظر سے درخواست کریں گے کہ وہ اس موضوع پر توجہ فرمائیں اور اسلاف کی بہترین امانت کو محفوظ کرنے کے لئے آواز بلند کرتے رہیں۔

حلقہ محسنین کی نوعیت

سوال:۔

محترمی جناب مولانا قاضی صاحب ادام اللہ فیوضکم

بعد از سلام مسنون حسب ذیل سوال کا تفصیلی جواب عنایت فرماکر ممنون فرمائیں،

آجکل اخبارات ورسائل وغیرہ میں جو لائف ممبر، مربی یا "محسن اعظم" بناتے ہیں جیسا کہ ماہنامہ "برہان" ماہنامہ "الحرم" ہفتہ وار "صدق" وغیرہ یہ طریقہ شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ وجہ شبہ یہ ہے کہ خود اخبار معطی اور مالک اخبار کی زندگی غیر معین ہے،

ایک مجوز صاحب کی دلیل یہ ہے کہ اس سے مقصد اخبار یا رسالہ کی امداد ہے اور معطی کی خدمت میں تا زندگی جو رسائل اور مطبوعات وغیرہ پیش کی جائیں گی یا جہانتک پتیں کی جائیں وہ اپنے محسن کے احسان کے بدلہ کی حیثیت رکھتا ہے، یہ بیع نہیں ہے کہ جس سے بیع مجہول کا شبہ پیدا کرکے ناجائز کہدیا جائے بہرحال اس سلسلہ میں حضرت والا کے خیالات تحریر فرماکر ممنون فرمائیں،

نیازمند علی بھائی اسمٰعیل پان والا
پیغام آفس، مقام کاوی ضلع بھروچ

جواب:۔

مکرمی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپکا گرامی نامہ موصول ہوا، اس میں شک نہیں کہ صحت بیع کی شرائط میں سے ہے کہ مبیع اور ثمن دونوں معلوم ومعین ہوں مگر مذکورالصدر علمی ودینی رسائل کی لائف ممبری اور "محسنی" کی نوعیت خرید وفروخت کی ہے ہی نہیں، آپکے مجوز صاحب کا یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ رسالہ کی امداد کی ایک صورت ہے معطی صاحب کا عطیہ بطور عطیہ خالص اور "احسان" کے ہے اور رسالہ کی ان کی خدمت میں مستقل حاضری بطور جزاء احسان کے، چنانچہ ان رسائل میں اس حیثیت کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے،

آپ ناواقف نہوں گے کہ خالص دینی رسائل کا عام خریداروں کے بل بوتے پر جاری رہنا ناممکن ہے، جو اخبارات ورسائل افسانوی و فلمی مضامین اور عریاں تصاویر شائع کرکے عوام کے ذوق کو تسکین دیتے ہیں وہ تو بے شک تجارتی اعتبار سے کامیاب ہوتے ہیں مگر دین واخلاق کی پابندیوں کے اندر رہ کر کسی اخبار یا رسالہ کا زندہ رہنا آجکل کی فضا میں مشکل ہے۔

"الحرم" کی آپ بیتی تو یہ ہے کہ اسکا مدیر ابتک اس شوق میں کئی ہزار روپے کا مقروض ہو چکا ہے، جب بات اپنے بس کی نہ رہی تو مجبوراً "حلقہ محسنین" کے قیام کا اعلان کیا گیا، ابتک کسی "محسن اعظم" (پانسو کا عطیہ دینے والے) کے دست کرم سے تو الحرم محروم ہے البتہ بمبئی کے دو مخلص تاجر دوستوں نے (جو اپنا نام بھی ظاہر کرنا پسند نہیں فرماتے) محسن بننا منظور فرماکر تقدم فی الاحسان فرمایا ہے، اللہ تعالےٰ انہیں جزاء خیر دے،

بہرحال امداد وسرپرستی کی یہ صورت ناگزیر ہے۔ اگر باطل کی ہمہ گیر نشر واشاعت کے اس دور میں تبلیغ حق کے سلئے بھی اس حربہ کو استعمال کرنا ضروری ہے، تو قوم کے دیندار اور باب ثروت بزرگوں کو اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داری محسوس کرنی چاہیئے،

★ ———— مدیر

احادیث قدسیہ

(مسلسل)

بارش کی ستاروں کی طرف نسبت، افطار میں عجلت، اولیاء اللہ کی پہچان

(۴۳) اِنَّ الَّذِیْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوْءِ کَذَا وَکَذَا فَقَدْ کَفَرَ بِیْ وَآمَنَ بِذَالِکَ النَّجْمِ وَاِنَّ الَّذِیْ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ سَقَانَا فَقَدْ آمَنَ بِیْ وَکَفَرَ بِذَالِکَ النَّجْمِ رواہ الطبرانی فی الاوسط عن ابن مسعود

فرمایا اللہ عز وجل نے جس شخص نے کہا کہ ہم کو بارش ملی فلاں فلاں ستارہ سے تو درحقیقت اس نے میرا انکار کیا اور اس ستارہ پر ایمان لایا اور جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو سیراب کیا تو درحقیقت وہ مجھ پر ایمان لایا اور اس ستارہ کا منکر ہوا۔ روایت کیا اس کو طبرانی نے اوسط میں ابن مسعود رضؓ سے۔

تشریح:- ستارہ پرست قوموں کے ساتھ تعلقات کی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں مشرکین عرب بھی یہ سمجھتے تھے کہ بارش کے ہونے یا نہ ہونے کا تعلق کسی ستارہ کے طلوع یا غروب سے ہے۔ چنانچہ جب بارش ہوتی تو کہتے مُطِرْنَا بِنَوْءِ کَذَا فلاں ستارہ سے ہم کو بارش ملی۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ کارخانہ عالم کا سارا نظام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے موسموں کی ادل بدل، ستاروں کا طلوع و غروب، ہواؤں کا چلنا، مینہ کا برسنا سب کچھ اسی کے دست کرم کا فیضان ہے، بیشک نظام کائنات میں اس نے اسباب کے درجہ میں ایک چیز کو دوسری چیز کے ظہور کا ذریعہ بنایا ہے مگر بلا تشبیہ ایسا ہی ہے جیسا کہ قلم لکھنے والے کے ہاتھ میں حروف کو کاغذ پر منتقل کرنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے، اب اگر کوئی قلم کو کاتب کہنے لگے تو اس سے زیادہ بیوقوف کون ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اگر بالفرض یہ ثابت بھی ہو جائے ستاروں کی رفتار کو بارش کے ہونے یا نہ ہونے میں سبب ظاہری کے درجہ میں دخل ہے تب بھی بارش کو کسی ستارہ کی طرف منسوب کرنا توحید کے تقاضہ کے خلاف ہے۔

اگر ایسا کہنے والا ستارہ کو فاعل مدبر اور بارش کے لئے موجد سمجھتا ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں عرب والے سمجھتے تھے تب تو اس کے کفر میں شک ہی نہیں۔ اور اگر کہنے والے کا مقصود یہ ہے کہ یہ ستارہ بارش کیلئے واسطہ ظہور یا علامت ظہور بنا ہے تب بھی چونکہ یہ کلام موہم کفر ہے اور اس کے ظاہر کے اعتبار سے کہنے والا مشرکین کے قول سے ملتا جلتا ہے اس لئے کراہت سے خالی نہیں (تعلیق علی المشکوٰۃ)

(۴۴) اِنَّ اَحَبَّ عِبَادِیْ اِلَیَّ اَعْجَلُهُمْ فِطْرًا رواہ احمد والترمذی عن ابی ھریرہ

(فرمایا جناب باری عز اسمہ نے مجھے سب سے زیادہ پیارا وہ بندہ ہے جو روزہ افطار کرنے میں بہت زیادہ جلدی کرتا ہے۔ روایت کیا اس کو احمد اور ترمذی نے ابو ہریرہ رضؓ سے)

تشریح:- وفادار غلام کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے آقا کے اشارہ ابرو پر گردش کرے۔ جس بات کا حکم دے فوراً اس کی طرف لپکے اور جس سے روکے بلا تاخیر اس کو چھوڑ دے۔ اسلام اللہ تعالیٰ کی اسی غلامی کا دوسرا نام ہے اور نماز روزہ حج زکوٰۃ اور دوسری تمام عبادات اسی غلامانہ زندگی کا آقا و مولیٰ کا بتایا ہوا نظام عمل۔ صوم (روزہ) کے معنے یہ ہیں کہ خدا کا وفادار غلام مخصوص اوقات میں اپنی طبعی اور جائز خواہشوں کو بھی روکے رکھے، محض اس لئے کہ اس کے آقا نے اسکا حکم دیا ہے اور اس کی فرمانبرداری کا مطالبہ یہی ہے جن چیزوں سے اسے روکا گیا ہے نہ ان میں کوئی خرابی ہے اور نہ اس وقت اور زمانہ میں کوئی برائی ہے بس یہاں ان کے استعمال کی ممانعت کی گئی ہے بلکہ محض وفاداری کا امتحان مقصود ہے۔

رمضان کی انتیس تاریخ کو اگر رویت ہلال ثابت ہو جائے تو اگلے روز روزہ رکھنا حرام ہے لیکن اگر ثابت نہ ہو تو روزہ رکھنا فرض۔ گویا اصل چیز اللہ کے حکم کی اطاعت ہے روزہ کی صورت میں ہو یا افطار کی صورت میں جس وقت جو صورت وفاداری اور فرماں پذیری کے اظہار کی تجویز کی گئی ہو اسی پر عمل کرنا فریضہ بندگی ہے اور آقا کی محبت اور رضامندی کے حصول کا ذریعہ۔

پھر اس تعمیل حکم میں جس قدر جلدی کی جائے گی پسندیدہ تر سمجھی جائے گی لہذا روزہ دار کو چاہیئے کہ جس طرح روزہ کے اوقات میں ترک اکل وشرب میں اس نے فرماں پذیری کا ثبوت دیا ہے اسی طرح اس پابندی کے اٹھتے ہی افطار میں جلدی کر کے دوسرے حکم کی تعمیل میں اپنی سرگرمی کا اظہار کرے۔

سنن ابی داؤد کی ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے لا یزال الدین ظاہرا ما عجل الناس الفطر لان الیہود والنصاری یؤخرون، "جب تک لوگ افطار میں عجلت کرتے رہیں گے دین غالب رہے گا کیونکہ یہود اور نصاریٰ اس میں تاخیر کرتے ہیں" یہود و نصاریٰ نے احکام دینی میں جو مداہنت بلکہ تحریف شروع کر دی تھی اس کی وجہ سے دین میں رخنے پڑے اور دنیا میں خدا پرستی کی فضا باقی نہ رہی۔ دوسرے احکام دینی کی طرح روزہ کے معاملہ میں بھی وہ مداہنت کرنے لگے تھے اور وقت مقررہ کے بعد روزہ کھولتے تھے۔ اس حدیث میں اشارہ فرما دیا گیا کہ مسلمانوں کو احکام دین کی تعمیل میں چستی وگرم جوشی کا اظہار کرنا چاہیئے۔ اہل کتاب کی طرح سرد مہری اور بے اعتنائی کا طریقہ اختیار نہ کرنا چاہیئے۔ اگر وہ بھی انہی کے طریقہ پر چلے تو دین کی بنیادیں متزلزل ہو جائیں گی اور اسلام کی عظمت کا ستارہ غروب ہو جائے گا۔

یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ افطار میں عجلت سے مقصود وہ عجلت ہے جو افطار کا وقت شروع ہو جانے کے بعد کی جائے۔ ایسی عجلت ہرگز مراد نہیں جس سے روزہ ہی مشتبہ ہو جائے۔

(۴۴) ان اولیائی من عبادی واحبائی من خلقی الذین یذکرون بذکری واذکر بذکرہم رواہ الطبرانی فی الکبیر والحکیم وابو نعیم عن عمرو بن الجموح۔

(فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے، میرے بندوں میں سے میرے (ولی) اور میری مخلوق میں سے میرے دوست وہ ہیں جن کا ذکر میرے (ذکر) کے ساتھ کیا جاتا ہے اور میرا ذکر ان کے ذکر کے ساتھ کیا جاتا ہے) روایت کیا اسے طبرانی نے کبیر میں اور حکیم اور ابو نعیم نے عمرو بن الجموح سے۔

تشریح:- اولیاء اللہ (اللہ کے پیارے بندوں) کی تعریف قرآن میں یہ فرمائی گئی ہے، الذین آمنوا وکانوا یتقون (وہ جو اللہ پر ایمان لائے اور پرہیزگارانہ زندگی گزارتے رہے) اللہ کے ولی وہ مقدس بندے ہیں جو ایمان وتقویٰ کے درجہ کمال پر ہوں، ان کا دل معرفت الٰہی کے نور سے روشن ہو اور ان کے اعضا وجوارح اطاعت خداوندی کی راہ پر گامزن۔ ظاہر ہے جن کی زندگی سارا سرمایہ اللہ کا ذکر اور اس کی رضا جوئی کی فکر ہو ان کی صورت دیکھتے ہی اللہ یاد آئے گا۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا الذین اذا رؤوا ذکر اللہ دیکھنے والوں کو ان کی صورت دیکھتے ہی اللہ یاد آتا ہے۔

حدیث زیر تشریح میں مزید اضافہ یہ فرمایا گیا ہے کہ جب کوئی ذکر کرنے والا اللہ کو یاد کرتا ہے تو یہ بھی یاد آتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ ان کی زندگی ذکر الٰہی کا بہترین نمونہ ہوتی ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر کا ارادہ کرے گا، انکی عابدانہ زندگی کا نمونہ اسکی نگاہوں کے سامنے آجائیگا۔ یوں بھی جب گل وبلبل، شمع وپروانہ اور لیلیٰ ومجنوں میں سے کسی ایک کا تصور بھی دوسرے کے بغیر ممکن نہیں تو پھر محبوب حقیقی اور اسکے مشتاق کو بھی تصور میں ایک دوسرے سے جدا کس طرح کیا جا سکتا ہے۔

فائدہ:- عام لوگوں نے اولیاء اللہ کے متعلق عجیب وغریب تصورات پیدا کر رکھے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ولی وہ ہے جو مخصوص لباس پہنتا ہو ناقابل فہم گفتگو کرتا ہو اور محیر العقول کرشمے دکھاتا ہو۔ دینی بازیگروں کا ایک گروہ عوام کی اس خام خیالی سے فائدہ اٹھانے کے لئے بازار میں آگیا ہے۔ اور وہ رنگ برنگے لیبل لگا کر دوادارو بیچتا نظر آرہا ہے۔ مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم نے اولیاء کی حقیقت صرف یہ بیان کی ہے کہ وہ ایمان وتقویٰ سے متصف اور ان کی پہچان حدیث نے یہ بتائی ہے کہ ان کی صورت دیکھ کر اللہ کا (خیال) آئے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ قرآن وحدیث کے اس معیار کو سامنے رکھ

اور اسی کسوٹی پر خدا کے پیارے بندوں کو پرکھیں۔

علماء صوفیہ نے لکھا ہے کہ عجائبات و خوارق کا ظہور ولایت کی پہچان ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کے لئے تو اسلام بھی ضروری نہیں۔ صحیح احادیث میں تصریح ہے کہ دجال سے بہت سے عجائبات ظاہر ہونگے یہ مشاہدہ ہے کہ بہت سے عیسائی راہب اور ہندو جوگی محیر العقول کرشمے دکھاتے ہیں۔

امام شعرانی رحؒ نے "الانوار القدسیہ" میں لکھا ہے کہ کرامات کا ظہور ولایت کی شرط نہیں۔ ولایت کی شرط اللہ کے احکام کی تعمیل اور اس کی نافرمانی سے اجتناب ہے۔ ولی وہ ہے کہ جس کی زندگی کتاب و سنت کے مطابق ہو، جو شخص اس معیار پر پورا اترے قرآن اس کی ولایت کی گواہی دیتا ہے اگرچہ کوئی نشان اسکا متقاضی ہو —— اگر ہم کسی کو دیکھیں کہ وہ الٹی پالتی مارے ہوا میں معلق ہے تب بھی ہم اس کی ولایت کے قائل نہیں ہونگے اگر وہ کتاب و سنت کے احکام پر عمل نہیں کرتا (تفسیر المنار ج ۱۱ ص ۴۴۸)

اے بسا ابلیس کو در صورت آدم است
پس بہر دستے نباید داد دست

رحمتِ باری آپ کی دعاؤں کی منتظر ہے

الحزب الاعظم

مترجمہ شیخ الحدیث حضرت مولٰنا شاہ بدرِ عالم میرٹھی مقیم مدینہ منورہ

کی روزانہ تلاوت انشاء اللہ تعالیٰ آپکی دعاؤں کی قبولیت کی بہترین ضمانت ہے

اس مجموعہ میں وہی دعائیں ہیں جو قرآن و حدیث میں وارد ہوئیں، ان دعاؤں کے ذریعہ التجا کرنا ایسا ہی ہے جیسا بادشاہ یا وزیر کے بتائے ہوئے مضمون کی درخواست دربارِ شاہی میں پیش کرنا۔ یوں تو یہ کتاب مختلف مطابع میں چھپ چکی ہے مگر یہ ایڈیشن اپنی خوبیوں میں یکتا ہے چند خصوصیات یہ ہیں:-

★—— ترجمہ بامحاورہ و سلیس مشہور شیخ وقت اور فاضل عصر کے قلم سے ہے،

★—— کتب حدیث سے مراجعت کے وقت جو الفاظ زائد معلوم ہوئے انہیں بریکٹ میں درج کر دیا گیا اور جو غلط معلوم ہوئے انکی تصحیح کر دی گئی،

★—— حضرت مترجم مدظلہ نے حاشیہ میں ہر دعاء کے ماخذ کا بقید صفحات حوالہ دیدیا ہے۔

★—— الفاظ کے علاوہ اعراب کی تصحیح بھی حضرت مترجم نے بڑی دیدہ ریزی سے فرمادی ہے۔

★—— حضرت مترجم و مؤلف کے دیباچوں کے علاوہ حضرت الحاج خان بہادر حافظ وجیہ الدین صاحب میرٹھی کے قلم سے دعاء کے فضائل پر مشتمل ایک مفید مقدمہ بھی ہے۔

★—— حروف نہایت جلی جنہیں اسّی سال کے بوڑھے بھی بے تکلف پڑھ سکیں، طباعت صاف اور روشن، کاغذ سفید چکنا نہایت مضبوط، ٹائیٹل بہت دبیز، سائز جیبی تاکہ سفر میں دقت نہو، صفحات ۲۴۴، بلامبالغہ صوری و معنوی خوبیوں سے آراستہ ایسی حزب اعظم ابتک ہند و پاکستان میں شائع نہیں ہوئی۔ کچھ نسخے حاصل کئے گئے ہیں، آج ہی طلب فرمائیں، ہدیہ مجلد پارچہ ۲ دو روپئے ۶ چھ آنے، غیر مجلد ۲ دو روپئے بارہ آنے، چار نسخوں کی یکجا فرمائش پر محصول ڈاک معاف،

منیجر الحرم مکتبہ علمیہ قاضی واڑہ میرٹھ

دیارِ شہِ انام صلی اللہ علیہ وسلم

دانش رضا عثمانی دیوبندی

شہِ انام کا دلکش دیار دیکھوں گا
ضیائے رحمتِ حق آشکار دیکھوں گا

سکونِ قلب میسر نہ ہو تو کیا پروا
رُخِ حبیب کو لیل و نہار دیکھوں گا

حریمِ روضۂ اقدس کا دلنشیں منظر
بفیضِ عشقِ نبیؐ بار بار دیکھوں گا

جھکاؤں گا درِ اقدس پہ اپنی پیشانی
مآلِ کاوشِ صبر و قرار دیکھوں گا

فرازِ گنبدِ خضرا ریاضِ رشکِ ارم
بکیفِ سرمدیِ دیوانہ وار دیکھوں گا

مزارِ سرورِ عالم کو دیکھ کر دانش
درِ رسولؐ کے نقش و نگار دیکھوں گا

معارف

شفیع قریشی۔ دتیادی

یہ اُنکی کم نگاہی ہے جو کہتے ہیں نہیں ہو تم
مری نظروں سے تو دیکھے کوئی کتنے حسین ہو تم

کمالِ حُسن کی حد ہے کہ اتنے دلنشیں ہو تم
مری نظروں سے پنہاں ہو کے بھی دلمیں مکیں ہو تم

مرے دلکو، مری نظروں کو ربطِ خاص ہے تم سے
میں تمکو ڈھونڈھ ہی لونگا دو عالم میں کہیں ہو تم

چھپا کر اہلِ باطل کی نگاہِ فتنہ پرور سے
تمہیں دل میں رکھتا ہوں کہ بیحد نازنیں ہو تم

شبابِ لالہ و گل دیکھ کر دل سے صدا آئی
ہر اک ہستی کے صانع! کتنے صورت آفریں ہو تم

عطا ہو رنگ رعنائی وہ میرے نقشِ قسمت کو
مجھے دنیا کہے "تصویرِ انساں کی جبیں ہو تم"

حقیقت کیا مرے عصیاں کی تم دونوں کی نظروں میں
شفیع المذنبیں ہیں "وہ" "الٰہ العالمیں" ہو تم

غمِ آزاد

نتیجۂ فکر جناب منیرؔ بھوجپوری

دم بخود ہے صورتِ آئینہ کیوں سارا جہاں
کس کے غم میں ہے سیہ پوش آج ہر پیر و جواں

گلشنِ ہستی کا ہر ذرہ ہے کیوں مستِ خروش
کیوں در و دیوار سے آتی ہے آوازِ فغاں

گوشے گوشے پر ہے طاری ایک غم پرور سکوت
اسقدر بے کیف سی کیوں ہے فضائے گلستاں

کیوں جبینِ گل پہ ہے افکار کی گہری شکن
کس لئے حسرت سے وا ہیں آج غنچوں کے دہاں

محفلِ علم و ادب کا بجھ گیا روشن چراغ
وائے حسرت ہو گیا تاریک اقلیمِ زباں

مئے سے خالی ہو گئی افسوس مینائے ادب
میکدہ سے حیف رخصت ہو گیا پیرِ مغاں

ہو گیا محروم خامہ شوخیٔ تحریر سے
خشک ہو کر رہ گئی تقریر کی جوئے رواں

چھن گئی گفتار کی یکسر ادائے دلبری
اب کہاں مضمون میں وہ لذتِ حسنِ بیاں

فکر کا دامن تہی ہے ندرتِ تخئیل سے
رفعتِ پروازِ عنقائے نظر میں اب کہاں

شاہدِ فن کی کرے گا کون اب مشاطگی
کون اب سلجھا سکے گا گیسوئے علم البیاں

لالہ و گل ہیں خیابانِ ادب میں سر بجیب
گلشنِ فکر و نظر بھی ہو گیا نذرِ خزاں

سوزِ آزادی سے تھا لبریز سازِ "الہلال"
ملک و ملت کو عطا جس نے کیا عزمِ جواں

پیکرِ گفتار میں روحِ خودی تھی جلوہ گر
اور سرِّ بے خودی کردار سے تیرے عیاں

خود پرستی سے رہا تا زندگی تجھ کو گریز
ہر گھڑی پیشِ نظر تھا قوم کا سود و زیاں

تھی تری تدبیر منزل انتخابِ روزگار
جسنے سلجھا دیں سیاست کی بہت سی گتھیاں

کیوں نہ ہو خوں بار غم سے دیدۂ اہلِ وطن
جانتے تھے تجھ کو فخرِ کشورِ ہندوستاں

مرشدِ میخانہ اک چشمِ عنایت نے تیری
جام بر داروں کو بخشی عظمتِ پیرِ مغاں

دور منزل تھی، ضعیفی تھی سفر دشوار تھا
چلتے چلتے سو گیا تھک کر امیرِ کارواں

صورتِ گل عندلیبِ خوش نوا خاموش ہے
بزمِ امکاں کا ہر اک ذرہ سراپا گوش ہے

تاریخی حقائق

از مولانا محمد ظفیر الدین رکن دار الافتاء دار العلوم دیوبند

حضرت نانوتوی کی زندگی کے بعض گوشے

(۲)

ہندوستان کی آب وہوا نے مسلمانوں میں بھی اونچ نیچ اور ذات پات کی بات پیدا کر دی تھی، حضرت نانوتویؒ کے زمانہ میں شرفاء کپڑا بننے والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے، مولانا امروہوی جو آپ کے شاگردوں میں تھے ان کا بیان ہے کہ ایک دن اسی برادری کے ایک آدمی نے حضرت مولانا کی دعوت کی، جسوقت مولانا نانوتویؒ نے اسکی دعوت قبول کی تو "مجھے اتنا ناگوار ہوا کہ جیسے کسی نے گولی ماردی"۔

حضرت نے اپنی فراست ایمانی سے میرے اس مرض کو بھانپ لیا، چنانچہ اس کے بعد دستور ہو گیا تھا کہ جب کوئی اسطرح کی دعوت دینے آتا اس سے فرماتے کہ میرے ساتھ مولوی احمد حسن کی بھی دعوت کرو، وہ بھی میرے ساتھ آئے گا، دعوت دینے والے ایسا ہی کیا کرتے، ان کا خود بیان ہے، "پھر خدا ہی جانتا ہے کہ اس سلسلہ میں مجھے کس کس کے گھر جانا پڑا، .... اور جب بالکل میرے قلب سے ناگواری نکل گئی، تب مولانا نے میری دعوت کی شرط ترک کر دی"۔ (ص ۱۴۰/۲)

اب یہ وسعت نظر اور تعمیر سیرت پر ایسی نظر کہاں باقی رہی؟ اب معاملہ زیادہ سے زیادہ آقا و غلام یا خادم مخدوم تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، حد یہ ہے کہ اب تزکیہ قلب کی بھی اہمیت ختم ہوتی جارہی ہے، اور کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے اس دور میں کسی کو دھیان تک نہیں ہوتا، اب تو اگر بہت خوش ہوتے تو ایک دو کتابیں منطق و فلسفہ یا ادب کی خارج اوقات میں استاذ نے پڑھا دیں اور بس،

آپ کے اسی باکمال عزیز شاگرد کا بیان ہے کہ میری پرورش ناز و نعمت میں ہوئی تھی اس لئے بڑا خوش لباس تھا، مگر اس کی اصلاح کیسے ہوئی، بیان کرتے ہیں،

"سیدنا الامام الکبیر کی خدمت میں کسی نے گاڑھے کا ایک تھان پیش کیا، قبول کر لیا گیا، اور درزی کو بلوا کر حکم دیا گیا کہ ایک انگرکھا تیرا اس سے تیار کر دو، اور اسی کے ساتھ ان (امروہوی) کو بلا کر فرمائش کی گئی دوسرا انگرکھا ان کے لئے اسی کپڑے سے نکالو، ..... درزی دونوں انگرکھے سی کر لے آیا، مولوی احمد حسن کے حوالہ گاڑھے کا وہی انگرکھا یہ ہدایت کرتے ہوئے کیا گیا کہ اسے تم پہنو" (ص ۱۴۱/۲)

ان امروہوی صاحب کا بیان ہے کہ میں نے لیکر صندوق کے حوالہ کر دیا، آپ نے جب دیکھا کہ پہنتا نہیں ہے، تو تقاضا شروع کر دیا،

"بھائی تم نے اس کو پہنا نہیں؟ آخر جب میں سمجھ گیا کہ مولانا نہیں مانیں گے، تو مجبوراً میں نے پہننا شروع کر دیا"

شاگردوں کی تعمیر سیرت کا جذبہ سچ بتلایئے، اب کتنا رہ گیا، اور کتنے اساتذہ میں، پھر اگر دن بدن اخلاق و اعمال میں پستی آتی جارہی ہے، تو واویلا کیسا؟

جسطرح تعمیر سیرت کا لحاظ لباس پوشاک میں تھا، وعظ و تقریر میں بھی، شاہجہاں پور کے میلہ خدا شناسی سے جب واپسی ہوئی تو شہر والوں کا اصرار ہوا کہ وہی تقریر یہاں بھی فرما دی جائے، جو میلہ میں کی گئی ہے، اس کے جواب میں حضرت نانوتویؒ نے فرمایا

"اس تقریر کو آپ لوگ سننا چاہتے ہیں، تو ان (مولوی احمد حسن امروہوی) سے سن لیجئے، کہتے تھے میں یہ سن کر کچھ ششدر سا رہ گیا، حضرت والد کی تقریر کا اعادہ .... ناممکن سا نظر آیا، ...... حکم تھا، اعادہ میں نے شروع کیا، پھر مجھے خبر نہ رہی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں لیکن جب تقریر ختم ہوئی، تو میلے میں سیدنا الامام الکبیر کی راہ راست تقریر سننے والوں نے شہادت دی کہ من وعن وہی تقریر تھی، جو مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے فرمائی تھی" (ص ۱۴۳/۲)

دیکھا آپ نے، کہ اساتذہ اپنے تلامذہ کی تربیت کیسے فرماتے تھے، ایمان داری سے بتایئے کیا اب بھی یہ طریقہ ہمارے اس دور میں

اختیار کیا جاتا ہے، پھر اہل علم علماء ناپید ہوتے جا رہے ہیں، تو حیرت کیوں ہے،

طلبہ میں خود اعتمادی پیدا کرانے کی سعی نہیں کی جاتی، بلکہ الٹے احساس کمتری کا جذبہ ابھارا جاتا ہے، نالائق اور نافہم کہا جاتا ہے، اور اسی کو راسخ کرنے کی عملی کوشش ہوتی ہے، فیا للعجب،

اسی طرح حضرت نانوتوی نے ایک دفعہ اپنی جگہ حضرت مولانا عبید اللہ انبیٹھوی کو تقریر کے لئے کھڑا کر دیا حالانکہ وہ اس زمانہ میں شرح جامی پڑھتے تھے، ان کا خود بیان ہے

"باوجود میرے انکار کے حضرت نے مجھے کھڑا کر دیا، میں لرزاں و ترساں ممبر کے پاس کھڑا ہو گیا، خطبہ بھی پڑھ لیا، حدیث بھی پڑھ لی، اور کچھ ترجمہ وغیرہ شروع کیا...... پھر مجھے خبر نہ رہی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، تقریباً دو ڈھائی گھنٹہ میں نے بیان کیا...... لوگوں نے کہا کہ اونچے اونچے علوم بیان کئے" (صہ ۲۴۳)

کوئی شبہ نہیں جیسا کہ واقعہ میں صراحت ہے کہ یہ سب حضرت کی توجہ کا نتیجہ تھا، مگر مجھے اس طرف توجہ دلانا ہے کہ دیکھیے حضرت کس طرح آدمی تیار کیا کرتے تھے، جتنا خود کہہ کر خوش نہیں ہوتے تھے اپنے عزیزوں سے تقریر کرا کر خوش ہوتے تھے، سیرت کی تعمیر اسی ایثار قربانی اور خلوص سے ہوتی ہے، مگر آج ان باتوں پر کون دھیان دیتا ہے،

کاش ہند و پاک کے اساتذہ سوانح قاسمی کو تعمیر سیرت کے لئے پڑھتے، اور نام لینے کے ساتھ حضرت نانوتوی کی عملی زندگی سے اپنے اندر عمل کا جذبہ بھی پیدا کرتے، مگر افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے نوجوان علماء اس آزادی بھارت میں بھی اسی نقش قدم پر چلنے کی جد وجہد کرتے ہیں، جو زمانہ غلامی کی پیداوار رہا ہے، یاد رکھیے اب تنقید کی جگہ تربیت اور تخریب کی جگہ تعمیر کی ضرورت ہے، اور منفی پہلو سے ہٹ کر مثبت پہلو پر گامزن ہونے کا زمانہ ہے، ورنہ پچھتانا پڑے گا،

حضرت نانوتوی میں غیرت و خودداری کا جذبہ بچپن سے تھا، اپنے بچپن میں جب آپ دیوبند کے "مہتدی مکتب" میں پڑھتے تھے، قیام اپنے ایک قریبی رشتہ دار کے یہاں تھا، اس زمانہ میں آپکا حال یہ تھا: "مولانا نانوتوی فرماتے تھے کہ میں نے کبھی تازہ یا باسی روٹی، یا دانہ دنکا اٹھائی گھٹائی اپنی زبان سے نہیں مانگی، اگر کسی نے دے دیا لے لیا اور کھا لیا، ورنہ خیر، بعض دفعہ بھوک بہت لگتی، مگر مانگنے کی تکلیف کو بھوک کی تکلیف پر گوارا کر کے صبر کرتا" (صہ ۱۸۲/۱)

اب بچوں اور طالب العلموں میں یہ جذبہ خودداری کم ہوتا جا رہا ہے، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آگے چل کر وہ بے حیائی پر اتر آتے ہیں، طلبہ کو اسطرح کے واقعات سے سبق لینا چاہیے، اور سوال کی ذلت کا احساس زیادہ سے زیادہ کرنا چاہیے، تاکہ عالموں کا وقار آئندہ بھی باقی رہ سکے،

حضرت نانوتوی نے اپنی طالب علمی میں وقت ضائع نہیں کیا، بلکہ ایک طالب العلم کو جیسا کرنا چاہیے کیا، چھٹی کے دنوں میں پوچھ پاچھ بحث مباحثہ کا سلسلہ جاری رکھا، لکھا ہے:

"قیام دہلی کے ابتدائی دنوں میں...... صرف، نحو، جو اس زمانہ میں آپکے تدریسی علوم تھے، ان کے متعلق...... مولانا مملوک علی کے دولت خانہ پر خصوصیت سے شب جمعہ میں جس میں چھٹی ہوتی تھی، صیغوں اور ترکیبوں کے پوچھنے اور مشق کرنے کا سلسلہ جاری رہتا تھا، (صہ ۲۲۱)

طالب العلموں میں اب یہ بحث مباحثہ کی علمی مجلس کہاں باقی رہی، اب اسکی جگہ لایعنی باتوں شکوہ شکایت، غیبت و چغل خوری اور فحش مذاق نے لے لی ہے، جس کمرہ میں پہنچ جایئے، یا تو کسی کی غیبت ہو رہی ہوگی، کسی پر تنقید، ورنہ یا دہی مخرب اخلاق مذاق، دل لگی، کاش طلبہ سوچتے کہ آدمی بڑا کیسے بنتا ہے،

اسی دور میں جب کسی اجنبی طالب العلم سے پہلی ملاقات ہوتی تو سب سے پہلے سوال و جواب میں اس کا علم جانچا جاتا کہ کس درجہ میں ہے، دلی میں آپکو بھی یہ واقعہ پیش آیا، ایک مسجد میں کچھ طلبہ پڑا کرتے تھے انھوں نے معاف نہیں کیا، بلکہ

"پوچھ پاچھ بحث شروع ہوئی...... بحث مباحثہ کی ابتدا مسجد کے طالب العلموں کی طرف سے ہوئی، جب تک وہ اپنی کہتے رہے، مولانا خاموشی کے ساتھ ان کی باتیں سنتے رہے، جب ان کی باتیں ختم ہو گئیں ...... تو مولوی (محمد قاسم) صاحب کی باری آئی، سب پر غالب آ...

(صہ ۲۲۴/۱)

افسوس طلبہ میں اب یہ ذوق باقی ہی نہیں رہا، اب افسانہ، ناول اور سینما سے کہاں مہلت، ابتدائی دور میں چونکہ یہ ذوق دلوں میں راسخ نہیں ہوتا، اس لئے بڑے ہو کر بھی کتب بینی اور مطالعہ کا ذوق پیدا نہیں

کتابیں دیکھ کر ہی موت کا فرشتہ نظر آنے لگتا ہے،

کسطرح سمجھا یا جائے کہ تعمیر سیرت میں مطالعہ کو بڑا دخل ہے، اور علمی کمالات میں بھی، مگر آہ حالات دیکھ کر کہنا ہی پڑتا ہے، ؎

خواب تھا جو کچھ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

آدمی اپنے بچپنے ہی سے مشہور ہوتا ہے، لکھا ہے کہ دلّی کے اس طالب العلمانہ مباحثہ میں حضرت نانوتوی رح ہمیشہ کامیاب ہوتے، اور یہی نہیں بلکہ ساتھیوں کا بیان ہے،

"ہم میں جو کوئی مغلوب ہوتا، مولوی صاحب سے مدد چاہتا، یا مولوی صاحب خود اس کی مدد کرتے" (ص ۲۳ ج ۱)

اسے کہتے ہیں طالب العلمی، اب ہمارے زمانہ کے طلبہ کو عشق و محبت کی زلف دراز سے کہاں چھٹی ملتی ہے؟ کہ وہ اپنا عزیز وقت اس علمی تفریح میں صرف کریں، دل پر چوٹ لگتی ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے کیا زمانہ آگیا؟

غالب نے درست کہا تھا ؎

عشق نے غالب نکما کر دیا ✽ ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

اس علمی ذوق کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت نانوتوی اپنے ساتھیوں میں سب سے نمبر لے گئے، حالانکہ کوئی خاص محنت اور توجہ صرف نہیں کی حضرت مولانا یعقوب صاحب کا آنکھوں دیکھا بیان ہے کہ حضرت

"معقول کی مشکل کتابیں، میرزاہد، قاضی، صدرا، شمس بازغہ ایسے پڑھا کرتے تھے جیسے حافظ منزل سناتا ہے" (ص ۲۴ ج ۱)

اور یہ حالت بھی کس حالت میں کہ "صدرا، شمس بازغہ کا کبھی ترجمہ نہیں کیا اور نہ مطالعہ" (ص ۲۴ ج ۱)

ہمارے اس زمانہ میں کسی طالب العلم کو یقین بھی نہیں آئے گا، کہ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے، مگر جو واقعہ ہے اسے کون جھٹلا سکتا ہے: خداداد بصیرت تو تھی ہی، مگر ساتھ ہی اس میں علمی ذوق، ابتدائی کتابوں میں محنت اور رجحان قلبی کا بھی دخل ہے، جس کی ہمارے اس دور میں بڑی کمی ہے،

واقعۂ معراج کی تحقیق

حضرت مدنی رحمۃ اللہ تعالےٰ کی ایک علمی تقریر

(نقل کردہ مولانا یعقوب سمٰعیل قاسمی بھٹکودرا)

۱۳۶۳ھ میں، دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کا یہ معمول تھا کہ سہ شنبہ کی رات کو طلبہ کے سوالات کے جوابات بصورت تقریر دیا کرتے تھے۔ مضمون ذیل حضرت اقدس رح کی ایک تقریر ہے جو ۲۶ صفر ۱۳۶۳ھ کو ارشاد فرمایا گیا اور احقر نے اسے نوٹ کیا۔

معراج کے دو حصے ہیں ایک کو تو اسراء کہا جاتا ہے دوسرے کو معراج اسراء کا بیان پندرہویں پارے کی ابتدائی آیت سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی میں ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت الحرام سے بیت المقدس تک لے جانے کا بیان ہے معراج کے اس حصہ پر ایمان لانا ضروری اور اسکا انکار کفر ہے، اس کے آگے کا ذکر احادیث شریفہ میں ہے معراج پر لوگوں نے کئی اشکالات پیش کئے ہیں مثلاً یہ واقعہ جسمانی تھا یا کہ روحانی بحالت نوم تھا کہ بیداری میں۔

اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ معراج کا واقعہ بیداری کی حالت میں جسم کے ساتھ ہوا ہے علامہ شبلی رح نے اس خیال کے اظہار میں سخت غلطی کی ہے کہ یہ واقعہ منامی ہے اور دلیل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امیر معاویہ رض کی روایت کو پیش کیا ہے مگر انکی سند کو ذکر نہیں کرتے حضرت انس رض اور دیگر صحابہ کرام رض سے 'صحاح میں' بیداری کی روایات کثرت سے ہیں حضرت عائشہ رض کی روایت جمہور کے خلاف قوی سند نہیں علامہ شبلی رح کا دلیل میں اس کو پیش کرنا صحیح نہیں دوسرے بیداری اور نوم کے روایات میں کوئی تخالف نہیں ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منامی حالت میں بھی معراج کی ہو اور پھر بیداری میں جسم کے ساتھ ہوئی ہو، ہمارے پاس آیات اور روایات بیداری پر دال موجود ہیں، قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى الَّذِیْ بَارَكْنَا حَوْلَهٗ (تسبیح کے لائق ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرد اگرد ہم نے اپنی برکتیں نازل کیں)

تسبیح انسان ہمیشہ امر عظیم پر کہتا ہے باری تعالیٰ کا تسبیح کو ذکر کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ یہ اسراء کا واقعہ امر عظیم ہے اس کو سن کر تسبیح پڑھنی چاہیے خواب میں کوئی چیز دیکھنا یہ کوئی امر عظیم نہیں کیونکہ عالم رؤیا میں انسان بہت سی عجائبات کو دیکھتا ہے مگر اس پر کوئی تعجب نہیں کرتا تو قبل از بیان واقعہ تسبیح کا ذکر کرنا ظاہر کرتا ہے کہ یہ واقعہ بیداری کا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کو اس واقعہ کا ذکر قریش کے سامنے کیا تو قریش نے اسکا انکار کیا اور بہت شور و شغب کیا ظاہر ہے کہ خواب کی باتوں پر انکار نہیں ہوا کرتا (اس سے ثابت ہوا کہ واقعہ بیداری کا ہے)

تیسری چیز یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا ذکر کیا تو بعض مسلمان مرتد ہو گئے ہیں اور کہا کہ یہ محال امر ہے اگر عالم خواب کا یہ واقعہ ہوتا تو کوئی مرتد نہ ہوتا اور نہ امر محال سمجھتا۔

چوتھی بات یہ کہ عبد کا لفظ مجموعہ روح و جسم پر اطلاق کیا جاتا ہے فقط روح پر نہیں

پانچویں بات یہ کہ بخاری شریف میں آیت وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِیْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (اور جو دکھاوا ہمنے آپ کو دکھایا اسے لوگوں کے لئے امتحان کا

ذریعہ بنایا) کی تفسیر حبر امت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ فرمائی کہ رؤیا عین (آنکھ) سے جو رسول اللہ صلعم کو دکھایا گیا تھا اور امتحان اسی چیز میں ہوتا ہے جو کہ خلاف عادت ہو اور لوگ اسکے انکار میں مبتلا ہو جائیں اگر معراج منامی یا روحانی ہوتی تو نہ کوئی انکار کرتا اور نہ امتحان ہوتا یہ امر بھی قابل غور ہے کہ فرمایا گیا مَا زَاغَ الْبَصَرُ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصر نے غلطی نہیں کی بصر آنکھ کی بینائی کو کہتے ہیں نہ کہ قلب کی بینائی کو،

چھٹی چیز یہ ہے کہ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے لئے براق نامی جانور پر لے جایا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ روح کو اپنی نقل میں سواری کی ضرورت نہیں ہوتی،

ساتویں چیز یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی روایات میں شق صدر کا ذکر ہے یہ ضرورت جسم کیلئے ہوتی ہے کیونکہ جسم مختلف عناصر سے مرکب ہے اسکی کمزوری کو دور فرما کر قوی بنانے کے لئے شق صدر ہوا تھا روح کو شق کی ضرورت نہیں۔

دوسرا اعتراض اس واقعہ پر یہ کیا جاتا ہے کہ اتنی دور کی مسافت اتنی جلدی کیسے طے کر لی پانچسو برس کی دوری ہر آسمان کے درمیان بتائی جاتی ہے تو اس حساب سے تین ہزار پانچسو سال کی مسافت اتنے جلدی کیسے طے ہوگی؛

یہ اشکال آج کی سائنس دنیا میں بہت ہی لچر ہے آج کی سائنسی دنیا میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سائنس نے ایسے آلات ایجاد کئے ہیں کہ آدمی ایک گھنٹہ میں ہی ہزار میل کی مسافت طے کر لیتا ہے معتزلہ اور فرق مبتدعہ نے اس بات کا انکار اسوجہ سے کیا کہ انکی سمجھ میں نہیں آیا سائنس والے اس بات کے قائل ہیں کہ زمین اپنا دورہ چوبیس گھنٹہ میں پورا کرتی ہے اور اس عرصہ میں اسکی مسافت ۹ کروڑ پچانویں لاکھ چورانوے ہزار پانچسو میل کی ہوتی ہے اس حساب سے فی منٹ اسکی مسافت ایک ہزار ایک سو چھ میل اور کچھ اوپر ہوتی ہے تو اتنا بڑا جسم اتنی سرعت کے ساتھ چلتا ہے تو ایک ڈھائی گز کے انسان کو وہی طاقت دی جائے تو معلوم کتنی مسافت طے کریگا اسی طرح آفتاب کی جو رفتار ہے وہی رفتار رسول اللہ کے براق کو دیدی جائے تو کیا استحالہ ہے

ایک اشکال اس واقعہ پر یہ کیا جاتا ہے کہ زمین کی ہوا مخلوط ہے کثافت سے اس میں آکسیجن ہے اور اوپر کی ہوا نہایت لطیف ہے ایسی لطیف ہوا میں انسان زندہ نہیں رہ سکتا تو آپ کیسے زندہ رہے؟ اسکا ایک جواب تو یہ ہے کہ انسان حبس نفس بھی کر سکتا ہے ہندوستان کے جوگیوں نے بسا اوقات چھ چھ ماہ تک ایک دم میں گزارے ہیں اور یہ مشق بڑھ سکتی ہے محمد تغلق کے زمانہ میں ایک جوگی کو تین روز تک قبر میں بند رکھا گیا، تین دن بعد قبر کھولی تو وہ زندہ تھا تو انسان اور وہ بھی کافر اپنی کوشش سے یہ کر سکتا ہے تو نبی کے لئے کیا استحالہ ہے،

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے آسمان پر اٹھا لیا ہے اور وہ زندہ ہیں اور آخری زمانہ میں دنیا میں اتر کر دجال کو قتل کریں گے تو آپ کا مسافت طے کرنے میں زندہ رہنا کیا محال ہے، تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بہت سے جاندار کا مدار زندگی سانس کو نہیں بنایا بلکہ وہ بلا سانس زندہ رہتے ہیں تو ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ قدرت دے دی گئی ہو

نیز سائنس دانوں نے ایسی کشتیاں بنا لی ہیں جن میں گھنٹوں دنوں تہ آب رہ سکتے ہیں۔ ان میں ہوا کا انتظام کر لیا گیا ہے تو اگر انسان ایسے انتظامات کر سکتے ہیں، تو کیا خداوند تعالیٰ ایسا انتظام اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہیں کر سکتا۔

ملدیہ

افاداتِ حضرت مجدّد سرہندیؒ

مصیبت کے فوائد، مرنیوالوں کیلئے دعاء کی ضرورت

مکتوب ۱۵۹

شرف الدین حسین بدخشی کے نام صادر ہوا۔ تعزیت میں۔

اگرچہ آلام ومصائب ظاہر میں تلخ ہوتے ہیں اور جسم کو تکلیف پہنچانے والے لیکن باطن میں شیریں ہوتے ہیں اور روح کو لذت بخشنے والے اسلئے کہ گویا جسم و روح ایک دوسرے کے نقیض (مخالف) واقع ہوئے ہیں۔ ایک کی تکلیف دوسرے کی لذت کو مستلزم ہے جو پست فطرت ان دونوں نقیضوں اور انکے لوازم میں تمیز نہیں کرسکتا خارج از بحث ہے وہ گفتگو کا اہل نہیں۔ اولٰئک کالانعام بل ھم اضل (یہ لوگ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ)

آنکہ از خویشتن چونیست خبیر   چہ خبر دارد از چناں و چنیں

(بچہ ماں کے پیٹ میں جب اپنی ہستی ہی سے واقف نہیں۔ اس کو دوسری باتوں کی کیا خبر ہو سکتی ہے؟)

جس شخص کی روح اپنے مرتبہ سے تنزل کرکے جسم کے مرتبہ میں آرہی ہو اور اسکا "عالم امر" "عالم خلق" کا تابع ہو چکا ہو وہ اس راز کی حقیقت کیا سمجھ سکتا ہے جب تک اس کی روح اپنے اصل مقام پر واپس نہ لوٹ جائے اور عالم امر عالم خلق سے ممتاز نہ ہو جائے اس معرفت کا جمال اس کی نگاہوں کے سامنے جلوہ گر نہیں ہو سکتا۔ اس نعمت کا حصول اس موت کے ساتھ وابستہ ہے جو جسمانی موت سے پہلے واقع ہو۔ مشائخ طریقت قدس اللہ تعالےٰ اسرارھم اس موت کو فنا کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

خاک شو خاک تا بروید گل   کہ بجز خاک نیست مظہر گل

(خاک ہو خاک تاکہ پھول اگیں   کہ خاک میں ہی پھولوں کا ظہور ہو سکتا ہے)

جو شخص مرنے سے پہلے نہ مرا اسکو مصیبت زدہ سمجھنا چاہیئے اور اس کی تعزیت کرنی چاہیئے،

جناب کے والد مرحوم جو نیکنامی میں شہرت رکھتے تھے اور امر معروف و نہی منکر کو دستور العمل بنائے ہوئے تھے انکے انتقال کی خبر مسلمانوں کے لئے باعث غم واندوہ ہوئی، اِنّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون۔ آں فرزند کو صبر کا طریقہ اختیار کرکے رخصت ہونے والوں کی صدقہ و دعاء اور استغفار سے مدد کرنی چاہیئے۔ کہ مرنے والوں کو زندوں کی اس قسم کی مدد کی بہت زیادہ حاجت ہوتی ہے۔ حدیث نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰت والتحیات میں آیا ہے۔

مَا الْمَیِّتُ اِلَّا کَالْغَرِیْقِ الْمُتَغَوِّثِ یَنْتَظِرُ دَعْوَۃً تَلْحَقُہٗ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ اَخٍ اَوْ صَدِیْقٍ فَاِذَا لَحِقَتْہُ کَانَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا وَاِنَّ اللّٰہَ لَیُدْخِلُ عَلٰی اَھْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ اَھْلِ الْاَرْضِ اَمْثَالَ الْجِبَالِ (مِنَ الرَّحْمَۃِ) وَاِنَّ ھَدِیَّۃَ الْاَحْیَاءِ اِلَی الْاَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ۔ (مشکوۃ باب الاستغفار)

(میت کا حال اس ڈوبنے والے کا سا ہے جو چاہتا ہے کہ کوئی اسکی فریاد کو پہنچے۔ وہ اپنے باپ، ماں، بھائی اور دوست کی دعاء کا منتظر رہتا ہے جب یہ دعا اسکے پاس پہنچتی ہے تو اسے وہ دنیا ومافیہا سے زیادہ پسند کرتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ دنیا والوں کی دعا سے مرنے والوں پر پہاڑوں کے برابر رحمت نازل فرماتا ہے۔ اور زندوں کا تحفہ مرنے والوں کے لئے انکے لئے طلب مغفرت ہے)

بقیہ نصیحت یہ ہے کہ ذکر کو جاری رکھیں اور فکر کو نہ چھوڑیں۔ حقیقت یہ ہے کہ (زندگی کی) فرصت کم ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اہم ترین کاموں میں اس کو صرف کیا جائے۔ والسلام،

(حضرت٭ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالےٰ کے مکتوبات معارف شریعت کا خزینہ اور لطائف طریقت کا دفینہ ہیں۔ علماء ومشائخ عصر ان سے استفادہ کی ہدایت فرماتے رہتے ہیں۔ الحرم کے ابتدائی دور میں حضرت مولنٰا حبیب الرحمان لدھیانوی رح کے قلم سے ان کا ترجمہ شائع ہوتا رہا جسے خواص وعوام کے حلقوں میں بہت پسند کیا گیا، مولنٰا کے انتقال کے بعد یہ سلسلہ رک گیا۔ ٭

٭ اب بعض ناظرین کی خواہش کے مطابق سے دوبارہ جاری کیا جا رہا ہے۔ مدیر)

ہندوستان کے ممتاز دینی و علمی ماہنامہ الحرم میرٹھ کا خاص نمبر

حضرت مدنی نمبر

ظاہری و باطنی محاسن سے آراستہ ہو کر شائع گیا

★ ——— حضرت مدنی رح کی مقدس زندگی کے علمی دینی روحانی اور سیاسی پہلوؤں پر ایمان افروز مقالات

★ ——— شریعت و طریقت کے جواہر نوادر پر مشتمل حضرت مدنی رح کے غیر مطبوعہ مکتوبات

★ ——— حضرت مدنی کی شان میں ممتاز شعراء کے وجد آفرین نغمات

اس معرکۃ الآراء نمبر کی ترتیب میں حضرت مولانا محمد طیب مہتمم دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا سید محمد میاں ناظم جمعیۃ علماء ہند، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن، مفتی اعظم دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی پرنسپل کلکتہ مدرسہ، حضرت مولانا احتشام الحسن کاندھلوی مولف تجلیات کعبہ جیسے مشاہیر اہل علم و اصحاب قلم نے حصہ لیا ہے اور خاص طور پر اس کے لئے مضامین تحریر فرمائے ہیں،

"حضرت مدنی نمبر" کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ہر مضمون حضرت رح کی زندگی کے کسی خاص پہلو پر مکمل روشنی ڈالتا ہے، کوئی مضمون مکرر نہیں ہے اور نہ کوئی مقالہ یا نظم کسی دوسرے رسالہ یا کتاب سے منقول ہے، مضامین اور نظموں کے علاوہ آخر کے ۳۶ صفحات میں حضرت رح کی مکمل و جامع سوانح حیات بھی شامل ہے، جسے پڑھ کر دل میں یقین، آنکھوں میں نور اور اعضاء میں قوت عمل پیدا ہوتی ہے،

تقطیع ۱۸×۲۲ متوسط و موزوں، صفحات ۱۲۸، سرورق دلکش و نظر افروز، قیمت ایک روپیہ محصول مع رجسٹری ۱۰/

الحرم کے مستقل خریداروں کو سالانہ چندہ میں ہی پیش کیا جا رہا ہے

آج ہی تین روپے آٹھ آنے سالانہ چندہ مع فیس رجسٹری بھیجکر مدنی نمبر بھی حاصل کیجئے اور سال بھر تک الحرم سے بھی استفادہ کیجئے،

ہدایات:— (۱) مدنی نمبر کی قیمت یا الحرم کا سالانہ چندہ منی آرڈر سے بھیجئے، وی۔ پی نہیں بھیجا جاتا۔
(۲) ایجنٹ و تاجران کو کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر ۲۵ فیصد کمیشن دیا جائے گا مگر محصول ڈاک انکے ذمہ ہوگا،

پاکستان میں ارسال رقم کا پتہ:— منیجر کوثر بک ایجنسی C/۱۱ شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

منیجر الحرم۔ قاضی منزل۔ قاضی واڑہ میرٹھ

جن خریداروں کا حساب صاف نہیں ان کو مدنی نمبر نہیں بھیجا جائے گا۔

★ ————— مولانا عتیق صدیقی مفتاحی

شیخ الاسلامؒ اور آزاد ہندوستان

(حضرت مدنیؒ کی تصنیف "نقش حیات" میں درج شدہ بعض اقتباسات کی صحیح حیثیت متعین کرنے اور ان کا صحیح مفہوم سمجھنے میں غلطی کی وجہ سے بعض دوستوں کو یہ شبہ ہوا کہ حضرت مدنیؒ کی رائے میں موجودہ ہندوستان کی حیثیت "دارالاسلام" کی ہے۔ اور حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک جہاد کا مقصد بھی "مشترکہ قومی حکومت" قائم کرنا تھا۔

اس غلط فہمی کی بنا پر پچھلے دنوں اس موضوع پر موافق و مخالف مضمون بھی لکھے گئے۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ افسوسناک بحث بحسن و خوبی اسطرح ختم ہوگئی کہ مولوی محمد فاروق صاحب مدرسہ دینیات کوہنڈہ اعظم گڑھ نے براہ راست حضرت مدنیؒ سے اسکے متعلق استفسار کیا۔ حضرت مدنیؒ نے اپنے مکتوب گرامی مورخہ ۸ ذی قعدہ ۱۳۷۶ھ میں اسکا حسب ذیل جواب دیا:—

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف۔ والا نامہ مورخہ ... شوال مطابق ۱۹ مئی باعث سرفرازی ہوا تھا جس میں تین اعتراضات نقش حیات جلد ثانی پر تھے۔ میں بوجہ بیماری اور عدیم الفرصتی جواب لکھنے سے معذور رہا اور آج کی تاریخ آگئی۔ امیدوار معافی ہوں۔

(پہلا اعتراض) موجودہ سیکولر اسٹیٹ کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی تعریف دارالاسلام پر "دارالاسلام" قرار دیا ہے۔

محترما، میں نے کسی جگہ کتاب مذکور میں اس سیکولر اسٹیٹ کو "دارالاسلام" نہیں لکھا ہے۔ نہ جمہور کے قول پر اور نہ حضرت شاہ صاحب کے قول پر۔ پھر میں نہیں سمجھتا کہ آپ کا یہ اعتراض کسطرح وارد ہوتا ہے۔ موجودہ حکومت کے جن شرمناک کارناموں کا آپ ذکر فرما رہے ہیں مجھ کو ان کا انکار نہیں ہے، پھر میں کسطرح اس کو دارالاسلام قرار دے سکتا ہوں۔ اور اگر کسی جگہ موجودہ سیکولر اسٹیٹ کی تائید کرنے کے الفاظ سے آپ نے اس کو سمجھا ہے تو وہ از قبیل اہون البلیتین ہے نہ بحیثیت دارالاسلام ہے ———

دوسرے اور تیسرے اعتراض میں آپ کا یہ اعتراض کہ حضرت سید صاحبؒ کو سیکولر اسٹیٹ بنانے کا ارادہ کرنے والا اور صرف انگریزوں کو نکالنے والا میں قرار دیتا ہوں بالکل خلاف واقع اور تصریحات سے روگردانی ہے۔ بہرحال یہ نتیجہ اکالنا صحیح نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض کوئی عبارت ایسی ہے جس کی دلالت مطابقی یہی ہے دوسری توجیہ اس میں نہیں ہوسکتی تو وہ غلط ہے میں اس سے رجوع کرتا ہوں۔ والسلام، ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ از دارالعلوم دیوبند۔

یہ مکتوب "دعوت" دہلی میں شائع ہوا ہے جو جماعت اسلامی کا داعی و نقیب ہے۔

مندرجہ ذیل مضمون میں فاضل مضمون نگار نے اسی مکتوب کی روشنی میں مباحث مذکورہ کی وضاحت کی ہے۔ ہماری رائے میں حضرت مدنیؒ نے یہ مکتوب تحریر فرما کر اور "دعوت" نے اسے شائع کرکے اس بحث کو تشفی بخش طریقہ پر ختم کردیا ہے۔ اب اس سلسلے میں مزید قیل و قال کی ضرورت نہیں۔ ہم نے دعوت و ارشاد کے قرآنی اصول کے تحت اس مضمون کو بعض ترمیمات کے بعد شائع کردیا ہے

امید کہ فاضل مضمون نگار ہماری معذرت قبول فرمائیں گے ــــــــ

یہ ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا کہ جہاں کسی ہر دلعزیز شخصیت کے لاکھوں ماننے والے ہوتے ہیں، وہیں کچھ افراد ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کو کسی نہ کسی وجہ سے ان سے مخالفت بھی ہوتی ہے۔ گو یہ قطعی ضروری نہیں ہے کہ جو مخالفین کی صف میں ہوں، وہ بدخواہ بھی ہوں، اگرچہ آجکل عموماً یہی دیکھا جاتا ہے، لیکن پھر بھی ان میں ایک بڑی تعداد ان مخلصوں کی ہوتی ہے، جو صرف رائے سے اختلاف رکھتے ہیں، ذات سے کوئی چڑھ نہیں رکھتے،

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ ان صاحب فضل و کمال اور گنے چنے افراد میں تھے، جو کروڑوں میں دوچار ہوتے ہیں، اور صدیوں میں ایسی جامع شخصیت پیدا ہوتی ہے، دنیا اور ہند و پاک میں جہاں بیشمار مسلمان آپ سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں، اور کروڑوں انسان احترام و اکرام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس سرزمین ہند و پاک پر کچھ ایسے افراد بھی بستے ہیں، جن کو آپ سے جزوی اختلاف ہے،

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی، کہ جو کرتے تھے، سوچ سمجھ کر کرتے تھے، اور جب کتاب و سنت کی روشنی میں ایک راستہ طے کر لیتے تھے، تو ایک انچ اس سے پیچھے ہٹنے کو آمادہ نہیں ہوتے تھے، خواہ اس کے لئے کتنی ہی مصیبتیں کیوں نہ برداشت کرنی پڑیں، دھن کے سچے اور عزم کے پہاڑ تھے جس کو دنیا کا کوئی طوفان اپنی جگہ سے کھسکا نہیں سکتا تھا،

آپ نے اپنے اکابر و مشائخ کے مسلک اور کتاب و سنت کی روشنی میں جس دن سے یہ فیصلہ کر لیا کہ ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد مسلمانوں کا فریضہ ہے، پھر ظلم و جور، اور مصائب و آلام کو خاطر میں لائے بغیر میدان میں اتر آئے، اور اسوقت تک لڑتے رہے، جب تک ملک کو آزاد نہ کرا لیا، یہ آزادی کی پہلی منزل تھی، منزل مقصود نہ تھی، اگر عمر کے ضعف نے نڈھال نہ کر دیا ہوتا، تو آپ چین سے نہ بیٹھتے، اور پھر بھی اطمینان و سکون سے کہاں بیٹھے، دو ماہ مسلسل کبھی مدرسہ اور گھر میں خاموش ہو کر زندگی نہ گذاری، خدا کا یہ وفادار بندہ ملک کی خاک چھانتا پھرا، اور لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا رہا،

ہندوستان کی آزادی سے بہت پہلے آپ نے لکھا تھا:-

"بلاشبہ اسلامی قوانین ہی حقیقی امن و سلامتی کے ضامن ہیں، ہندوستان کی مشترکہ حکومت میں ان قوانین کی حاکمیت مطلقہ قائم نہ ہوگی، اور نہ حدود شرعیہ جاری ہوں گی، لیکن یہ خود مسلمانوں کا علمی و عملی فریضہ ہے، کہ وہ دوسری قوموں سے اسلامی قوانین کی یہ حیثیت تسلیم کرا لیں، اس لئے العین آخری منزل مقصود نہیں ہو سکتی، مسلمانوں کے لئے سعی و عمل کی راہیں کھلی ہوئی ہیں، ہندوستان کی آزادی سے یہ راہیں ہموار ہو جائیں گی" (مکتوبات جلد دوم ص۱۴۳)

اسلام کے قوانین کی حقانیت آپ زور زبردستی نہیں، بلکہ پاکیزہ اعمال و اخلاق کے ذریعہ منوانا چاہتے تھے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام ایک تبلیغی دین ہے، یہ تبلیغ ہی سے پھیل سکتا ہے، نفرت پھیلانے سے بارآور نہیں ہو سکتا، یہی وجہ ہے کہ آپ نفرت کرنے والوں سے محبت کے ساتھ پیش آنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے،

ایک دفعہ جب کسی نے آپ کو لکھا کہ چھوت چھات کرنے والوں کے ساتھ ہمیں بھی ان جیسا ہی برتاؤ کرنا چاہئے، تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا!

"چونکہ اسلام تبلیغی مذہب ہے، اسلئے اس کا فریضہ ہے کہ جسقدر ہو سکے غیر کو اپنے میں ہضم کرے، نہ یہ کہ ان کو دور کرے، اسلئے اگر ہمسایہ قومیں ہم سے نفرت کریں، تو ہم کو ان کے ساتھ نفرت نہ کرنا چاہئے"،

آپ نے پھر تفصیل سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی اور آخر میں تحریر فرمایا!

"اسلام پدر شفیق ہے، اسلام مادر مہربان ہے، اسلام ناصح خیر خواہ ہے، اسلام جالب اقوام ہے، اسلام ہمدردی بنی نوع انسان ہے اس کو غیروں سے جزا و سینہ سیئۃ مثلہا پر کاربند ہونا شایاں نہیں .... بلکہ اس کی غرض سدّ باب جو حسنہ، کفرت بھی اسلام ...... نے عدل و انصاف نہیں کیا اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً وغیرہ شاہد عدل، انصاف و احسان کو ہاتھ سے نہ چھوڑا" (مکتوبات جلد دوم ص۱۲۶)

بس یہ آپکے نظریہ کا ماحصل تھا، جسے مختصر طور پر ادا کیا جا سکتا ہے، آپ آنکھیں بند کر کے کوئی بات نہیں کہتے تھے، ذہنی اسکیمیں بنانا آسان ہے، مگر عمل کی دنیا میں اس پر عمل کر کے دکھانا سہل نہیں، حضرت شیخ الاسلام؟ جو کہتے عملی دنیا کے نقشہ کو سامنے رکھ کر کہتے، متحدہ ہندوستان کی آزادی جس میں مدنی فارمولا مد نظر تھا، اور اس فارمولا کے پیش نظر آپنے لکھا تھا

"مضامین جو مرکزی حکومت کے ماتحت ہونگے، بہت ہی محدود ہوں گے .... اس کے علاوہ تمام معاشرتی اور تمدنی مسائل صوبوں کے تحت اختیارات ہونگے اسلئے اس سلسلہ میں قوانین شرعی کے اجراء کے نفاذ کا مسئلہ صوبائی حکومتوں سے تعلق ہے، مسلم اقلیت کے صوبوں میں بھی ایسے دفعات دیئے جائیں گے کہ مسلمانوں کے اپنے قوانین اور اپنے قانون شخصی (پرسنل لا) پر عمل کرنے کی آسانیاں حاصل ہوں"۔

اسی ہندوستان کے متعلق آپنے تحریر فرمایا تھا:۔

"اب یہ خود مسلمانوں کی حکمت تبلیغ پر منحصر ہے کہ وہ آنے والے نظام کو کس حد تک اسلامی معیار پر ڈھال سکتے ہیں، انہی وجوہ سے آزادی کے قائم ہونے والے مشترکہ نظام کو موجودہ (انگریزی) نظام کے مقابلہ میں اھون البلیتین قرار دیا جاتا ہے"۔

خدا کے جس برگزیدہ بندہ کا اتنا بلند نظریہ ہو، اور وہ بھی کوئی چھپا ہوا نہیں، بلکہ ظاہر اور کھلا ہوا، اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ آزاد ہندوستان کو دارالاسلام کہتا ہے، یا سید احمد صاحب شہید کی تحریک کو وہ لادینی جمہوری نظام کا داعی بتاتا ہے، کتنا بڑا جرم، اور حقیقت سے کتنا دور ہے، مجھے حیرت ہے کہ آزاد ہندوستان کے بعد کے سیکڑوں خطوط مکتوبات میں چھپے ہوئے ہیں، اور ہندوستان کی موجودہ حالت کو سامنے رکھتے ہوئے ان میں علمی اور شرعی بحثیں ہیں، پھر ان سے آنکھیں بند کرنے کی سعی کتنی بڑی جرأت ہے،

ترجمان القرآن لاہور جمادی الاخری ۱۳۶۷ھ کے رسائل و مسائل کے تحت "دارالاسلام کی نئی تعریف" کا عنوان قائم کر کے یہ سوال قائم کیا گیا ہے۔

سوال:۔ دارالکفر، دارالحرب، اور دارالاسلام کی صحیح تعریف کیا ہے، دارالکفر اور دارالاسلام میں کس چیز کو ہم اصلی اور بنیادی فرق قرار دے سکتے ہیں؟ مجھے اس مسئلے میں تردد حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ کی حسب ذیل عبارت سے ہوا ہے۔

"اگر کسی ملک میں اقتدار اعلیٰ کسی غیر مسلم جماعت کے ہاتھوں میں ہو، لیکن مسلمان بہرحال اس اقتدار میں شریک ہوں، اور ان کے مذہبی و دینی شعائر کا احترام کیا جاتا ہو، تو وہ ملک حضرت شاہ صاحب کے نزدیک بے شبہ دارالاسلام ہوگا، اور از روئے شرع مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ وہ اس ملک کو اپنا ملک سمجھ کر اس کے لئے ہر نوع کی خیر خواہی اور خیر اندیشی کا معاملہ کریں"۔ (ترجمان القرآن ص ۲۹۳)

سوال کی یہ پوری عبارت ترجمان القرآن سے بغیر ایک لفظ کے گھٹائے بڑھائے نقل کی گئی ہے، اس کو غور سے بار بار پڑھیں، پھر ایمانداری سے فیصلہ کریں کہ کیا اس پورے سوال میں کہیں بھی موجودہ آزاد بھارت کے دارالاسلام اور دارالکفر ہونے کا تذکرہ ہے؟ اگر آپ میں ذرہ برابر انصاف ہے تو آپ مجبور ہیں کہ نفی میں جواب دیں، مگر غور کیجئے مدیر رسالہ جواب کی ابتدا کہاں سے کرتے ہیں، تحریر فرماتے ہیں،

"جواب)۔ آپنے اپنا پہلا سوال مجھ سے کرنے کے بجائے مولانا حسین احمد صاحب سے کیا ہوتا، تو بہتر تھا۔ آپ ان سے پوچھئے کہ ہندوستان کی موجودہ حکومت میں مسلمان جس درجہ شریک ہیں اور ان کے مذہبی و دینی شعائر کا جیسا کچھ احترام کیا جاتا ہے، اس سے تو بدرجہا زیادہ انگریزی دور میں شریک حکومت تھے"!

مدیر رسالہ کا یہ جواب اسی انداز میں رسالہ کے ڈیرھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، سائل کیا پوچھنا چاہتا ہے، اور جواب کا انداز اور لب و لہجہ ملاحظہ فرمایئے کہ بات کہاں سے شروع کی جاتی ہے، پورے جواب میں سوال کے کسی جزء پر مطلقاً کوئی بحث نہیں ہے، نہ دارالکفر، دارالحرب اور دارالاسلام کی تعریف کی گئی ہے، نہ بنیادی اور اصلی فرق پر روشنی ڈالی گئی ہے، بلکہ اپنی طرف سے ایک نیا مسئلہ ہندوستان کا دارالاسلام ہونا فرض کر کے قلم کی جولانی دکھائی گئی ہے،

جن لوگوں نے حضرت شیخ الاسلام کو قریب سے دیکھا ہے، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ بات جسے مدیر رسالہ ترجمان القرآن نے پیدا کی ہے آپکے وہم میں بھی نہیں آسکتی تھی، چہ جائیکہ آپ موجودہ بھارت کو دارالاسلام لکھدیتے، "دارالاسلام" کی تعریف کے سلسلہ میں حضرت مدنی رح کا ذوق اور آپکا نظریہ بہت اونچا اور نکھرا ہوا ہے، جن لوگوں نے حضرت اقدس کی ذات کا مطالعہ نہیں کیا، وہ بھی رسے کیا جانیں،

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے کہیں بھی نہ آزاد بھارت کو دارالاسلام لکھا، اور کبھی اس طرح کا کوئی کلمہ زبان پر لائے، جس سے اسکا وہم جنم بھی لے سکے، بلکہ اسکے برعکس پوچھنے والوں سے ہمیشہ یہی فرمایا کہ موجودہ صورت میں اس کے دارالاسلام ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا

علمی طور پر آپکا مسلک اس باب میں بہت معیاری تھا، جس کو یقین نہ آسکے اسے میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ مکتوبات کی جلدوں کا وہ بغور مطالعہ کرے، اور یہ بھی نہ ہو سکے تو وہ جلد دوم کے مکتوب ۴۲ کا آخری حصہ اور مکتوب ۴۳ پورا ضرور پڑھے، ایک آزادی سے پہلے کا ہے اور ایک آزادی کے بعد کا ——— پھر انشاء اللہ اسے خود بخود یقین آجائیگا کہ مولانا مدنی اپنی جگہ پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہیں،

سوچنا چاہئے تھا کہ جب ایک معمولی پڑھا لکھا دیندار مسلمان علمی مسئلوں میں ایسی غلطی نہیں کر سکتا، تو ایک شیخ وقت کے قلم سے ایسے غیر ذمہ دارانہ جملے کسطرح نکل سکتے ہیں، جو پاکستان کو دارالاسلام تسلیم کرنے کیلئے تیار نہ ہو، وہ آزاد بھارت کو علمی اور شرعی طور پر دارالاسلام کیسے لکھ دیگا، مدیر رسالہ کی پھیلائی ہوئی غلط فہمی سے متاثر ہو کر کسی نے اس سلسلہ میں دریافت کیا، تو آپ نے اپنے قلم سے اس کے جواب میں تحریر فرمایا :-

"محترماً، میں نے کسی جگہ کتاب میں اس سکولر اسٹیٹ کو دارالاسلام نہیں لکھا ہے، نہ جمہور کے قول پر، نہ حضرت شاہ صاحب کے قول پر، پھر میں نہیں سمجھتا کہ آپکا اعتراض کسطرح وارد ہوتا ہے، جو وجوہ حکومت کے شرمناک کارناموں کے آپ ذکر فرما رہے ہیں، مجھ کو ان کا انکار نہیں ہے، پھر میں کسطرح اس کو دارالاسلام قرار دے سکتا ہوں۔" (مکتوب گرامی شیخ الاسلام)

(باقی آئندہ)

★ ——— جناب مولانا محمد نعیم صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند

مباحث علمیہ

قرآن و حدیث کے متعلق چند سوالات اور انکے جوابات

(استاذ دارالعلوم دیوبند مولانا محمد نعیم صاحب سے پونہ کے ڈی نوبلی کالج کے پروفیسر ایڈون جے ڈیپلائی صاحب نے چند علمی سوالات کئے تھے۔ سوالات اور ان کے جوابات کی پہلی قسط نذر ناظرین ہے۔ اُمید کہ ناظرین محظوظ ہوں گے۔ (ایڈیٹر) ———)

سوالات:-

(۱) **قرآن** ——— (الف) اس امر کا سب سے مضبوط ثبوت کیا ہے کہ قرآن خدا کی طرف سے ہے اور انسان کی طرف سے نہیں ہے؟

(ب) قرآن کو پہلی آسمانی کتابوں کی توثیق کہا جاتا ہے تو قرآن اور بائیبل میں اور جو فرق ہے اس کی تاویل کسطرح کی جا سکتی ہے؟

(ج) کیا قرآن کی سورتوں اور آیتوں کی ترتیب خدا کی طرف سے ہے؟

(د) کیا پیغمبر امی تھے؟

(ذ) کیا قرآن کی آیتوں کا نسخ مسلم ہے؟

جوابات:-

آپکے استفسارات کے جوابات اگرچہ تفصیل طلب ہیں لیکن قلت وقت کی وجہ سے مختصر معروضات پیش کی جاتی ہیں،

قرآن کریم ——— (الف) قرآن کریم کے من اللہ ہونیکا ثبوت سب سے مضبوط یہ ہے کہ اُسنے انسانی طاقت سے بالاتر اس کلام کو کہا ہے اور اس جیسا کلام پیش کرنے سے سارے عالم کو عاجز کیا ہے۔ اور یہ بھی پیشگوئی کر دی ہے کہ اسکا مثل پیش نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ قرآن کریم کی یہ تحدی حرف بحرف پوری اتری، دنیا نے ایڑی سے چوٹی تک کا زور صرف کر لینے کے اپنے کو عاجز پایا۔ تیرہ صدی کی تاریخ کوشش کی مثالیں تو پیش کر سکتی ہے لیکن کامیابی کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جا سکتی۔ پھر لطف یہ کہ قرآن نے مختلف لہجوں میں، جھنجھوڑا، اکسایا، تحدی میں نرمی سے کام لیا گرمی دکھائی لیکن چیلنج کے جواب میں سناٹا تھا مکمل سکوت اور خاموشی کے سوا چارہ نہ تھا، آج بھی قرآن کا یہ چیلنج سورماؤں کی زور آزمائی کیلئے موجود ہے، جسکا جی چاہے طبع آزمائی کر کے دیکھ لے، ترتیب آیات ملاحظہ ہوں۔

(۱) قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لایاتون بمثلہ ولوکان بعضھم لبعض ظھیرا،[1]

(۲) فاتوا بعشر سور مثلہ ان کنتم صادقین،[2]

(۳) فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار،[3]

(۴) فلیاتوا بحدیث مثلہ ان کانوا صادقین۔[4]

اولاً پورے قرآن کے مثل لانے کا چیلنج کیا گیا۔ لیکن اظہار عجز پر تحدی میں نرمی کی گئی کہ اچھا دس ہی سورتیں بنا کر دکھلاؤ اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو صرف ایک ہی سورت کا جواب لکھدو۔ اور یہ بھی نہیں کر سکتے تو ایک بات ہی بنا لاؤ۔ گویا اگر

---

[1] آپ فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان و جنات مل کر بھی قرآن جیسا بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے۔ [2] قرآن کی دس سورتوں کا مثل بنا لاؤ۔ اگر تم سچے ہو۔ [3] قرآن جیسی ایک سورت بنا لاؤ اور اپنے اعوان و انصار کو بھی بجز خدا کے بلا لاؤ اگر تم سچے ہو اور اگر اس کام کو نہ کر سکو اور یقیناً نہیں کر سکتے تو اس نار جہنم سے بچو جسکا ایندھن انسان و پتھر ہونگے۔

[4] تم اس جیسی ایک بات بنا لاؤ اگر تم سچے ہو۔

...بات کا جواب بھی لکھدیا تو ہم اس کو پورے قرآن کا جواب سمجھیں گے۔ اور ایک بات کا جواب بھی نہ لاسکے تو ہم اس کو تمام قرآن سے عجز سمجھیں گے پس کوشش کے باوجود انسان کا عجز ظاہر ہوچکا۔ تو ثابت ہوا کہ یہ کلام انسانی نہیں بلکہ فوق الفطرت طاقت کا کارنامہ ہے۔

(۲) دوسری بڑی دلیل کی طرف آیت افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا[۵] میں اشارہ فرمایا گیا ہے یعنی اگر قرآن کریم غیر اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں کثیر اختلافات کا پایا جانا لازمی تھا کیونکہ مضامین کثیرہ کے لحاظ سے ہر مضمون میں اگر عادۃً ایک ایک غلطی بھی تسلیم کی جائے تو اغلاط کثیرہ ہوجاتیں لیکن قرآن کریم کے ایک مضمون میں بھی اختلاف نہیں یا مطلب ہے کہ عادۃً کسی کتاب کے نسخے جسقدر زیادہ ہوتے ہیں اتنا ہی کثیر اختلاف کا احتمال رہتا ہے لیکن قرآن کریم باوجود بیشمار نسخوں میں نقل ہونے اور باوجود اطراف عالم میں پھیل جانے کے ہر قسم کے تغیر سے محفوظ ہے۔ کتب سابقہ میں لفظی ومعنوی تحریفات ہوئیں لیکن قرآن کریم لفظی تحریف سے ہمیشہ کیلئے محفوظ کردیا گیا ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون[۶]۔ آج اگر خدانخواستہ سارے عالم کے نسخے بھی تلف کردیئے جاتے ہیں تو مسلمانوں کے ایک چھوٹے سے گاؤں کا بچہ کھڑے ہوکر ایک ایک حرف صحیح سنا سکتا ہے اسلئے کہ مسلمانوں کے ذریعہ حق تعالیٰ نے سفینوں سے زیادہ سینوں سے حفاظت کرائی ہے۔

فصاحت وبلاغت اور وجوہ اعجاز کے لحاظ سے تو قرآن مشرکین عرب کیلئے معجز ہے جو اہل فن اور اہل نظر وبصیرت ہیں اور ماضی ومستقبل کی یقینیات اور پیشگوئیوں کا سچا اور صحیح ہونا یہ اہل کتاب یہود ونصاریٰ کے لئے وجہ اعجاز ہے۔

اور یا آیت کریمہ کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ انسان جب کوئی کلام کرتا ہے تو اس کی کمزوریوں کی جھلک صاف کلام میں نمایاں ہوجاتی ہے مثلاً غصہ کی حالت میں اگر محبت کا کلام شروع کرے تو اسمیں ضرور غضب جھلکے گا۔ علیٰ ہذا پیار ومحبت کی باتیں کرتے کرتے اگر غصہ کے اظہار کی ضرورت پیش آجائے تو کلام میں کامل تیزی اور زور نہیں پیدا ہوتا لیکن قرآن کریم کے مضامین پر نظر غائر ڈالنے سے یہ بات بخوبی روشن ہوجاتی ہے کہ جن دشمنوں کو للکار کے وقت دشمنوں کے کام ودہن بھی لطف وکرم کے ساتھ پوری طرح لطف اندوز ہوتے ہیں۔ کلام کی ایک صنف کے بعد دوسری صنف شروع ہوتی ہے اور دوسری کے بعد تیسری لیکن مجال ہے کہ غلط بحث ہوجائے ہر مضمون اپنی صنف میں کامل اور مکمل ہوتا ہے۔ یہ بھی اس کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل ہے،

(۳) تنزیل من رب العلمین[۷] ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین فما منکم من احد عنہ حاجزین (سورہ واقعہ)

تیسری عقلی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ مدعی الوہیت کاذبہ کے ساتھ تو تسامح اور چشم پوشی کا معاملہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ ہزارہا دلائل وشواہد اسکی تردید اور تکذیب پر موجود ہیں لہذا تلبیس کی گنجائش نہیں ہے اسکے ساتھ استدراج کا معاملہ کیا جاسکتا ہے خوارق کا ظہور اس سے ہوسکتا ہے لیکن نبوت کا مسئلہ الوہیت سے علیحدہ ہے نبوت صادقہ اور کاذبہ میں تلبیس کی گنجائش کافی پائی جاتی ہے کیونکہ دونوں انسان ہی ہوتے ہیں یہاں مدعی نبوت کاذبہ کو اگر خوارق کی گنجائش دی جاتی ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ لوگ مغالطہ میں پڑسکتے ہیں۔ اور وہ اس میں معذور ہوں گے اسلئے عادۃ اللہ کے لحاظ سے مدعی نبوت کاذبہ ہلاک کردیا جاتا ہے اس کو مہلت نہیں دیجاتی تاکہ لوگ جھوٹے اور سچے میں اچھی طرح امتیاز کرسکیں۔ پس حاصل اس آیت اور دلیل کا یہ ہوگا کہ اگر یہ کلام اللہ تعالیٰ کا نہ ہوتا اور آپ غلط طور پر اس کی نسبت خداوند تعالیٰ کی طرف فرماتے تو اللہ تعالیٰ کی عادت کے مطابق آپکو ہلاک کردیا جانا ضروری تھا حالانکہ ایسا نہیں ہوا بلکہ دشمنوں کی پوری کوششوں کے باوجود آپ ہر طرح مامون ومحفوظ بلکہ کامیاب رہے۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ یہ اللہ ہی کا کلام ہے۔ نبوت کے جھوٹے دعویداروں کی تاریخ اس کی شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر کوئی خرق عادت امر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اور انکو ہلاک کردیا۔ مسیلمہ کذاب کے سامنے ایک کانا شخص پیش کیا گیا کہ اسپر آپ دست شفا پھیر دیجئے چنانچہ جوں ہی اُسنے ہاتھ پھیرا۔ اللہ نے اس کی برکت سے اسکی دوسری آنکھ کا بھی صفایا کردیا۔ ایک شور کنوئیں میں اسکا لعاب دہن ڈلوایا گیا تو پانی شیریں تو کیا ہوتا، کنواں ہی

---

[۵] کیا یہ لوگ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے اگر وہ غیر اللہ کا بنایا ہوا ہوتا تو اسمیں اختلاف کثیر پاتے۔ [۶] ہم نے اس قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اسکی حفاظت کرینگے۔ [۷] قرآن کریم اللہ کا نازل کردہ ہے۔ اگر آپ بعض باتیں ہم پر غلط منسوب کریں گے تو ہم آپکو داہنے ہاتھ سے پکڑکر رگ گردن کاٹ دیں گے پھر تم میں سے کوئی ہمکو ہرگز بھی نہیں روک سکتا۔

خشک ہو گیا۔ مگر آپ کے ساتھ اس قسم کی بات پیش نہیں آئی اس سے معلوم ہوا کہ کلام اللہ ہونے کے دعوی میں آپ صادق ہیں اور وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (سورۂ نجم پارہ ۲۷ ع ۱) کا مصداق ہیں۔

(ب) قرآن کریم، کتب سابقہ سماویہ کا مصدق ہے لیکن تحریف شدہ کتب کا نہیں بلکہ غیر محرف کتب سماویہ کا مصدق ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو قرآن "مصدق لما معھم" اور "مصدق لما بین ایدیھم" کا دعوی کرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی دوسری طرف یحرفون کلام اللہ کا اعلان بھی پورے ثبوت کے ساتھ کرتا ہے جس سے بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ تمام شرائع آسمانی اور کتب سابقہ[1] میں ایک حصہ اصول دین کا ابھی تک مشترک اور متفق علیہ ہے جس کو سب تسلیم کرتے ہیں مثلاً اللہ کے وجود کا اقرار، نبوت و رسالت جنت و جہنم، حشر و نشر، ثواب و عتاب وغیرہ، قرآن اسی حصہ کا مصدق ہے اور تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم میں اسی کی طرف دعوت پیش کرتا ہے۔ لیکن دوسرا حصہ ایسا بھی ہے جو ہوائے نفسانی اور اغراض فاسدہ کا تختۂ مشق بنا رہا۔ قرآن کریم اسکی تصدیق نہیں کرتا،

(ج) دراصل قرآن کریم کی دو ترتیبیں ہیں ایک ترتیب نزولی۔ دوسرے ترتیب تدوینی۔ آیات کے نزول کے وقت جس جس سورۃ اور جس موقع کے مناسب آپ کو خدا کی طرف سے ہدایتیں ملتیں، ان آیتوں کو آپ کاتبین وحی کے ذریعہ انہی مواقع میں لکھوا دیتے تھے۔ نیز آپ کا اور حضرت جبریل ؑ کا، اسی طرح حضرات صحابہ کا دور قرآن اور دور بغیر ترتیب آیات اور سور کے ممکن نہیں یہ دونوں کام اللہ کے حکم سے آپ نے کر دیئے تھے البتہ یکجائی قرآن کریم ایک جلد میں آپکے سامنے مدون نہیں ہوا تھا چونکہ زیادہ تر لوگوں کے حفظ اور یاد پر مدار تھا۔ اس لیئے یکجائی ترتیب کی چنداں ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ نیز اشاعت اسلام اور دشمنوں کی مدافعت سے اتنی فرصت بھی ان حضرات کو نہیں مل سکی کہ وہ اسطرف پوری توجہ کر سکتے۔ لیکن آپکی وفات کے ساتھ جب حضرت ابو بکرؓ خلافت نشین ہوئے اور جنگ یمامہ میں ستر قرا شہید ہو گئے تو حضرت عمرؓ کی قوت فکریہ حرکت میں آئی اور انھوں نے حضرت ابو بکرؓ کو آمادہ کر کے حضرت زید بن ثابت کاتب وحی کی سرکردگی میں اس کام کا بیڑا اٹھایا۔ اور پوری احتیاط اور تحقیق و تفتیش کے بعد قرآن کو حفاظ کی مدد سے یکجائی جمع کر دیا۔ لیکن صرف ایک نسخہ مدون ہوا جو حضرت ابو بکرؓ اور ان کے بعد

حضرت عمرؓ اور انکے بعد .... ان کی صاحبزادی اور آنحضرت کی زوجہ مطہرہ حضرت حفصہ کے پاس محفوظ رہا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی کی تحریک پر جب اپنے دور خلافت میں اسکی نقلوں کی ضرورت شدت سے محسوس کی تو چھ سات نقلیں کرا کر بڑے اہتمام سے ممالک اسلامیہ مصر، شام وغیرہ میں بھجوا دیں اور سب کو انہی کی پابندی کا حکم دیا۔ اس کام میں آپ کے ساتھ زید بن ثابت، عبد اللہ بن زبیر، سعید بن العاص، عبد اللہ بن الحارث جیسے صحابہ اور اکابر قریش نے پوری پوری معاونت فرمائی۔ حاصل یہ کہ قرآن کی آیات اور سور دونوں کی ترتیب بحکم خدا وندی ہے اور آنحضرت کے وقت سے برابر تواتر کے ساتھ محفوظ چلی آرہی ہے اس میں ادنی درجہ کا کوئی ایسا تغیر نہیں ہوا جس کی وجہ سے اس میں فرق آجائے۔ تمام مسلمانوں کا اسی پر اجماع ہے۔

(د) پیغمبر اسلام ؑ نبوت سے پہلے بھی امی تھے وماکنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک .... سے اسپر صاف روشنی پڑتی ہے، اسی طرح نبوت کے بعد بھی باوجود "علم الاولین والآخرین دیئے جانے، اور تمام علوم شرائع سے واقفیت کے رسمی طور پر لکھنے پڑھنے سے امی محض تھے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے واقعہ سے اور تبلیغی فرامین پر دستخط کی بجائے مہر لگوانے سے اسکی شہادت ملتی ہے اور آپ کا امی محض ہو کر ایسی مکمل اور عجیب و غریب تعلیمات پیش کرنا بڑی دلیل نبوت ہے۔ اور ایک ایسے شخص کا بے مثل و لاجواب کتاب پیش کرنا اس کے کتاب اللہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

(ہ) بعض آیات قرآنیہ کا نسخ[2] صحیح اور مسلم ہے جیسے کہ آیت ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا (سورہ بقر) اور آیت واذا بدلنا آیۃ مکان آیۃ

---

[1] سابقہ کی تعلیمات اپنے اپنے زمانوں میں صحیح اور حق رہی ہیں تو جو توراۃ و انجیل منزل من اللہ ہیں اپنی اصلی حالت میں۔ قرآن کریم ان سب کا مصدق ہے یہ دوسری بات ہے کہ لوگوں نے اصل کتابوں ہی کو باقی نہیں رکھا اب آنحضرت کے زمانہ میں جو کتابیں ہیں وہ توراۃ و انجیل ہی نہیں جن کو منزل من اللہ کہا جائے۔ اسلئے انکی تصدیق ہی کا سوال پیدا نہیں ہوتا اور نہ قرآن پر تضاد بیانی کا شبہ ہو سکتا ہے۔ علہ آؤ اس ایک بات کی طرف جو ہمارے تمہارے درمیان متفق علیہ ہے۔

[2] آپ اس سے پہلے نہ پڑھنا جانتے تھے۔

سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس کے کچھ شرائط اور ضروری احکام ہیں۔ مثلاً جس حکم کو منسوخ کیا جائیگا اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ حکم واجب لذاتہ نہ ہو جیسے اللہ پر ایمان لانا اور نہ وہ حکم ممتنع لذاتہ ہو جیسے کفر کا حرام ہونا۔ ان دونوں صورتوں میں نسخ نہیں ہوسکتا بلکہ وہ حکم ایسا ہو جس کے وجود اور عدم دونوں کا امکان ہو اسی طرح نسخ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حکم موقت یا موبد نہ ہو۔ اگر پہلے ہی اس حکم کے ساتھ وقت کی تحدید کی جا چکی ہے کہ فلاں وقت تک رہے گا یا ہمیشہ رہیگا تو اسمیں بھی نسخ نہیں ہوسکتا۔ اب وہ ہمیشگی خواہ صراحتہً ہو جیسے خالدین فیہا ابد کی تصریح بعض مواقع پر آئی ہے یا دلالتہً ہو جیسے رسول اللہ صلعم کی وفات سے دلالتہً شریعت میں ہمیشگی ثابت ہوگی اب نسخ نہیں ہوسکتا اسی طرح اخبار میں بھی نسخ کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ خبروں میں نسخ کا مطلب یہ ہوگا وہ خبر غلط تھی۔ اور یہ ناممکن ہے۔

اب اس کے بعد نسخ کی یہ حیثیت رہجاتی ہے کہ اس میں دو پہلو ہیں بندے تو حکم کے نافذ ہونے کے وقت یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حکم ہمیشہ رہیگا لیکن جب حکم منسوخ ہوجاتا ہے تو ان کو تبدیلی معلوم ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے لحاظ سے اس حکم کی مدت اول ہی سے اتنی تھی اسلئے وقت پورا ہونے کے بعد خود بخود وہ حکم ختم ہوگیا یہ گویا بندوں کے لئے تو تبدیلی ہے اور صاحب شریعت کے لئے بیان وقت اور بیان مدت ہوتی ہے نیز ایک تبدیلی تو ہوتی ہے حالات کی ناواقفی اور نادانی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے جو علامت سفاہت اور جہالت کی ہوتی ہے لیکن یہ صورت خدا تعالیٰ کی جناب میں ممکن نہیں۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ اصل تبدیلی حالات میں ہوتی ہے انہی کے مناسب احکام بھی بدلتے رہتے ہیں حقیقتہً یہ تبدیلی احکام کی نہیں ہوتی بلکہ حالات کے تابع احکام ہوتے ہیں جوں جوں احوال بدلتے ہیں احکام بھی تبدیل ہوجاتے ہیں مثلاً ملکی حالات جیسے ہوتے ہیں ہنگامی یا غیر ہنگامی، قوانین اسی کے مناسب بنائے جاتے ہیں ہنگامی قوانین حالات بدل جانیسے ختم کردیئے جاتے ہیں دوامی احکام ہمیشہ باقی رکھے جاتے ہیں جسطرح دوامی قوانین کا بدلنا نادانی ہوتی ہے ہنگامی قوانین نہ بدلنا بھی پرلے درجہ کی بیوقوفی ہوگا، یا مثلاً شخصی احوال میں موسموں، زمان و مکان کے بدلنے سے، لباس طعام قیام کے احکام بھی بدلتے رہتے ہیں اور انکو بدلتے ہی رہنا چاہئے ایک مریض پر جب بیماری کے مختلف حالات پیش آرہے ہیں تو ادویہ اور اغذیہ کے نہ بدلنے کے کوئی معنی ہی نہیں بس جبکہ دنیا کا سارا کاروبار ہی بدلنے والا ہے، تو حالات کی صحیح نباضی کرنیوالے علیم و خبیر حکیم نے مناسب احکام تبدیل کردیئے تو ماتھے پر شکنیں کیوں پڑنے لگیں، اور لوگوں کو دماغی تشنج کے دورے کیوں پڑنے لگے؟ لیکن اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آج بھی حالات بدلتے ہیں اور ہمیشہ بدلتے رہیں گے اسلئے احکام میں نسخ، تغیر و تبدل اب بھی ممکن ہونا چاہیئے۔ دراصل بات یہ ہے کہ قرآن مجید کی صرف پانچ آیات ایسی ہیں جن میں نسخ پایا جاتا ہے یعنی نسخ بہت ہی محدود اور مختصر ہے، آیات منسوخہ معین اور مشخص ہیں صاحب شریعت چونکہ خدا کے آخری نبی ہیں آپ کے بعد قیامت تک کسی نبی کا مبعوث ہونا ممکن نہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے جو مناسب تغیر کرنا تھا وہ آپ ہی کے سامنے کردیا۔ اور قیامت تک احوال کی رعایت فرماکر آپکو آخری اور مکمل دستور عنایت فرما دیا، "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" اب اس مکمل قانون میں نہ نسخ کی گنجائش اور نہ ضرورت رہا جزئی مصالح کا تغیر سو اسکے لئے مجتہدین کے اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے، ایسے معمولی تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ اور ہوتے رہیں گے، اس کو نسخ نہیں کہا جائیگا، یہ تو دین کی ترقی، ہمہ گیری، اور مکمل ہونیکا ثبوت ہے کہ اس میں اتنی لچک ہے کہ اس کو ہر زمانہ اور ہر حال کے مطابق منطبق کیا جاسکتا ہے، اسقدر وسعت اور بین الاقوامیت اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہبی قانون کو حاصل نہیں ہے۔

مولٰنا الحافظ الحاج محمد صدیق المیمنی

مرمّت کعبہ شریف کے ایماں افروز مشاہدات

دکعبہ شریف کی مرمت اس دور کا اہم ترین دینی وتاریخی واقعہ ہے، اس واقعہ کی چشم دید روئداد محترم مولٰنا محمد صدیق المیمنی نے اپنے برادر مکرم الحاج الحافظ احمد غریب صاحب کے نام اپنے ایک خط میں لکھی ہے جسے ہم بشکریہ "البلاغ" ملخصاً درج ذیل کرتے ہیں۔ اُمید کہ ناظرینِ الحرم اسے دلچسپی کے ساتھ پڑھیں گے،

ہم اپنے محترم دوست کو مبارکباد دیتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو اور ان کے بھائیوں کو نہ صرف بیسیوں مرتبہ اپنے مقدس گھر کی حاضری کی توفیق دی بلکہ معماری حرم کے شرف سے مشرف فرمایا اور اپنے مقدس ترین پیغمبروں خلیل و ذبیح و حبیب صلوٰۃ اللہ علیہم وسلامہ کی ایک ایسی سنت پر عمل کرنے کی سعادت عطا فرمائی جس پر عمل کرنا اپنے بس کی بات نہیں،

ایں سعادت بزور بازو نیست ؎ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ ، خداوند قدوس ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے!

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمَاعِیْلُ، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ! مدیر

جمعہ کے مبارک دن اس اہم تاریخی کام کا آغاز کیا گیا جس کی مکمل تفصیل عربی کے جریدہ "عرفات" مورخہ ۱۲ر ر، ، مطابق ۱۰ر۲ر۱۹۵۸ میں شائع ہوئی،

جمعرات کے روز یعنی مذکورہ مبارک افتتاح سے ایک روز پہلے کارساز حقیقی نے نہایت شفقت آمیز اور غیر متوقع طور پر خانۂ کعبہ کے اندر داخل ہونے کا مبارک وگراں قدر شرف عطا فرما دیا۔ قربان جائیں اس کی شان کریمی ورحیمی کے کہ جہاں تقریباً ایک مہینہ سے مذکورہ مرمت کی وجہ سے لوگ خانۂ کعبہ کا دیدار نہیں کر سکتے ہیں وہاں حق جل مجدہٗ نے اتنی دور سے بلا کر کعبہ شریف کے اندر داخل ہونے کے شرف وسعادت سے سرفراز فرمایا، یہ عنایت ربانی بھی بے شک قابل صد شکر ورشک ہے، بیت اللہ شریف میں جہاں رؤف ورحیم آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے معتبر روایت کے مطابق نماز ادا فرمائی تھی ٹھیک اسی مصلےٰ نبوی پر نوافل ادا کرنے اور تمام متعلقین کے لئے بارگاہ رب العزت میں مناجاتیں پیش کرنے کا کیف پرور ایمان افروز موقع اس نامۂ سیاہ غلام کو بھی نصیب ہوا، کارساز حقیقی اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائے،

اسی روز دل تو چاہا کہ اس مبارک حاضری اور اصلاح وترمیم کی تفصیلات لکھ بھیجوں، لیکن اپنی عادت اور طبیعت کے مطابق دل کی آرزو اور تمنا کا فیصلہ یہی ہوا کہ کعبہ شریف کی مجوزہ مرمت جس کا آغاز ابھی کل جمعہ کے روز ہونے والا ہے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر حتی المقدور ذاتی طور پر اس کی تحقیق کرکے چشم دید واقعہ سے مطلع کروں۔

الحمد للہ جمعہ کا وہ مبارک دن بھی افق مکۃ المکرمہ پر طلوع ہوا جس کا لوگوں کو شدت سے انتظار تھا قبل نماز جمعہ مذکورہ عظیم الشان اور نادر الوقوع کارنامہ کا شاندار افتتاح ولی عہد سمو الامیر فیصل کے ہاتھوں ہوا جس میں متعدد امراء، وزراء، اور اعیان مملکت شریک تھے۔ جیسا کہ مذکورہ اخبار میں بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔

سمو الامیر فیصل اور ان کی جماعت امراء کے نیچے تشریف لے آنے کے بعد عوام جو اس مبارک ترین کام میں کچھ نہ کچھ حصہ لینے کیلئے بیتاب تھے، ان کو گارا، پتھر، مٹی، پانی وغیرہ اٹھا اٹھا کر اوپر لے جانے کی اجازت دی گئی۔

جو لوگ جمع تھے انھوں نے وفورِ شوق میں کافی ہجوم کیا۔ دوسرے روز یعنی سہ شنبہ کے دن سے مناسب نظم اور انتظام کرنا پڑا۔ اوپر جانے کی سیڑھی کے پاس مختصر سا پہرہ رکھنا پڑا۔ اور تھوڑے تھوڑے لوگوں کو ترتیب سے اس خدمت میں تبرکاً شریک ہونے کی اجازت دی جاتی رہی۔ اور یہی نظم اب تک قائم ہے،

خدا کا کروڑوں احسان کہ اس ناچیز کو بھی ۸ رفروری ۱۹۵۰ء سہ شنبہ کے دن نمازِ فجر کے بعد کعبہ شریف کی اس سعادت آمیز و بابرکت تعمیری و ترمیمی خدمت میں شرکت کا موقع نصیب ہوا، ایک ادنیٰ مزدور کی طرح کندھے پر پتھر اٹھا کر لکڑی کی بارہ والی سیڑھیوں پر سے ہوتے ہوئے کعبۃ اللہ کی چھت پر جا پہنچا۔ وہاں کچھ دیر تک کعبہ شریف کے خوش قسمت مزدوروں کے ساتھ کام کرتا رہا اور اس مبارک مزدوری میں ایک کیف پرور روحانی لطف و سرور محسوس کرتا رہا،

کام کے دوران میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام کی مقدس یادگار خانہ کعبہ کے اصلی اور بنیادی جلیل القدر معماروں کی حیثیت سے تازہ ہو گئی، اور تعمیر کعبہ میں سید الانبیا محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس شرکت کا ایک ہلکا سا تصور دل کو سوز و گداز سے لبریز کر گیا، اور آنکھوں کو اشک افشاں کر کے ہی چھوڑا۔

فالحمد للہ علیٰ ذلک، زبان پر دعائے ابراہیمی، ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم بے ساختہ جاری ہو گئی، کام سے فراغت پا کر نیچے اترا تو بزرگوار قبلہ محمد بھائی طواف میں نظر آئے۔ انھیں اطلاع دی طواف سے فارغ ہو کر وہ بھی الحمد للہ پتھر کندھے پر اٹھا کر اوپر پہنچے اور کچھ دیر تک کام میں ہاتھ بٹا کر نیچے تشریف لے آئے،

بروز سہ شنبہ چھوٹے بھائی عبدالکریم بھی ہوائی جہاز سے مکہ معظمہ حاضر ہوئے اور عمرہ کی ادائیگی سے فراغت کے بعد ان کے ساتھ پھر ایک بار اس مبارک مرمت کے کام میں شریک ہونے کا موقع نصیب ہوا۔ عبدالکریم بھائی نے ہتھوڑا سنبھالا اور کعبہ کی دیواروں میں جہاں جہاں پتھروں کے درمیان چونا چھوٹ گیا تھا اس کو نکالنے کے کام میں حصہ لیا۔

البتہ اس اہم اور مبارک کام کے لئے خصوصی معمار، بنا اور مزدور مامور ہیں، لیکن عوام میں سے جو اس خدمت میں تبرکاً شرکت کرنا چاہیں انھیں شوق سے کچھ نہ کچھ کام کرنے کا موقع دیا جاتا ہے اور ان کی رہبری کی جاتی ہے۔ اسطرح اصلاح و مرمت کی نوعیت کو غور سے اور نزدیک سے دیکھنے پر ترمیم کے سلسلہ میں حسب ذیل امور معلوم ہوئے۔

(۱) سب سے پہلی تو یہ نئی بات معلوم ہوئی کہ کعبۃ اللہ کی دو چھتیں ہیں، ایک اوپر کی دوسری نیچے کی حالانکہ باہر سے ایک ہی نظر آتی ہے۔ دونوں چھتوں کے درمیان تقریباً ایک میٹر کا فاصلہ ہے، یہ انکشاف اہل علم اور خصوصاً کعبہ شریف کی تاریخ سے لگاؤ رکھنے والے حضرات کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

(۲) ان دونوں چھتوں کی لکڑیاں اور بلیاں خراب شدہ نظر آئیں کیونکہ عرب مورخ و ادیب شیخ احمد سباعی کے تازہ مقالہ کے مطابق ان لکڑیوں کو بھی دو سو ستر سال گذر چکے ہیں،

شیخ موصوف کی تحقیق کے بموجب کعبۃ اللہ کے سقف وغیرہ کی آخری اصلاح و ترمیم سلطان مراد خاں رابع کے عہد حکومت سنہ ۱۰۴۰ھ میں عمل میں آئی اور اس دور میں چھت کی لکڑیاں بدلنے کی ضرورت ۱۰۴۳ھ میں پیش آئی تھی،

ہو سکتا ہے کہ سلطان مراد خاں کے بعد بھی مرمت کی کبھی کبھار نوبت آئی ہو، قلت، وقت اور اپنے اشتغال کی وجہ سے اس کی تحقیق نہیں کر سکا ہوں، خیر ان لکڑیوں کو نکال کر ان کی جگہ نئی لکڑیاں لگا دی گئی ہیں۔ یہ نئی لکڑیاں مجھے تو اپنے یہاں کے "سال" کی سی معلوم ہوئیں، اور پرانی لکڑیاں بھی سال ہی کی تھیں، پرانی لکڑیاں جب اتار کر حرم شریف میں ایک جگہ رکھی گئیں تو بعض لوگوں نے تبرکاً کچھ ٹکڑے حاصل کئے احقر کو بھی اس مبارک یادگار کا کچھ حصہ دستیاب ہوا۔ باقی ساری پرانی لکڑی شعبہ توسیع الحرام الشریف کی تحویل میں حفاظت سے رکھ دی گئی ہے، اس سلسلہ میں ابھی کوئی بات معلوم نہ ہو سکی کہ اس قدیم تبرک کو کیا کیا جائے گا،

(۳) دیواروں میں جہاں جہاں دراڑیں پڑ گئی ہیں، وہاں سے پرانا بیکار شدہ چونا نکال کر نئے چونے سے شگافوں کو مضبوط جوڑ

پہنچانے کا گرانقدر شرف اور نادر موقع نصیب ہوا۔ گویا اسطرح الحمدللہ یہ تیسری بار کعبہ شریف میں داخل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی، حق تعالیٰ قبول فرمائے۔

البتہ مقام ابراہیم کو اپنی جگہ سے ہٹانے پر چونکہ ابھی تک حرم شریف کے علماء اور شیوخ متفق نہیں ہوئے ہیں اس لئے آخری فیصلہ یہی ہوا ہے کہ حج کے بعد عالم اسلام کے علماء کی ایک کانفرنس بلائی جائیگی اور اس کے سامنے اس پر غور وفکر کر کے آخری فیصلہ پیش کرنے کی تجویز رکھی جائے گی،

ابھی تو جیسے آپ کو پہلے اطلاع مل چکی ہے ایک خوبصورت عمارت مقام ابراہیم کے لئے مطاف کو وسیع کرنے کی غرض سے موجودہ مقام کے ٹھیک پیچھے تقریباً دس قدم ہی کے فاصلہ پر بنا دی گئی ہے، زم زم شریف کے کنوئیں کے بارے میں بھی ایک انقلاب نظر آ رہا ہے۔ وہ یہ کہ ہمارے یہاں جسطرح کنوئیں اور باؤلیاں ہوتی ہیں۔ اسطرح اس میں زینے بنائے جائیں گے، اور تہ خانے کی شکل میں زمزم کا کنواں رہیگا زمزم کی موجودہ عمارت کے باہر تقریباً دس گز کے فاصلہ پر اس کام کے لئے کھدائی ہوئی ہے وہیں سے سیڑھیاں بنائی جائیں گی، اس کی تکمیل کے بعد کہا جاتا ہے کہ چاہ زمزم کی زیارت بھی ہو سکے گی،

لیکن اسوقت یہ کام بھی رکا ہوا ہے، اس لئے کہ اس کام کو آگے بڑھا کر تکمیل تک پہنچانے کا دار و مدار مقام ابراہیم کے متعلق آخری فیصلہ پر ہی منحصر ہے،

مزید کوئی بات اس نئی توسیع و تعمیر کے سلسلہ میں معلوم ہو سکی تو آئندہ انشاء اللہ لکھوں گا، جمیع اہل خانہ اور احباب کو سلام

والسلام، محمد صدیق

از کملا دیوی سحر کلکتہ

شری محمدؐ کی جے

(شریمان ایڈیٹر صاحب تسلیم!

گذارش خدمت ہے، ایک آرٹیکل "شری محمدؐ کی جے" کی سرخی کے تحت لکھ کر بھیج رہی ہوں، آشا ہے کہ آپ ضرور چھاپ دینگے چونکہ میری زبان ہندی ہے اسلئے میں فصیح و بلیغ طور پر اردو زبان میں مضمون نہیں لکھ سکتی، پرارتھنا کرتی ہوں کہ میری اس مجبوری پر شما کیجئے، میں ایک کتاب "پیام سحر" کے نام سے لکھ رہی ہوں، اسمیں قرآن شریف کا ترجمہ اور حدیثیں ہیں، اگر اس کتاب کو اسلامی انسائیکلوپیڈیا کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا، میں خاص طور سے مسلم بہن بھائیوں کیلئے لکھ رہی ہوں،

کملا دیوی سحر (نومسلمہ)

حضرت محمدؐ صاحب کی زندگی کے حالات کو میں بہت ہی شوق سے پڑھتی ہوں، کیونکہ اسکے پڑھنے سے میرے دل کو ایک سکون حاصل ہوتا ہے، میں اس بات میں یقین رکھتی ہوں کہ حضرت محمد صاحبؐ دنیا کے بہترین ریفارمر ہیں آپکیؐ لائف میں کوئی آدمی ایسا عیب نہیں بتا سکتا جو اعلیٰ انسانیت کے میعار سے گرا ہوا ہو، آپؐ اپنے دل میں غریبوں کے لئے بہت ہی محبت رکھتے تھے، آپکےؐ پیدا ہونے سے پہلے غریبوں کی کچھ عزت نہ تھی امیر آدمی ان کو جانوروں سے بھی بدتر سمجھتے تھے، لیکن آپؐ نے ان پر رحم فرمایا، اور ان کو عزت کے آسمان پر پہنچایا، آپؐ دشمنوں پر مہربانی فرمایا کرتے تھے، آپکیؐ آئیڈیل لائف میں ایک مثال بھی ایسی نہیں پیش کی جاسکتی کہ آپؐ نے جاہل عربوں کی گستاخیوں کا کوئی بیرحمانہ جواب دیا ہو، آپنےؐ ان دشمنوں سے بھی کبھی انتقام کی خواہش نہیں کی جو ہر روز آپکوؐ طرح طرح کی تکالیف دیا کرتے تھے آپکیؐ زندگی کے حالات سے یہ بات ثابت ہے کہ آپؐ جاہل دشمنوں کی سخت سے سخت باتیں سکون سے سن لیتے تھے، آپؐ شروع سے ایک پاک زندگی رکھتے تھے، آپؐ کی پاکیزگی پر بھی کسی نے اعتراض نہیں کیا، خدا نے آپکیؐ نصیحت میں ایسا اثر دیا تھا کہ آپؐ نے چند ہی روز میں عرب کی کایا پلٹ دی، آپکیؐ تعلیم سے صدیوں کی بگڑی حالت منٹوں میں سدھر گئی اور وہی ملک عرب جو ہر طرح کی برائیوں کا اڈہ تھا چند روز میں پاک مقام بن گیا، آپکےؐ انمول کارناموں میں ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپنےؐ عورتوں کی مصیبت کا خاتمہ کیا،

تاریخ ظاہر کرتی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے قبل عورتیں بڑی تکلیف میں تھیں، جاہل عربوں کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے یا پہاڑ سے پھینک دیا کرتے تھے، حضرت محمدؐ صاحب نے سب سے پہلے اس وحشیانہ قتل کو روکا اور پھر عورتوں کے ماں باپ بھائی اور دھرم پتی کے مال میں ان کا حصہ مقرر کیا، یہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا روشن کارنامہ ہے کہ کسی ریفارمر کی زندگی میں اسکی مثال نہیں مل سکتی،

ایک بھاری اُپکار حضرت صلعم کا یہ ہے کہ آپنے اچھوتوں کو عزت دی، غریب اچھوت بڑی مصیبت میں تھے، انکا یہ کام تھا کہ وہ اونچی ذات والوں کی غلامی کریں، اور انکو دیوتا سروپ سمجھیں، اونچی ذات والوں کے ساتھ وہ بات بھی نہیں کر سکتے تھے، اور انکے سامنے بیٹھ بھی نہیں سکتے تھے حضرت محمد صلعم نے اس ظلم کو بھی مٹایا، اور اچھوتوں کو عزت کے تخت پر بٹھا دیا،

حضرت زید بن حارث ایک چھوٹی ذات کے آدمی تھے اور اونچی حیثیت رکھنے والے ان کو گری ہوئی نظروں سے دیکھتے تھے، لیکن جب وہ اسلام کی گود میں آئے تو حضرت صلعم نے اپنی پھوپی کی لڑکی زینب کے ساتھ شادی کر کے ان کو عزت دی،

اسی طرح حضرت بلال جو ایک غریب خاندان کے رکن اور معمولی حیثیت کے غلام تھے، انکو بھی حضرت محمد صلعم نے اپنا پرائیویٹ سکریٹری بنایا، اور ان کے من کی کلفتوں کو دور کیا، اس غریب پروری کا نتیجہ یہ نکلا کہ بڑے بڑے آدمی ان کو اپنا سردار سمجھتے تھے، اور عزت کے ساتھ ان کو اپنے قریب بٹھاتے تھے، غرض حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انمول کارناموں سے تاریخیں بھری ہوئی ہیں، جب آپ انکی زندگی کے حالات کا مطالعہ کرینگے تو آپکو معلوم ہوگا کہ اتنا شکتی مان رشی اس دنیا میں کوئی دوسرا پیدا نہیں کیا گیا،

بولو، شری محمد صلعم کی جے،

مولوی محمد مجیب اللہ صاحب "اکمل" مفتاحی

خاصانِ خدا کے روح افزا حالات

غربت نوازی :- امیر المومنین حضرت عمر فاروق خلیفہ ثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ ایک شب لوگوں کے حالات کا معائنہ کرتے پھرتے تھے، اتنے میں ایک شکستہ جھونپڑے سے کسی عورت کی آواز سنائی دی، جسکے بچہ پیدا ہونیوالا تھا، اور اس عورت کا غریب شوہر حسرت کیساتھ کہہ رہا تھا، ہائے میں کیا کروں، آج تو گھر میں کھانے کو ایک لقمہ نہیں ہے، یہ آواز سن کر حضرت عمر فاروق رضؓ پچھلے پاؤں اپنے گھر لوٹ آئے، اور اپنی بیوی سے اسکا ذکر کرکے اس آڑے وقت میں ان کو مدد دینے کی ترغیب دی۔ آپکی نیک خصلت بیوی نے بڑی خوشی سے اس فرمائش کو منظور کرلیا اور اس جھونپڑے کی طرف روانہ ہوگئیں، آگے آگے بیوی جارہی تھیں، اور ان کے پیچھے خود فرماں روائے عرب خلیفہ وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دست مبارک میں کچھ نقدی لئے اور آٹے کی ایک بوری پشت پر اٹھائے جارہے تھے، پھر اس غریب کے گھر میں پہنچکر آپنے آٹا وغیرہ تو مالک مکان کے پاس رکھا، اور خود چولہے کے پاس جاکر ہنڈیا چڑھائی، اور لکڑیاں لگاکر آگ جلانا شروع کی، اللہ اکبر کسقدر ایثار، اور کیسی خداترسی اور کیسی للہیت ان لوگوں میں تھی، اس تنگ و تاریک جھونپڑے میں چولہے کے آگے بیٹھے جب آپ آگ میں پھونکیں مارتے تھے، تو آپکی داڑھی کے بال دھوئیں سے آلودہ ہوجاتے تھے، اتنے میں اس غریب کی بیوی کے لڑکا پیدا ہوا، تو حضرت امیر المومنین کی بیوی نے پکارا، اے امیر المومنین اپنے دوست کو بشارت دیجئے کہ لڑکا پیدا ہوا ہے، مالک مکان یہ سن کر ہکا بکا رہ گیا، اور کہنے لگا کہ آپ امیر المومنین ہیں، خدا کی قسم میں نے آج سے پہلے آپ کو ہمیشہ منصف اور عادل پایا مگر آج آپ کو حد درجہ کا رحم دل اور محسن دیکھا، حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :-

کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ، یعنی تم میں سے ہر ایک گلہ بان ہے، اور اس سے اسکے گلے کے متعلق پوچھا جاوے گا۔

جہاد بالنفس :- حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ بصرہ کے بازار میں جارہے تھے کہ ان کی نظر انجیروں پر پڑی، کھانے کے واسطے دل للچایا، اپنی جوتی نکال کر بیچنے والے کو دی، کہ اسکے بدلے انجیر دیدے، بیچنے والے نے کہا کہ یہ جوتی کسی کام کی نہیں ہے، میں نہیں دونگا، کسی نے بیچنے والے سے کہا تو نے نہیں پہچانا کہ یہ کون ہیں کہا نہیں۔ کہا حضرت مالک بن دینار ہیں، یہ سن کر بیچنے والے نے انجیر کا ٹوکرا اپنے غلام کے سر پر رکھا، اور کہا کہ اگر یہ ٹوکرا تجھ سے مالک بن دینار قبول کرلیں تو تو آزاد ہے، پس غلام مالک بن دینار کے پیچھے دوڑا اور کہا کہ یہ مجھ سے قبول کیجئے، انھوں نے انکار کیا، پھر غلام نے کہا کہ میرے مہربانی قبول کر لیجئے، کہ اس میں میری آزادی ہوجاوے گی، حضرت مالک بن دینار نے کہا اگر تیری اس میں آزادی ہے، تو میری اس میں تباہی و بربادی ہے، غلام نے نہایت اصرار کیا مگر مالک بن دینار نے قسم کھالی کہ میں دین کو انجیر کے بدلے نہیں بیچوں گا اور قیامت تک اب انجیر نہیں کھاؤں گا۔

حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو چاہا کہ ایک پیالہ شہد اور دودھ کا گرم روٹی ڈالکر پی لیں، اپنے خادم کو لانے کے واسطے بھیجا، جب وہ لے کر آیا تو اسے ہاتھ میں لے کر ایک گھنٹہ تک سوچتے رہے، پھر کہا کہ اے نفس تو نے تیس سال تک تو صبر کیا، اب ایک ساعت تیری عمر سے باقی ہے، اب تو کیا صبر نہیں کرتا ہے، یہ کہکر پیالہ ہاتھ سے پھینک دیا، اور نفس کو روک لیا، الغرض جان بحق ہوگئے۔

نشان اعتماد
موسم گرما کے لئے بہترین تحفہ مشرق
ہر عمر کے لئے .... بچے، بوڑھے، عورت، مرد، بیمار اور تندرست
ہر جگہ پر فیکٹری، بازار، کھیت، کچہری، کالج، سفر
ہر موقع پر شادی بیاہ کی دعوت ہو یا کوئی دوسری تقریب
نشاط افروز
اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ قابل اعتماد اور پسندیدہ شربت ہے،
آج ہی مقامی ایجنٹ سے اپنی بوتل محفوظ کرالیں، کیونکہ بڑھتی
ہوئی مانگ کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ بعد میں زیادہ آپکی فرمائش پوری
نہ کرسکیں گے، ۲۶ اونس کی بوتل دو روپے آٹھ آنے
دواخانہ طبیہ کالج، مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

ALHARUM MONTHLY Regd. No. A 440

5(6)

مرتبہ

قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

بابت جون ۱۹۵۸ء مطابق ذی قعدہ و ذی الحجہ ۱۳۷۷ھ

جلد نمبر

قیمت

عام	تین روپے
ممالک غیر سے	پانچ روپے
لائف ممبری	یکصد روپے
فی پرچہ	چار آنے

التماس:- (۱) جن اصحاب کے پاس پرچہ انکی طلب پر بطور نمونہ پہنچے انکا فرض ہے کہ وہ خریداری کے متعلق اپنے فیصلہ سے اطلاع دیں۔ ورنہ انہیں خریدار تصور کیا جائیگا۔ (۲) قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیجیں ورنہ تین روپے ۱۰ کا وی۔ پی کیا جائیگا اور دس آنے زائد خرچ ہونگے (۳) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا لفافہ بھیجیں (۴) اپنا پتہ صاف اردو یا انگریزی میں منی آرڈر کے کوپن پر اور خطوں میں ضرور لکھیں۔ اور نمبر خریداری بھی لکھیں۔

اگر دیئے ہوئے دائرہ میں سرخ نشان لگا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ آپکی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے، لہذا چندہ سال جدید ارسال فرمائیں یا اپنے آئندہ ارادہ سے مطلع فرمائیں۔

(پاکستان میں قیمت بھیجنے کا پتہ:—

منیجر کوثر بک ایجنسی ۲۔ ۱۱ شاہ عالم مارکیٹ لاہور (پاکستان)

تابشِ ایمانی

جب تابشِ ایمانی معلوم نہیں ہوتی　دُنیا کبھی نورانی معلوم نہیں ہوتی
خم میری جو پیشانی معلوم نہیں ہوتی　وہ رحمت یزدانی معلوم نہیں ہوتی
مانا کہ ترا ہم پر اب بھی ہے کرم لیکن　پہلی سی فراوانی معلوم نہیں ہوتی
جب روئے محمدؐ کو میں سامنے لاتا ہوں　خورشید کی تابانی معلوم نہیں ہوتی
یارب یہ مسلماں کی ہستی کا ہے کیا عالم　اب مرکزِ قرآنی معلوم نہیں ہوتی
کملی میں محمدؐ کی ہوں عرصۂ محشر میں　مجھ کو تو پریشانی معلوم نہیں ہوتی
ہے سبطِ پیمبرؐ سے نسبت تو تمہیں لیکن　کچھ نیتِ قربانی معلوم نہیں ہوتی

بازارِ جہاں میں اب اخلاق و محبت کی
اس دور میں ارزانی معلوم نہیں ہوتی

رازِ کونین

از:- ڈاکٹر وارث القادری مانسرہ

سبز گنبد کی پیہم یہ آواز ہے　میرے دامن میں کونین کا راز ہے
جس میں جتنا محمدؐ کا انداز ہے　اتنی ہی اس کی ہستی سرافراز ہے
عاصیوں کے لئے دعوتِ ناز ہے　ہاں درِ رحمتِ مصطفےٰ باز ہے
عقل نے تیرے جلوؤں سے پایا فروغ　آدمی آج مائل بہ پرواز ہے
اک گنہگار اور رحمتیں بے شمار　اسکے صدقے کہ جسکا یہ اعجاز ہے
بارگاہ شہنشاہؐ کونین میں　کون صدیقِ اکبرؓ سا جاں باز ہے
اک نظر ڈالئے ذاتِ فاروقؓ پر　جن پہ اسلام کو آج تک ناز ہے
وصفِ عثمانؓ کا حق کیا ادا ہو سکے　جن کی آواز قرآن کی آواز ہے
شیرِ یزداں کے کردار کی ہر جھلک　دینِ خالق کا سرمایۂ ناز ہے

ہوں غلامِ غلامانِ خیر البشر
اپنی قسمت پہ وارث مجھے ناز ہے

فاروقِ اعظمؓ

از بے چین کرنولوی

ازل سے دل فدائے حضرتِ فاروقِ اعظمؓ ہے
مرا مقصد بہر نوع مدحتِ فاروقِ اعظمؓ ہے

زمانہ معترف ہے مخزنِ علم و ہنر تھے وہ
زمانہ بھر میں اب بھی شہرتِ فاروقِ اعظمؓ ہے

محمد مصطفےٰؐ خود مادحِ اخلاق ہیں ان کے
جزاک اللہ ایسی سیرتِ فاروقِ اعظمؓ ہے

مرا ہر گوشۂ ہستی منور اُن کی الفت سے
میری آنکھوں میں نہاں صورتِ فاروقِ اعظمؓ ہے

مدبر ہستیاں پیدا ہوئیں بعد اُن کے جتنی بھی
سبھی کو اعترافِ عظمتِ فاروقِ اعظمؓ ہے

جو اصحابِ رسولِ پاک سے اک ربط رکھتے ہیں
دلوں میں اُن کے قدر و قیمتِ فاروقِ اعظمؓ ہے

مجھے محسوس اے بے چین ہوتا ہے یہی ہر دم
کہ گلہائے چمن میں نکہتِ فاروقِ اعظمؓ ہے

تمنائے مسلم

مولوی لیاقت حسین احقر بستوی متعلم دار العلوم دیوبند

اے کاش میری بگڑی ہوئی تقدیر بدل جائے
اسلام کے سانچے میں ہستی میری ڈھل جائے

ہر سمت نظر آئیں توحید کے دیوانے
خوابِ شبِ ہستی کی تعبیر بدل جائے

ساز ایسا کوئی چھیڑو جو دردِ بداماں ہو
چیخ اٹھے دلِ دشمن پتھر بھی پگھل جائے

عزلت میں گزاروں دن اے ذوقِ جنوں چل کر
آزاد ہوں دنیا کا غم دل سے نکل جائے

اس دور میں ہے مولیٰ اب مال و منال ایماں
مومن ہے وہی جسکا ایمان سنبھل جائے

ایماں ہے یہی احقر جب آئے قضا لینے
نام اسکا زباں پر ہو اور جان نکل جائے

بسمہ تعالیٰ سبحانہ

نقوشِ اوّلین

دارالعلوم دیوبند پر "تجلی"

ہمارے عزیز دوست مولنا عامر عثمانی مدیر تجلی ایک جوان قلم وجواں عمر ادیب وشاعر ہیں، انکے فکر کی رنگینی و تابانی اور ان کے قلم کی بیباکی وروانی دیکھ کر دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔

زندقہ والحاد اور فسق وبدعت کے مورچوں پر جب وہ طنز وتعریض اور استہزاء وتمسخر کے تیر چلاتے ہیں تو زبان سے بے اختیار سبحان اللہ کی صدا بلند ہوتی ہے مگر جوشِ اصلاح کی وارفتگی میں جب کبھی وہ اپنوں ہی پر پلٹ پڑتے ہیں تو بجز انا للہ کے زبان سے اور کیا نکل سکتا ہے؟

مارچ ۵۹ء کے تجلی میں انھوں نے "دارالعلوم مر رہا ہے" کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے شاہ افغانستان کی دیوبند میں تشریف آوری اور ارکان دارالعلوم کے انداز پذیرائی پر تیز وتند تبصرہ کیا ہے۔ افسوس ہے کہ ہم اس تبصرہ پر مولنا عامر کو مبارکباد نہیں دیسکتے مدیر تجلی لکھتے ہیں:- "ہمارے قلم کو تاب نہیں ہے کہ الفقر فخری کا عقیدہ رکھنے والے اور اسوہ رسول اور اسوہ صحابہ کو معیار و منہاج سمجھنے والے مدعیان زہد وتقویٰ نے ایک بادشاہ کی تواضع جس شان سے کی ہے اور جس فدویانہ ذہنیت کا اظہار فرمایا ہے اس کی ناپاک تفصیلات بیان کریں" ——— "نہیں کم سے کم منظر عام پر تو ایسا اسوہ پیش نہ کرنا چاہیئے تھا کہ دیکھنے والوں کو شاہان مغلیہ کے خمیدہ کمر درباری اور حیدرآباد کے بندگان عالی یاد آجائیں"۔ فاضل مدیر تجلی اس حقیقت سے ناواقف نہیں ہیں کہ فقر جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فخر فرمایا ہے اس کے معنی ترک دنیا کے نہیں ہیں کہ دوسری طرف کَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا بھی ہے۔ اسی طرح اسوہ رسول اور اسوہ صحابہ حضرت عیسیٰ اور ان کے حواریوں کی زندگی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ وہ انسانی زندگی کا ایسا کامل وجامع نمونہ ہے جس سے ہر دور میں، ہر ملک میں، ہر طبقہ میں رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

صحابہ کرام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شئون مختلف کی جلوہ گاہ تھے۔ ان میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بھی تھے جو دوسرے وقت کے لئے کھانا بچا رکھنے کو بھی گناہ سمجھتے تھے اور حضرت معاویہ بھی تھے جن کے دسترخوان پر الوان واقسام کی نعمتیں چنی جاتی تھیں۔ موقع ومحل، حالات وضروریات اور طبائع واذواق کی رعایت رکھتے ہوئے اِس پر بھی عمل کیا جا سکتا ہے اور اُس پر بھی، البتہ دل اللہ سے غافل اور قدم اس کی مقرر کردہ حدود سے متجاوز نہ ہونا چاہیئے، حقیقت یہ ہے کہ دین فطرت کی جامعیت وکاملیت کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ اس کی روشنی امیروں کے محلوں اور فقیروں کی جھونپڑیوں کو یکساں جگمگا سکے، جہاں تک ہمیں معلوم ہے شاہ افغانستان کو دارالعلوم کی طرف سے تشریف آوری کی دعوت نہیں دی گئی تھی (اگرچہ ایسا کرنا کسی طرح نامناسب تھا) بلکہ خود شاہ موصوف نے ہندوستان میں تشریف آوری کے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دارالعلوم میں حاضری کو اپنے پروگرام میں شامل کیا تھا،

حکومت ہند سے حکومت افغانستان کے تعلقات جو کچھ ہوں ان سے یہاں بحث نہیں دارالعلوم دیوبند اور افغانستان کے تعلقات کی تاریخ سے مولنا عامر نا واقف نہیں ہیں حضرت شیخ الہندؒ کی انقلابی سرگرمیوں میں افغانستان اور اسکے حکمرانوں کو بہت بڑا دخل رہا، مولنا عبید اللہ سندھی اور مولنا منصور انصاری کی افغانستان میں جسطرح پذیرائی ہوئی وہ سب کچھ معلوم ومعروف ہے، حکومتی حلقہ کے علاوہ افغانستان کی عوامی زندگی

کا ہر گوشہ دار العلوم کے فیوض و برکات سے روشن ہے۔ ہند و پاکستان کے بعد دار العلوم کے فیض یافتگان کی سب سے بڑی تعداد افغانستان ہی میں ہے۔ موجودہ حکمران اعلیٰ حضرت ظاہر شاہ کے ایک گراں قدر عطیہ کی یاد دار العلوم کا شاندار باب الظاہر آج بھی تازہ کر رہا ہے،

ان حالات میں جب شاہ افغانستان نے قدیم علمی و روحانی تعلقات کی بنا پر دار العلوم میں تشریف آوری کا فیصلہ کیا تو ارباب دار العلوم کا شرعی و اخلاقی فرض تھا کہ ان کا مناسب استقبال کیا جائے۔ کہ اَنْزِلُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ مَنَازِلِھِمْ،

شاہ کی آمد کے سلسلہ میں دعوت طعام کو دار العلوم نے غیر ضروری اور گراں سمجھ کر خود ہی نظر انداز کر دیا تھا۔ صرف "دعوت چائے" پر اکتفار کیا گیا تھا، ظاہر ہے کہ چائے کے ساتھ سوکھی روٹی تو نہیں رکھی جا سکتی تھی، ایسا ہم اور آپ بھی اپنے معمولی مہمانوں کے ساتھ نہیں کرتے، مٹھائی اور پھل کا جو کچھ انتظام کیا گیا تھا اسے کسی طرح بھی مسرفانہ نہیں کہا جا سکتا۔

دار العلوم دیوبند کوئی مقامی ادارہ نہیں ہے، اس سے درجہ بدرجہ تعلق رکھنے والے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ اپنے اپنے تعلقات کی نوعیت کے مطابق خود کو دار العلوم کا خادم اور اسکا نمائندہ سمجھتے ہیں، اس موقعہ پر اگران ارکان خاندان دیوبند کو دعوت نہ دی جاتی تو یہ باعث شکایت ہوتا چنانچہ غالباً دو سو کی تعداد میں مخصوص وابستگان دیوبند کو بھی چائے میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی، ایسا کرنا خود دار العلوم کے لئے ہر طرح مفید تھا اسلئے اس اقدام کو بھی کسی طرح مسرفانہ نہیں کہا جا سکتا، شاہ ہو یا گدا اس کی تعظیم و تکریم کرنا اور فرائض مہمانداری حسب حیثیت بجالانا سنّت رسول اللہ اور اسوۂ صحابہ ہے سرداران قبائل جب وفود کی صورت میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے تھے تو شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس ان کی خاطر و مدارات فرماتے تھے، البتہ شاہان مغلیہ کے جمیدہ گر درباری اور حیدرآباد کے بندگان عالی کی یا دکس منظر عام یا مجلس خاص میں تازہ کی گئی اسکا علم ہم کو نہ ہو سکا،

ہماری آنکھوں نے تو یہ دیکھا کہ جلسہ عام کے لئے جو اسٹیج بنایا گیا تھا اس پر شاہ کے برابر ایک طرف حضرت مہتمم صاحب دار العلوم دیوبند اور دوسری طرف علامہ مولانا محمد ابراہیم صدر المدرسین اور حضرت مولانا فخر الدین شیخ الحدیث باہمہ وقار و سکینت و شان و عظمت تشریف فرما تھے۔ پھر قریب ہی ایک طرف ارکان دار العلوم اور معزز مدعوئین اور دوسری طرف شاہ کے اعیان حکومت رونق افروز تھے۔ اسی طرح دعوت چائے میں بھی حضرت مہتمم صاحب حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی اور دیگر ممتاز ارکان شاہ کے پہلو بہ پہلو ہی بیٹھے ہوئے تھے اور بے تکلفانہ انداز سے مصروف طعام و کلام تھے،

ہمارے فاضل دوست کا ایک اہم ترین اعتراض یہ بھی ہے کہ ارباب دار العلوم نے خدمت کا ریکارڈ قائم کرنے کے لئے ظہر کی نماز کا وقت بجائے دو بجے کے ساڑھے بارہ بجے کر دیا۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ شاہ افغانستان کے متعینہ پروگرام کی رو سے انکو متصلاً بعد ظہر دیوبند پہنچنا تھا، ظاہر ہے کہ منتظمین کو جن میں طلبہ اور اساتذہ دونوں شامل تھے وقت سے پہلے اپنی اپنی مقررہ خدمات کی انجام دہی کے لئے متعینہ مقامات پر پہنچ جانا تھا، اسلئے مناسب سمجھا گیا کہ صرف مدرسہ کی اندرونی مسجد میں نماز کا وقت مقدم کر دیا جائے، جہاں تک ہمیں یاد ہے ظہر کی نماز ساڑھے بارہ بجے نہیں پون بجے ہوئی تھی، ۲ بجے کا وقت نماز ظہر کے لئے شریعت کا مقرر کیا ہوا نہیں، ارباب مدرسہ نے شریعت کی مقررہ حدود میں اسکا تعین کیا ہے کسی ضرورت سے اگر وہ حدود شرعی کے اندر اسے مقدم یا موخر کر دیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں کیا قباحت ہے، البتہ اگر وقت مشروع سے پہلے نماز ادا کر لی جاتی تو ضرور قابل اعتراض بات تھی،

ہمارے محترم دوست نے شاہ کے بطور عطیہ کچھ مرحمت نہ فرمانے پر بھی طنز کیا ہے جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں دار العلوم کی طرف سے شاہ کا استقبال ان تعلقات کی بنا پر تھا جو افغانستان کے حکمرانوں کے اکابر دیوبند سے اور وہاں کے عوام کے دار العلوم سے عرصہ دراز سے چلے آ رہے ہیں۔ دو چار ہزار روپیہ صرف کر کے بیس پچیس ہزار روپے حاصل کرنے کی ذہنیت کو یقیناً اکابر دیوبند بھی دار العلوم کے مقام عظمت سے فروتر سمجھتے ہیں۔ اگر دریں لیں ہی کی پست ذہنیت کے تحت دار العلوم میں مہمانوں کی پذیرائی ہوتی تو اس کے لئے مدراس اور بمبئی کے وہ ملک التجار زیادہ موزوں تھے جو دار العلوم میں لاکھوں روپے کے عطیات خاموشی کے ساتھ دیئے جاتے ہیں اور اکابر دیوبند کے دستر خوان پر باسی روٹی کھا لینے کو باعث فخر سمجھتے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ ظاہری اسباب میں دار العلوم اور دوسرے عظیم دینی ادارے انہی اللہ کے مخلص بندوں کے دست کرم کے رہین منت ہیں۔

مدیر تجلی کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ خود دارالعلوم دیوبند کے لائق فرزند ہیں، یہ ادارہ ان کے بزرگوں کی عظمتوں کی یادگار ہے، اس کی ترقی و بہبودی کی فکر اور اسکی بقا و استحکام کی کوشش ان کا دینی و اخلاقی ذلیفہ ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ دارالعلوم میں کوئی تعلیمی یا انتظامی نقص نہیں ہے یا اسکے کارفرما تنقید سے بالاتر ہیں، میں خود زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات میں اس میں کچھ تبدیلیاں چاہتا ہوں مگر بہرحال ہمارا مقصد اصلاح و تعمیر ہونا چاہیئے، اگر کسی غلطی کا اظہار ضروری ہو تو وہ واقعی ہونی چاہیئے اور اس کے اظہار کا طریقہ بھی معتدل اور معقول، شاید انہیں نہیں معلوم کہ دیوبند کے مخالفین ان کے ایک ایک حرف کو لے اڑتے ہیں اور اس کی سیاہی سے تکفیر کے فتوے مرتب کر کے اکابر دیوبند کی روشن پیشانیوں کو داغدار کرنے کی مکروہ کوشش کرتے ہیں، پھر وہ نہ مولانا نانوتوی کو بخشتے ہیں اور نہ مولانا تھانوی کو نہ مولانا مدنی کو معاف کرتے ہیں نہ مولانا عثمانی کو، رحمہم اللہ تعالیٰ،

سنی جمعیۃ علماء ہند

"آج شمع رسالت کے پروانوں کا اتحاد ضروری ہے"

یہ ہے اس رنگارنگ پوسٹر کا عنوان جو کل کی ڈاک سے بمبئی سے موصول ہوا ہے، اشتہار آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی طرف سے جاری ہوا ہے،

مقاصد کی تشریح اسطرح ہے:-

(۱) ہندوستان بھر میں مسلمانوں کی تنظیم (۲) دینی مدارس اور دیگر ذرائع سے مذہبی پروپیگنڈا کرنا (۳) سنیوں کے مدارس، مساجد، خانقاہ اور دیگر مذہبی اوقاف کی صحیح تنظیم کرنا وغیرہ مطالبات کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے:-

(۱) سرکار دو عالم کے روضۂ اقدس میں روشنی کا انتظام اور پردوں کی تبدیلی، نیز پہرہ ہٹا کر غلامان سرکار دو عالم کو حاضری کی عام اجازت (۲) حضرت خاتون جنت امہات المومنین، صحابہ کرام و دیگر بزرگوں کی قبروں (جنت المعلیٰ و جنت البقیع) میں شایان شان احترام و انتظام (۳) ہند میں اولیائے کرام کے مزارات مقدسہ اور انکی خانقاہوں کا احترام، نیز عرس و نذر و نیاز کا معمول کے مطابق انتظام و انصرام،

اس کے بعد اپیل کی گئی ہے:-

ہر سنی کا فرض ہے کہ وہ سنی جمعیۃ العلماء کا ممبر بن کر اپنی دینی تنظیم کو مضبوط بنانا چاہیئے"

پوسٹر کے ساتھ قرطاس رکنیت بھی منسلک ہے۔ اسکا مضمون یہ ہے:-

میں اللہ تعالیٰ کو شہید و بصیر اور اس کے پیارے محبوب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر جانتے اور مانتے ہوئے اقرار صالح و عہد واثق کرتا ہوں کہ میں اسی ساڑھے تیرہ سو برس سے بھی زیادہ قدیم دین اسلام اور مبارک مذہب اہل سنت کا پابند ہوں اور رہوں گا جو قرآن عظیم اور احادیث مبارکہ نیز ائمہ اہل سنت و اولیائے امت کے ارشادات سے واضح و روشن طور پر ثابت ہے۔ اور حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے فرامین مقدسہ مندرجہ بہجۃ الاسرار اور کتاب مستطاب سبع سنابل (للسید عبدالواحد البلگرامی) و کتاب مبارک تکمیل الایمان (شیخ عبدالحق الدہلوی قدس سرہ) سے ظاہر ہے جس کی تفصیل اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت مولانا شاہ محمد احمد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصانیف مبارکہ خصوصاً المعتمد المستند و کتاب مستطاب حسام الحرمین میں ہے"

کسقدر دلنواز ہے وہ عنوان جو اس نظر افروز پوسٹر پر ثبت کیا گیا ہے، کاش مندرجہ تحت تفصیل سے اس کے چہرہ کو نہ بگاڑا جاتا،

مطالبہ کا آغاز ہندوستان بھر میں مسلمانوں کی تنظیم کی آواز سے ہوتا ہے مگر چند ہی سطروں بعد اسلام "سنیت" میں اور "سنیت" "بریلویت" میں محدود ہو کر رہ جاتی ہے،

قرآن کریم کہتا ہے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا سرکار نامدار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "المسلم اخ المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ"،

مگر ان مدعیان اتحاد کو اصرار ہے کہ مسجدوں میں جوتے چلواتے رہیں گے، جلسوں اور جلوسوں میں ہنگامے برپا کراتے رہیں گے، مدرسوں سے اپنے بھائیوں ہی کے خلاف کفر و ارتداد کے فتوے جاری کرتے رہینگے اور اسوقت تک چین سے نہ بیٹھیں گے جب تک۔ (باقی صفحہ ۲۰ پر ملاحظہ فرمائیے)

مدیر

احادیث قدسیہ

فضائل مساجد و بیت اللہ

(مسلسل)

(۳۶) اِنَّ بُیُوْتِیْ فِی الْاَرْضِ الْمَسَاجِدُ وَاِنَّ زُوَّارِیْ فِیْھَا عُمَّارُھَا

رواہ ابونعیم عن ابی سعید الخدری،

فرمایا اللہ عزوجل نے،

حقیقت یہ ہے کہ زمین پر میرے گھر مسجدیں ہیں اور وہاں میرے ملاقاتی ان کو آباد کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تو مکان سے منزہ ہے لہذا اللہ کے گھر سے مراد وہ جگہ ہوگی جو اس کے ذکر اور اسکی عبادت کے لئے مخصوص کر لی جائے جہاں اسکے فرشتے اترتے ہوں اور جہاں اس کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہوں۔ یہ مقدس مقامات مسجدیں ہیں،

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ "جب تک نماز پڑھنے والا مسجد میں رہتا ہے اسے اللہ تعالیٰ سے گفتگو کا شرف حاصل رہتا ہے" تو گویا مسجدیں اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس سے ہمکلامی کی جگہیں ہوئیں اور مسجدوں میں حاضر ہونے والے نمازی اللہ تعالیٰ کے ملاقاتی اور اس سے ہم کلامی کا شرف حاصل کرنے والے۔ اس حدیث سے مسجدوں کی حرمت اور عزت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ بادشاہوں کے درباروں کا تو کیا ذکر ہے معمولی حاکموں کی کچہریوں کا کسقدر احترام کیا جاتا ہے۔ ادب سے وہاں داخل ہوتے ہیں، نشست و برخاست اور بولنے چالنے میں بھی تہذیب کا خیال رکھنا ضروری ہے اگر کوئی زور سے گفتگو بھی کرے تو اسے باہر نکال دیا جاتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ جن مقامات کو مالک دوعالم نے اپنا گھر بتایا ہے وہاں ادب و احترام کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ پھر مسلمانوں پر شہنشاہ کونین کا جسقدر بھی عتاب ہو وہ کم ہے،

(۳۷) اِنَّ عَبْدًا اَصْحَحْتُ لَہٗ بَدَنَہٗ وَاَوْسَعْتُ عَلَیْہِ فِی الرِّزْقِ ثُمَّ لَمْ یَفِدْ اِلَیَّ بَعْدَ اَرْبَعَۃِ اَعْوَامٍ لَمَحْرُوْمٌ رواہ الطبرانی فی الاوسط وابویعلیٰ عن ابی الدرداء

ترجمہ:۔ فرمایا حق تعالیٰ سبحانہ نے، جس بندہ کو میں نے تندرستی عطا کی اور روزی فراخی کے ساتھ دی پھر وہ چار سال گزرنے پر (بھی) میری بارگاہ میں حاضر نہوا وہ ضرور محروم ہے، روایت کیا اسے طبرانی نے اوسط میں اور ابویعلیٰ نے ابودرداء رضؓ سے،

(۳۸) اِنَّ عَبْدًا اَصْحَحْتُ لَہٗ جِسْمَہٗ وَاَوْسَعْتُ عَلَیْہِ فِیْ مَعِیْشَتِہٖ فَمَضٰی عَلَیْہِ خَمْسَۃُ اَعْوَامٍ لَا یَفِدُ اِلَیَّ لَمَحْرُوْمٌ، رواہ ابن حبان وابویعلیٰ عن سعید وابن عدی وابن عساکر عن ابی ھریرۃ،

ترجمہ:۔ فرمایا اللہ جل شانہ نے، جس بندہ کو میں نے تندرستی بخشی اور اسکے روزگار میں وسعت دی۔ پھر پانچ سال گزرنے پر بھی نہ میری بارگاہ میں حاضر نہوا تو وہ ضرور محروم ہے، روایت کیا اسے ابن حبان نے اور ابویعلیٰ نے سعید سے اور ابن عدی اور ابن عساکر نے ابوہریرہ سے،

یہ حدیث حج بیت اللہ سے متعلق ہے۔

عام مسجدوں کی فضیلت حدیث سابق سے معلوم ہوئی۔ پھر اس مسجد کا کیا کہنا جسے سطح زمین پر خدا کا پہلا گھر ہونے کا فخر حاصل ہو اور جسے خدا کے مقدس ترین پیغمبروں نے اپنے مبارک ہاتھوں سے تعمیر کیا ہو اور اسے دنیا کے بتکدوں میں خداپرستی کا پہلا مرکز بنایا ہو اور جس کے چپہ چپہ پر خدا کے ان وفادار ترین بندوں کی وفاداریوں اور جاں سپاریوں کی داستانیں ثبت ہوں،

چنانچہ جہاں عام مسجدوں میں پانچ وقت حاضر ہوکر آقا و مولیٰ کی بارگاہ میں اظہار بندگی ضروری قرار دیا گیا وہاں اس دربار خاص میں بھی کم از کم عمر میں ایک مرتبہ حاضری فرض قرار دی گئی، تاکہ خدا کے مقدس پیغمبروں کی بندگی د

وفاداری کے مناظر ہماری نگاہوں سے گزریں اور ہمارے دلوں میں ایمان یقین اور اخلاص کی روشنی پیدا کریں۔ ہم اپنی ادعائی وفاداری کے لئے خدا کے ان حقیقی وفادار بندوں کی وفاداری کو نمونہ بنائیں جنھوں نے آقا و مولیٰ کے اشارہ پر اپنی جان مال اولاد کو بے تامل قربانی کے لئے پیش کر دیا اور رضائے مولیٰ کے حصول کو اپنی زندگی کا حاصل قرار دیا

اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ، درحقیقت میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو سب جہانوں کے پروردگار ہیں۔

دین فطرت ہونے کی وجہ سے اسلام دنیا کا عالمگیر مذہب بننے والا تھا۔ یورپ و امریکہ اور ایشیا و افریقہ کے دور دراز مقامات میں آفتاب اسلام کی کرنیں پہنچنے والی تھیں۔ مذہب فطرت ہونے کا تقاضہ یہ بھی تھا کہ آسان و سہل اور ہر ایک کے لئے قابل عمل ہو۔ اسی لئے بیت اللہ کی حاضری ضروری ہونے کے لئے جسمانی صحت اور معاشی فراغت شرط ٹھہرائی گئی،

حج اسی شخص پر فرض ہے جو تندرست ہو اور اتنا مالدار بھی ہو کہ اپنے اور متعلقین کے ضروری مصارف کے علاوہ سفر خرچ کا بھی انتظام کر سکے مگر جب حج کی فرضیت کی یہ شرائط پائی جائیں تو بلا تاخیر حج کا ارادہ کر لینا چاہیئے اور ہرگز دیر نہ کرنی چاہیئے۔ نہ انسانی زندگی کا کچھ اعتبار ہے اور نہ مال و دولت کا کچھ بھروسہ۔ ایسا نہ ہو کہ پھر وہ اس قابل نہ رہے اور اس دولت عظمیٰ سے محروم رہ جائے، بے شک اس محرومی سے زیادہ کیا محرومی ہو سکتی ہے کہ کوئی مدعی اسلام استطاعت کے باوجود خدا کے اس مقدس گھر کی زیارت سے محروم رہ جائے جسے انوار و تجلیات ربانی کی کرنیں اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہیں اور جہاں ہر وقت اس کی رحمتوں اور برکتوں کی بارش ہوتی رہتی ہے، حدیث میں آتا ہے کہ مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کی برابر اور مسجد حرام (بیت اللہ) میں ایک لاکھ نمازوں کی برابر ہے۔ زیر شرح حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جو شخص تندرست بھی ہو کہ سفر کی تکلیف برداشت کر سکے اور اتنا مال دار بھی ہو کہ اس سفر کا انتظام کر سکے اور پھر وہ بلا وجہ تاخیر کرے وہ بڑا محروم ہے،

حدیث میں جو چار یا پانچ سال کا ذکر کیا گیا ہے اس سے معتد بہ تاخیر مراد ہے، سالوں کی تعیین مقصود نہیں۔

حدیث شریف میں تارک حج کے لئے جو محروم کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے اس کی توضیح کے لئے یہ آیۃ مبارکہ بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے،

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ ، اور اللہ جل شانہ (کی رضا کے حصول) کے لئے لوگوں کے ذمہ بیت اللہ کا حج فرض ہے۔ ان لوگوں کے ذمہ جو وہاں جانے کی استطاعت رکھتے ہوں اور جو شخص (نہ جائے اور) کفر کرے تو درحقیقت اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے پروا ہیں،

اس آیۃ میں تارک حج کو "کافر" کہا گیا ہے۔ بیشک جو شخص حج کی فرضیت ہی کا منکر ہو اور وہ اسے اسراف اور تضیع اوقات سمجھتا ہو جیسا کہ آج کل کے بعض متجددین کا خیال ہے (جنھیں سفر حج ہی میں تضیع اوقات اور اسراف نظر آتا ہے، سوئزرلینڈ اور پیرس کے تفریحی سفروں میں نہیں) تو وہ تو اپنے حقیقی معنی میں کافر ہے۔ لیکن جو شخص عقیدہ کے اعتبار سے تو اسے فرض سمجھتا ہو مگر عملاً اس میں کوتاہی برتتا ہو تو اس کے بھی کافر نعمت ہونے میں شک نہیں، اس سے بڑی ناشکری کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اسے اپنے فضل و کرم سے صحت و دولت جیسی نعمتیں عطا فرمائیں اور وہ انہیں فرائض بندگی ادا کرنے میں صرف نہیں کرتا۔

بہر حال کفر تو سب سے بڑی محرومی ہے ہی کفران نعمت بھی خاصی بڑی محرومی ہے کہ اس سے اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور باران رحمت الٰہی رک جاتی ہے۔

لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ　اگر تم نے شکر گزاری کی تو میں تم کو ضرور زیادہ دوں گا،

ظاہر ہے دونوں محرومیوں میں سے کوئی محرومی ہو اس میں بندہ ہی کا نقصان و خسران ہے، اللہ تعالیٰ کا کیا بگڑتا ہے، وہ نہ کسی کے ایمان کا محتاج ہے اور نہ عبادت کا، اس کی عظمت و جلالت میں نہ کسی کے اعتراف و تسلیم سے اضافہ ہوتا ہے نہ کسی کے انکار و کفر سے کمی، اسی لئے فرما دیا گیا:—

وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ ، اور جس نے کفر کیا (تو اس نے خود اپنا نقصان کیا) درحقیقت اللہ تعالےٰ تو سب جہانوں سے بے پروا ہے

———— ٭ ————

★ — جناب مولانا محمد نعیم صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند

مباحث علمیہ

قرآن وحدیث کے متعلق چند سوالات اور انکے جوابات

(۲)

سوالات :-

(۲) **احادیث :-** (الف) کن مصنفین کی جمع کردہ احادیث سب سے زیادہ معتمد ہیں؟

(ب) کیا احادیث اور قرآن کی تعلیمات میں اختلافات مسلم ہیں؟ اگر ایسے کوئی اختلافات جو بدیہی یا استنباطی ہوں۔ تو کیا ہمیشہ قرآن کا ہی حکم چلے گا؟

(۳) **تقدیر :-** (الف) انسانی ارادہ کے تقدیر سے تعلق کے متعلق کیا عقیدہ ہے؟

(ب) قرآن کی ان آیات کا کیا مطلب ہے۔ کہ "خدا جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے" (سورۃ ۳۵ آیۃ ۹، سورہ ۱۳ آیۃ ۲۷)

(ج) قرآن کی سورۃ ۱۶ کی ۲۸، ۲۹ آیات کا مستند مطلب کیا ہے؟

(د) قرآن خدا کے متعلق کہتا ہے کہ اسنے دلوں پر مہر لگادی۔ کیا یہ گناہ کا نتیجہ ہے یا کسی اور چیز کا، جب ایک مرتبہ خدا دلوں پر مہر لگا دیتا ہے تو کیا اسکے بعد نجات ممکن نہیں؟

(۴) **جنت اور دوزخ :-** (الف) جب قرآن جنت اور دوزخ کہتا ہے (یعنی باغات اور جہنم) تو کیا انہیں روح کا مقام ہے یا حالت سمجھنا چاہیے؟

(ب) کیا جنت اور دوزخ دائمی ہیں۔ کیا جنت اور دوزخ کے علاوہ بھی موت کے بعد کوئی مقام ہے یا حالت ہے اگر کوئی ایسا مقام یا حالت ہے تو وہاں لوگوں کو ان کے اچھے کاموں کی جزا ملتی ہے یا وہ صرف گناہوں کی سزا پانے کی جگہ ہے؟

(ج) موت کے بعد خدا کی طرف سے ایک فیصلہ کیا جاوے گا یا دو؟

(۵) **حضرت مریم، یا در عیسیٰ علیہ السلام :-**

(الف) کیا قرآن بتاتا ہے کہ مریم کو عیسائی تین میں ایک سمجھتے تھے؟

(ب) قرآن میں مندرجہ بالا سوالات کے جواب کن آیتوں میں ملیں گے؟

(۶) **عیسیٰؑ ابن مریمؑ :-** (الف) کیا حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ حقیقۃً مر چکے ہیں؟

(ب) کیا انہیں موت کے بغیر براہ راست آسمان پر اٹھا لیا گیا؟

(ج) قرآن کی سورۃ ۱۰ آیۃ ۴۸، سورۃ ۴ آیت ۱۵۷ اور سورۃ ۱۹ آیت ۳۳ میں بظاہر تضاد ہے؟ اس کی مسلم علماء کسطرح تطبیق کرتے ہیں؟

ایڈرن۔ جے۔ ڈیلانی۔ ایس۔ جے
ڈی نوبلی کالج پونہ ۶ (۳۰ اگست ۱۹۵۷ء)

جوابات :-

حدیث :- (الف) بخاری شریف، مسلم شریف، موطا امام مالک، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی صحاح ستہ کو اعتماد حاصل ہے پھر ان میں سے بھی بالخصوص بخاری اور مسلم کو امتیازی مقام حاصل ہے۔ اور ان دونوں میں بھی بخاری کو اصح الکتب مانا گیا ہے،

(ب) حدیث و قرآن میں ایک دوسرے کیساتھ متن اور شرح کا تعلق ہے، اسلئے حقیقی اختلاف ان دونوں میں ممکن نہیں ہے، آنحضرت نے خود ارشاد فرمایا کہ ہماری احادیث، کتاب اللہ پر پیش کر کے رد یا قبول کیا کرو۔ جو حدیث کتاب اللہ کے خلاف ہو سمجھو کہ وہ حدیث نہیں ہے جہاں

ء یوں تو حدیث کی صحیح کتابیں بیشمار ہیں، لیکن ان تمام کتابوں میں خصوصیت کے ساتھ شہرت اور مقبولیت ان ہی کو حاصل ہوئی،

بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے وہ ہماری اپنی سمجھ کا قصور ہوتا ہے، ایسا اختلاف تو خود قرآن کی آیات میں اور اسی طرح باہمی احادیث میں نظر آتا ہے جسکی تطبیق، اور ترجیح اور تنسیخ بیان کرکے علماء اسلام نے رفع اختلاف کر دیا ہے، آپ کو جس آیت یا حدیث میں باہمی تعارض معلوم ہوتا ہو اس کو متعین کرکے لکھئے تاکہ بالتفصیل جواب دیا جاسکے، یہ تو اصولی اور اجمالی جواب ہے جو عرض کیا گیا،

تقدیر:- (الف) انسان جب کسی کام کی مخالفت پر آمادہ ہو جاتا ہے تو شروع میں حق و ناحق کا چاہے امتیاز رہے لیکن مخالفت کرتے کرتے ایک وقت وہ ضد اور ہٹ دھرمی کے ایسے موڑ پر بھی آجاتا ہے جہاں سمجھنے اور قبول کرنے کی استعداد آہستہ آہستہ مضمحل ہو کر بالکلیہ فنا ہو جاتی ہے اور پھر وہ کسی قیمت پر بھی موافقت کرنے اور مخالفت چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتا۔ اسی طرح فطرت کی صاف تختی دے کر قدرت کی طرف سے انسان کو بھیجا جاتا ہے جس میں قبول حق کی صلاحیت ہوتی ہے، لیکن آہستہ آہستہ خود غرضی، حرص و حسد، ہوائے نفسانی کا وہ شکار ہوتا رہتا ہے، اور صلاحیت و استعداد کھوتا رہتا ہے، اور پھر اسقدر پختہ ہو جاتا ہے کہ قبول حق کی استعداد ہی فنا ہو جاتی ہے، اور امید کی کوئی کرن باقی نہیں رہتی اسی قابلیت کے فنا ہو جانے کو مہر لگانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اگر کوئی مبصر اسکی خستہ حالی کو دیکھ کر اس کی تباہ کاری کا اعلان کر دے تو یہ قصور اعلان کرنے والے کا ہوگا، یا ساری ذمہ داری خود اس اسباب تباہی فراہم کرنیوالے اور استعداد برباد کرنے والے پر ہوگی؟ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تباہی خطرہ کا اعلان کرنے سے آئی بلکہ کہا یہ جائے گا کہ اعلان خطرہ کو دیکھ کر کیا گیا،

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (البقرہ) بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (التطفیف) وغیرہ آیات میں جس مہر لگانے کا ذکر کیا گیا ہے اسکی وجہ سے وہ گمراہ نہیں ہوئے بلکہ انکی اختیاری حرکات کی وجہ سے خطرہ اور نا امیدی کا اعلان کیا گیا ہے اس سے نہ کسی کا اختیار سلب ہوسکتا ہے اور نہ بندہ سے [illegible] ساقط ہوتی ہے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص حفظان صحت کے اصول کو پامال کرکے خود اپنی تمام صحت برباد کرے، اور [illegible] تباہی سے مجبور ہو کر [illegible] تو [illegible] کے رفقاء [illegible] [illegible]

بچنے کی کوئی صورت نہیں، اور وہ مر بھی جائے، تو نہیں کہا جاسکتا کہ طبیب کے جواب دیدینے سے وہ ہلاک ہو گیا ہے، بلکہ یہی کہا جائیگا کہ خود طبیب کا کہنا اس کی ہلاکت کی بناء پر ہوا ہے یعنی ہلاکت کا سبب طبیب کا قول نہیں بلکہ قول طبیب کا باعث اس کی تباہ کاری اور ہلاکت بنی، اور خود ہلاکت کا سبب اس کی بد پرہیزی اور لاپرواہی و بے احتیاطی ہوگی،

اسی طرح یہاں مہر لگانا سبب گمراہی نہیں بلکہ گمراہی سبب بنی اعلان مہر کا، اور اختیاری افعال سبب بنے ہیں گمراہی کا۔ اسلئے اس کہدینے سے نہ کسی کا اختیار سلب ہوا، اور نہ اللہ کی خبر غلط ہوئی، البتہ چونکہ ہر چیز کے پیدا کرنے والے حق تعالیٰ ہیں اسلئے مہر لگانے کی نسبت حقیقتہً اپنی طرف کر دی جسکا مطلب یہ ہوگا کہ مہر لگانا ہماری طرف سے اسوجہ سے ہوا کہ ہماری عادت یہ ہے کہ انسان جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اس کام کو اس ارادہ پر مرتب کر دیتے ہیں، لیکن اس کام کے کرنے کی ذمہ داری خود اس شخص پر ہوگی، ہم سے تو صرف پیدائش اور موجود کر دینے کا تعلق ہے۔ اس سے بندہ مسلوب الاختیار نہیں ہو جاتا، بلکہ ارادہ اور اختیارات کی ذمہ داری بندہ ہی پر رہتی ہے،

یہ دوسری بات ہے کہ خلق اور کسب میں باہمی یہ فرق رہے گا کہ جہانتک پیدا کرنے کا تعلق ہے، اچھی اور بری دونوں چیزوں کا پیدا کرنا ضروری اور بہتر ہوگا، بالخصوص جبکہ پیدا کرنے والا علیم الاطلاق حکیم ہو اور اس کے پیش نظر بری چیزوں کے پیدا کرنے میں بھی ان گنت مصلحتیں ہوں گو کسی وجہ سے وہ مصلحتیں ہمیں معلوم نہ ہوں، لیکن مصالح کا عدم العلم، عدم المصالح کو مستلزم نہیں ہوسکتا۔

البتہ برائیوں کا کسب و ارتکاب بوجہ فقدان مصالح کے برا ہی ہے [illegible]

کون نہیں جانتا کہ شہد کی طرح دنیا میں زہر بھی ضروری ہے لیکن اسلئے نہیں کہ آدمی زہر کھالیا کرے، آگ کا ہونا ضروری ہے لیکن نہ اسلئے کہ آدمی اپنا گھر پھونک دے، تلوار تیار ہوتی، اسلحہ بھی سب ضروری [illegible] مگر اسلئے نہیں کہ بیجا استعمال کریں [illegible]

سانپ بچھو، کیڑے مکوڑے سب کا وجود ضروری ہے [illegible] عالم [illegible] لیکن غلط اور بیجا استعمال یقیناً برا ہوگا جسکا ذمہ دار [illegible] کی طرح [illegible] پیدا کرنیوالا [illegible] [illegible] کی پیدائش ضروری [illegible]

برائیوں اور جرائم کا ارتکاب یقیناً مذموم ہوگا جس کی ذمہ داری بندہ پر ہوگی،

رہا یہ شبہ کہ افعال تو بندہ کے ارادہ پر مرتب ہوتے ہیں لیکن بندہ کا ارادہ، تو اللہ کے ارادہ پر مرتب ہوتا ہے جس سے بندہ کی مجبوری اور بے اختیاری ظاہر ہے اس شبہ کا حل یہ ہے کہ اللہ کا ارادہ بندہ کے ارادہ سے علی الاطلاق متعلق نہیں ہوتا، بلکہ خاص اس تقدیر پر کہ بندہ باختیار خود اس کام کو کرے گا یا نہیں کرے گا، اس سے تو بندہ کے ارادہ کا مزید اثبات اور تحقق ہوتا ہے نہ کہ نفی، چنانچہ اللہ کا ارادہ خود اپنے افعال سے جب متعلق ہوتا ہے تو اس سے اسکے مختار ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ سب کے نزدیک اس کا مختار ہونا محقق ہے اسی طرح بندہ کے ارادے سے اسکے ارادہ کا تعلق بندہ کے ارادہ کی نفی نہیں کرتا بلکہ اور زیادہ موکد ہے،

امید کہ اس اجمالی تقریر سے تقدیر کے ذیل میں مندرجہ سوالات (الف و ب و د) سب کا حل نکل آیا ہوگا، تاہم پھر بھی علی التعیین اگر اشتیاق ہو تو علی الاختصار ملاحظہ ہو،

(الف) بندہ کا فعل ذو وجہین ہے، اسکی پیدائش تو اللہ سے متعلق ہے لیکن کسب کا تعلق بندہ کے ارادہ اختیاری سے ہوتا ہے اور بندہ کا ارادہ اللہ کے ارادہ کے تابع اور ماتحت ہوتا ہے اور اللہ کا ارادہ، بندہ کے باختیار ہونے کی تقدیر پر ہوتا ہے،

(ب) اس قسم کی آیات میں اللہ نے صرف اپنے فعل خلق کو بیان فرمایا ہے جس سے بندہ کے کسب کی نفی نہیں ہوتی،

(د) جسطرح گرم اور ٹھنڈی غذاؤں کا اثر ہوتا ہے اسی طرح نیکیاں اور بدیاں بھی جسم و روح پر اثر انداز ہوتی ہیں، نیز چھوٹی نیکیاں بڑی [illegible]کیوں کی طرف اور چھوٹی برائیاں بڑی برائیوں کی طرف کشش کرتی ہیں، [illegible] گناہوں کے انہماک اور اصرار سے نوبت کفر و طغیان تک پہنچ جاتی [illegible] ہے تباہی اور مہر لگاتا، ذلک بانہم کانوا یکفرون بآیات اللہ [illegible]نبیین بغیر الحق الخ،

[illegible] لوگ اپنی فطری صلاحیتوں کو ضائع کر دیتے ہیں اور خدا [illegible] اس حالت کا علم ہوتا ہے کہ بندہ راہ راست پر نہیں [illegible] کے موافق اسکا راہ یاب ہونا ناممکن ہو جاتا ہے اور [illegible]یت نہیں تو نجات کیسی؟ فانحل جمیع الاشکالات والحمد للہ علی ذلک،

جنت و جہنم:- (الف) جنت و جہنم، عالم آخرت میں قرآن کریم کی رو سے نہ صرف روح کا مقام ہوں گے بلکہ جسم و روح دونوں کا مستقر ہیں۔ کما نطقت بہ الآیات التی دلت علی لذا ئذ الجسمانیہ والروحانیہ مثلاً (۱) لہم فیہا فاکہۃ (۲) لہم فیہا ازواج مطہرۃ (۳) لکم فیہا ما تشتہی الانفس ولکم فیہا ما تدعون، (۴) قیل ادخلوا ابواب جہنم (۵) سرابیلہم من قطران، وغیرہ،

(ب) جنت و جہنم بیشک دائمی اور غیر فانی ہیں خالدین فیہا ما دامت السموات والارض اس پر شاہد ہے۔

اور اس عالم شاہد اور عالم آخرت کے مابین ایک عالم برزخ اور عالم مثال بھی ہے جس پر سینکڑوں نصوص شاہد ہیں۔ اسکی حقیقت ایسی ہے جیسے باقاعدہ مقدمہ چلانے اور فرد جرم عائد ہونے اور فیصلہ ہونے تک کسی کو حراست میں رکھا جائے۔ اسی طرح باقاعدہ عدالت انصاف قائم ہونے تک اور مستحق الزام و انعام ہونے تک اس درمیانی وقفہ میں ارواح حراست میں رہتی ہیں وہاں فیصلہ کی سزا اور جزا تو نہیں ہوتی لیکن سزا اور جزا کے ابتدائی اثرات کا مشاہدہ ہونے لگتا ہے،

(ج) جن لوگوں نے خالص نیک کام کئے ہونگے انکے لئے صرف جنت کا فیصلہ اور جن لوگوں نے خالص برے ہی برے کام کئے ہونگے انکے لئے صرف جہنم کا فیصلہ اور جنہوں نے اچھے برے دونوں طرح کے کام کئے ہونگے انکے لئے سزا اور جزا کا فیصلہ ہوگا۔ اب چاہے اس کو ایک فیصلہ کہہ لیا جائے یا دو فیصلے،

حضرت عیسیٰ ابن مریم:- (الف) عیسائیوں کے تین فرقوں، یعقوبیہ نسطوریہ، ملکائیہ میں سے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام، ثالث ثلاثہ ہیں لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلاثۃ (سورہ مائدہ) پارہ ۶ لا تقولوا ثلاثۃ (سورہ نساء پارہ ۶)

مفسرین نے یہی بیان کیا ہے کہ بعض عیسائی حضرت مریم کو ثالث ثلاثہ ہونا مانتے ہیں، قرآن کریم میں بھی دوسرے موقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی اتخذونی وامی الٰہین من دون اللہ کی تصریح موجود ہے جس سے اس عقیدہ کا نصاریٰ میں ہونا معلوم ہوتا ہے،

(ب) قرآن کی روشنی میں مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ابھی نہیں ہوئی بلکہ وہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں، چنانچہ قرآن کریم کی ان آیات میں اسکا ثبوت ملتا ہے۔

(۱) اذ قال اللہ یٰعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الیّ (۲) وما قتلوہ وما
بوہ ولکن شبہ لھم وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ ما لھم بہ من علم الا اتباع الظن
قتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ الیہ وکان اللہ عزیزا حکیما (سورہ نسا پارہ ۶ ع ۱)

یہودیوں کے اس دعویٰ کی قرآن کریم نے تردید کی ہے کہ حضرت
سیٰ علیہ السلام کو بعد صلب و دفن آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے، نہ ان کو قتل
یا گیا اور نہ سولی دی گئی اور نہ ابھی طبعی وفات ہوئی بلکہ زندہ آسمان پر
رق عادت کے طور پر اٹھائے گئے ہیں،

رہا یہ شبہ کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے نظریئے تو تواتر سے ثابت
ں جنکا انکار مشکل ہے، اسلئے صحیح نہیں کہ شرائط تواتر مفقود ہونے سے
ن کو تواتر کہنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین تو خوف
ےمارے وہاں موجود نہیں تھے اور غائبین کی شہادت معتبر نہیں پس انکا
اتر تو یوں خراب ہوا، بعد کی کثرت کا اعتبار نہیں۔ اور یہود اولاً تو انکا دشمن
نامجوز کذب ہے۔ جو تواتر کے خلاف ہے، دوسرے ایک خاص تائید الٰہی
وجہ سے ان پر اشتباہی کیفیت طاری ہوگئی تھی جس کی وجہ سے انمیں شدید
تلاف ہوگیا، تیسرے انکی ناکامی کی رسوائی اور شرم دامن گیر تھی اسپر
دہ ڈالنے کے لئے غلط خبر کا مشہور کر دینا ان سے بعید نہیں۔ چوتھے حاضرین
، تعداد، تواتر کی حد تک نہیں تھی اور غائبین کا اعتبار نہیں، پس تواتر کہاں رہا،

ممکن ہے پہلی آیت میں لفظ "وفات" سے انکی موت کا شبہ ہو،
واولاً تو وفات کے معنے پورا پورا لینے کے ہیں جسکا مطلب یہ ہوگا کہ ہم
آپ کو پوری احتیاط اور حفاظت کے ساتھ جسم و روح سمیت اٹھالینگے،
چنانچہ بل رفعہ اللہ میں اسکی تصریح بھی ہے،

اور اگر بالفرض وفات کے معنے موت کے ہی سے لئے جائیں تب بھی
یہ کہاں آیت سے معلوم ہوا کہ اسکا وقوع ہو چکا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے
اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو پانچ وعدے فرمائے ہیں ان میں سے بعض
کا وقوع ہوا بعض کا نہیں، اور صرف واؤ سے ترتیب وقوعی معلوم نہیں ہوتی،
یہ تو مطلقاً چند چیزوں کو جمع کرنے کے لئے آتا ہے،

پھر بل رفعہ اللہ نص صریح، جسم و روح کے ساتھ رفع پر دلالت
کر رہی ہے، اور حقیقی معنی بغیر تعذر چھوڑ کر مجازی معنی مراد نہیں لئے جاسکتے
اور دلیل تعذر موجود نہیں اسلئے بلا وجہ عدول جائز نہیں ورنہ ہر نص صریح
کا انکار کیا جاسکتا ہے، اور کسی نص پر امان باقی نہیں رہے گا، وذلک باطل
بلکہ حدیث صریح اور اجماع سے حضرت عیسیٰ کی حیات ثابت ہے جو مجاز کے
تعذر کی دلیل ہے، چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں ان عیسیٰ لم یمت وانہ
راجع الیکم قبل یوم القیامۃ (کذا فی الدر المنثور للسیوطی) اور اجماع کا یہ حال
ہے کہ آجتک کسی معتبر عالم اسلام نے خلاف نہیں کیا ہے، اور جنھوں نے
خلاف کیا ہے وہ عالم اسلام نہیں"

(نوٹ) جن آیات کریمہ کا مطلب دریافت کیا گیا ہے یا تو ان کا حوالہ
صحیح نہیں ہے یا پھر ہماری سمجھ میں وجہ اشکال نہیں آئی براہ کرم آیات
اور اشکال کی صحیح نشان دہی کیجئے،

تاریخی حقائق

★ ——— از مولانا محمد ظفیر الدین رکن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

حضرت نانوتوی کی زندگی کے بعض گوشے

(۳)

ذوق علم کا یہ عالم تھا کہ لکھا ہے :-

"اپنی شہرت کے زمانہ میں ابو داؤد بغل میں دبا کر مولانا احمد علی صاحب کی خدمت میں مولانا محمد قاسم صاحب حاضر ہوا کرتے تھے، اور دنیا کیا کہے گی اسکا خیال کئے بغیر ایک ایسی ہستی کو استاذ بنانے میں حجاب مانع نہ ہوا، جس سے گونہ علمی معاصرت کا آپ تعلق رکھتے تھے" (ص ۲۵۴ ج ۱)

مگر ایک ہمارا یہ دور ہے، کہ شاگرد اپنے استاذ سے بھی استفادہ میں ننگ و عار محسوس کرتا ہے، اور اسے خود اپنے علم و فضل کی مدح سرائی سے فرصت نہیں ملتی، رہا دوسرے ارباب فضل و کمال سے استفادہ تو یہ تقریباً محال سا ہو گیا ہے، کاش حضرت نانوتوی رح کے اس واقعہ سے ہم متاثر ہوتے،

حضرت مولانا مملوک العلی رح آپکے شفیق استاذ آپ سے بیحد خوش تھے، اور فخر کے طور پر فرمایا کرتے تھے" مولانا محمد اسمٰعیل شہید کو لوگ یاد کرتے ہیں، مگر جو زندہ رہیگا ہمارے اسمٰعیل (حضرت نانوتوی رح) کو بھی دیکھ لے گا" (ص ۲۶۷ ج ۱)

کاش آج ہم بھی اپنے کو ایسے درجہ میں پہنچا دیتے کہ ہمارے اساتذہ ہم پر فخر کر سکتے،

حضرت نانوتوی رح کے متعلق کسی اور کی نہیں ہندوستان کے مشہور و مقبول بزرگ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی شہادت ہے کہ آپ کو کمسنی ہی میں ولایت ہو گئی تھی، اور جب وقت آیا تو سوانح مخطوطہ کے مصنف کا بیان ہے کہ آپ سے دن رات کھلی کرامتیں سرزد ہوتی تھیں، مگر بایں آپکا حال کیا تھا، سوانح مخطوطہ کے مصنف کا ذمہ دارانہ بیان ہے

"اپنی خاکساری کی وجہ سے انکو ایسا چھپاتے تھے، جیسے پانی کنوؤں کی تہ میں، اور ہرگز اس (کرامت) کے اظہار کو پسند نہ فرماتے تھے"

(ص ۳۱۱ ج ۱)

یہ کیسا انقلاب ہوا کہ پہلے لوگ اپنی خداداد خوبیوں کا اخفا کرتے تھے، اور اب ہمارے زمانہ میں ان ساری خوبیوں سے عاری بلکہ گناہ میں ملوث لوگ جھوٹ موٹ اپنی بزرگی کا سکہ رائج کرنا چاہتے ہیں، اور مکر و فریب کے جال میں عوام کو پھانسنا چاہتے ہیں،

رہے علماء، تو اب یہ دنیا کے پیچھے ایسے دیوانے ہو رہے ہیں کہ انکو خبر ہی نہیں کہ ہمارے اکابر اپنے عمل سے ہمیں کیا تعلیم دے گئے۔ کاش یہ سوانح قاسمی کا مطالعہ ہی تعمیر سیرت کے نقطہ نظر سے کرتے، مگر انکو مصنف پر تنقید ہی سے کہاں چھٹی، پڑھا ایک حرف نہیں اور بیٹھ گئے اس کی ضخامت پر تبصرہ فرمانے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایک وہ تھے جو فتح الباری کی پوری پوری جلدیں چند دنوں میں پڑھ جاتے تھے، اب کوئی عمر بھر میں کبھی نہیں پڑھتا، کتب بینی کے نام ہی سے انکی روح پرواز کرنے لگتی ہے،

پہلے کے لوگوں کا دینی ذوق بڑا اونچا تھا، ایک دفعہ نواب مصطفٰے خانصاحب حضرت نانوتوی رح سے ملے، تو مراقب ہو کر اندازہ لگانا چاہا کہ دیکھیں یہ حضرت کہاں تک پہنچے ہوئے ہیں، مگر معلوم ہے کیا فرمایا؟

"سر اٹھایا تو ایک صاحب سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں نے بڑے بڑے لوگ دیکھے، لیکن مولانا کی نسبت کا تو کہیں پتہ ہی نہیں ملتا یعنی بہت اونچے ہیں" (ص ۳۳۴ ج ۱)

اب کہاں کسی کو صحیح معنی میں دل کی صفائی کا ذوق رہا، جسم کی صفائی پر ہی جان دینا فخر سمجھتے ہیں کاش علماء میں پھر دل کے معاملہ پہلا ذوق روحانی عود کر آتا، اور دنیا پھر ایک دفعہ مہک اٹھتی،

افسوس یہ ہے کہ آج لوگ قلب کا تزکیہ بیکار سمجھتے ہیں، مگر کیسے یقین دلایا جائے، کہ پاور ہاؤس یہی ہے، اگر اس میں جلا پیدا ہو گئی، تو پھر ساری دنیا روشن ہے، حضرت نانوتوی رح کا حال یہ تھا کہ جب کوئی علمی مسئلہ پوچھتا تو فرماتے اسکے تین جواب، یا پانچ ہیں اور پھر ان کو

ترتیب سے بیان فرماتے، ایک دفعہ لوگوں نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا بات ہے کہ "جب آپ سے کوئی کسی بات کا سوال کرتا ہے، تو آپ برجستہ فرماتے ہیں، اسکے تین جواب ہیں یا پانچ ہیں کیا پہلے سے سارے سوالات کے جوابات سوچ کر انکی فہرست لگا رکھی ہے، یا سوچ کر آتے ہیں"۔

یہ سُن کر حضرت نانوتویؒ نے جواب دیا۔

"نہیں بلا اختیار میری زبان سے یونہی نکل جاتا ہے، اور جتنے ہی جواب دیکر میری طبیعت رُک جاتی ہے"۔

اسے تزکیہ قلب کے نتیجہ کے سوا کیا نام دیا جاسکتا ہے، اگر کسی سے کہا جائے (ص ۳۴۴ ج ۱) کہ علم کی کمی قلب کی طرف توجہ کی کمی کا نتیجہ ہے، اس زمانہ میں اسے کون سُنے گا، بلکہ ضد میں آکر اِدھر اُدھر کے ذہین لوگوں کے واقعات کی تفصیل شروع کر دی جائے گی، حالانکہ اس سے بات بنتی ہرگز نہیں ہے،

اسی قلب کی صفائی کا نتیجہ تھا کہ حضرت نانوتویؒ نے اپنی نوجوانی میں جتنے اہم اہم کام انجام دیئے، آج کوئی تجربہ کار بھی نہیں کرسکتا،

جس وقت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ نے بخاری شریف کا حاشیہ لکھنا آپکے سپرد فرمایا، اس وقت آپ نوجوان تھے، لوگوں کو معلوم ہوا تو اعتراض کیا کہ یہ کیا مولانا نے کیا کہ اتنا اہم کام ایک نوجوان کے حوالہ کر دیا، ان باتوں کو سُنکر معلوم ہے مولانا سہارنپوریؒ نے کیا جواب دیا تھا، فرمایا تھا

"میں ایسا نادان نہیں ہوں کہ بدوں سمجھے بوجھے ایسا کروں، اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں مولوی (حضرت نانوتویؒ) صاحب کا تحشیہ ان اعتراض کرنے والوں کو دکھلایا، جب لوگوں نے جانا" (ص ۲۵۳ ج ۱)

اب اس دور قحط الرجال میں ان باتوں سے کس کو دلچسپی ہوسکتی ہے، اور اسکی اہمیت کو محسوس کرنے والے ہی کے رہ گئے، اب ان باتوں کا زمانہ کہاں جھوٹی نمائش کا دور ہے، یہ واقعات پڑھ کر کس کے دل میں اُمنگ و ولولہ کروٹیں لے گا کہ مجھے بھی یہی صلاحیت حاصل کرنی چاہیئے، الا ماشاء اللہ،

حضرت نانوتویؒ کی قلبی صلاحیت کا یہ عالم تھا کہ

"حضرت نانوتویؒ کو حرام کے طعام سے جیسے نفرت تھی، ویسے ہی اسکا احساس بھی بہت جلد کرتے تھے" (ص ۲۶۵ ج ۱)

ہمارے اس دور میں حرمت و حلت کی بات ہی اٹھتی جارہی ہے، اب تو زیادہ سے زیادہ مزیدار اور غیر مزیدار کی بحث رہ گئی ہے، جہنم کی آگ اپنے پیٹوں میں بھرنے سے لوگ ذرا بھی نہیں ہچکچاتے، وہاں حضرت نانوتویؒ کا حال یہ تھا،

"مگر دعوت بوجہ دلداری ہر ایک کی منظور فرمالیتے .... لیکن گھر پہنچ کر قے کر دیتے تھے"۔ (ص ۲۶۵ ج ۱)

اب جب حرمت و حلت کا احساس ہی مردہ ہوگیا ہے تو قے کی بحث ہی کہاں پیدا ہوتی ہے اب تو لوگ اپنی حلال غذا کو بھی اپنی کوتاہیوں سے حرام بنا کر کھاتے ہیں اور انہیں احساس تک نہیں ہوتا،

حضرت نانوتویؒ تعلیم کے ساتھ تربیت کو بھی ضروری جانتے تھے، یہی وجہ تھی کہ ہونہار لڑکوں کو منتخب فرمالیا اور مدرسہ سے الگ رکھ کر انکی ذہنی، علمی، اور اخلاقی تربیت فرمائی، سوانح قاسمی میں لکھا ہے

"اور دوسری طرف تربیت خاص کی حد تک اپنی ذات گرامی کو مرکز بنایا، مخصوص طالب اور افراد اپنے لئے چھانٹ لیے .... اور ان مستعد طالبوں کو سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھ کر انھیں اپنے رنگ میں رنگا" (ص ۴۲۲ ج ۱)

اللہ تعالیٰ بانی دار العلوم کی قبر کو قیامت تک روشن رکھے، تعلیم و تربیت کے ایک ایک پہلو کو عملی طور پر اُجاگر کرکے دکھایا، مگر زمانہ کے ہنگامہ نے جہاں دوسری چیزوں کو اوجھل کر دیا، یہ طریقہ بھی بند ہو چلا گیا، یقین کیا جائے اگر کل تربیت خاص کی چار آنے ضرورت تھی تو آج اس کی سولہ آنے ضرورت آپڑی ہے، اس سلسلہ کے کم ہو جانے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں مخصوص افراد کی پیداوار میں خاصی کمی محسوس کی جانے لگی ہے، کاش پورے ہند و پاک میں اس سنت کے احیاء کی سعی جاری کر دی جاتی،

یہ بھی سُنئے کہ حضرت ان مخصوص افراد کی تربیت کیسے فرماتے تھے لکھا ہے

"حضرت کی درسگاہ اور تربیت گاہ اور جائے قیام چھتہ مسجد کا ایک حجرہ تھا ...... اسی میں روز و شب گزارتے تھے اور اسی میں علمی افاضہ اور باطنی توجہات کا بازار گرم تھا" (ص ۴۲۳)

دیوبند میں یہ چیز کسی نہ کسی درجہ میں قائم ضرور ہے مگر ابھی ترقی کی بڑی گنجائش ہے

از مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری

رسولِ اکرمؐ عالمُ الوحی تھے یا عالمُ الغیب

قرآن کریم میں ارشاد ہے، وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا، یعنی آپ جو چیز نہیں جانتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا اور اللہ تعالیٰ کا فضل آپ پر بہت ہے سب سے بڑا فضل یہ ہے کہ بذریعہ جبرئیل علیہ السلام آپ کا معلم خدا تعالیٰ ہے،

ارشاد ہے:۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ دوسری جگہ فرمایا:۔ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ ۝

پس آپکا یہ علم کسی مکتب سے اکتسابی نہیں بلکہ سراسر وہبی وعطائی ہے، چنانچہ اس عطائی فضل اور وہبی رحمت کا ذکر دوسرے جگہ صراحۃً اسطرح آیا ہے: وَمَا کُنْتَ تَرْجُوْا اَنْ یُّلْقٰی اِلَیْکَ الْکِتٰبُ اِلَّا رَحْمَۃً مِّنْ رَّبِّکَ، یعنی آپ کو خود ہی امید نہ تھی کہ آپ کو کوئی کتاب دی جائے گی لیکن یہ سراسر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے۔ اور سورہ ص میں آپکے حیثیت رسالت کو واضح کیا گیا ہے، ارشاد ہوا ہے:۔ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ ۝ یعنی میں اکتسابی طاقت اور تصنع و تکلف کے ذریعے سے ان علوم اخروی کو نہیں پیش کر رہا ہوں بلکہ وحی کے بعد بولتا ہوں جیساکہ ارشاد ہے وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (نجم) یعنی وہ رسول پاک اپنی طرف سے بناکر کچھ نہیں بولتا وہ محض وحی کا عالم ہے جو اس کو دی جاتی ہے اب اس علم الوحی کو اللہ تعالیٰ نے غیب سے بھی تعبیر فرمایا ہے ارشاد ہے:۔ تِلْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْھَآ اِلَیْکَ مَا کُنْتَ تَعْلَمُھَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُکَ مِنْ قَبْلِ ھٰذَا (ھود)

یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں، جن کو ہم تم پر وحی کرتے ہیں اور اطلاع سے پہلے نہ تم ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم پس اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے "غیب" کے بتلا دینے کے بعد بھی اسکا نام وحی رکھا نہ کہ غیب جو معلوم ہونے سے قبل غیب تھا، کیونکہ جو چیز کسی واسطے سے معلوم ہو جائے وہ غیب کے تعریف سے نکل جاتی ہے جیساکہ تفسیر کبیر میں ہے، قول الجمھور المفسرین ان الغیب ھو الذی یکون غائبا عن الحاسۃ (جلد اول صفحہ ۲۵۰)

یعنی جو حواس سے غائب ہو وہ غیب ہے جب حواس کے اندر آ جائے تو غیب نہیں رہا۔ پس اس معنے سے آپ صاحب الوحی ہیں لیکن صاحب الغیب نہیں ہیں۔ اور آپ عالم الوحی ہیں لیکن عالم الغیب نہیں ہیں، چنانچہ آپ نے غیب کا صاف انکار کیا ہے ارشاد ہے:۔ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ (انعام) یعنی میرے پاس نہ اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کا عالم ہوں اور اسکے برخلاف آپ نے اپنے لئے وحی کا دعویٰ کیا۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۝، پس آپکے فضیلت کے لئے صحیح عقیدہ صرف یہ ہے کہ آپ وحی الٰہی کے حامل ہیں،

(افادہ) بریلوی حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کے اظہار میں یہ کہا کرتے ہیں کہ آپکو سب کچھ معلوم ہے اور آپکو علم غیب حاصل ہے چنانچہ آیت وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ تمام غیر معلوم چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے آپکو علم دیا لیکن ان کا یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ دوسری جگہ ارشاد ہے، وَعَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ یعنی جو کچھ انسان نہیں جانتا تھا اس کو سکھایا ارشاد ہے عَلَّمَکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ یعنی تم کو سکھایا جو کچھ تم نہیں جانتے تھے،

پس اگر "ما" سے عموم لیا جاوے تو پھر سارے انسانوں کیلئے علم کلی اور علم غیب ماننا پڑیگا حالانکہ یہ بداھتہً غلط ہے، علاوہ ازیں بعض علوم کی آپ سے خود شریعت نے نفی کر دی ہے جیسے ارشاد ہے وَمَا عَلَّمْنٰہُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَہٗ، اسی طرح بعض واقعات کا علم آپکو نہیں تھا، ارشاد ہے لَا تَعْلَمُھُمْ نَحْنُ نَعْلَمُھُمْ ۝

اسی طرح بعض انبیاء کے حالات کا آپکو علم نہیں تھا ارشاد ہے ؏

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ،

اسی طرح آپکو قیامت وغیرہ کا علم نہیں تھا ارشاد ہے :۔

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَاذَا تَکْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝ (لقمان)

اگر آپکو علم غیب کلی ہوتا تو یہ تمام جزئیات اور حالات آپ کو معلوم ہوتے اور قرآن میں انکا انکار نہ آتا، ایک حدیث بھی ملاحظہ ہو،

عن جابر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول قبل ان یموت بشہر تسالونی عن الساعۃ وانما علمہا عند اللہ الخ مسلم ص ۳۷۲ باب قرب الساعہ،

حضرت جابر کہتے ہیں کہ حضور نے اپنے وفات سے صرف ایک ماہ پہلے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ تم مجھ سے قیامت کا علم دریافت کرتے ہو حالانکہ اسکا علم صرف خدا کو ہے اس روایت سے ظاہر ہوا کہ قیامت کا علم آپکو تا وفات نہ ہوا اسی طرح قیامت میں آپ سے کہا جاویگا۔ انک لا تدری ما احدثوا بعدک (بخاری جلد ۲ ص ۶۶۵) کہ آپ ان واقعات کو نہیں جانتے جو کہ آپکے بعد انھوں نے ایجاد کر لیا تھا۔ آپ اس وقت یہ نہ کہیں گے کہ میں عالم الغیب تھا، اور مجھ پر سب ذرہ ذرہ حال کھلا ہوا تھا، تم ایسا کسطرح کہتے ہو بلکہ یہ ماجرا سن کر آپ بھی سحقا سحقا لمن غیر بعدی کہہ کر دھتکار دیں گے، اسی طرح تمام مغیبات کے متعلق ارشاد ہے، وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ ،

یعنی غیب کی سب کنجیاں اللہ کے پاس ہیں اور صرف وہی جانتا ہے توع قیامت کا علم بھی آنحضرت کو نہ تھا امام طبرانی نقل کرتے ہیں کہ حضرت سلمہ بن اکوع حضور کے ساتھ ایک موقع پر تھے اتنے میں ایک شخص آیا اور حضور سے پوچھنے لگا، من انت (تو کون ہے) حضور نے فرمایا انا نبی اس نے پوچھا نبی کیا آپنے فرمایا رسول اللہ یعنے میں خدا کی طرف سے پیغام لانیوالا ہوں تو اسنے پوچھا متی تقوم الساعۃ قیامت کب ہوگی آپنے فرمایا، غَیْبٌ وَلَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ یہ غیب کی بات ہے اور غیب اللہ ہی جانتا ہے (خصائص ثانی ص ۱۰) پس بعض مغیبات کا علم جو آپ کو باعلام اللہ ہوا یا انقار ربانی سے جو احادیث قدسیہ معلوم کرائی گئیں اسکا جاننا غیب نہیں ہے، کیونکہ اگر معلوم کرائی ہوئی بات غیب رہجاتی تو قرآن مجید میں آپ سے غیب کی نفی نہ آتی مولانا عطار نے کیا خوب لکھا ہے،

علم غیبی کس نمی داند بجز پروردگار | ہر کہ گوید من بدانم تو از و باور مدار
مصطفٰے ہرگز نہ گفتی تا نہ گفتے جبرئیل | جبرئیلش ہم نہ گفتے تا نہ گفتے کردگار

آپ کو علم غیب ہوتا تو آپ دھوکہ میں پڑ کر ستر صحابہ کرام کو مبلغ بنا کر نہ بھیجتے جو دربار نبوت کے مشہور قراء تھے، ان بزرگوں نے اپنے قتل ہوتے وقت کہا، اَللّٰهُمَّ بَلِّغْ عَنَّا نَبِيَّنَا اَنَّا قَدْ لَقِيْنَاكَ کہ اے اللہ ہمارے نبی کو تو اطلاع کر دے، کہ ہم اپنے اللہ سے جا ملے معلوم ہوا کہ ان ستر صحابہ کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عالم الغیب نہیں ہیں۔ اسی لئے تو کہتے ہیں اے اللہ تو انکو اطلاع کر دے،

(خصائص جلد اول ص ۲۲۳) آپکے سواری گم جانے پر لوگ تلاش کرنے نکلے تو ایک منافق نے طعنہ مارا کہ انکی جگہ بتا کیوں نہیں دیتے تو آپنے فرمایا اَلَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ (خصائص جلد اول ص ۲۳۶)

استیعاب میں اس واقعہ سے متعلق اس طرح سے بیان ہے کہ حضور نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اِنِّی لَا اَعْلَمُ اِلَّا مَا عَلَّمَنِی اللّٰہُ (استیعاب جلد اول ص ۱۱۱) یعنی میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میں سب کچھ جانتا ہوں میں تو صرف اس حد تک جانتا ہوں جو مجھے خدا بتاتا ہے۔ اگر آپ کو غیب کا علم ہوتا تو منافق کے اس طعنہ کے موقع پر آپ کو انکار نہ کرنا چاہیے تھا،

★ —— از حضرت مولانا سعید احمد صاحب ایم اے اکبرآبادی

قربانی و حج

اسلام کی جتنی عبادتیں ہیں ان سب پر ایک ناقدانہ اور مبصرانہ نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ ہر ایک عبادت کی دو غرضیں ہیں ایک ظاہری اور دوسری باطنی یا دوسرے لفظوں میں اسطرح تعبیر کر لیجئے کہ ہر عبادت کے محاسن و حِکَم وہ ہی نہیں ہیں جو ظاہری طور پر نظر آتے ہیں بلکہ پوشیدہ طور پر کچھ ایسی حکمتیں بھی ہیں جو عقبا ور نہیں ہیں اور شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے جس عبادت کے جو اوصاف بتائے ہیں وہ انہیں دونوں غرضوں کی تکمیل پر منحصر ہیں۔ مثلاً نماز کی نسبت فرمایا گیا ہے کہ وہ "بُرے اور خراب کاموں سے روکتی ہے" لیکن ہم کثرت سے دیکھتے ہیں کہ بہتیرے نماز کے پابند وظائف کے عامل اوراد پر کاربند بڑی بڑی معصیتوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور یہ نہیں کہ انھوں نے نماز کو اپنے ناپاک مقاصد کی تکمیل کا آلہ اور جرائم کے لئے ایک آڑ بنا رکھا ہے بلکہ اُن کی فطری افتاد کچھ اسطرح واقع ہوئی ہے کہ نہ نمازی بھی ہیں اور زبردست مجرم و گناہگار بھی، پھر دونوں کام وہ اپنی طبیعت سے کرتے ہیں کسی ایک کو دوسرے کے لئے آلۂ کار بنانے کے لئے نہیں۔ اب سوال ہو سکتا ہے کہ کیا معاذ اللہ قرآن کا یہ فرمان کہ وہ بُرے کاموں سے روکتی ہے صحیح نہیں ہے اور کیا وہ اپنے اس اعلان میں سچا نہیں ہے، غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل صحیح ہے، اسکا منشا یہ ہے کہ جو نماز صرف ارکان و آداب ظاہری کے ساتھ نہیں بلکہ روحانی و باطنی آداب و شرائط کے ساتھ ادا کی جائے وہ منکر و فحشات سے روکتی ہے جو نمازیں کہ اب ادا کی جاتی ہیں وہ ہی صحابہ کرام ادا کرتے تھے مگر پھر کیا ہے کہ ہم نمازیں پڑھتے ہیں اور یوماً فیوماً غلام ذلیل اور محروم و ناکام ہوتے جاتے ہیں اور یہ ہی نمازیں صحابہ ادا کرتے تھے اور انھوں نے اسکے صدقہ میں ملک کے ملک فتح کر ڈالے، قرآن نے کہا ہے،

الا ان حزب اللہ ہم المفلحون! خبردار ہو جاؤ کہ فلاح صرف خدا کی جماعت کے لئے مخصوص ہے پس اگر نمازیں پڑھ پڑھ کے اور زیادہ عبادتیں کر کر کے کوئی انسان حزب اللہ میں شریک ہو سکتا ہے اور اسطرح فلاح اسی کے لئے ہو سکتی ہے تو یہ کیا قیامت ہے کہ آج خدا کی سب سے زیادہ عبادت کرنیوالا گروہ سب سے زیادہ بھوکا ننگا، مفلس و قلاش، تنگ دست اور غلام و ذلیل ہے پس یا تو قرآن کا یہ اعلان غلط ہے، اور یا اس گروہ کو حزب اللہ کہنا صحیح نہیں، قرآن مجید کی تغلیط کون کر سکتا ہے۔ لامحالہ ثابت یہ ہوا کہ یہ لوگ حزب اللہ نہیں ہیں۔ کیونکہ انھوں نے خدا کی عبادتیں تو کی ہیں مگر اس اسپرٹ کے ساتھ نہیں کیں جس کے ساتھ صحابہ کرتے تھے، انھوں نے نمازیں ادا کی ہیں مگر وہ روح یکسر مفقود ہے جو عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس اور حضرت علی کی نمازوں میں پائی جاتی تھی، گویا جسم دونوں جگہ ہے مگر ایک مردہ و بیکار اور دوسرا روح کے وجود سے احساس و بیدار،

یہی حال قربانی و حج کا ہے حج میں کیا ہوتا ہے؟ وطن کو چھوڑ کر سات سمندر پار کا سفر کرنا، ایک مقام پر پہنچ کر احرام باندھ لینا جس کے بعد اسکے کھلنے تک سر نہیں ڈھانک سکتے۔ ناخن کتنے ہی بڑھ جائیں انکو تراش نہیں سکتے۔ بال گرد سے اٹ جائیں مگر ان میں تیل نہیں ڈالا جا سکتا۔ سر میں جوئیں پڑ جائیں مگر ان کو ہلاک نہیں کر سکتے اس عجیب و غریب ہیئت کیساتھ مکہ معظمہ پہنچے، وہاں ایک گھر جو نہایت سادہ ہے مربع شکل کا ہے اس پر نہ نقش و نگار ہیں اور نہ طلاکاری و مینا کاری کہتے ہیں کہ یہ خدا کا گھر ہے، احرام باندھنے والوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس کے چاروں طرف چکر لگاؤ۔ ایک دو نہیں بلکہ سات اور اس سے فراغت کے بعد حجر اسود کو بوسہ دو پھر صفا اور مروہ دو پہاڑیاں ہیں ان کے درمیان دوڑ لگاؤ۔ جو سبز میل کے نام سے مشہور ہیں ان کے درمیان رفتار کو ذرا اور تیز کر دو پھر منیٰ ہوتے ہوئے عرفات پہنچو، وہاں جا کر خیمہ ڈیرہ لگاؤ شام تک ننگے سر بیٹھے رہو امام جبل رحمت پر کھڑے ہو کر خطبہ دیگا۔ اسکی آواز آئے آئے نہ آئے۔ کان ادھر لگائے رہو

اسکے ختم پر چھٹپٹے کا وقت ہوگا کہ وہاں سے مزدلفہ کے لئے روانہ ہو جاؤ، رات بھر وہیں رہو، صبح کی نماز پڑھ کر وہاں سے چلدو اور منیٰ میں آکر خیمے ڈیرے لگا دو تین دن تک یہیں پڑے رہو، یہاں رہتے رہتے تینوں دن رمی جمار کرو یعنی کنکریاں مارو۔ دنبوں، بکروں۔ اونٹوں یا گاؤں کی قربانیاں کرو اور اپنا اپنا سر مونڈ کر بیٹھ جاؤ۔ جن خوش نصیب لوگوں کو ان مشاعر حرام اور اماکن مقدسہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ قربانیوں کی کثرت سے منیٰ میں کیا عجیب سماں ہوتا ہے، ہر چہار طرف گوشت کے انبار کھالوں کے ڈھیر۔ اور آنتوں۔ اوجھڑیوں، اور پھیپھڑوں کے تودے نظر آتے ہیں اور بیشمار گڑھوں میں خون بہتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ آپنے دیکھا؟ یہ ہے حج کا حاصل تو اب سوال یہ ہے کہ کیا یوں دوڑنا۔ چکر لگانا ایک میدان میں خیمہ ڈیرہ گاڑ کر پڑ جانا۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر دوسری جگہ جا پڑنا۔ بے زبان جانوروں پر چھری چلا کر خون کے دریا بہا دینا کیا یہ سب خود مقصود بالذات ہیں؟ اور واقعی صرف اتنی باتوں سے خدا کا تقرب حاصل ہو جاتا ہے اور انہیں گردشوں اور چکروں سے گذشتہ ایام رندی و عصیاں کے تمام گناہ دھل جاتے ہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو جو لوگ خدا کو رحیم و کریم کہتے ہیں اور اسی کو حکیم و علیم یقین کرتے ہیں وہ کسطرح مطمئن ہونگے، اور ان کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا کہ خدا کو بھی معاذ اللہ کیا رقص بسمل کے تماشہ میں مزہ آتا ہے۔ نہیں اسکا جواب نفی میں اور یقیناً نفی میں ہے، حضرت عمرؓ طواف کے بعد حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے تو صاف برملا کہا کرتے تھے کہ اے حجر میں جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے، اور نہ نقصان۔ لیکن چونکہ خدا نے تجھ کو بوسہ دینے کا حکم دیا ہے، اس لئے میں تجھ کو چومتا ہوں۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ یہ مقامات مقامات مقدسہ ہیں مشاعر حرام ہیں اور ہماری بے انتہا تقدیس و احترام کے مستحق ہیں لیکن کیا یہ استحقاق احترام صرف اس لئے ہے کہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے یہاں عبادتیں کی تھیں وہ یہاں آکر رہے تھے اور اس میں دعائیں مانگی اور سجدہ ہائے عبودیت ادا کئے تھے؟ اگر کوئی جگہ صرف اسی لئے مقدس ہو سکتی ہے اور ایسی مقدس کہ اس میں گشت لگانا، طواف کرنا، اور دوڑنا بذاتہ عبادت بن جائے کہ کسی نبی اور برگزیدہ حق پیغمبر نے اس کو اپنا مسکن یا مزار بنایا تھا تو حضرت عمرؓ نے اس درخت کو کیوں کٹوا دیا جس کے نیچے بیٹھ کر آپ نے حلقہ بگوشان اسلام سے بیعت لی تھی، اور جس کو، شجرۃ بیعۃ الرضوان کہا جاتا ہے اگر حضرت ابراہیم کے قیام سے کوئی جگہ ایسی مقدس ہو سکتی ہے کہ اس کی سعی و طواف مقصود بالذات عبادت بنجائے تو خاتم الانبیاء اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف اقامت سے درخت کو یہ شرف کیوں نہ حاصل ہوا کہ اسکا طواف کیا جائے۔ اور اسکے ارد گرد چکر لگائے جائیں۔ اصل یہ ہے کہ صورت پرستوں نے حقیقت کو فراموش کر دیا۔ حج کرتے ہیں مگر اس کی روح کو یاد نہیں کرتے قربانی کرتے ہیں لیکن وہ جس عہد و پیمان کی تجدید و تذکیر کے لئے شروع کی گئی ہے اس کو فراموش کر بیٹھے جو چیز مادی ہو اس کو ہر کوئی دیکھ سکتا ہے اور اسی کی کوئی نہ کوئی شکل متعین کی جا سکتی ہے، مگر جس کو مجرد عن المادہ کہا جاتا ہے جو اس خمسہ سے محسوس نہ ہو سکتی ہو جس کو محض تعقل و قوت مدرکہ کے ذریعہ سے ادراک کیا جاتا ہو اس کو محسوس کسطرح کرایا جائے عبادت کا مقصد صرف یہ ہے کہ عبد و معبود اور خالق و مخلوق میں جو رشتہ ہے اسکا اظہار و اعتراف کیا جائے اور اس "لگاؤ" کو ظاہر کرنے کے لئے کوئی خاص طریقہ کا اختیار کر لیا جائے اسلامی عبادت کے لئے جو طریقے مقرر کئے ہیں وہ سب الہامی اور وحی سے ثابت ہیں۔ انسانی عقل و شعور کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ ہم طواف کرتے ہیں سعی کرتے ہیں قربانی کرتے ہیں اور رمی جمار کرتے ہیں کیوں؟ صرف اس لئے کہ خدا نے ان کو اظہار عبودیت و بندگی کا ذریعہ بنایا ہے۔ اور بس! لیکن سوال یہ ہے کہ اسی نے ان طریقوں کو کیوں پسند کیا؟ اور ان افعال و اعمال مخصوصہ کے لئے اس نے اس سرزمین کو ہی کیوں منتخب کیا؟ اس کی وجہ صاف اور بالکل ظاہر و باہر ہے۔ اسلئے کہ ان مقامات میں خدا کے دو برگزیدہ ترین بندوں نے اپنی بندگی اور عبودیت کا بہترین مظاہرہ کیا تھا جسطرح کسی مکان کو دیکھ کر مکین یاد آجاتا ہے اور اس کے ساتھ کی پرانی صحبتیں ایک ایک کرکے یاد آجاتی ہیں اسی طرح ہم بھی ان مقامات مقدسہ میں پہنچکر حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی عبادتوں کو یاد کریں اور ان کی بندگیوں کا تصور کرکے خود اپنے لئے بندگی و عظمت کا کوئی سبق حاصل کریں،

یعنی ہم طواف و سعی کریں تو غایت خشوع و خضوع کے ساتھ اپنی بندگی کا تصور قائم رکھیں اور ساتھ ہی یہ یاد رکھیں کہ کعبہ کے معمار حضرت ابراہیم و اسمٰعیل بھی ایسا ہی کرتے تھے، پھر نبی آخر الزماں حضرت

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں آکر ایسا ہی کیا تو کیا یہ ممکن ہے کہ ایک مومن موحد پوری جمعیت خاطر کے ساتھ ارکان حج کو ان تصورات کیساتھ ادا کرے اور اسکے دل میں فنا فی اللہ اور ایثار علی النفس کا جذبہ بیدار نہ پیدا نہو اگر ان ارکان کو ادا کرتے وقت ہم یہ فراموش نہ کریں کہ اس لق و دق بیابان میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل نے تنہائی کی صعوبتیں اٹھائیں۔ تشنگی کی مشقت برداشت کی۔ مگر اس کے باوجود ایک لمحہ کے لئے، احساس بندگی سے غافل نہ ہوئے تو کیا یہ ممکن ہے کہ ہم یہاں پہنچ کر اخلاق فاضلہ سے کورے اور بے بہرہ ہو جائیں، آج آپ دیکھتے ہیں کہ جنہوں نے منیٰ میں پہنچکر ایک ایک قربانی کے بجائے نہایت فیاضی کے ساتھ دس دس قربانیاں کی تھیں وہ اپنی جان اتنی عزیز رکھتے ہیں کہ خدا کی راہ میں وہ اپنی ایک انگلی بھی نہیں کٹا سکتے، اسکا سبب اسکے سوا اور نہیں ہے کہ انہوں نے قربانیاں کیں اور صرف یہ سمجھ کر کیں کہ قربانی مقصود بالذات کوئی عبادت ہے اور خدا اسی سے راضی ہوتا ہے یہ نہ سمجھے کہ اس سے غرض اسوۂ ابراہیمی کو یاد دلانا ہے، اور یہ جتانا ہے کہ دیکھو! سچے بندے ایسے ہوتے ہیں، تم کو بھی اگر انہیں، اواہین کے زمرہ میں شامل ہونا ہے تو اسی قربانی کے لئے تیار رہو، مقصد یہ ہے کہ تم اس قربانی کو یاد کرو جو بنیا بندگی سے بڑی قربانی ہو سکتی ہے اور اپنے لئے کوئی درس عبرت حاصل کرو کہتے ہیں وہ بھی کھلم کھلا نہیں علی الاعلان نہیں سامنے آکر برملا نہیں بلکہ خواب میں ــــ کہتے کیا ہیں؟ جو مطلوب ہو اس کو کبھی خواب میں متشکل کرکے دکھا دیتے ہیں۔ بندے کو تصریح و توضیح سے کیا کام؟ وہ تو اشاروں پر چلا کرتا ہے۔ بوڑھے باپ نے دیکھا کہ وہ نوجوان بیٹے کو ذبح کرتا ہے سمجھ گئے کہ آقا و مولیٰ کا منشا کیا ہے؟ تعمیل ارشاد میں دیر بھی کیا تھی؟ بیٹے کو جو خواب سنایا تو صرف اسی لئے کہ اسکا مرتبہ انابت الی اللہ بھی اچھی طرح معلوم ہو جائے؟ بیٹا باپ سے کم تھوڑی تھا فوراً راضی ہو گیا اور اس پر مستقیم و قائم رہنے کی توفیق بھی اسی سے مانگی جس کے حکم سے یہ سب ہو رہا تھا، آپنے اس پر غور فرمایا کہ حضرت ابراہیم کو یہ حکم نہیں کہ وہ خود اپنے نفس کی قربانی کریں، بلکہ یہ کہ بوڑھاپے میں اپنی ضعیفی کے سہارے نوجوان فرزند کو قربان کردیں یہ کیوں؟ اس لئے کہ اسوقت بہتر سے بہتر اور سخت سے سخت قربانی مطلوب تھی اور آئندہ آنے والے لوگوں کیلئے اسی کو طور اسوۂ و یادگار باقی رکھنا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ بوڑھے باپ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز اور پیاری بیٹے اور نوجوان وسعادتمند بیٹے کی جان ہوتی ہے پس بیٹے کو ذبح کرنے کے معنے یہ ہیں کہ دنیا کی عزیز ترین متاع گرانمایہ ذبح کر دو۔ کس خطا پر؟ کس گناہ کے کفارہ کے لئے؟ کس جرم کی پاداش میں؟ کوئی سبب نہیں کوئی وجہ نہیں۔ یونہی صرف اسلئے کہ اسکا مطالبہ ہے جس نے یہ سب کچھ دیا ہے وہ مانگتا اور طلب کرتا ہے جسکے کرم سے یہ سب کچھ ملا، پھر بوڑھے باپ نے کسطرح تعمیل کی؟ بے چون و چرا اس بیٹے کو لے کر میدان میں پہنچے دل میں کسی کو کیا خبر کیا کیا جذبات اور ولولے ہونگے، شیطان لعین نے معلوم نہیں کیا کیا رکاوٹیں پیدا کی ہونگی۔ دل کا حال کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا تو اس کی تحقیق میں کیوں پڑتے ہو مگر ہاں دیکھنے والوں نے دیکھا، آسمان نے دیکھا، زمین کے ذروں نے مشاہدہ کیا حجاز کی وادیوں نے نظارہ کیا. بوڑھے باپ نے نوجوان فرزند کو چت لٹا دیا۔ اور ذبح کرنے کے لئے حلقوم اسمٰعیل پر چھری پھیرنے کی تیاری کرنے لگے، مشہور ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیم نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی تھی، لیکن میں اس کو صحیح نہیں جانتا میں کہتا ہوں کہ ایسا کرنا شان نبوت کے خلاف ہے، اور اگر شان نبوت کے خلاف نہیں تو کم از کم ابراہیمی جلالت و کمال عبودیت کے منافی ضرور ہے جب ذبح کر رہے ہیں اور صاحب تسلیم و رضا ہونے کا مکمل ثبوت بہم پہنچا رہے ہیں اور یونہی نہیں بلکہ خدائے حکیم و علیم کے حکم سے! تو پھر پٹی کی کیا ضرورت ہے۔ اس لیپا پوتی، اور رکھ رکھاؤ کی حاجت کیا ہے کمال بندگی کا اظہار تو اس میں ہی تھا کہ آنکھیں کھلی ہوں، نوجوان بیٹے کے چہرہ پر پدرانہ شفقت کے نور کے ساتھ بکھری ہوئی ہوں اور پھر ہاتھ میں چھری لے کر، اللہ اکبر اللہ اکبر کہتے ہوئے امر ربانی کی تعمیل کر بیٹھیں، بہرحال یہ سب کچھ ہوا، ادھر ابراہیم نے چھری سنبھالی اور ادھر فطرت کا ذرہ ذرہ سکتہ میں آگیا خورشید نے اپنی چوکڑی بھولی۔ وہ حیرت سے کھڑا ہو کر حجاز کی وادی میں حسن و عشق اور ناز و نیاز کے اس معرکہ گرم کا نظارہ کرنے لگا، آسمان پر کپکپی آگئی، "زمین تھرآگئی" ستاروں نے آفتاب کی چادر نور سے سر باہر نکال کر دیکھا تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے، عالم قدس کے کروبی ملائک مصروف فغاں ہوگئے اور عالم کائنات کی ہر چیز فرط حیرت و استعجاب سے سرگرم بیاں ہوگئی۔ وہ تو صرف ایک امتحان تھا آزمائش و ابتلا تھی معاذ اللہ فرزند کشی کی مثال قائم کرنی تھوڑی تھی۔

جب انتہائی تسلیم و رضا کا ثبوت بہم پہنچ گیا۔ اور سب نے دیکھ لیا، یہانتک کہ انہوں نے بھی مشاہدہ کرلیا جو حضرت آدم کی خلافت پر اعتراض

کرتے تھے، اور جن کو اپنی تسبیح و عبادت پر ناز تھا، تو رحمت باری جوش میں آگئی اور پھر وہ دیکھتے ہیں تو وہ مذبوح اسمٰعیل نہ تھے بلکہ کوئی بکرا تھا اسی معرکہ زار حسن و عشق میں ہر سال لاکھوں مسلمان جمع ہوتے ہیں تو کیا وہ اس قربانی کو یاد رکھتے ہیں۔ کیا یہ تمام داستان ایثار و فداکاری اُن کے پیش نظر ہوتی ہے، اور کیا اُن کے دل میں یہ عہد و پیماں ہوتا ہے کہ وہ بھی ایک بزرگ مقدس پیغمبر کی طرح اپنی طرف سے حسب الطلب کوئی قربانی پیش کرنے کے لئے تیار ہیں،

میرا خیال ہے کہ اس داستان کو سنا سب نے ہے، اور سب جب اس جگہ پہنچتے ہونگے تو اُن کو یہ واقعہ ضرور یاد آجاتا ہوگا، لیکن اس سے کوئی عبرت حاصل نہیں کرتے اور اُنکے دلوں میں اس واقعہ کی یاد سے ایثار و جان نثاری کا عہد و پیمان تازہ نہیں ہوتا۔ روپیہ خرچ کیا، اور کھجوریں اور زمزم لے کر چلے آئے۔ حاجی صاحب بن گئے اور لبس اللہ اللہ خیر صلا جسم بہت خوبصورت ہے، مگر افسوس کہ روح مفقود ہے، صورت بہت دلکش و دلفریب ہے مگر صد حیف کہ معنی کا پتہ نہیں، اوپر سے دیکھئے تو مقدس و پارسا مگر باطن سے ٹٹولیئے تو طلسم تھی، اس حقیقت کو مشرق کے مشہور شاعر ڈاکٹر اقبال نے کس لطیف پیرایہ میں ظاہر کیا ہے،

زائرین کعبہ سے اے اقبال یہ پوچھے کوئی
کیا حرم کا تحفہ زمزم کے سوا کچھ بھی نہیں

قربانی کرو۔ ایک نہیں، صد ہزار لیکن ابراہیمی اسپرٹ اور روح کے ساتھ، تو بیشک تمہاری عبادت مقبول اور تمہارا حج مبرور،

بقیہ صفحہ :- ہندوستان میں اسلام کو دفن کر کے اسکا چہلم نہ کرلیں۔ کیا ہندوستان میں اولیائے کرام کے مزارات مقدسہ اوران کی خانقاہوں کے احترام کا نعرہ لگانے والوں کو یاد ہے کہ آج سے دس سال پہلے جب ہندوستان کی زمین فرزندان توحید کے خون سے رنگین ہورہی تھی، مسجدوں میں آگ لگائی جارہی تھی اور خانقاہوں اور مزارات مقدسہ کو مسمار کیا جارہا تھا —— وہ کہاں تشریف فرما تھے اور کیا کررہے تھے؟

آج دس سال کے بعد جب اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم اور غیر سُنّی دبلکہ امام اہل سُنّت کی تشریحات کی رو سے غیر مُسلم جماعتوں کی جدوجہد سے اکثر مسجدیں آباد، مزارات محفوظ اور خانقاہیں واگذار ہوچکی ہیں تو انہیں اولیائے کرام کے مزارات مقدسہ اوران کی خانقاہوں کے "احترام" کا خیال آتا ہے، اور نذر و نیاز کے معمول کے مطابق انتظام و انصرام کی فکر پیدا ہوتی ہے!

بہرحال جب یہ خیال آہی گیا ہے تو میں ان دردمندان دین کی واقفیت کے لئے عرض کرتا ہوں کہ مشرقی پنجاب میں ابھی کام کرنے کی گنجائش موجود ہے "غیر سُنّی جمعیۃ علماء ہند اور بعض دوسرے غیر سنی ادارے (تبلیغی جماعت انجمن حمایت اسلام ادارہ اسلامی پانی پت) اس علاقہ میں مسلمانوں کی آبادی اوقاف کی واگزاری، مساجد کے انتظام اور مزارات کے تحفظ کا کام کررہے ہیں اور انھیں اس کام میں آپکی امداد کی بڑی ضرورت ہے، انجمن حمایت اسلام (پنجاب) کی طرف سے تو راقم الحروف بحیثیت نائب صدر آپ کو باضابطہ شرکت واعانت کی دعوت دیتا ہے، وہاں دیہات میں چل پھر کر مسلمانوں کی دینی اقتصادی اور معاشرتی حالت کو بہتر بنانے، غیر آباد مسجدوں کو آباد کرنے اور ان میں اذان و نماز کا انتظام کرنے، ویران خانقاہوں اور مزارات کو قبضہ میں لینے اور وہاں جھاڑو دے کر چراغ جلانے والوں کی بے حد اور کثیر تعداد میں ضرورت ہے۔ از راہ کرم کچھ عرصہ کے لئے ہی سہی، عروس البلاد بمبئی کی حسین وجمیل مسجدوں کے حجلہ ہائے عروسی کو چھوڑ کر اس لق و دق میدان کی آبلہ پائی گوارا فرمائیں، فَهَلْ مِنْ مُجِيب!

ضروری گذارش :- الحرم کو جاری ہوئے تین سال گزر چکے، مگر ابھی تک اسکے مصارف کے ایک حصہ کا بار مدیر الحرم کے ناتواں کاندھوں پر پڑ رہا ہے۔ مگر مدیر الحرم کی مقبول ترین کتاب بیاق اللسان پر محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی کی غارتگری کے بعد مدیر الحرم اب مزید اس بار کو برداشت کرنے کے قابل نہیں رہا، لہذا شائقین الحرم اگر اسے زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو ان کا فرض ہے کہ

(۱) صاحب استطاعت اصحاب کرم کو اسکا لائف ممبر بننے پر آمادہ کریں۔

(۲) اپنے اپنے حلقہ میں کم از کم دو دو اصحاب کو خریدار بنا کر چندہ بذریعہ منی آرڈر بھجوائیں۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین،

★ ——— مولانا عتیق صدیقی مفتاحی

شیخ الاسلام اور آزاد ہندوستان

(۲)

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے کہیں بھی کوئی ایسا جملہ ہرگز نہیں لکھا ہے، جس سے کسی طرح یہ معلوم ہو، کہ آپ خدانخواستہ آزاد بھارت کو دارالاسلام سمجھتے تھے، کوئی اپنی طرف سے اسکا غلط پروپیگنڈا کرتے تو اسکا کیا علاج ہے، سائل نے جو عبارت نقل کی ہے، وہ ہرگز تحریر شیخ الاسلام کی نہیں ہے، وہ کسی اور کی ہے، جیسا کہ ابھی معلوم ہوگا،

افسوس اگر سائل نقش حیات غور سے پڑھتا، تو یہ فتنے برپا نہ ہوتے، اور مدیر رسالہ کو غلط فہمی کا موقع نہ ملتا، سوچنے کی بات ہے کہ کتاب کے جس حصہ میں آپ تحریک استخلاص وطن کی ابتدا پر بحث فرما رہے ہیں، وہاں اسکا موقع بھی کیا ہے، وہاں تو آپ ہندوستان کو دارالحرب ثابت کرکے آغاز تحریک پر روشنی ڈال رہے ہیں،

آگے بڑھنے سے پہلے اتنی سی بات یہاں ذہن نشین کر لی جائے کہ نقش حیات جلد دوم کے ابتدائی حصہ میں برہان دہلی اگست ۵۳ء سے ایک لمبا اقتباس نقل کیا گیا ہے، جو کم و بیش بارہ صفحات پر نقش حیات کے پھیلا ہوا ہے، یہ اقتباس صفحہ (۶) چھ کی چوتھی سطر سے شروع ہو کر صفحہ (۱۶) سولہ کی ساتویں سطر پر ختم ہوتا ہے،

یہ اقتباس مصنف نقش حیات نے صرف اس مقصد کو ثابت کرنے کیلئے نقل کیا ہے کہ آزادی وطن کی ابتدا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے فتوی دارالحرب سے شروع ہوئی، اور اسکا باقاعدہ عملی افتتاح حضرت سید احمد بریلوی شہید نے سکھوں کے خلاف اعلان جہاد سے کیا، چنانچہ جہاں یہ اقتباس نقل کیا گیا ہے اسکا عنوان ہی ہے "تحریک استخلاص وطن کی ابتدا"

اس کی دلیل کہ آپنے اسی مقصد کو ثابت کرنے کے لئے اتنا لمبا اقتباس برہان سے نقل کیا ہے، اقتباس سے پہلے اور بعد کی وہ عبارتیں ہیں، جو مصنف کے قلم سے ہیں، .... حضرت شیخ الاسلام اس اقتباس سے پہلے یہ بطور تمہید تحریر فرماتے ہیں :-

"جبکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نمائندہ نے بادشاہ دہلی سے ملکی انتظام کا پروانہ جابرانہ طریقہ پر لکھوا کر ملک میں اعلان کرا دیا، کہ "خلق خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا، اور حکم کمپنی بہادر کا" تو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کے دارالحرب ہو جانے کا فتوی دیا، اور مسلمانوں کو آزادی ہند کے لئے آمادہ کرنا ضروری سمجھا، ......

دارالحرب کے باشندوں پر لازم ہے، چنانچہ اسکے بعد جلد ہی جہاد شروع ہوگیا، جو کہ سکھوں کے مقابلہ کے نام سے مشہور کی گئی، سکھوں سے لڑنے کا مقصد ان بدیشیوں (انگریز) اور اسکے مواخین سے لڑ کر ملک کو اس مصیبت سے بچانا تھا، ...... حضرت سید احمد بریلوی شہید رحمۃ اللہ علیہ جو کہ اس تحریک کے سردار اور بانی ہیں، ان کے خط میں جو کہ والیٔ گوالیار کے نام مدد طلب کرنے کے لئے لکھا گیا تھا، ...... ظاہر کیا گیا ہے کہ ہمارا مقصد ہندوستان کو اس بدیشی قوم (انگریز) کے مظالم سے پاک کرنا ہے،

...... اور یہی وجہ ہے کہ مجاہدین کی جماعت جو کہ یاغستان میں اب تک مقیم ہے اور جس کو انگریز باغی کیمپ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں، سکھوں کی حکومت کا خاتمہ ہو جانے کے بعد بھی وہاں مقیم رہے انگریزوں نے بہت خواہش کی کہ وہ اپنے وطنوں میں لوٹ آئیں، مگر اسکا بڑا حصہ وہیں رہ کر انگریزوں سے برسرپیکار ہوتا رہا، مندرجہ اقتباس جو کہ

- - - - - - - -

برہان جلد ۲۱ اگست ۱۹۴۸ء کا ہے اس پر روشنی ڈالتا ہے"
(نقش حیات ص ۷)

اس کے لئے برہان دہلی کا اقتباس شروع ہوتا ہے وہاں لکھا ہوا ہے، "(البرہان عدد ۲ جلد ۱۲ از صفحہ ۸۴ تا ۸۷)" (دیکھئے نقش حیات جلد دوم ص ۱۶) جہاں یہ اقتباس اور یہ حوالہ ختم ہوتا ہے، وہاں آپ پہلی سطر یہاں سے شروع کرتے ہیں۔

"مذکورہ بالا اقتباس سے بہت سے امور پر روشنی پڑتی ہے۔
(الف) یہ تحریک آزادی علماء ہند کے ہاتھوں انیسویں صدی کے ابتدائی حصہ سے شروع ہوئی، اور اس کی سنگ بنیاد رکھنے والے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اور ان کے خاندان کے لوگ ان کے شاگرد اور مریدین میں" (دیکھئے نقش حیات ص ۱۶ جلد دوم)

اس سے یہ بات خوب اچھی طرح واضح ہوگئی کہ اس لمبے اقتباس کے نقل کرنے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ ہندوستان کی آزادی کی تحریک شاہ صاحب کے فتویٰ کے مابعد آپکے شاگرد حضرت سید احمد بریلوی شہید نے شروع کردی،

اب آپ پلٹ کر پیچھے دیکھئے کہ ترجمان القرآن میں سائل کے قلم سے جو عبارت نقل کی گئی ہے، وہ صفحہ گیارہ کی ہے اور یہاں حال یہ ہے کہ صفحہ (۶) سے لے کر صفحہ (۱۶) تک پوری کی پوری عبارت مسلسل رسالہ برہان کی ہے، پس یہ بات خود بخود عیاں ہوگئی کہ وہ محولہ عبارت مصنف نقش حیات کی نہیں ہے، بلکہ کسی اور صاحب کی ہے، جو ضمناً نقل ہوگئی ہے، ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آپ کا مقصد اقتباس برہان کے نقل کرنے سے صرف اس مقصد کو ثابت کرنا ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے دارالحرب کا فتویٰ دیا اور یہ کہ حضرت شہید نے جو جہاد شروع کیا وہ سکھوں کے مظالم کو ختم کرنے کے ساتھ انگریزوں کو نکالنے کا بھی مقصد رکھتا تھا،

ترجمان القرآن اور اسکے مدیر کی تحریر کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ غلط فہمی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، سائل نے تو غلطی کی تھی، اس سے بڑھ کر فاضل مدیر نے کی، بغیر تحقیق بدگمانی میں ایک ایسی بات لکھ ڈالی، جس کی تردید خود کتاب سے ہوتی ہے اور جو بالکل سرے سے بے حقیقت ہے، یہاں پہنچ کر رسالہ زندگی رامپور کے پروپیگنڈے اور غلط فہمی کا بھی جائزہ لے لیجئے،

رسالہ زندگی رامپور شعبان و رمضان ۱۳۷۶ھ کے شمارہ میں صفحہ ۴۳ پر ایک عنوان قائم کیا گیا ہے "کیا حضرت سید احمد شہید جمہوری لادینی نظام کے داعی تھے" اور عنوان کے تحت مولانا ابوبکر اصلاحی کے قلم سے ایک اسی طرح کا مضمون شائع کیا گیا، جو نقش حیات پر لمبے تبصرہ یا ریمارک کی حیثیت رکھتا ہے،

یہ یقینی بات ہے کہ مدیر رسالہ ترجمان القرآن اور رسالہ زندگی کے مضمون نگار کی یہ کاوش آئندہ ایک فتنہ کے دروازہ کو کھول سکتی تھی، اور ان دین سے آزاد مسلمانوں کے ہاتھ میں مواد فراہم کرسکتی تھی، جنکا مسلک مفاد پرستی ہے، اسلئے ان غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری سمجھا گیا،

مولانا ابوبکر اصلاحی نے نقش حیات سے جتنی عبارتیں نقل کی ہیں اسے لفظ بلفظ برہان کے محولہ شمارہ میں آپ پڑھ سکتے ہیں، اصلاحی صاحب کی محولہ عبارتوں میں ایک پیراگراف خود مصنف نقش حیات کا بھی ہے اسلئے اسے آپ یہاں سمجھیں، جو پیراگراف مصنف نقش حیات کا نقل کیا گیا ہے وہ یہ ہے

"سکھوں سے لڑنے کا مقصد ان بدیشیوں (انگریزوں) اور ان معاونین سے لڑ کر ملک کو اس مصیبت سے بچانا تھا .... حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ اس تحریک کے سردار اور بانی ہیں انکے خطوط میں جو کہ وزیر گوالیار کے نام مدد طلب کرنے کے لئے لکھا گیا (جو کہ بجنسہٖ آگے نقل کریں گے) صاف طور سے ظاہر کیا گیا ہے کہ ہمارا مقصد ہندوستان کو اس بدیشی انگریز کے مظالم سے پاک کرنا ہے، اس کے بعد ہندو مسلمان مل کر بادشاہت کے لئے جس کو مناسب سمجھیں منتخب کرلیں

اس پیراگراف کے اخیر میں نمبر لگا کر مصنف نقش حیات نے حاشیہ چڑھایا ہے جسے مولانا اصلاحی نے نظرانداز کردیا ہے، چونکہ اس حاشیہ سے محولہ عبارت کا مقصد ظاہر ہوتا ہے، اسلئے اسے ہم یہاں نقش حیات سے درج کرتے ہیں، "منتخب کریں" پر حاشیہ کا نمبر لگا کر حضرت شیخ الاسلام تحریر فرماتے ہیں۔

"ڈاکٹر نشر صفحہ ۸۹ میں سید صاحب کی حج سے واپسی بمبئی پر لکھتا ہے کہ، پہلے جو چیز انکی نظر میں محض خوب و خیال تھی، وہ ان کو حقیقی روشنی میں نظر آنے لگی، جس میں انھوں نے اپنے آپکو ہندوستان کے ہر ضلع میں اسلا

جھنڈا گاڑتے اور صلیب کو انگریز کافروں کی لاشوں کے نیچے دفن کرتے ہوئے دیکھا" (حاشیہ نقش حیات ص۵ ج۲)

اوپر نقش حیات کی جو اصل عبارت اصلاحی صاحب نے نقل کی ہے اس حاشیہ کو جو خود مصنف نقش حیات کے قلم سے ہے، سامنے رکھتے ہوئے ناظرین خود فیصلہ کریں کہ، کسطرح اس سے وہ مفہوم پیدا ہوتا ہے جو اصلاحی صاحب نے پیدا کیا ہے؟ اگر نہیں پیدا ہوتا اور یقیناً نہیں پیدا ہوتا تو سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ اصلاحی صاحب کا اجتہاد ہے جو اصول و قواعد سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا،

اس محولہ پیراگراف سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ کہ سید صاحب کا مقصد یہ تھا کہ انگریزوں کو کسی قیمت پہ ہندوستان میں ایک لمحہ کے لئے حکمراں کی حیثیت سے رہنے نہ دیا جائے، اور غور کیجئے تو یہ دراصل سید صاحب کے خط کا ترجمہ ہے، جسے آگے چل کر برہان کے حوالہ سے آپنے نقل کیا ہے، خط کا وہ حصہ جو سید احمد شہید نے راجہ کو لکھا ہے وہ مع ترجمہ مولانا ابوالحسن علی ندوی یہ ہے، جسے مضمون نگار زندگی رامپور بھی تسلیم کرتے ہیں،

"بر رائے عالی روشن و مبرہن است کہ بیگانگان بعید الوطن ملوک زمین و زمن گردیدہ و تاجران متاع فروش بہ پایۂ سلطنت رسیدہ، امارت امرائے کبار، و ریاست رؤسائے عالی مقدار برباد نمودہ اند......

دفتیکہ میدان ہندوستان از بیگانگان دشمنان خالی گردیدہ، تیر سعی بر ہدف مراد رسیدہ آیندہ مناصب ریاست لطالبین آن مسلم باد"

(خط سید احمد شہیدؒ)

جناب کو خوب معلوم ہے کہ پردیسی سمندر پار کے رہنے والے، دنیا جہاں کے تاجدار، اور یہ سودا بیچنے والے تاجر سلطنت کے مالک بن گئے بڑے بڑے امیروں کی امارت اور بڑے بڑے اہل حکومت کی حکومت اور انکی عزت کو انھوں نے خاک میں ملا دیا، .... جس وقت ہندوستان ان غیر ملکی دشمنوں سے خالی ہو جائیگا اور ہماری کوششوں کا تیر مراد کے نشانہ تک پہنچ جائیگا حکومت کے عہدے اور منصب ان لوگوں کو ملیں گے جن کو انکی طلب ہوگی،

اگر یہ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا خط ہے جیسا کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب میں نقل کیا، جس سے برہان دہلی کے مقالہ نگار نے بھی اور اسی پر اعتبار کر کے حضرت شیخ الاسلامؒ نے اپنی کتاب نقش حیات میں بطور اقتباس نقل کر دیا، اور یہ لکھ دیا کہ سید صاحبؒ کا مقصد یہاں سے انگریزوں کو یہاں سے جلد سے جلد نکالنا تھا، تو کونسا گناہ کیا،

مصنف نقش حیات اس سے انکار نہیں کرتے کہ وہ ہندو راجہ سید صاحبؒ کا معتقد تھا، پھر سوچئے اسی خط کو عنت نے اپنے حملوں میں اگر ادا کر دیا، تو کیا برا کیا، جو مطلب اس خط اور اس مضمون سے اصلاحی صاحب نکال رہے ہیں وہ نہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کے ذہن میں ہوگا، نہ مصنف نقش حیات کو اسکی کھٹک پیدا ہوئی ہوگی، اس قسم کے غلط پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر کسی نے مصنف نقش حیات سے اس سلسلہ میں دریافت کیا تھا، آپنے جواب میں تحریر فرمایا،

"دوسرا تیسرا آپ کا اعتراض یہ ہے کہ حضرت سید صاحبؒ کو سیکولر اسٹیٹ بنانے کا ارادہ کرنیوالا اور صرف انگریزوں کو نکالنے والا میں قرار دیتا ہوں، یہ بالکل خلاف واقعہ ہے اور تصریحات سے روگردانی ہے، بہرحال یہ نتیجہ نکالنا (کسی طرح) صحیح نہیں ہے"

میں نے جو کچھ روشنی ڈالی ہے اس سے یہ بات صاف ہو گئی کہ حضرت شیخ الاسلام کی کتاب میں یہ معنی پیدا کرنا زبردستی کے سوا کچھ بھی نہیں، احتیاطاً میں نے حضرت کے خط کا اقتباس بھی دیدیا،

مگر آپ یہ معلوم کر کے حیرت زدہ رہ جائیں گے کہ خدا کے اس برگزیدہ بندہ نے جو شیخ الاسلام کے نام سے پوری دنیا میں مشہور و مقبول ہے، سائل کے جواب میں اسی حصہ پر اکتفا نہیں کیا جو نقل کیا گیا ہے بلکہ پیش بندی کے طور پر کہ شاید اسکے پیچھے کسی کا ہاتھ کام کر رہا ہو اور بہت ممکن ہے کل میرا نام لے کر غلط فائدہ اٹھانے والے فائدہ اٹھانے کی سعی کریں، اپنے مرتبہ کے مطابق یہ بھی صراحت کر دی، "اگر بالفرض کوئی عبارت ایسی ہے جسکی دلالت مطابقی یہی ہے، دوسری توجیہ اس میں نہیں ہو سکتی، تو وہ غلط ہے"

یہ ایک قطب عالم اور شیخ وقت ہی کی ذمہ داری کا احساس تھا کہ آپنے غلط فہمی کے لئے ایک تسمہ لگا نہیں چھوڑا، اور آنیوالے فتنوں کا دروازہ پوری قوت سے بند کر ڈالا، اور یہیں تک نہیں، اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں ہوں، آپ پر کہ جسطرح آپنے حضرت سید احمد بریلوی شہید کے مشن کی تکمیل کے لئے اپنی پوری زندگی وقف کر رکھی تھی، حضرت شہید پر نکتہ چینی کرنیوالے کیلئے کوئی سوراخ رہنے نہ دیا، اور موجودہ دور میں اپنے شایان شان +

+ ایک مثال قائم کر گئے اور اعلان فرما گئے، "اگر بالفرض کوئی عبارت ایسی ہے جسکی دلالت مطابقی یہی ہے، دوسری توجیہ اسمیں نہیں ہو سکتی، تو وہ غلط ہے"

دینی و علمی ماہنامہ "الحرم" میرٹھ کا خاص نمبر

حضرت مدنی نمبر

بیادگار
شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالےٰ

★ حضرت مدنی رح کی مقدس زندگی کے علمی دینی روحانی اور سیاسی پہلوؤں پر ایمان افروز مقالات،
★ شریعت وطریقت کے جواہر نوادر پر مشتمل حضرت مدنی رح کے غیر مطبوعہ مکتوبات،
★ حضرت مدنی رح کی شان میں ممتاز شعراء کے وجد آفریں نغمات،
★ حضرت مدنی رح کی جامع کمالات زندگی کے مکمل ومفصل حالات،

چند خصوصی مضمون نگار

- حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند
- حضرت مولانا سید مہدی حسن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند
- حضرت مولانا الحاج احتشام الحسن کاندھلوی مولف "تجلیات کعبہ"
- جناب مولانا محمد نعیم صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند
- جناب مولانا محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی دارالعلوم دیوبند
- جناب مولانا سید طاہر حسن صاحب امروہی
- حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند دہلی،
- حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادی ایم اے پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ،
- جناب مولانا نسیم احمد فریدی امروہی،
- جناب صاحبزادہ مولانا سید انظر شاہ مدرس دارالعلوم دیوبند
- جناب مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری مولف "انفاس قدسیہ"
- جناب مولانا نجم الدین صاحب احیائی وغیرہم

حضرت مدنی نمبر کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ

(بقول الجمعیۃ) ان ہی مضامین کو شریک اشاعت کیا ہے جو حضرت علامہ مدنی رح کے طرز فکر کی ترجمانی کرتے ہیں اور مسلمانوں کیلئے دستور العمل کا کام بھی دے سکتے ہیں،
ہر مضمون کی خوبی یہ ہے کہ وہ مختصر ہے اور اس میں جس نکتہ کو اٹھایا گیا ہے اس کی تکمیل کر دی گئی ہے،
نیز کوئی مضمون مکرر نہیں اور نہ کوئی مقالہ یا نظم کسی دوسرے رسالہ یا کتاب سے منقول ہے،
مضامین اور نظموں کے علاوہ آخر کے ۳۶ صفحات میں حضرت رح کی مکمل وجامع سوانح حیات بھی شامل ہے، جسے پڑھ کر دل میں یقین، آنکھوں میں نور اور اعضاء میں قوت عمل پیدا ہوتی ہے،

تقطیع ۱۸×۲۲ متوسط وموزوں، صفحات ۱۲۸، سرورق دلکش ونظر افروز، قیمت ایک روپیہ محصول مع رجسٹری ۱۰/

الحرم کے مستقل خریداروں کو سالانہ چندہ میں پیش کیا جا رہا ہے

آج ہی تین روپے دس آنے سالانہ چندہ مع فیس رجسٹری بھیجکر مدنی نمبر بھی حاصل کیجئے اور سال بھر تک الحرم سے بھی استفادہ کیجئے،

ہدایات:— (۱) مدنی نمبر کی قیمت یا الحرم کا سالانہ چندہ منی آرڈر سے بھیجئے، وی۔پی نہیں بھیجا جاتا۔
(۲) ایجنٹ وتاجران کو کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر ۲۵ فیصد کمیشن دیا جائیگا مگر محصول ڈاک انکے ذمہ ہوگا،

پاکستان میں ارسال رقم کا پتہ:— منیجر کوثر بک ایجنسی C/11 شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

منیجر الحرم، قاضی منزل۔ قاضی واڑہ میرٹھ

از:- شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری مدظلہ العالی

فلسفۂ عید قربان

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی ۔ اَمَّا بَعد

ہر حکمِ الٰہی میں حکمت:- دُنیا میں ہر عقلمند کا یہ قاعدہ ہے کہ اپنے ذہن میں ہر کام کے نفع ونقصان کا موازنہ پہلے کرتا ہے جو چیز اس کے حق میں انفع ہو، یعنی جسکا نفع نقصان سے زیادہ ہو اُسے پسند کرتا ہے۔ جب یہ ایک ایسی ہستی کا معمول ہے جسکی عقل محدود، فہم نارسا، انکشاف حالات مستقبلہ سے عاجز وبیکس ہے، جس کے سارے فیصلے محض ظن وتخمین پر ہیں تو کیا اس عالم الغیب والشہادۃ قادرِ مطلق فعال لما یرید کا یہ دستور العمل نہیں ہونا چاہیئے؟ وہ تو حکیم علی الاطلاق ہے، اسکا کوئی کام اور کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا،

مراتبِ فہم:- ہاں اک امر کے تسلیم کرنے میں کسی کو چارہ نہیں، وہ یہ کہ عقل وفہم انسانی کے مراتب مختلف ہیں۔ ایک ہی چیز ایک شخص کے ہاں بدیہی ہے، تو دوسرے کے حق میں نظری، نظری ہونے کے بعد پھر ایک آدمی محض اپنی نظر وفکر سے اُسے حل کرلیتا ہے، تنبیہ ومنبہ کی اُسے ضرورت نہیں تو دوسرا اُسی نظری کو سوائے راہ نمائی کے حل نہیں کرسکتا۔ پھر راہ نما ملنے کے بعد ایک شخص ادنےٰ انتباہ سے متنبہ ہوجاتا ہے، دوسرے کے لئے معلم بجد دردسری کرتا ہے۔ تب اُسے کچھ سمجھ میں آتا ہے، فہم انسانی میں مراتب مختلفہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حکم الٰہی کی تعمیل کیلئے حکمت ومصلحت کا سمجھنا ضروری قرار نہیں دیا گیا، بلکہ ایمان بالغیب پر اکتفا کیا گیا ہے قولہٗ تعالےٰ، ذٰلِکَ الکِتٰبُ لَا رَیبَ فِیہِ ھُدًی لِّلمُتَّقِینَ الَّذِینَ یُؤمِنُونَ بِالغَیبِ،

ترجمہ:- "اس کتاب (کے منزل من اللہ ہونے) میں شک نہیں۔ پرہیزگاروں کے لئے راہ نما ہے وہ لوگ جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں، انتہیٰ"

البتہ اللہ تعالےٰ اپنے مخلص بندوں کو نعمتِ حکمت سے بھی سرافراز فرماتا ہے،

وَمَن یُّؤتَ الحِکمَۃَ فَقَد اُوتِیَ خَیرًا کَثِیرًا ط

ترجمہ:- ان لوگوں کو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ سنا دے، ان دونوں نے قربانی کی پھر ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہیں ہوئی

ابراہیمی قربانی:- حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے بیٹے (حضرت اسماعیل) کو ذبح کر رہا ہوں۔ انبیاء علیہم السلام کے خواب الہام الٰہی ہوتے ہیں۔ اس لئے اس خواب کو حکم الٰہی سمجھ کر بیٹے سے استصواب فرمایا۔ بیٹے نے عرض کی، اللہ تعالےٰ کے حکم کی تعمیل کیجئے۔ مجھے خدا تعالےٰ کے فضل سے آپ صابر پائیں گے، اس گفتگو کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام صاحبزادے کو ذبح کرنے کے لئے لے گئے۔ جب ذبح کرنے کی غرض سے بیٹے کو لٹایا۔ اس وقت اللہ تعالےٰ کی طرف سے آواز آئی۔ اے ابراہیم علیہ السلام تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا اور اللہ تعالےٰ نے بیٹے کے عوض ایک مینڈھا عطا فرمایا جسے حضرت ابراہیمؑ نے ذبح کیا۔

ابراہیمی قربانی کے نتائج:- (۱) جب حصول رضاءِ الٰہی کے لئے بیٹا ذبح کرنے کو تیار ہوگئے تو اپنی جان قربان کرنے میں انہیں بطریق اولیٰ کوئی دریغ نہ تھا۔

(۲) جب جان اور اولاد قربان کرنے کے لئے تیار تھے تو مال قربان کرکے خدا تعالےٰ کو راضی کرنے میں انہیں کیا عذر ہوگا،

(۳) جب انکے ہاں جان اولاد اور مال رضاءِ الٰہی کے مقابلے میں کوئی چیز نہ تھا تو وہاں حب وطن محبت الٰہی کا مقابلہ کب کرسکتی تھی؟

(۴) جب اللہ تعالےٰ کی رضاء حاصل کرنے میں جان اولاد کی پرواہ نہیں کرتے تو اعزہ واقرباء کے تعلقات انہیں دروازہ الٰہی سے کب ہٹا سکتے ہیں؟

(۵) جب ان کی جان اولاد اور اعزہ واقرباء اس ذرِّ یتیم (رضاءِ الٰہی) پر قربان ہوچکے ہیں تو حب بقیہ اسباب دُنیا انہیں کب یاد الٰہی سے غافل کرسکتی ہے،

(۹) جب رضائے الٰہی انہیں جان اور اولاد سے زیادہ عزیز ہے تو کوئی تجارت و زراعت یا صنعت و حرفت ان کا دل کب لبھا سکتی ہے؟

تجدیدِ ملتِ ابراہیمی:- سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام دراصل ملت ابراہیمی کے مجدد ہیں، وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ (سورہ حج رکوع ۱۰ پارہ ۱۷)

ترجمہ:- اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو، جیسا کوشش کرنیکا حق ہے اس نے تم پر دین کے احکام میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی، تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی اس ملت پر ہمیشہ قائم رہو اس اللہ نے تمہارا لقب مسلمان رکھا ہے،

ابراہیمی قربانی کی تازہ یاد:- چونکہ شفیع المذنبین رحمۃ للعٰلمین بنیاد ابراہیمی پر قصر شریعت محمدی کی تعمیر کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اسلئے آپ نے بھی اپنی امت کو حصول رضائے الٰہی کی خاطر قربانی کی یاد تازہ کرائی تاکہ امت محمدیہ کے ہر فرد سے ابراہیمی خوشبو آئے اور ہر کلمہ گو کا نورِ ایمان ابراہیمی نور سے مشابہ ہوجائے۔

تنبیہہ:- مسلمانوں کا فرض ہے کہ قربانی کرتے وقت جذبات ابراہیمیؑ کا خیال رکھیں۔ دل کے انہیں پاکیزہ جذبات کا نام تقویٰ ہے جو اللہ تعالےٰ کے ہاں محبوب و مقبول ہے، ارشاد ہوتا ہے، لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ،

ترجمہ:- اللہ تعالےٰ کے ہاں قربانیوں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے، اس کے ہاں تقویٰ کی قدر و قیمت ہے (جو قربانی کرنے والے کے دل میں حاصل ہوتا ہے)

بیک کرشمہ دو کار:- بفضلِ تعالےٰ امت محمدیہ دعوےٰ سے کہہ سکتی ہے کہ شریعت محمدیہ کے ہر حکم میں دین و دنیا اور آخرت کی کامیابی کا راز مضمر ہے ادھر خدا تعالےٰ راضی ہوجاتا ہے، تو ادھر دنیا سنور جاتی ہے۔ ادھر آخرت کی نجات کا سارٹیفکٹ مل جاتا ہے تو ادھر دنیا کی ذلتوں سے انسان رہائی پاجاتا ہے،

پیغام فتح اسلام:- اگر مسلمان عید قربان کو جذبات ابراہیمی کی تازہ یادگار قرار دیں اور ہر سال شمع رضائے الٰہی پر پروانہ وار قربان ہونے کے لئے دل و جان ظاہر و باطن سے تیار رہیں تو مالک الملک ذوالجلال والاکرام عز اسمہٗ وجل مجدہ ان کی پشت پناہ ہوگا پھر ایسے سرفروش فدائیان اسلام کی جماعت جس میدان میں قدم رکھے گی خدا تعالےٰ ان کی حمایت کے لئے زمین و آسمان کے لشکر بھیج دے گا۔ پھر یہ دنیا میں چالیس کروڑ نہیں چالیس سو بھی ہوں گے تو ہر میدان میں فتح و نصرت کا سہرا انہیں کے سر ہوگا دنیا میں کوئی قوم ان کے مقابلہ کی تاب نہیں لاسکے گی جو قوم مقابلہ میں آئے گی منہ کی کھا کر جائے گی،

رازِ فتح:- اگر اصول مذہب سے قطع نظر کرلی جائے تو بھی عقلاء دنیا کے ہاں یہ قاعدہ مسلم ہے کہ وحدت میں قوت اور انتشار میں ضعف لازمی ہے۔ مثلاً کچے سوت کی تاریں علیحدہ علیحدہ ہوں تو دو برس کا بچہ ایک ایک کو ٹکڑے ٹکڑے کرسکتا ہے، لیکن انہیں میں وحدت پیدا ہوجائے تو ایک طاقتور جوان بھی کپڑے کے ایک گز کو کھینچ کر دو ٹکڑے نہیں کرسکتا۔ یا مثلاً اینٹیں بکھری ہوئی ہیں تو ان میں کوئی طاقت نہیں اگر آپس میں مل کر کھڑی ہوجائیں تو مضبوط قلعہ بن جاتا ہے۔ بعینہ اسلام اپنے متبعین کو ایک رشتہ وحدت میں پرو دیتا ہے اور وہ رشتہ کلمہ طیبہ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کا ہے۔ ساری دنیا کے مسلمان چینی ہوں یا روسی، پاکستانی ہوں یا ہندوستانی ہوں، جاپانی ہوں یا امریکی۔ افریقی ہوں، یا ترکی مصری ہوں یا عربی،

ان سب کا

۱۔ خدا ایک ہے۔ رحمٰن (عز اسمہٗ وجل مجدہٗ)
۲۔ رسول ایک ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
۳۔ مذہب ایک ہے۔ اسلام
۴۔ دستور العمل ایک ہے۔ قرآن
۵۔ مرکز (سنٹر) ایک ہے۔ بیت اللہ حرام

الحاصل:- حاصل یہ ہے کہ اسلام نے رنگ و روپ نسل و قوم، وطن و ملت کے تمام امتیازات مٹا دیئے ہیں۔ کالے اور گورے۔ یہودی، نصرانی اور مجوسی سب کو إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ

(مومن آپس میں سب بھائی ہیں) اور اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ،
ترجمہ:۔ (اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ معزز تم میں سے سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے) کا سبق پڑھا دیا ہے،

یہی وہ راز تھا جس نے مٹھی بھر مسلمانوں کو دُنیا کا سرتاج بنایا، اعدا و دُشمنانِ اسلام کو گرویدہ اسلام کر دکھایا۔ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ،

کفار کی ناکامی کا سبب:۔

غیر مسلموں میں اصولاً بجائے وحدت کے انتشار ہے جسکا لازمی نتیجہ ناکامی ونامرادی ہونا چاہیئے، ہندوئوں کے ہاں برہمن اور شودر کبھی مذہباً مل ہی نہیں سکتے، عیسائیوں میں اینگلو انڈین اور یورپین کا مرتبہ ایک نہیں ہو سکتا، ہندوستان کے ہندو آزادی کی صدا لگاتے وقت مادرِ وطن کو نصب العین بناتے ہیں، تو جرمنی فقط جرمن کی آزادی کا خواہاں نظر آتا ہے اور انگریز انگلینڈ کا دلدادہ دکھائی دیتا ہے۔
تَحْسَبُھُمْ جَمِیْعًا وَّقُلُوْبُھُمْ شَتّٰی ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ ۝
سورہ حشر پارہ ۲۸ ع ۱۸

ترجمہ:۔ تو ان کافروں کو آپس میں متحد خیال کرتا ہے، حالانکہ ان کے دل ایک دوسرے سے مختلف ہیں، ان میں اختلاف اس لئے ہے کہ یہ بیوقوف ہیں، انتہیٰ،

اظہارِ افسوس:۔

ہائے افسوس، صد افسوس، آج دُنیا میں اُلٹا قصہ نظر آرہا ہے جن کی گھٹی میں وحدت تھی وہ انتشار میں سرشار ہیں، اور جن کی ناکامی ونامرادی کا اعلان لوحِ محفوظ سے آچکا تھا۔ وَاَنَّ اللّٰہَ مُوْھِنُ کَیْدِ الْکٰفِرِیْنَ ۝ (سورہ انفال پارہ ۹ رکوع ۲)
ترجمہ:۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کو کافروں کی تدبیر کا کمزور کرنا تھا" وہ آج سریر آرائے وحدت نظر آتے ہیں۔

سچ تو یہ ہے:۔

کہ نام سے کام نہیں چلتا۔ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَلْوَانِکُمْ وَلٰکِنْ یَّنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ
ترجمہ:۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور رنگوں کو نہیں دیکھتا ہے۔ انتہیٰ،

جب عموماً مسلمانوں نے رشتہ وحدت کو عملاً چھوڑا۔ اشاعت توحید اور اتباعِ سنت سے منہ موڑا، تب اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا ہاتھ ان کے سروں سے اُٹھا لیا، عزت ورفعت بربادگی ذلت و نکبت چھا گئی، وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰہُ وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝
(سورہ آل عمران۔ رکوع ۱۲ پارہ ع ۴)
اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنے آپکو ضرر پہنچا رہے ہیں۔

قاضی زین الساجدین میرٹھی متعلم دارالعلوم دیوبند

خدمتِ خلق کے چند ایمان افروز مناظر

بزرگان دین کی سیرت کے آئینہ میں!

اسلام میں خدمت خلق کا بڑا درجہ ہے، چنانچہ اسی کو سرداری اور بڑائی کا معیار قرار دیا گیا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے سَیِّدُ القومِ خادِمُھم کہ قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے،

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس خدمت کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ آپکی خدمت میں مدینہ منورہ کی لونڈیاں آتیں اور کہتیں یا رسول اللہ ہمارا یہ کام کر دیجئے وہ کام کر دیجئے، آپ اسی وقت کھڑے ہو جاتے اور ان کا کام کرتے،

ایک دن آپ نماز کے لئے کھڑے ہو چکے تھے کہ ایک دیہاتی آیا اور آپ کا دامن پکڑ کر بولا: "میرا کچھ کام رہ گیا ہے ایسا نہ ہو کہ میں بھول جاؤں پہلے اس کو کر دو" آپ فوراً اسکے ساتھ مسجد سے باہر نکل آئے اور اس کام کو پورا کر کے نماز ادا کی،

ملک حبش سے کچھ مہمان دربار نبوی میں آئے تو آپ خود ان کی خدمت میں لگ گئے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم خدمت گزاری کے لئے موجود ہیں آپ تکلیف نہ فرمائیں مگر آپنے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے میرے دوستوں (مہاجرین حبش) کی خدمت کی ہے اس لئے میں خود ان کی خدمت کروں گا۔

حضرت عمر فاروق:— صحابہ کرام کی زندگیاں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آئینہ تھیں خدمت خلق کا جذبہ ان کی زندگیوں میں بھی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر تھا،

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی کہ رات کو آپ معمولی لباس پہن کر تاکہ پہچانے نہ جائیں، مدینہ منورہ کا گشت فرمایا کرتے تھے، ایک رات اسی طرح گشت فرما رہے تھے کہ کسی محلہ میں ایک غریب عورت کو دیکھا کہ اپنے صحن میں بیٹھی ہانڈی پکا رہی ہے اور اسکے پاس اسکے بچے بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں۔

آپنے اس عورت سے پوچھا کیا بات ہے بچے کیوں رو رہے ہیں عورت نے جواب دیا، کیا بتاؤں، کئی روز سے ان بچوں کو کھانا نہیں ملا، بھوک کے سبب رو رہے ہیں، میں نے ان بچوں کو بہلانے کے لئے چولھے پر ہانڈی چڑھا دی ہے اور انہیں بہلا رہی ہوں تاکہ کسی طرح یہ سو جائیں، عمر بھی ہماری خبر گیری نہیں کرتا، خیر اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارا فیصلہ ہوگا۔

حضرت عمر نے فرمایا مگر عمر کو تمہارے حال کی کیا خبر، کیا تم نے اس کو کوئی اطلاع دی۔ عورت نے جواب دیا سبحان اللہ، ہمیں اطلاع دینے کی کیا ضرورت، وہ تو ہمارا ذمہ دار بنایا گیا ہے، یہ اسکا اپنا فرض ہے کہ ہمارے حالات کی خبر گیری رکھے،

یہ جواب سن کر حضرت عمر کانپ اٹھے۔ اسی وقت بیت المال کا دروازہ کھلوایا اور کھانے کا کچھ سامان نکال کر اسے اپنی پیٹھ پر لادا اور اس عورت کے مکان کی طرف چل دیئے،

حضرت کے غلام اسلم نے کہا یا امیر المومنین آپ تکلیف نہ فرمائیں میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ مگر آپ نے فرمایا آج تو تم میرا بوجھ اٹھا لوگے، مگر کل قیامت کے دن میرا بوجھ کون اٹھائے گا؟

اسطرح لدے پھندے آپ اس غریب عورت کے مکان پر پہنچے، عورت کو گوندھنے کے لئے آٹا دیا اور خود چولھے میں لکڑیاں بھر کر پھونکیں مارنے لگے۔ چولھے کا دھواں آنکھوں میں بھر بھر جاتا مگر آپ آگ

دہکاتے رہے،

آخر کھانا تیار ہوگیا، حضرت عمر نے خود اپنے ہاتھ سے نکال کر بچوں کو کھلایا بچوں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا پھر خوشی سے اچھلنے کودنے لگے،

اب حضرت عمر آئندہ کے لئے اسکا انتظام کرکے رخصت ہوگئے تو عورت نے ان کو دعائیں دیں اور خوش ہو کر کہا

سچ تو یہ ہے کہ امیر المومنین بننے کے قابل تم ہو نہ کہ عمر

حضرت سید احمد شہیدؒ:- آخری دور کے ایک مجاہد بزرگ حضرت سید احمد شہیدؒ کا نام سنا ہوگا، انگریزی عہد کے ابتدائی زمانہ میں انھوں نے ہندوستان کو فرنگی کافروں کے چنگل سے چھڑانے اور اسلامی نظام قائم کرنے کی کوشش کی اور اسی کوشش میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ بالاکوٹ (سرحد) کی سرزمین میں کام آئے۔ میرے خاندان کے ایک بزرگ قاضی احمد اللہ صاحب میرٹھی کو بھی اس جہاد اور شہادت میں حضرت کی رفاقت کی سعادت حاصل ہوئی ان سید صاحب کے حالات میں لکھا ہے کہ:-

ایک مرتبہ (بسلسلہ جہاد) مردان میں ٹھہرے تو مسجد کے پاس کی جگہ گندی ہو رہی تھی۔ سید صاحب کے ساتھ بہت سے ساتھی تھے مگر آپ نے خود کدال ہاتھ میں لی، آپکے نائب حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے ٹوکری سنبھالی اور ذرا سی دیر میں ساری جگہ کو صاف کر ڈالا۔

ایک دوسرے مقام پنجتار میں جو جگہ نماز کے لئے مخصوص کرلی تھی اس کے گرد ایک احاطہ تھا۔ چھت فرش کچھ بھی نہ تھا۔ نماز پڑھتے وقت مجاہدین کے کنکر چبھتے تھے، ایک روز حضرت سید صاحب مجاہدین کو لے کر جنگل کی طرف نکل گئے اور اتنی گھاس کاٹ لائے کہ فرش پر اس کی ایک موٹی تہ بچھا دی گئی۔ اسطرح ایک روز چھپر بنا کر چھت کا انتظام کرلیا۔ پھر دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر مسجد کو وسیع کرلیا اور قیام کے لئے آس پاس مکانات بنالئے،

حضرت نانوتویؒ:- دارالعلوم دیوبند کے بانی اور گزشتہ صدی کے مشہور عالم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے نام سے بھی ہر شخص واقف ہے، میرٹھ میں میرے پردادا کے ماموں مولانا محمد ہاشم صاحب کے مطبع ہاشمی میں آپ کا مدت تک قیام رہا میرے دادا صاحب مرحوم بیان فرماتے تھے کہ آپ اپنے تمام کام بھی خود انجام دے لیتے تھے اور محلہ والوں کے کام بھی بے تکلف کر دیا کرتے تھے،

ایک مرتبہ آپ نانوتہ جانے کیلئے کسی اسٹیشن پر اترے، ایک دوسرے صاحب بھی اسی گاڑی سے اترے، انکے ساتھ سامان کافی تھا کسی مزدور کی تلاش کرنے لگے، حضرت نانوتوی بالکل دیہاتی لباس میں تھے ان کو دیکھ کر آواز دی اور کہا کہ ہمارا یہ سامان نانوتہ لے چلو، حضرت بخوشی تیار ہوگئے، سامان سر پر لادے ہوئے جب قصبہ میں پہنچے تو لوگوں نے حضرت کو سلام کرنے شروع کئے اور زبردستی آپکے سر سے سامان اتروا کر اپنے سروں پر لاد لیا، تب ان صاحب کو خبر ہوئی کہ یہ کوئی مزدور نہیں بلکہ حضرت نانوتوی ہیں، بہت شرمندہ ہوئے اور معذرت کی مگر حضرت نے مسکرا کر فرمایا معذرت کی ضرورت نہیں، یہ تو میرا فرض تھا کہ آپ کا ہاتھ بٹاؤں،

حضرت مدنیؒ:- ہمارے آپ کے بزرگ اور دیوبند کے صدر المدرسین شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا تو ابھی وصال ہوا ہے، انکی زندگی بھی ان ہی اکابر کی زندگی کا عکس تھی،

ماشاء اللہ حضرت کے خادموں اور شاگردوں کی بہت بڑی تعداد ہر وقت آپکے پاس رہتی تھی، مگر آپ ان سے اپنا کام لینے کی بجائے خود ان کی خدمت کرتے تھے،

حضرت کا مردانہ مکان ہر وقت اور ہر زمانہ میں مہمانوں سے بھرا رہتا تھا، آپ خود انکے ٹھہرنے اور کھانے کے کاموں کی نگرانی فرماتے تھے اور بعض اوقات پنکھا جھل دیتے ٹانگیں دبا دیتے اور حلم بھی بھر دیتے تھے۔

ایک رات بارہ بجے کے قریب حضرت مدرسہ سے مہمان خانہ میں آئے۔ اندھیرا ہو رہا تھا ایک بوڑھے دیہاتی مہمان نے پوچھا کون ہے؟ حضرت نے نام نہ بتایا اور کام پوچھا۔ ان صاحب نے کہا حقہ پینے کو جی چاہتا ہے ذرا حقہ بھر دو، حضرت بے تکلف گھر میں تشریف لے گئے اور حقہ بھر کر سامنے لا رکھا، اب جو مہمان صاحب نے سر اٹھا کر دیکھا تو حضرت مدنی تھے گھبرا گیا حضرت نے مسکرا کر فرمایا، بھائی کچھ حرج نہیں یہ تو آپکی مہربانی ہے کہ آپنے ہمیں خدمت کا موقع دیا۔

تبصرہ :-

صدّیقِ اکبر

تالیف مولنا سعید احمد اکبر آبادی ایم۔ اے مدیر برہان، کتابت وطباعت اعلیٰ کاغذ چکنا سفید، مضبوط جلد خوبصورت گرد پوش تقطیع کلاں صفحات ۴۸۰ قیمت آٹھ روپے،

ملنے کا پتہ :- دفتر ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی،

حضرت صدیق اکبر کی فضیلت جہاں یہ ہے کہ آپ کا آئینہ قلب آفتاب اسلام کی وفات کے بعد جب فتنہ ارتداد کی طوفانی آندھیاں اٹھیں تو آپ ہی کے دست عزم وہمت نے اسلام کی پیشانی سے اس گرد وغبار کو صاف کیا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت جب فاروق اعظم جیسے جبال عزم واستقلال اپنی جگہ چھوڑ رہے تھے یہ صدیق اکبر ہی تھے جنہوں نے ان کو سہارا دیا اور بتایا، مَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ، اور خداوند حی وقیوم کے زندہ وباقی دین کی مدافعت کے لئے سرفروشان اسلام کو یمن وعراق وشام کے میدانوں میں صف آرا کر دیا،

حضرت صدیق اکبر کو بحیثیت خلیفہ اسلام، اسلام کی خدمت کا صرف ۲ ½ سال تو وقت ملا، اس مختصر مدت میں آپ کے قلب روشن اور فکر وقاد نے نظام اسلامی کا وہ نقشہ کھینچ دیا جس میں ان کے جانشین فاروق اعظم نے رنگ بھرا اور دنیا کو محو حیرت بنا دیا۔

اسی وجہ سے اسلام میں صدیق اکبرؓ کی اور تاریخ اسلام میں عہد صدیقی کی بہت بڑی اہمیت ہے، حدیث وسیرۃ وتاریخ کے دفتر ان کے زندہ وزندگی بخش کارناموں سے لبریز ہیں، سیرۃ وتاریخ کی عام کتابوں کے علاوہ متقدمین ومتاخرین نے حضرت صدیق اکبرؓ کے متعلق بھی مستقل کتابیں لکھی ہیں اور الحمد للہ ابھی یہ سلسلہ جاری ہے اسی سلسلہ کی آخری کڑی مصر میں محمد حسین ہیکل کی کتاب الصدیق ابوبکر ہے اور ہندوستان میں مولنا سعید احمد اکبر آبادی ایم۔ اے فاضل دیوبند کی تازہ تالیف "صدیق اکبر" ہے،

مولنا سعید احمد اکبر آبادی جدید وقدیم علوم پر نظر رکھتے ہیں ایک طرف وہ تاریخ اسلام کے مستند مبادی حدیث وسیرۃ وتاریخ کے رموز آشنا ہیں اور دوسری طرف تاریخ نویسی کے جدید اسلوب اور عہد حاضر کے ذہن وفکر کے مطالبات سے بھی واقف ہیں۔ اس لئے توقع کی جا سکتی تھی کہ ان کی یہ ضخیم کتاب اس سلسلہ میں حرف آخر کی حیثیت رکھے گی الحمد للہ یہ توقع پوری ہوئی۔

فاضل مولف نے اس کتاب کی تالیف میں دفتر کے دفتر کھنگالے ہیں۔ واقعات وحقائق کی بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ چھان بین کی ہے، احادیث وروایات کو تحقیق وتنقید کی کسوٹی پر کسا ہے اور پھر جو کچھ اپنی فہم روشن کے آئینہ میں مستند ومعتمد پایا ہے اسے اس کتاب میں پیش کر دیا ہے۔ سیرۃ نبوی کی طرح عہد صدیقی کے بھی کئی واقعات ایسے ہیں جو مورخین وناقدین کے ہاں موضع بحث ونظر رہے ہیں، ہر ایک نے اپنی معلومات اور اپنے اپنے ذوق طبع کے مطابق ان کو بیان کیا ہے اور ان سے نتائج نکالے ہیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے تسلیم کرنے سے متعلق حضرت علی کا طرز عمل، حضرت خالد بن ولید کے ہاتھ سے مالک ابن نویرہ کے قتل کا واقعہ ایسے ہی فکر انگیز مسائل ہیں۔ اس کتاب میں فاضل مولف نے ایسے مباحث پر مجتہدانہ انداز میں قلم اٹھایا ہے اور سچ یہ ہے کہ حق تحقیق ادا کر دیا ہے۔ اگرچہ دینیات میں بھی یہ مسلم ہے کہ المجتہد یخطی ویصیب، مگر اس سے مولنا کے اجر میں کیا کمی آسکتی ہے؟

واقعات کے ضمن میں سیکڑوں علمی ودینی مباحث آگئے ہیں جن پر فاضل مصنف نے داد تحقیق دی ہے، کتاب کے آخر میں عہد صدیقی میں خلافت اسلامیہ کے مالی نظام فوجی نظام سیاسی نظام اور حضرت صدیق اکبر کی خدمات واولیات پر مفصل اور محققانہ کلام کیا گیا ہے اسطرح نہ صرف حضرت صدیق کی سیرۃ مقدسہ کے دلربا خد وخال نگاہوں میں پھرنے لگتے ہیں بلکہ نظام اسلامی کا حسین وجمیل نقشہ بھی پوری دلکشی کے ساتھ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے،

حق تو یہ ہے کہ یہ کتاب لکھ کر مولنا اکبر آبادی نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرۃ نگاری کا حق ادا کر دیا ہے اور مولنا شبلیؒ کی الفاروق کے بعد تاریخ اسلام کی الماری میں جس کتاب کی کمی محسوس کی جا رہی تھی مولنا نے ✦

ایسے پورا کر دیا ہے ہم اس محققانہ تالیف پر اپنے فاضل دوست مولنا سعید احمد اکبر آبادی کو، اور جملہ محاسن طباعت کے ساتھ اسکی اشاعت پر حضرت مولنا مفتی عتیق الرحمان صاحب عثمانی ناظم ندوۃ المصنفین دہلی کو مبارکباد دیتے ہیں، ناظرین الحرم سے درخواست ہے کہ وہ اس کتاب کے مطالعہ سے اپنے دیدہ دل کو روشن کریں۔

DAWAKHANA TIBBIYA COLLEGE ALIGARH
موسم گرما کے لئے بہترین تحفہ مشرق
بچے، بوڑھے، عورت، مرد، بیمار اور تندرست
فیکٹری، بازار، کھیت، کچہری، کالج، سفر
شادی بیاہ کی دعوت ہو یا کوئی دوسری تقریب
ہر عمر کے لئے
ہر جگہ پر
ہر موقع پر
نشاط افروز
اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ قابل اعتماد اور پسندیدہ شربت ہے،
آج ہی مقامی ایجنٹ سے اپنی بوتل محفوظ کرالیں، کیونکہ بڑھتی ہوئی
مانگ کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ بعد میں وہ آپکی فرمائش پوری نہ کر سکیں
گے، ۲۶، اونس کی بوتل دو روپے آٹھ آنے،
دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ
چند ایجنسیاں اور اسٹاکسٹس:-
(۹) بستی۔ گاندھی نگر سید انوار الحسن (۱۰) بانسی ضلع بستی۔ شیخ منیر الحسن (۱۱) بارہ بنکی متصل پولیس چوکی دھونکر تالاب۔
(۱۲) براوان ضلع جونپور (۱۳) تحصیل فتح پور ضلع بارہ بنکی۔ حکیم سخاوت علی (۱۴) سلطانپور۔ چوک (۱۵) پھولپور ضلع اعظم گڑھ۔ دیسی دواخانہ،
شاہوں، شہزادوں اور غریبوں کا پسندیدہ
رجسٹرڈ نمبر ۳۹۱۸
عطر مجموعہ
پھولوں کی خوشبو کا یہ بے نظیر اور لاجواب
مجموعہ عطروں کا سرتاج ہے جس کی
خوشبوؤں سے شاہی محل اور
غریبوں کے جھونپڑے یکساں مہک
رہے ہیں،
پاکیزگی کے تمام لوازمات کیساتھ
ہندوستان کا کوئی عطر فروش اتنا اچھا اور سستا عطر پیش نہیں کر سکا۔
آپ بھی ایک مرتبہ آزما لیجئے، رجسٹرڈ نمبر دیکھ کر اصلی مال خریدیئے، نقلی مال سے بچئے،
برانچ:- (۱) مینارہ مسجد محمد علی روڈ بمبئی نمبر ۳
(۲) صابو صدیق مسافر خانہ کرناک روڈ بمبئی نمبر ۱
حافظ محمد زکریا اینڈ برادرس پرفیومرس۔ ۲۹۹ سنڈھرسٹ روڈ ویسٹ بمبئی نمبر ۳

ٹھنڈا اور تازگی بخش
روح افزا
مشرق کا بہترین مشروب
ہمدرد ۔ دہلی ۔ کانپور

قاموس القرآن

قاموس القرآن

مکمل و مدلل قرآنی ڈکشنری

لغات القرآن کے موضوع پر پہلی مستند و مکمل کتاب جس نے اردو زبان کے اہم خلا کو پر کر دیا ہے۔ اس میں الحمد سے والناس تک بترتیب حروف تہجی تمام الفاظ قرآنی کے معانی اور ان کی مکمل صرفی و نحوی تشریح درج کی گئی ہے نیز تمام اہم الفاظ پر سلف صالحین کی مستند تفاسیر اور متاخرین محققین کی معتبر تشریحات کی روشنی میں سادہ و شیریں زبان میں جامع و مدلل نوٹ لکھے گئے ہیں، جو گلہائے مضامین معانی تفسیر و حدیث و فقہ و کلام و تاریخ و لغت کی قدیم و جدید کتابوں کے ہزار ہا صفحات میں بکھرے ہوئے تھے اس کتاب میں ان کا عطر کشید کر لیا گیا ہے۔ بلا مبالغہ یہ کتاب علوم قرآنیہ و معارف قرآنیہ کی مختصر انسائیکلو پیڈیا ہے جس سے طلبہ، مدرسین، مفسرین، مقررین، مصنفین اور عام شائقین قرآن کریم سب ہی کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ طباعت و کاغذ اعلیٰ صفحات آٹھ سو۔ قیمت مجلد آٹھ روپے

جلد نمبر ۔ جنوری ۱۹۵۹ء
نمبر ۵ جمادی الثانی رجب المرجب ۱۳۷۸ھ

-: قیمت :-

سالانہ	دو روپے
ممالک غیر میں	پانچ شلنگ
فی پرچہ	تین آنے

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	نقوشِ اوّلیں	مدیر	۴
۲	دعاء اور اس کے آداب	؍؍	۷
۳	نعت نبی صلعم	حضرت مجاز اعظمی	۱۲
۴	رسول اکرمؐ مساوات پسند رہنما کی حیثیت سے	جناب مولنا اخلاق حسین قاسمی دہلوی	۱۳
۵	خلقِ عظیم	مولانا قاری خلیل احمد صاحب جامعی ناظم انجمن اشاعت سیرت بمبئی	۱۶
۶	دعوتِ محمدیہ اور کفار کی ریشہ دوانیاں	جناب مولوی خالد کمال مبارکپوری	۱۸
۷	حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ سے کس طرح زندہ برآمد ہوئے	کوثر نیازی	۲۱
۸	چین میں اسلامیات کا ادارہ		۲۳

-: (التماس) :-

(۱) جن اصحاب کے پاس پرچہ ان کی طلب پر بطور نمونہ پہونچے ان کا فرض ہے کہ وہ خریداری سے متعلق اپنے فیصلہ سے اطلاع دیں ورنہ انھیں خریدار تصور کیا جائیگا۔

(۲) قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیجیں

(۳) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا لفافہ بھیجیں۔

(۴) اپنا پتہ صاف اور انگریزی میں منی آرڈر کے کوپن پر خط میں ضرور لکھیں اور نمبر خریداری بھی لکھیں۔

◎

اگر دیئے ہوئے دائرے میں نشان لگا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے، لہٰذا چندہ سال جدید ارسال فرمائیں یا اپنے آئندہ ارادے سے مطلع فرمائیں۔

(پاکستان میں قیمت بھیجنے کا پتہ)

مینجر کوثر بک ایجنسی (C-11) شاہ عالم مارکیٹ لاہور (پاکستان)

اہلِ حق کی تنظیم

حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند نے اپنے ایک تازہ بیان میں فضلاءِ دیوبند اور وابستگانِ دیوبند کا ایک اہم دینی ضرورت کی طرف متوجہ فرمایا ہے، حضرت مہتمم صاحب کے بیان کا مفہوم یہ ہے۔

"دارالعلوم دیوبند کے قیام کو تقریباً ۹۰ سال گذر گئے۔ اس دوران میں چھ ہزار سے زائد فضلا فارغ التحصیل ہوئے اور ملک و بیرونِ ملک میں دینی خدمات انجام دینے کے لئے پھیل گئے۔ مگر ان کی خدمات سے کماحقہٗ فائدہ نہ اٹھایا جا سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فضلاءِ دیوبند میں باہم کوئی ربط قائم نہیں نہ ان کا مرکز سے ہی کوئی مؤثر تعلق ہے، ان کے اس انتشار کی وجہ سے دینی اصلاح کا کام بھی وسیع پیمانہ پر نہیں ہو سکتا۔ اور تخریب پسند اور فتنہ انگیز عناصر کو بگاڑ پیدا کرنے کے مواقع مل جاتے ہیں۔

دارالعلوم کو جب اطلاع ملتی ہے تو وہ اپنے ذرائع سے اصلاح کی کوشش کرتا ہے مگر مقامی ذمہ دار لوگوں کا تعاون حاصل نہ ہونے کی وجہ سے اس کام میں دیر لگتی ہے، مرکز کو یہ علم نہیں ہوتا کہ فضلاء و وابستگانِ دارالعلوم کہاں کہاں مقیم اور کن کن مشاغل میں مصروف ہیں اور خود ان اصحاب کو مقامی تنظیم نہ ہونے کی وجہ سے اپنے قرب و جوار کے علاقہ سے بے خبری ہوتی ہے، لہٰذا نہ مرکز کو اصلاحی و تبلیغی کاموں میں ان سے مدد مل سکتی ہے اور نہ وہ خود اس کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں، لہٰذا ضرورت ہے کہ فضلاءِ دارالعلوم ہر مقام پر اپنے آپ کو منظم کریں۔ اس تنظیم کے تحت وقت نکال کر حلقۂ دینیات کا دورہ کریں اور عوام کو صحیح اسلامی زندگی سے روشناس کرائیں اور جہاں کہیں فتنہ انگیز عناصر سر اٹھائیں، ان کی سرگرمیوں کا مقامی مصالح کے مطابق خود بھی انسداد کریں اور مرکز کو بھی اس سے مطلع کر کے مدد حاصل کریں"۔

حضرت مہتمم کا یہ بیان بہت اہم ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء ہندو پاکستان کے علاوہ دوسرے مشرقی ملکوں میں بھی خاصی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں اور اکثر اپنے طور پر درس، افتاء، تقریر، تحریر اور دوسرے ذرائع سے دین و ملت کی گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں مگر باہم نظم و ربط نہ ہونے کی وجہ سے ان کی کوششوں کے اتنے بہتر نتائج نہیں نکل سکے جتنے نکلنے چاہئیں تھے۔ اگر اس سلسلے کی ہر جگہ کوئی مقامی تنظیم ہو تو وہاں کی دینی ضرورتوں کا صحیح جائزہ لے کر اور کارکنوں کی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ لگا کر کام کرنے کا بہترین نظام بنایا جا سکتا ہے اور اس سے بہتر اور مفید تر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

موجودہ بدنظمی کی وجہ سے ہوتا یہ ہے کہ ہر "فاضل دیوبند" فارغ التحصیل ہونے کے بعد جب اپنے مقام پر واپس پہنچتا ہے تو ایک مدرسہ عربیہ قائم کر کے اس کا مہتمم یا صدر مدرس بن جاتا ہے حالانکہ وہاں پہلے ہی سے اس قسم کا مدرسہ موجود ہوتا ہے اور ضرورت کسی دوسری نوعیت کے ادارہ مثلاً "صنعتی مدرسہ" یا "یتیم خانہ" یا "تبلیغی مرکز" کی ہوتی ہے۔ اس طرح نہ صرف اہلِ ثروت کا سرمایہ اور اہلِ فضل کی صلاحیت ضائع ہوتی ہے بلکہ آپس میں ایک ہی مسلک کے علماء میں چپقلش میں دال بٹنے لگتی ہے۔ ایسی مثالیں کمیاب نہیں ہیں کہ دیوبندی جماعت کے ہی دو دینی مدارس ایک دیوار کے فصل کے ساتھ برابر برابر موجود ہیں اور دونوں میں باہم اختلاف ہے۔

دوسرا مسئلہ "تخریب پسند اور فتنہ انگیز" جماعتوں کی کوششوں کو ناکام بنانے کا ہے۔ "تخریب پسند اور فتنہ انگیز" جماعتوں سے ہماری مراد کوئی غیر مسلم تنظیم نہیں ہے بلکہ یہ مسلمانوں توحید اور عاشقانِ رسول کی وہ جماعتیں ہیں جو گذشتہ دس سال تک مسلمانوں کو طوفانِ حوادث میں [illegible] اپنی ہی جان کے لئے

کے عقائد سے واقف کرانے اور نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ کا پابند بنانے سے کوئی واسطہ نہیں ہے ان کا پسندیدہ مشغلہ یہ ہے کہ "امتناع نظیر" اور "علم غیب رسول" جیسے اختلافی نظری مسائل میں الجھا کر مسلمانوں کے شیرازہ کو پراگندہ اور اپنی شیرینی کا انتظام کرتی رہیں۔

ہمارا اندازہ ہے کہ تعلیم یافتہ مسلمان (جدید و قدیم) اب ان کے جال میں نہیں آتے، البتہ کم علم اور جاہل مسلمانوں کو یہ اپنا شکار بنا لیتے ہیں، ان کی شر انگیزی کا انسداد کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ دور افتادہ دیہات و قصبات میں مدرسے اور مکتب قایم کئے جائیں، ان میں جمعیۃ علماء ہند کا مرتبہ اردو نصاب یا اس قسم کا کوئی اور نصاب پڑھایا جائے، ساتھ ہی ساتھ صحیح العقیدہ بزرگان دین سے ان کو وابستہ کرنے کی بھی کوشش کی جائے، آخر الذکر تدبیر بہت ضروری اور مفید ہے اور تجربہ ہے کہ علماء باعمل کے قدموں سے ایک مرتبہ وابستہ ہونے کے بعد ہر آدمی رہزنان دین کی دستبرد سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

کتاب و سنت کی تعلیمات کی اشاعت کرنے والے، اور اتحاد امت کی دعوت دینے والے دینی و اصلاحی جرائد و رسائل کی آواز کو مضبوط بنانے کی بھی بہت ضرورت ہے جن دور افتادہ علاقوں میں مقررین و مبلغین کی رسائی دشوار ہے، وہاں ان کے ذریعے پیغام حق بآسانی پہنچایا جا سکتا ہے۔ مدیر الجمعیۃ کی اس رائے سے بھی ہمیں کلی اتفاق ہے کہ ان جماعتوں کے مقابلے میں بھی مناظروں اور مباحثوں کی مجالس گرم کرنے سے احتراز کیا جائے، ہمارا تجربہ ہے (اور ان دوستوں کا بھی جن کی عمر کا معتد بہ حصہ اس میدان کی آبلہ پائی میں صرف ہوا ہے) کہ اس طریقہ سے کبھی مفید نتائج برآمد نہیں ہوئے، باطل سرنگوں ہو کر بھی غرّاتا ہی رہا۔ ضرورت اس کی ہے کہ کلمہ حق دل نشین اور مؤثر انداز میں سننے والوں کے کانوں تک پہنچا دیا جائے اور اہل حق اپنی عملی زندگی سے حقانیت اور صداقت کے نقوش طالبان حق کے دلوں پر ثبت کر دیں۔

ہماری رائے ناقص یہ ہے کہ یہ تنظیم فضلاء دیوبند تک ہی محدود نہ رہے بلکہ دیوبندی فکر سے متفق دوسرے دینی و علمی اداروں کے منتسبین کو بھی کسی نہ کسی حیثیت سے شامل کر لیا جائے، بلکہ جو جماعتیں اس حلقے سے باہر ہوں اگر مذہب کے نام پر فساد اور تنظیم و اتحاد کے نام پر مسلمانوں میں اختلاف و افتراق پھیلانے والوں کو ناپسند کرتی ہیں، ان کی بھی مدد حاصل کی جائے۔

اب آخری بات فضلاء دارالعلوم کے اپنے مرکز سے ربط قایم کرنے سے متعلق ہے، ہم ادب کے ساتھ عرض کریں گے کہ حضرت مہتمم صاحب کو یہ شکایت ہے کہ فرزندان دیوبند اپنے مرکز سے کوئی خاص علاقہ قایم نہیں رکھتے اور فرزندان دیوبند کو یہ شکوہ ہے کہ ان کی مادر علمی کی طرف سے ان کی طرف کبھی دست شفقت نہیں بڑھتا۔ ضرورت ہے کہ اس کوتاہی کا دونوں طرف سے ازالہ کیا جائے فرزندان دیوبند تو اپنی اپنی مقامی جماعتوں کی تنظیم کر کے انھیں مرکز سے منسلک کریں۔ اور مرکز کے احکام کی تعمیل کے لئے تیار رہیں اور ذمہ داران مرکز کوئی ایسی صورت پیدا کریں کہ فرزندان دیوبند کو اپنی مادر علمی کے آغوش شفقت میں جمع ہونے کا کم از کم سال میں ایک مرتبہ تو موقع ملے، یہ اجتماع ابنائے قدیم کی پرانی تنظیم کے تحت بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس سے مرکز اور فضلاء دارالعلوم دیوبند دونوں کو دور رس فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔

کعبے کے نئے پاسباں:-

ایک موقر معاصر کے تبصرہ کے کالموں میں نصیحت نامہ امام غزالیؒ پر تبصرہ نظر سے گزرا۔ نصیحت نامہ امام صاحب کی گراں قدر فارسی تصنیف ہے جس میں ۱۸ عنوانات کے تحت دینی تعلیمات کا لب لباب جمع کر دیا گیا ہے، آنند بھون پوڑے کے پروفیسر بھگوت دیال نے اسے اڈٹ کیا ہے اور اڈیٹ کرنے کا حق ادا کر دیا ہے، فہرست مضامین اور تمہید کے بعد امام صاحب کی زندگی کے حالات ہیں، پھر کتاب ترجمہ اور تشریحی حواشی کے ساتھ ہے، علاوہ ازیں دو جغرافیائی نقشے بھی شامل کر دیئے گئے ہیں۔

بقول تبصرہ نگار "فاضل مرتب کا یہ کارنامہ اسلامیات کی ایک قیمتی خدمت ہے۔ ایک غیر مسلم کا قلم اخلاص سے دین کی اتنی بڑی خدمت ع

"دین اللہ کی ہے اس میں اجارہ کیا ہے"

اور اس اللہ کی دین کے اجارہ دار صرف دیال صاحب ہی نہیں ہیں۔ الحرم کے صفحات میں اس سے قبل ایک دوسرے غیر مسلم اہل قلم مالک رام صاحب ایم اے کا بھی ذکر آ چکا ہے ادبیات کے سلسلے میں تو انھوں نے "ذکر غالب" لکھ کر غالب کے ساتھ اپنے آپ کو بھی "ناقابل فراموش" بنا ہی لیا ہے اگر "عورت اور اسلام" کے نام سے جو ضخیم رسالہ ان کے قلم سے نکل گیا ہے وہ بھی کم اہم نہیں مضامین کی صحت، طرز استدلال کی پختگی اور انداز بیان کی روانی و دل کشی دیکھ کر باور کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ کسی غیر مسلم کے قلم سے ہے اور ان کی تصنیفات ہی کیا خود ان کو دیکھ کر اور ان سے گفتگو کر کے ہی کب کوئی گمان کر سکتا ہے کہ یہ کوئی "غیر" ہیں؟

[illegible] (ڈاکٹر سیف الدین احمد صاحب میرٹھ) کے ہاں دعوت افطار میں جو انہی کے اعزاز میں [illegible]

اہلِ حق کی تنظیم

حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند نے اپنے ایک تازہ بیان میں فضلاءِ دیوبند اور وابستگانِ دیوبند کو ایک اہم دینی ضرورت کی طرف متوجہ فرمایا ہے، حضرت مہتمم صاحب کے بیان کا مفہوم یہ ہے۔

"دارالعلوم دیوبند کے قیام کو تقریباً ۹ سال گذر گئے۔ اس دوران میں چھ ہزار سے زائد فضلاء فارغ التحصیل ہوئے اور ملک و بیرونِ ملک میں دینی خدمات انجام دینے کے لئے پھیل گئے۔ مگر ان کی خدمات سے کما حقہٗ فائدہ نہ اٹھایا جا سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فضلاءِ دیوبند میں باہم کوئی رابطہ قائم نہیں نہ ان کا مرکز سے ہی کوئی موثر تعلق ہے ان کے اس انتشار کی وجہ سے دینی اصلاح کا کام بھی وسیع پیمانہ پر نہیں ہو سکتا۔ اور تخریب پسند اور فتنہ انگیز عناصر کو بگاڑ پیدا کرنے کے مواقع مل جاتے ہیں۔

دارالعلوم کو جب اطلاع ملتی ہے تو وہ اپنے ذرائع سے اصلاح کی کوشش کرتا ہے مگر مقامی ذمہ دار لوگوں کا تعاون حاصل نہ ہونے کی وجہ سے اس کام میں دیر لگتی ہے مرکز کو یہ علم نہیں ہوتا کہ فضلاء و وابستگانِ دارالعلوم کہاں کہاں مقیم اور کن کن مشاغل میں مصروف ہیں اور خود ان اصحاب کو مقامی تنظیم نہ ہونے کی وجہ سے اپنے قرب و جوار کے حالات سے بے خبری ہوتی ہے، لہٰذا نہ مرکز کو اصلاحی و تبلیغی کاموں میں ان سے مدد مل سکتی ہے اور نہ وہ خود اس کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں، لہٰذا ضرورت ہے کہ فضلاء دارالعلوم ہر مقام پر اپنے آپ کو منظم کریں۔ اس تنظیم کے تحت وقت نکال کر ملحقہ دیہات کا دورہ کریں اور عوام کو صحیح اسلامی زندگی سے روشناس کرائیں اور جہاں کہیں فتنہ انگیز عناصر سر اٹھائیں، ان کی سرگرمیوں کا مقامی مصالح کے مطابق خود بھی انسداد کریں اور مرکز کو بھی اس سے مطلع کر کے مدد حاصل کریں"۔

حضرت مہتمم کا یہ بیان بہت اہم ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء ہندو پاکستان کے علاوہ دوسرے مشرقی ملکوں میں بھی خاصی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں اور اکثر اپنے اپنے طور پر درس، افتاء، تقریر، تحریر اور دوسرے ذرائع سے دین و ملت کی گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں مگر باہم نظم و ربط نہ ہونے کی وجہ سے ان کی کوششوں کے اتنے بہتر نتائج نہیں نکل سکے جتنے نکلنے چاہئیں تھے۔ اگر اس سلسلے کی ہر جگہ کوئی مقامی تنظیم ہو تو وہاں کی دینی ضرورتوں کا صحیح جائزہ لے کر اور کارکنوں کی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ کر کے کام کا بہتر نظام بنایا جا سکتا ہے اور اس سے بہتر اور مفید تر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

[illegible] فارغ التحصیل ہونے کے بعد جب اپنے مقام پر واپس پہنچتا ہے تو ایک مدرسہ عربیہ قائم کر کے اس کا مہتمم یا [illegible] مثلاً "مسلم مدرسہ" یا "یتیم خانہ" یا "تبلیغی مرکز" کی [illegible] وہاں بننے لگتی ہے۔ ایسی مثالیں [illegible]

[illegible]

کے عقائد سے واقف کرانے اور نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ کا پابند بنانے سے کوئی واسطہ نہیں ہے ان کا پسندیدہ مشغلہ ہے کہ "امتناع نظیر" اور "علم غیب رسول" جیسے اختلافی مسائل میں الجھا کر مسلمانوں کے شیرازہ کو پراگندہ اور اپنی شیرینی کا انتظام کرتی رہیں۔

ہمارا اندازہ ہے کہ تعلیم یافتہ مسلمان (جدید و قدیم) اب ان کے جال میں نہیں آتے، البتہ کم علم اور جاہل مسلمانوں کو وہ اپنا شکار بنا لیتے ہیں، ان کی شر انگیزی کا انسداد کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ دور افتادہ دیہات و قصبات میں مدرسے اور مکتب قائم کئے جائیں، ان میں جمعیۃ علماء ہند کا مرتبہ اسلامی نصاب یا اس قسم کا کوئی اور نصاب پڑھایا جائے، ساتھ ہی ساتھ صحیح العقیدہ بزرگان دین سے ان کو وابستہ کرنے کی بھی کوشش کی جائے، آخر الذکر تدبیر بہت ضروری اور مفید ہے اور تجربہ ہے کہ علماء یا عمل کے قدموں سے ایک مرتبہ وابستہ ہونے کے بعد ہر آدمی رہزنان دین کی دستبرد سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

کتاب و سنت کی تعلیمات کی اشاعت کرنے والے، اور اتحاد امت کی دعوت دینے والے دینی و اصلاحی جرائد و رسائل کی آواز کو مضبوط بنانے کی بھی بہت ضرورت ہے، جن دور افتادہ علاقوں میں مقررین و مبلغین کی رسائی دشوار ہے، وہاں ان کے ذریعے پیغام حق بآسانی پہنچایا جا سکتا ہے۔ مدیر الجمعیۃ کی اس رائے سے ہم بھی ہیں کلی اتفاق ہے کہ ان جماعتوں کے مقابلے میں بھی مناظروں اور مباحثوں کی مجالس گرم کرنے سے احتراز کیا جائے، ہمارا تجربہ ہے (اور ان دوستوں کا بھی جن کی عمر کا معتدبہ حصہ اس میدان کی آبلہ پائی میں صرف ہوا ہے) کہ اس طریقہ سے کبھی مفید نتائج برآمد نہیں ہوئے، باطل سرنگوں ہو کر بھی غرّاتا ہی رہا۔ ضرورت اس کی ہے کہ کلمۂ حق دل نشین اور موثر انداز میں سننے والوں کے کانوں تک پہنچا دیا جائے اور اہل حق اپنی عملی زندگی سے حقانیت اور صداقت کے نقوش طالبان حق کے دلوں پر ثبت کر دیں۔

ہماری رائے ناقص یہ ہے کہ یہ تنظیم فضلاء دیوبند تک ہی محدود نہ رہے بلکہ دیوبندی فکر سے متفق دوسرے دینی و علمی اداروں کے منتسبین کو بھی کسی نہ کسی حیثیت سے شامل کر لیا جائے، بلکہ جو جماعتیں اس حلقے سے باہر ہوں اگر مذہب کے نام پر فساد اور تنظیم و اتحاد کے نام پر مسلمانوں میں اختلاف و افتراق پھیلانے والوں کو نا پسند کرتی ہیں، ان کی بھی مدد حاصل کی جائے۔

اب آخری بات فضلاء دارالعلوم کے اپنے مرکز سے ربط قائم کرنے سے متعلق ہے، ہم ادب کے ساتھ عرض کریں گے کہ حضرت مہتمم صاحب کو یہ شکایت ہے کہ فرزندان دیوبند اپنے مرکز سے کوئی خاص علاقہ قائم نہیں رکھتے اور فرزندان دیوبند کو یہ شکوہ ہے کہ ان کی مادر علمی کی طرف سے ان کی طرف کبھی دست شفقت نہیں بڑھتا۔ ضرورت ہے کہ اس کوتاہی کا دونوں طرف سے ازالہ کیا جائے، فرزندان دیوبند تو اپنی اپنی مقامی جماعتوں کی تنظیم کر کے انھیں مرکز سے منسلک کریں، اور مرکز کے احکام کی تعمیل کے لئے تیار رہیں، اور ذمہ داران مرکز کوئی ایسی صورت پیدا کریں کہ فرزندان دیوبند کو اپنی مادر علمی کے آغوش شفقت میں جمع ہونے کا کم از کم سال میں ایک مرتبہ تو موقع ملے، یہ اجتماع ابنائے قدیم کی پرانی تنظیم کے تحت بھی ہو سکتا ہے، اور اس سے مرکز اور فضلاء دارالعلوم دیوبند دونوں کو دور رس فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔

کعبہ کے نئے پاسباں:

ایک موقر معاصر کے تبصرہ کے کالموں میں نصیحت نامہ امام غزالیؒ پر تبصرہ نظر سے گزرا۔ نصیحت نامہ امام صاحب کی گراں قدر فارسی تصنیف ہے، جس میں ۱۸ عنوانات کے تحت دینی تعلیمات کا لب لباب جمع کر دیا گیا ہے، آنند بھون پونہ کے پروفیسر بھگوت دیال نے اسے ایڈٹ کیا ہے اور ایڈٹ کرنے کا حق ادا کر دیا ہے، فہرست مضامین اور تمہید کے بعد امام صاحب کی زندگی کے حالات ہیں، پھر کتاب ترجمہ اور تشریحی حواشی کے ساتھ ہے، علاوہ ازیں دو جغرافیائی نقشے بھی شامل کر دیئے گئے ہیں۔

بقول تبصرہ نگار "فاضل مرتب کا یہ کارنامہ اسلامیات کی ایک قیمتی خدمت ہے۔ ایک غیر مسلم کا قلم اخلاص سے دین کی اتنی بڑی خدمت کرے۔

"دین اللہ کی ہے اس میں اجارہ کیا ہے"

اور اس اللہ کے دین کے اجارہ دار صرف ملا صاحب ہی نہیں ہیں، اسلام کے صفات میں اس سے قبل ایک دوسرے [illegible] کا بھی ذکر آ چکا ہے، ادبیات کے سلسلے میں تو انھوں نے "ذکر غالب" [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اہلِ حق کی تنظیم

حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند نے اپنے ایک تازہ بیان میں فضلاءِ دیوبند اور وابستگانِ دیوبند کو ایک اہم دینی ضرورت کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ حضرت مہتمم صاحب کے بیان کا مفہوم یہ ہے۔

" دارالعلوم دیوبند کے قیام کو تقریباً ۹۰ سال گذر گئے۔ اس دوران میں چھ ہزار سے زائد فضلا فارغ التحصیل ہوئے اور ملک و بیرونِ ملک میں دینی خدمات انجام دینے کے لئے پھیل گئے۔ مگر ان کی خدمات سے کما حقہٗ فائدہ نہ اٹھایا جا سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فضلاءِ دیوبند میں باہم کوئی ربط قائم نہیں نہ ان کا مرکز سے ہی کوئی موثر تعلق ہے ان کے اس انتشار کی وجہ سے دینی اصلاح کا کام بھی وسیع پیمانہ پر نہیں ہو سکتا۔ اور تخریب پسند اور فتنہ انگیز عناصر کو بگاڑ پیدا کرنے کے مواقع مل جاتے ہیں۔

دارالعلوم کو جب اطلاع ملتی ہے تو وہ اپنے ذرائع سے اصلاح کی کوشش کرتا ہے مگر مقامی ذمہ دار لوگوں کا تعاون حاصل نہ ہونے کی وجہ سے اس کام میں دیر لگتی ہے مرکز کو یہ علم نہیں ہوتا کہ فضلاء و وابستگانِ دارالعلوم کہاں کہاں مقیم اور کن کن مشاغل میں مصروف ہیں اور خود ان اصحاب کو مقامی تنظیم نہ ہونے کی وجہ سے اپنے قرب و جوار کے حالات سے بے خبری ہوتی ہے، لہٰذا نہ مرکز کو اصلاحی و تبلیغی کاموں میں ان سے مدد مل سکتی ہے اور نہ وہ خود اس کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں، لہٰذا ضرورت ہے کہ فضلاءِ دارالعلوم ہر مقام پر اپنے آپ کو منظم کریں۔ اس تنظیم کے تحت وقت نکال کر حلقۂ دینیات کا دورہ کریں اور عوام کو صحیح اسلامی زندگی سے روشناس کرائیں اور جہاں کہیں فتنہ انگیز عناصر سر اٹھائیں، ان کی سرگرمیوں کا مقامی مصالح کے مطابق خود بھی انسداد کریں اور مرکز کو بھی اس سے مطلع کر کے مدد حاصل کریں "

حضرت مہتمم کا یہ بیان بہت اہم ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء ہندو پاکستان کے علاوہ دوسرے مشرقی ملکوں میں بھی خاصی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں اور اکثر اپنے اپنے طور پر درس، افتاء، تقریر، تحریر اور دوسرے ذرائع سے دین و ملت کی گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں مگر باہم نظم و ربط نہ ہونے کی وجہ سے ان کی کوششوں کے اتنے بہتر نتائج نہیں نکل سکے جتنے نکلنے چاہئیں تھے۔ اگر اس سلسلے کی ہر جگہ کوئی مقامی تنظیم ہو تو وہاں کی دینی ضرورتوں کا صحیح جائزہ لے کر اور کارکنوں کی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ لگا کر کام کرنے کا بہترین نظام بنایا جا سکتا ہے اور اس سے بہتر اور مفید تر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

موجودہ بدنظمی کی وجہ سے ہوتا یہ ہے کہ ہر "فاضل دیوبند" فارغ التحصیل ہونے کے بعد جب اپنے مقام پر واپس پہنچتا ہے تو ایک مدرسہ عربیہ قائم کر کے اس کا مہتمم یا صدر مدرس بن جاتا ہے حالانکہ وہاں پہلے ہی سے اس قسم کا مدرسہ موجود ہوتا ہے اور ضرورت کسی دوسری نوعیت کے ادارہ مثلاً "صنعتی مدرسہ" یا "یتیم خانہ" یا "تبلیغی مرکز" کی ہوتی ہے۔ اس طرح نہ صرف اہلِ ثروت کا سرمایہ اور اہلِ فضل کی صلاحیت ضائع ہوتی ہے بلکہ آپس میں ایک ہی مسلک کے علماء میں جوتیوں میں دال بٹنے لگتی ہے۔ ایسی مثالیں کمیاب نہیں ہیں کہ دیوبندی جماعت کے ہی دو دینی مدارس ایک دیوار کے فصل کے ساتھ برابر برابر موجود ہیں اور دونوں میں باہم اختلاف ہے۔

دوسرا مسئلہ "تخریب پسند اور فتنہ انگیز" جماعتوں کی کوششوں کو ناکام بنانے کا ہے "تخریب پسند و فتنہ انگیز" جماعتوں سے ہماری مراد کوئی غیر مسلم تنظیم نہیں ہے بلکہ پرستارانِ توحید اور عاشقانِ رسول کی وہ جماعتیں ہیں جو گذشتہ دس سال تک مسلمانوں کو طوفانِ حوادث میں گھرا چھوڑ کر اپنی پناہ گاہوں میں اپنی بھی جان کو لئے بیٹھی رہیں اور اب فضا میں سکون ہوتے ہی قیادت کا جھنڈا اور تکفیر کا ڈنکا لے کر نکل کھڑی ہوئی ہیں۔ ان خدا کے بندوں کو مسلمانوں کو توحید و رسالت اور جہاد و سنت...

کے عقائد سے واقف کرانے اور نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ کا پابند بنانے سے کوئی واسطہ نہیں ہے ان کا پسندیدہ مشغلہ یہ ہے کہ "امتناعِ نظیر" اور "علمِ غیبِ رسول" جیسے اختلافی نظری مسائل میں الجھا کر مسلمانوں کے شیرازہ کو پراگندہ اور اپنی شیرینی کا انتظام کرتی رہیں۔

ہمارا اندازہ ہے کہ تعلیم یافتہ مسلمان (جدید و قدیم) اب ان کے جال میں نہیں آتے، البتہ کم علم اور جاہل مسلمانوں کو یہ اپنا شکار بنا لیتے ہیں، ان کی شر انگیزی کا انسداد کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ دور افتادہ دیہات و قصبات میں مدرسے اور مکتب قایم کئے جائیں، ان میں جمعیۃ علماء ہند کا مرتبہ اردو نصاب یا اس قسم کا کوئی اور نصاب پڑھایا جائے، ساتھ ہی ساتھ صحیح العقیدہ بزرگانِ دین سے ان کو وابستہ کرنے کی بھی کوشش کی جائے، آخر الذکر تدبیر بہت ضروری اور مفید ہے اور تجربہ ہے کہ علماء باعمل کے قدموں سے ایک مرتبہ وابستہ ہونے کے بعد ہر آدمی رہزنانِ دین کی دستبرد سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

کتاب و سنت کی تعلیمات کی اشاعت کرنے والے، اور اتحادِ امت کی دعوت دینے والے دینی و اصلاحی جرائد و رسائل کی آواز کو مضبوط بنانے کی بھی بہت ضرورت ہے جن دور افتادہ علاقوں میں مقررین و مبلغین کی رسائی دشوار ہے، وہاں ان کے ذریعے پیغامِ حق بآسانی پہنچایا جا سکتا ہے۔ مدیر الجمعیۃ کی اس رائے سے بھی ہمیں کلی اتفاق ہے کہ ان جماعتوں کے مقابلے میں بھی مناظروں اور مباحثوں کی مجالس گرم کرنے سے احتراز کیا جائے، ہمارا تجربہ ہے (اور ان دوستوں کا بھی جن کی عمر کا معتد بہ حصہ اس میدان کی آبلہ پائی میں صرف ہوا ہے) کہ اس طریقہ سے کبھی مفید نتائج برآمد نہیں ہوئے، باطل سرنگوں ہو کر بھی غرّاتا ہی رہا۔ ضرورت اس کی ہے کہ کلمۂ حق دل نشین اور موثر انداز میں سننے والوں کے کانوں تک پہنچا دیا جائے اور اہلِ حق اپنی عملی زندگی سے حقانیت اور صداقت کے نقوش طالبانِ حق کے دلوں پر ثبت کر دیں۔

ہمارے سامنے نقشہ یہ ہے کہ یہ تنظیم فضلاء دیوبند تک ہی محدود نہ رہے بلکہ دیوبندی فکر سے متفق دوسرے دینی و علمی اداروں کے منتسبین کو بھی کسی نہ کسی حیثیت سے شامل کر لیا جائے، بلکہ جو جماعتیں اس حلقے سے باہر ہوں مگر مذہب کے نام پر فساد اور تنظیم و اتحاد کے نام پر مسلمانوں میں اختلاف و افتراق پھیلانے والوں کو ناپسند کرتی ہیں، ان کی بھی مدد حاصل کی جائے۔

اب آخری بات فضلاء دارالعلوم کے اپنے مرکز سے ربط قایم کرنے سے متعلق ہے، ہم ادب کے ساتھ عرض کریں گے کہ حضرت مہتمم صاحب کو یہ شکایت ہے کہ فرزندانِ دیوبند اپنے مرکز سے کوئی خاص علاقہ قایم نہیں رکھتے اور فرزندانِ دیوبند کو یہ شکوہ ہے کہ ان کی مادرِ علمی کی طرف سے ان کی طرف کبھی دستِ شفقت نہیں بڑھتا، ضرورت ہے کہ اس کوتاہی کا دونوں طرف سے ازالہ کیا جائے، فرزندانِ دیوبند تو اپنی اپنی مقامی جماعتوں کی تنظیم کر کے انھیں مرکز سے منسلک کریں۔ اور مرکز کے احکام کی تعمیل کے لئے تیار رہیں، اور ذمہ دارانِ مرکز کوئی ایسی صورت پیدا کریں کہ فرزندانِ دیوبند کو اپنی مادرِ علمی کے آغوشِ شفقت میں جمع ہونے کا کم از کم سال میں ایک مرتبہ تو موقع ملے، یہ اجتماع ابنائے قدیم کی پرانی تنظیم کے تحت بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس سے مرکز اور فضلاء دارالعلوم دیوبند دونوں کو دور رس فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔

کعبے کے نئے پاسباں:-

ایک موقر معاصر کے تبصرہ کے کالموں میں نصیحت نامہ امام غزالیؒ پر تبصرہ نظر سے گزرا، نصیحت نامہ امام صاحب کی گراں قدر فارسی تصنیف ہے جس میں ۱۸ عنوانات کے تحت دینی تعلیمات کا لب لباب جمع کر دیا گیا ہے، آنند بھون پور کے پروفیسر بھگوت دیال نے اسے ایڈٹ کیا ہے اور ایڈٹ کرنے کا حق ادا کر دیا ہے، فہرست مضامین اور تمہید کے بعد امام صاحب کی زندگی کے حالات ہیں، پھر کتاب ترجمہ اور تشریحی حواشی کے ساتھ ہے، علاوہ ازیں دو جغرافیائی نقشے بھی شامل کر دیئے گئے ہیں۔

بقول تبصرہ نگار "فاضل مرتب کا یہ کارنامہ اسلامیات کی ایک قیمتی خدمت ہے۔ ایک غیر مسلم کا قلم اور اس سے دین کی اتنی بڑی خدمت ع

"دین اللہ کی ہے اس میں اجارہ کیا ہے"

اور اس اللہ کی دین کے اجارہ دار صرف ورما صاحب ہی نہیں ہیں۔ الحرم کے صفحات میں اس سے قبل ایک دوسرے غیر مسلم اہلِ قلم مالک رام صاحب ایم اے کا بھی ذکر آ چکا ہے ادبیات کے سلسلے میں تو انھوں نے "ذکرِ غالب" لکھ کر غالب کے ساتھ اپنے آپ کو بھی "ناقابلِ فراموش" بنا ہی لیا ہے مگر "عورت اور اسلام" کے نام سے جو ضخیم رسالہ ان کے قلم سے نکل گیا ہے وہ بھی کم اہم نہیں مضامین کی صحت، طرزِ استدلال کی پختگی اور اندازِ بیان کی رعنائی و دل کشی دیکھ کر یہ باور کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ کسی غیر مسلم کے قلم سے ہے، اور ان کی تصنیفات ہی کیا خود ان کو دیکھ کر اور ان سے گفتگو کر کے ہی کب کوئی گمان کر سکتا ہے کہ یہ کوئی "غیر" ہیں؟

ابھی پچھلے رمضان میں اسمر کی شعلہ گستری میں جاتے وقت جب ایک دوست (حکیم سیف الدین احمد صاحب میرٹھ) کے ہاں دعوتِ افطار میں جو انہی کے اعزاز میں

گئی تھی الوداعی ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ خود بھی روزہ سے ہیں۔

ایسی ہی صورتوں کو دیکھ کر مایوسی و ناامیدی کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور ہندوستان میں اسلام کا مستقبل درخشاں نظر آتا ہے۔

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے ۔۔۔ پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

کہتی ہے تجھے خلق خدا ــــ

تذکرہ اولیاء ہند و پاکستان :- مرتبہ جناب نقی ولی حسن ٹونکی۔ دارالمصنفین نے ان (صوفیاء) کے حالات میں ایک کتاب بزم صوفیہ کے نام سے شائع کی تھی اس کی اشاعت سے پہلے اس کے کچھ حصے مضمون کی شکل میں "معارف" میں چھپے تھے جنھیں لاہور کے ایک ناشر محمد رفیق ملک نے دارالمصنفین کی اجازت کے بغیر چھاپ لیا تھا تذکرہ اولیاء کے مصنف نے بھی تقریباً دس گیارہ اشخاص کے حالات اسی سے نقل کئے ہیں اور اس خیانت کو چھپانے کے لئے تھوڑی سی ترمیم و تبدیلی کرلی ہے، پہلے ناشر نے تو بزم صوفیہ کا ذکر بھی کر دیا تھا، مگر اس کتاب کے مصنف نے اس کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔

اس قسم کی غیر اخلاقی اور غیر قانونی حرکت کی کسی دیانتدار ناشر یا مولف سے توقع نہیں کی جا سکتی (معارف نومبر ۱۹۵۵ء)

سنن دارمی شریف (اردو) مترجم کا نام درج نہیں ـــ حدیث کی کتابوں کے ترجمے اردو میں کثرت سے ہوچکے ہیں اور یہ سلسلہ مدت دراز سے چلا آرہا ہے، پہلے ترجمے حامل المتن ہوا کرتے تھے۔ یعنی اردو ترجمہ سے قبل اصل متن حدیث درج ہوتا تھا ـــ اور احتیاط اسی میں تھی، یہ بات تو خیر ذرا پرانی ہوچکی۔ ابھی چند سال تک مترجم کا نام بھی ترجمہ شدہ کتاب کے سرورق پر ضرور درج ہوتا تھا جس سے مترجم کو اپنی ذمہ داری کا احساس پوری طرح رہتا تھا، اب چند سال سے بعض ناشرین نے واللہ اعلم کس مصلحت سے مترجم کا نام اڑا کر صرف اپنا نام درج کردینا ضروری سمجھا ہے۔ اور ان ناشر صاحب کی بدنامی ایسے معاملات میں کچھ اور بڑھی ہوئی ہے (صدق ۲۶ر دسمبر ۱۹۵۵ء)

غالباً یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہندوستان کے دو ممتاز ترین ارباب قلم (مولانا شاہ معین الدین ندوی مدیر معارف اعظم گڈھ اور حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی مدیر صدق لکھنؤ) نے یہ خراج تحسین قرآن محل، کراچی کے مالک محمد سعید صاحب کی بارگاہ "ستر پناہ" میں پیش کیا ہے۔

آنجناب نے ہندوستان کے پراگندہ بال مصنفین اور پریشان حال علمی اداروں کی دماغی کاوشوں پر دست درازی کا سلسلہ عرصہ دراز سے شروع کر رکھا ہے جس مصنف کی کتاب کو چلتا ہوا دیکھتے ہیں اس میں برائے نام تغیر کرکے اپنے یا اپنے کسی عزیز یا ملازم کے نام سے شائع فرما دیتے ہیں اور ماشاء اللہ ہر مہینے دس پانچ کتابوں کے مصنف اور ناشر بن جاتے ہیں۔ اور کسی نے "قرآن محل" یا "حدیث محل" کی تعمیر کا انتظام ہو جاتا ہے۔ خدا جانے پاکستان کے دارالخلافہ میں غارتگری کا یہ اڈہ کب تک قائم رہے گا اور "تطہیر پاکستان" کے نئے ذمہ دار پاکستان کے دامن سے اس گندگی کو کب صاف کریں گے؟

کم استطاعت خریداروں کو خوشخبری

سال گذشتہ ایک صاحب خیر نے کچھ رقم دفتر الحرم میں اس لئے جمع کرائی تھی کہ اس سے کم استطاعت شائقین الحرم کی مدد کی جائے اس کی کچھ رقم ابھی باقی ہے اس لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ جو اصحاب الحرم کا پورا چندہ ادا نہ فرما سکیں اور وہ زکوٰۃ سے فائدہ اٹھانے کے حقدار ہوں ایک روپیہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما کر الحرم کے خریدار بن سکتے ہیں، ایک روپیہ امدادی رقم میں سے ان کے چندہ میں شامل کر دیا جائے گا، چونکہ یہ رقم محدود ہے اس لئے خواہشمند اصحاب جلد توجہ فرمائیں۔ منی آرڈر کے کوپن پر مکمل نام اور پتہ اور اگر قدیم خریدار ہوں تو نمبر خریداری بھی لکھنا ضروری ہے۔ (مینیجر)

رباعیات

یہ فتنہ ہے سب فتنوں میں ...

پھر صحیح بہت ہم نے قیامت سے کم ہے
آفات و بلیات کی شدت سے کم ہے

محمود زمانے کی سیاسی تخلیق
ہے یہ وہ بلا جس کا نہیں کوئی نشاں

انسان کا عدو ہے ہمیشہ شیطان

دُعاء اور اُس کے آداب

از:- قاضی زین العابدین سجادؔ میرٹھی

(یہ مضمون "الحزب الاعظم" شائع کردہ "خان بہادر حاجی وجیہ الدین ٹرسٹ کراچی کے دیباچہ کے طور پر لکھا گیا ہے، بغرض افادہ الحرم میں بھی درج کیا جا رہا ہے۔)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اسے بہترین ظاہری و باطنی قویٰ عطا فرمائے ہیں، ان ہی قوتوں کے ذریعہ وہ کبھی سمندر کی موجوں سے کھلونوں کی طرح کھیلتا ہے، کبھی ہوا کے دوش پر سوار نظر آتا ہے، کبھی زمین کا سینہ چاک کر کے اس کے دفینوں پر قبضہ کرتا ہے اور کبھی آسمان کی بلندیوں پر پرواز کر کے ستاروں کی دنیا کی تسخیر کرنا چاہتا ہے۔

مگر اس اقتدار و اختیار کے ساتھ ساتھ وہ اس قدر عاجز و بے بس بھی ہے کہ اگر چند منٹ بھی اسے صاف ہوا کی لہریں میسر نہ آئیں یا چند گھنٹے پانی کے چند قطرے نہ ملیں، یا قلب کی رفتار میں کوئی فتور پیدا ہو جائے یا دماغ کی کوئی چھوٹی سی رگ پھوٹ جائے تو "آناً فاناً" دم توڑ دے اور مٹی کا ڈھیر ہو کر زمین پر گر پڑے۔

الحاصل انسان کے پاس اپنا کچھ بھی نہیں ہے اس کی ساری قوت و عظمت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی بخشش و نوازش ہے۔ اس لئے ہر انسان (جس کا ہر سانس اس کے دریائے کرم کی ایک موج ہے) کا فرض عقلی ہے کہ ہر وقت اس کی نظر مولائے رحیم و کریم پر رہے اور ہر کام میں اس کی نصرت کا سہارا ڈھونڈے۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے اسے جو قوتیں عطا فرمائی ہیں اس عالم اسباب میں ان کا استعمال کرنا، اور ہر کام میں اپنی وسعت و استطاعت کے مطابق جائز طریقوں سے جد و جہد کرنا ضروری ہے، یہ جد و جہد بھی احکام خداوندی کی تعمیل اور فرائض انسانی کی تکمیل ہے، مگر اس جد و جہد کی کامیابی کے لئے اسی کے فضل و کرم پر نظر رکھنا اور حصول مراد کے لئے اسی کے آگے دامن پھیلانا بندگی کی دلیل ہے اور یہی دعا سے مقصود ہے۔

اسی لئے قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں دعا مانگنے کی ترغیب دی گئی ہے اور اس کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:-

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ	بندو مجھ سے دعا مانگو میں اسے قبول
اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ	کروں گا۔ درحقیقت جو لوگ میری
عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ	عبادت سے گردن موڑتے ہیں عنقریب
جَہَنَّمَ دَاخِرِیْنَ ہ	جہنم میں داخل ہوں گے، ذلت کی حالت میں۔

اس آیت میں دعا مانگنے کا حکم دیا گیا، پھر اسے قبول فرمانے کا وعدہ کیا گیا، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ظاہر فرما دیا گیا کہ دعا نہ مانگنا اللہ کی عبادت سے انکار اور تکبر و غرور کا مظاہرہ ہے اور جو ظالم اللہ تعالیٰ کی عبادت سے انکار کریں اور کائنات کا ایک ذرہ بے مقدار ہوتے ہوئے خالق کائنات سے مدد مانگنے میں ان کو عار ہو ان کا ٹھکانا جہنم کے سوا اور کہاں ہو سکتا ہے؟

خاتم النبیین، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ انسانیت کی عظمتوں کا مالک اور کون ہو سکتا ہے؟ مگر یہ "انسان اعظم" جو عبد اکمل بھی تھا (اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی عظمت انسانیت کمال عبدیت ہی کا نتیجہ تھی) اس کا دل معرفت خداوندی کی جو یا سا اور اس کی زبان نغمہائے ذکر و دعا کا آبشار تھی، حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ہر وقت اور ہر حالت میں ذکر اللہ کا چشمہ جاری رہتا تھا آپ کے ہر سانس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی تحمید و تقدیس کے نغمے ہوتے تھے خواہ آپ کھڑے ہوں یا بیٹھے ہوں یا لیٹے ہوں، پیدل ہوں یا سوار ہوں، سفر میں ہوں یا مقیم ہوں، سوتے سوتے آپ کی آنکھ کھلتی تھی تو بے محابا آپ کی زبان سے یہ کلمات جاری ہوتے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں جب رات کے کسی حصہ میں حضور صلعم کی آنکھ کھل جاتی تھی تو آپ کی زبان مبارک پر یہ کلمات ہوتے تھے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِیْ وَاَسْاَلُكَ رَحْمَتَكَ اَللّٰهُمَّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَّلَا تُزِغْ قَلْبِیْ بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنِیْ وَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔

(زاد المعاد ج ۲)

چنانچہ حدیث کی ہر کتاب میں "باب الدعاء" موجود ہے اور اس میں ہر وقت، ہر حالت اور ہر ضرورت کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول دعائیں مذکور ہیں۔ قرآن حکیم میں خدا کے مقبول بندوں کی پسندیدہ دعائیں نقل فرمائی گئی ہیں بعد کے علماء کرام نے ان دعاؤں کو مستقل ضخیم کتابوں کی صورت میں بھی جمع کر دیا ہے چنانچہ الحصن الحصین (مؤلفہ علامہ جزری رح) القول البدیع (علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ) الکلم الطیب (امام سیوطی رح) اور الاذکار (علامہ نووی) "ادعیہ ماثورہ کے مشہور و مستند مجموعے ہیں۔

بعض علماء کرام نے قرآن و حدیث کی ان دعاؤں کو روزانہ منزلوں پر تقسیم کر کے منتخب و مختصر مجموعوں کی صورت میں مرتب کر دیا ہے، ان مجموعوں میں علامہ علی بن سلطان محمد قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا مرتبہ مجموعہ "الحزب الاعظم" اور حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترتیب دادہ مجموعہ "مناجات مقبول" زیادہ معروف و متداول ہیں۔

قرآن کریم کی دعاؤں کی مقبولیت کی تو یہی دلیل کافی ہے کہ مجیب الدعوات نے اپنے کلام مبارک میں ان کو جگہ دی ہے، حدیث شریف میں جو دعائیں منقول ہوئی ان کی اہمیت بھی کچھ کم نہیں، یہ اس مقدس انسان کی زبان پر جاری ہوئی ہیں جو اللہ جل جلالہٗ و عم نوالہٗ کی صفات جلال و جمال و کمال و نوال کا سب سے زیادہ ادا شناس تھا۔ اللہ کی رحمتیں جس کے کاشانہ اقدس پر روز و شب بارش کی طرح برستی تھی۔ جسے رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ نے رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ بنا کر بھیجا تھا اور جس کے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں اور عطیوں کا قاسم اور جس کی زبان کو اپنی مقدس وحی کا ترجمان بنایا تھا۔ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ یُعْطِیْ

(در حقیقت میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ دینے والا ہے)

مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔

(آپ اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے بلکہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی الٰہی ہی ہوتی ہے)

لہٰذا قرآن و حدیث کی دعاؤں کا ورد کرنا اللہ تعالیٰ کے خزائن رحمت کی کنجیوں کا استعمال کرنا ہے۔

فضائل دعاء:- بندہ کا کمال یہی ہے کہ وہ بندگی میں کامل ہو اور دعا اظہار بندگی کا اعلیٰ ذریعہ ہے۔ اسی لئے حضور صلعم نے ارشاد فرمایا

اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ۔ — دعا عبادت ہی ہے۔

(ابوداؤد)

دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے۔

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ — دعاء عبادت کا مغز ہے

(الترمذی)

معبود کو بندہ کی عبدیت اور رب بے نیاز کو بندہ کی نیازمندی سے زیادہ کون سی ادا پسندیدہ ہو سکتی ہے، چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔

لَیْسَ شَیْءٌ اَکْرَمَ عَلَی اللّٰهِ تَعَالٰی مِنَ الدُّعَاءِ (الترمذی) — اللہ تعالیٰ کے ہاں دعاء سے زیادہ کوئی چیز اہم نہیں۔

بندہ کا اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلانا اس کی رحمت کے دروازوں کو کھولنا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ فُتِحَ لَهٗ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ — تم میں سے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے دعاء کا دروازہ کھول دیا ہے (یعنی دعاء کی توفیق عطا فرمادی) اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کھول دیئے گئے۔

(الترمذی)

جب بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ خالی انھیں واپس نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کی شان کرم کو اس سے حیا آتی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ رَبَّكُمْ حَیِیٌّ کَرِیْمٌ یَسْتَحْیِیْ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ یَدَیْهِ اَنْ یَّرُدَّهُمَا صِفْرًا۔ — درحقیقت تمہارا پروردگار بڑا حیادار کریم ہے اسے اس بات سے حیاء آتی ہے کہ جب بندہ اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے تو وہ انہیں خالی لوٹادے

(ابوداؤد والترمذی)

صرف یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے دعاء مانگنے کو پسند فرماتا ہے بلکہ دعاء نہ مانگنے پر ناراض ہوتا ہے، بندہ کا دعاء نہ مانگنا درحقیقت اپنے اختیار د

کا خاموش دعویٰ ہے جو شانِ بندگی کے منافی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گستاخی ہے۔ ارشادِ نبوی ہے۔

مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ — جس نے اللہ تعالیٰ سے سوال نہ کیا اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔ (الترمذی)

آدابِ دعاء

معمولی دنیوی بادشاہوں بلکہ اس کے ماتحت حاکموں کے سامنے درخواست پیش کرنے کے کچھ آداب ہوتے ہیں، غلط طریقے پر مانگنے کا نتیجہ نہ صرف محرومی ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات سائل حاکم کے عتاب کا شکار ہو جاتا ہے، لہٰذا یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس احکم الحاکمین کے دربار میں درخواست پیش کرنے کے آداب نہ ہوں۔ قرآن کریم اور حدیث شریف میں یہ آداب بیان فرما دیئے گئے ہیں۔

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحؒ نے "کیمیائے سعادت" میں "آدابِ دعاء" کے عنوان کے تحت ان کو اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، ذیل میں مزید تشریح کے ساتھ اس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:-

دعاء کے آٹھ آداب ہیں جنہیں دعاء کرتے وقت ملحوظ رکھنا چاہیئے

(۱) کوشش کرنی چاہیئے کہ دعاء مبارک اوقات میں ہو، مثلاً عرفہ کا دن، جمعہ کا دن، رمضان المبارک کا مہینہ، سحر کا وقت، نصف شب

(۲) اسی طرح مبارک مواقع اور احوال کو نگاہ میں رکھنا چاہیئے، مثلاً میدانِ جہاد میں صف بندی کی حالت میں، یا بارانِ رحمت کے نزول کے موقع پر، نماز فریضہ کی ادائیگی کے بعد۔

حدیث میں آیا ہے کہ ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں، اسی طرح اذان اور اقامت کے وقت اور روزہ کے افطار کے وقت اور اس وقت جب اپنے دل میں زیادہ رقت اور گداز محسوس کرے، کیونکہ دل کی رقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کی علامت ہے۔

(مطلب یہ ہے کہ اگرچہ دعاء ہر وقت ہی مانگنی چاہیئے مگر ایسے حالات و اوقات میں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہوں اور جن میں اس کی رحمتوں کا نزول احادیث سے ثابت ہو چکا ہو، خصوصیت کے ساتھ دعا مانگنی چاہیئے۔ ان میں قبولیت کا زیادہ امکان ہے)

(۳) دعاء دونوں ہاتھ اونچے اٹھا کر مانگنی چاہیئے اور دعاء سے فارغ ہو کر دونوں ہاتھوں کو چہرے پر پھیر لینا چاہیئے (گویا دعاء کرنے والے کے دونوں ہاتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بھر گئے ہیں اور وہ اس رحمت سے اپنے چہرے کو بابرکت بنانا چاہتا ہے) کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کرم کا تقاضہ یہ ہے کہ جب اس کے سامنے ہاتھ اٹھائے جائیں تو وہ انہیں خالی نہ لوٹائے۔

(۴) دعاء کے وقت دل میں کسی قسم کا تردد نہ ہونا چاہیئے بلکہ اللہ کی رحمت اور اس کے کرم پر پورا بھروسہ ہونا چاہیئے اور یقین رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعاء ضرور قبول فرمائے گا۔

حضور نے ارشاد فرمایا ہے "کہ اللہ سے اس طرح دعا کرو کہ تمہارے دل میں اس کی قبولیت کا یقین ہو"

(ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بے اعتمادی اس کی بارگاہ کرم میں گستاخی ہے)

(۵) دعاء خشوع و خضوع، گریہ و زاری اور پورے حضور قلب کے ساتھ ہونی چاہیئے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غافل دل کی جس کی توجہ دوسری طرف ہو، دعاء قبول نہیں فرماتا۔ (جب درخواست حاکم کے سامنے بے توجہی کے ساتھ پیش کی جائے تو حاکم ہی اس پر کیوں توجہ کرے گا۔)

(۶) دعاء برابر بار بار کرتا رہے اور کے ساتھ کرے یہ نہ کہے کہ "اے اللہ میں نے بار بار دعا کی اور قبول نہ ہوئی" کہ قبولیت دعاء کا وقت اور اس کی مصلحت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

جب دعاء قبول ہو جائے تو یہ کہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ

اور جب قبولیت میں دیر ہو تو کہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ

(یعنی اس طرح تقاضہ نہ کرے جس طرح کوئی حقدار اپنے حق کا مطالبہ کرتا ہے بلکہ اگر دعاء قبول ہو جائے تو اسے محض اللہ تعالیٰ کا کرم سمجھے اور اگر قبول نہ ہو تو وہ راضی برضا رہے اور اسے بھی کسی مصلحت پر مبنی سمجھ کر اللہ کی حمد و ثنا میں معروف رہے۔)

(۷) دعاء مانگنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعاء مانگنے سے پہلے فرمایا کرتے تھے۔ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلَى الْوَهَّابِ ۔

نیز حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص دعاء مانگے اسے چاہیئے کہ پہلے مجھ پر درود بھیجے، کیونکہ درود (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت کی دعا ہے) کی قبولیت تو ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے یہ بعید ہے کہ دو دعاؤں میں سے ایک قبول فرمائے اور دوسری کو رد فرمادے۔ (بہتر یہ ہے کہ دعا کے بعد بھی

درود پڑھے تاکہ دعاء دونوں درودوں کے درمیان آجائے۔

(۸) دعاء سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرے، مظالم و معاصی سے باز آئے اور دل کو اللہ تعالیٰ (کی اطاعت) کی طرف پوری طرح متوجہ کرے، کیونکہ دعائیں جو رد ہوتی ہیں، دلوں کی غفلت اور گناہوں کی ظلمت کی وجہ سے رد ہوتی ہیں۔

مالک بن دینارؒ سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل ایک بار قحط میں مبتلا ہوئے بار بار دعائیں مانگیں مگر قبول نہ ہوئیں، بنی اسرائیل کو حیرانی ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ان کے پیغمبر پر وحی نہ بھیجی کہ ان سے کہئے "تم لوگ باہر نکل کر دعاء مانگ رہے ہو مگر تمہارے بدن پلید ہیں، تمہارے پیٹ حرام غذا سے بھرے ہیں اور تمہارے ہاتھ خونِ ناحق سے آلودہ ہیں، اس حالت میں دعاء کے لئے نکلنے سے تم پر میرا غصہ اور زیادہ ہو گیا ہے ہٹو مجھ سے دور ہو" ظاہر ہے کہ جو مجرم بادشاہ کی نافرمانی پر کمربستہ ہو، جب تک وہ اپنا طرزِ عمل تبدیل نہ کرے اسے عطیہ و اکرام کی امید کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کا حق نہیں۔ جو خیرہ چشم ایسا کرے گا بادشاہ کو اس کی جرات و جسارت پر اور غصہ آئے گا اور وہ بجائے انعام و اکرام سے سرفراز ہونے کے عتاب و عقاب کا شکار ہوگا (کیمیائے سعادت ص۱۱۰)

یہ آٹھ آداب دعاء تو حضرت امام غزالیؒ نے لکھے ہیں، قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ان پر کچھ اور اضافہ کیا جا سکتا ہے مثلاً:۔

(۹) کسی گناہ کے کام میں کامیابی کے لئے ہرگز دعا نہ مانگنی چاہیئے اوّل تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہی بڑی ناانصافی کی بات ہے، پھر اس نافرمانی کا اس کے دربار میں اظہار کرنا بلکہ اس کی تکمیل میں اس کی مدد چاہنا نہ صرف جرات و جسارت بلکہ بے حیائی و گستاخی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "بندہ کی دعاء قبول ہوتی ہے جب تک کہ وہ کسی گناہ یا رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی کی دعاء نہ کرے"۔ (مسلم)

(۱۰) دعاء عزم و جزم کے ساتھ کرنی چاہیئے اور کوئی لفظ ایسا نہ ہو جس سے بے نیازی اور بے پروائی کا پہلو نکلتا ہو، مثلاً یوں بھی نہ کہے کہ "اے اللہ اگر تو چاہے تو ایسا کر دے" کہ اس میں بھی بے نیازی کا انداز معلوم ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

تم میں سے کوئی شخص یوں نہ کہے "اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے، اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما" بلکہ اپنی حاجت کو پوری قوت کے ساتھ پیش کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی جبر کرنے والا تو نہیں ہوگا تو وہی جو وہ چاہے گا۔ پھر اس شرط کا اضافہ کر کے اپنی درخواست کو کمزور کرنے کی کیا ضرورت ہے)

(۱۱) دعاء میں تصنع، تکلف اور الفاظ کی زیبائش و آرائش کا لحاظ نہ ہو، نہ غیر ضروری کلمات کے ساتھ اسے طول دیا جائے۔ الفاظ کی طرف توجہ سے اس کے مفہوم کی طرف توجہ میں خلل پیدا ہوگا اور دعاء میں محویت کا انداز باقی نہ رہ سکے گا۔

حضرت سعد بن وقاصؓ نے اپنے کسی بیٹے کو اس طرح دعاء مانگتے سنا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْجَنَّۃَ وَنَعِیْمَھَا وَبَھْجَتَھَا وَکَذَا وَکَذَا وَکَذَا۔

(اے اللہ میں تجھ سے جنت کا اور اس کے عیش و راحت کا اور اس کی زیب و زینت وغیرہ کا سوال کرتا ہوں) تو آپ نے فرمایا اے بیٹا میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ عنقریب ایسی قوم ہوگی جو دعاء میں اس کی حد سے تجاوز کرے گی، خبردار تم ان میں سے نہ ہو۔ اگر تم کو جنت مل گئی تو اس کی نعمتیں بھی مل ہی جائیں گی۔

(۱۲) دعاء میں بے ضرورت چیخ پکار نہ کرے کہ یہ بھی ایک قسم کی بے ادبی ہے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک بار ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں تھے، بعض صحابہ بہت زور سے چیخ پکار کر کے تکبیر کہنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"اے لوگو! اپنے نفسوں پر رحم کرو، تم کسی نہ سننے والے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو تم اس کو پکار رہے ہو جو سننے والا ہے، قریب ہے اور تمہارے ساتھ ہے (مسلم)

البتہ جس طرح دعاء آہستہ مانگی جا سکتی ہے اسی طرح مناسب حد تک آواز کے ساتھ بھی مانگی جا سکتی ہے، قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً (دعاء مانگو اپنے رب سے تضرع کے ساتھ اور آہستگی کے) یہاں تضرّع کے معنی عاجزی اور گڑگڑاہٹ کے بھی کئے گئے ہیں اور آواز کے اظہار کے بھی۔

تنہائی میں جہاں ریاء کا خطرہ نہ ہو اور نہ دوسروں کو اس کی آواز سے اذیت پہنچنے کا احتمال ہو مناسب حد تک بلند آواز کے ساتھ دعا مانگنا بہتر ہے کیونکہ اس طرح وسوسے دور رہیں گے اور بیدار رہنے میں بھی مدد ملے گی، مگر مجمع میں خاموشی کے ساتھ دعا مانگنا ہی پسندیدہ ہے، بجز ان موقعوں کے جہاں بلند آواز کے ساتھ دعا مانگنا ثابت ہے مثلاً حج وغیرہ کہ یہاں مذکورہ بالا خطرات کا سب کے ایک حالت میں ہونے کی وجہ سے احتمال نہیں۔

(تفسیر المنار ج ۸ ص۴۹۵)

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے کہ تم مجھ سے دعا مانگو میں اسے تمہارے لئے قبول کروں گا۔ مگر بعض اوقات دیکھا جاتا ہے کہ اچھے اچھے بزرگو کی دعاء قبول نہیں ہوتی۔

جواب یہ ہے کہ دعاء تو ضرور قبول ہوتی ہے اگر لوگ اجابت (قبولیت) کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں، دعاء کی قبولیت کا یہ مطلب نہیں کہ "جو مانگو وہ مل ہی جائے گا" بلکہ مطلب یہ ہے کہ دعاء بیکار نہ جائیگی اور دعاء مانگنے والے کو اس سے فقود فائدہ پہنچے گا۔

حضرت تھانویؒ نے اس کی جو تشریح فرمائی ہے وہ بتغیر الفاظ یہ ہے

اگر دعا مانگنے والا کوئی آخرت کی نعمت مانگے جس میں بندہ کے لئے بھلائی ہی بھلائی ہے تو وہ مانگی ہوئی چیز ہی مل جاتی ہے۔ لیکن اگر وہ کوئی دنیا کی چیز مانگے تو کبھی وہ ملتی ہے اور کبھی نہیں ملتی، بندے کا علم محدود ہے، اکثر وہ کسی چیز کو اپنے لئے مفید سمجھتا ہے مگر وہ اس کے لئے مضر ہوتی ہے، مگر اللہ تعالےٰ جو عالم غیب ہے اس کی مضرت کو جانتا ہے۔ اس لئے بندہ کو وہ چیز نہیں دیتا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے باپ اپنے بچے کو کبھی پیسے دیدیتا ہے اور کبھی (مثلاً بیماری کی حالت میں جب اسے خطرہ ہو۔ کہ بچہ بدپرہیزی کرکے بیماری کو بڑھالے گا) نہیں دیتا۔ مگر وہ رب کریم بندہ کو ہاتھ خالی بھی نہیں جانے دیتا، بلکہ یا تو دنیا ہی میں اس سے کسی برائی کو دفع کرکے اس کی مکافات کر دیتا ہے یا اس کے بدلے آخرت کی نعمتوں میں سے کوئی نعمت عطا فرما دیتا ہے، اس کے علاوہ اللہ تعالےٰ دعا مانگنے والے کے دل میں اطمینان و سکینت اور تسلی و قوت بھی پیدا کر دیتا ہے۔ جس سے اس کی وہ پریشانی جو مطلوب کے فوت ہوجانے سے پیدا ہوجاتی ہے جاتی رہتی ہے۔ یہ اثر اللہ تعالیٰ کی اس توجہ خاص کا ہوتا ہے جو حق تعالےٰ کو دعاء کرنے والے بندہ کی طرف ہوجاتی ہے، اور یہی توجہ خاص اجابت (قبولیت دعاء) کا وہ یقینی درجہ ہے جس کا وعدہ حق تعالےٰ نے دعاء مانگنے والے کے لئے فرمایا ہے اجیبُ المسلمین۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو مسلمان بھی اللہ تعالےٰ سے کوئی ایسی دعا مانگتا ہے جس میں گناہ اور قطع رحم نہ ہو تو اللہ تعالےٰ تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ضرور عطا فرماتا ہے یا تو فی الحال مانگی ہوئی چیز عطا فرما دیتا ہے یا اس کو آخرت کے لئے ذخیرہ بنادیتا ہے یا کوئی ایسی ہی برائی اس سے رفع کر دیتا ہے، یہ سن کر صحابہؓ کرام نے عرض کیا "تب تو ہم خوب دعاء مانگا کریں گے" حضور نے فرمایا "خداوند تعالےٰ کے خزانہ میں بھی کمی نہیں" (مسند احمد)

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖٓ اَجْمَعِیْنَ ۔

نعتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مجاز اعظمی — خیرآبادی

نبیؐ کے روضۂ اطہر پہ جانے کی تمنّا ہے
حضورِ قلب سے بگڑی بنانے کی تمنّا ہے

ملی ہے روشنی جن سے مہ و اختر کی آنکھوں کو
انھیں پر جان و دل اپنا لٹانے کی تمنّا ہے

مجھے تو آتشِ ہجرِ نبیؐ میں ٹھہکے اے ہمدم
تڑپنے دِل کے جلنے اور جلانے کی تمنّا ہے

پکڑ کر روزِ محشر دامنِ شاہنشہِ بطحیٰ!
خطائیں عمر بھر کی بخشوانے کی تمنّا ہے

نبیؐ کے ہجر میں آنسو بہا کر چشمِ پُرنم سے
مسرّت سے ہمیشہ مُسکرانے کی تمنّا ہے

کوئی پوچھے جو مجھ وحشی سے تیری آرزو کیا ہے؟
کہوں گا عشقِ احمدؐ کو بڑھانے کی تمنّا ہے

مجازؔ اِس منزلِ اُلفت میں ہستی کو مٹا کر اب
محبّت کا ستارہ جگمگانے کی تمنّا ہے
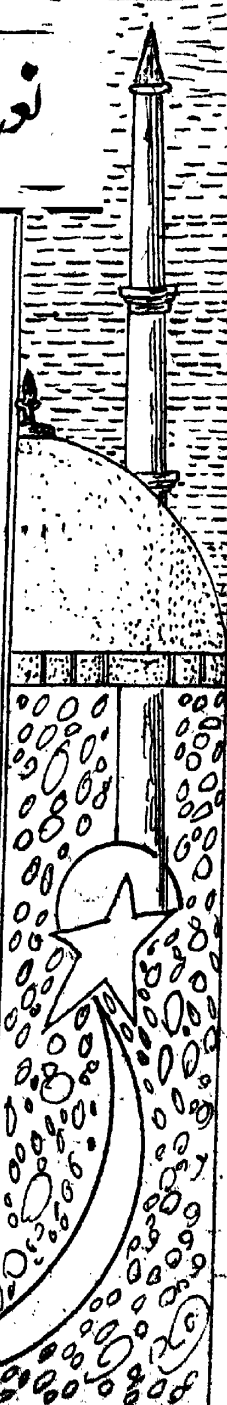
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مساوات پسند رہنما کی حیثیت سے

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی

ہمارے فاضل دوست جناب مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلوی سے ناظرینِ الحرم اچھی طرح واقف ہیں۔ آپ نے سیرت پاک کے نام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ زندگی کے اہم واقعات کو مختلف اخلاقی، اسلامی، تبلیغی اور تعلیمی عنوانات کے تحت مرتب کیا ہے۔

اس سلسلہ میں کوشش کی گئی ہے کہ موجودہ ضرورتوں کے مطابق زبان آسان ہو اور انداز بیان اصلاحی ہو۔ ذیل میں سیرت پاک کا ایک عنوان قارئینِ الحرم کے استفادہ کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔

امید ہے کہ قارئین کرام مضمون کو پسند فرمائیں گے اور اس سلسلہ میں اپنی قیمتی رائے سے مولانا موصوف کو "بیت الہدایت لال کنواں دہلی" کے پتہ پر مطلع فرمائیں گے۔ مدیر الحرم مولانا کی اس عنایت فرمائی کا شکرگزار ہے

(مدیر)

یوں تو تہذیب کے اس دور میں ہر در و دیوار سے یہ آواز سنائی دے رہی ہے کہ تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں، رنگ و نسل کا امتیاز ختم کرو، کالے گورے کا فرق مٹاؤ! ــــ مگر یقین جانیے، یہ نعرہ کھوکھلا نعرہ ہے، رنگ و نسل کا امتیاز باقی ہے۔ ایشیا میں باقی ہے، یورپ میں باقی ہے، آپ پوچھیں گے، آج دنیا مساوات و برابری قائم کرنے کی پوری کوشش کر رہی ہے، مگر پھر بھی ناکام ہے اس کی کیا وجہ ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی بھائی چارہ اور برابری کا تصور بغیر عقیدہ توحید کے پیدا نہیں ہو سکتا، مشرک ذہن تنگ ہوتا ہے، وہ انسانی برادری کے وسیع رشتہ کو قبول نہیں کرتا۔

اسلام انسانی برابری پھیلانے میں اسی لئے کامیاب ہوا کہ اس نے سب سے پہلے کہا۔ لوگو! مالک اور آقا، معبود اور حاکم صرف ایک ہے، باقی سب اس کے بندے ہیں اور محکوم ہیں، پھر بندے، بندے میں کیا فرق ہے ؟" معلوم ہوا میں چھوٹے بڑے کا کیا امتیاز ہے ؟

پھر قرآن نے اعلان کیا ــ لوگو! تمہارے رب نے تم سب کو ایک مرد و عورت یعنی آدم حوا سے پیدا کیا، پھر تمہیں مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا۔ اللہ کے پروردگار کی نگاہ میں قابل عزت وہی ہے جو اس سے ڈرتا ہے[۱] ـــ اعلان خدا کا تھا

اس کے پرتاثیر کلام کا تھا مگر تھا اس قوم میں جو نسل پرستی کے نشے میں چور تھی، اس لئے اس قوم کے غرور کو پاش پاش کرنے کے لئے یہ صرف اعلان کافی نہ ہو سکتا تھا، اس اعلان کے ساتھ ضرورت تھی ایک زندہ نمونے کی، انقلاب انگیز عمل کی، ـــ جو دلوں کی دنیا کو بدل ڈالتا، چنانچہ وہ عمل اور پاک سیرت بھی انسان کی آنکھوں کے سامنے آئی اور اس طاقت اور اس زور کے ساتھ آئی کہ نسلی غرور کا بت پاش پاش ہو گیا ــ حضور نے نسلی غرور کو ختم کرنے کے لئے سب سے اہم قدم تو یہ اٹھایا کہ اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب کا حضرت زید کے ساتھ نکاح کر دیا، زید آزاد کردہ غلام ہیں اور حضرت زینب قریش کی نہایت صاحب عزت خاتون ہیں، اس لئے ایک قریشی خاتون اور ایک غلام کے رشتہ نکاح نے تمام قریش میں ہل چل مچا دی اور لوگوں نے یقین کر لیا کہ خدا کا یہ آخری رسول اونچ نیچ اور رذیل و شریف کی مصنوعی دیواروں کو توڑ کر رہے گا۔

دوسرا اہم واقعہ حضرت اسامہ ابن زید کی قیادت کا ہے، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے غزوہ روم کے لئے ایک لشکر تیار کیا اور حضرت اسامہ کو بلا کر فرمایا، میں نے تمہیں اس فوج کا سردار مقرر کیا ہے، پھر اپنے دست مبارک سے اسامہ کو جھنڈا عطا فرمایا۔ اس وقت اسامہ کی عمر بیس سال کی تھی۔

---

[۱] سورہ حجرات

اس لشکر میں تمام بڑے بڑے انصار و مہاجر صحابہ شریک ہیں، اسامہ سے زیادہ بزرگ بھی ہیں، ان سے زیادہ میدانِ جنگ کے تجربہ کار بھی ہیں، اس لئے بعض صحابہ کے منہ سے یہ نکل گیا کہ ایک کم عمر لڑکے کو بڑے بڑے انصار و مہاجرین پر امیر مقرر کر دیا گیا ہے۔ حضرت عمر کو معلوم ہوا، آپ ان لوگوں کے پاس پہنچے اور انھیں اسامہ کی سرداری کے بارے میں مطمئن کرنے کی کوشش کی، معاملہ میدانِ جنگ کا تھا جہاں ایک سپاہی کی بددلی بھی نقصان پہنچا دیتی ہے، اس خیال سے حضرت عمر نے بعض لوگوں کی بے اطمینانی کا حضور سے ذکر کیا، سرورِ عالم کو اس خبر سے بہت رنج ہوا، آپ مرضِ وفات میں مبتلا تھے، سر میں درد تھا، اسی حال میں آپ نے ہمت کی، سر سے پٹی باندھی اور بستر سے اٹھ کر مسجد میں تشریف لائے، صحابہ کرام حاضر تھے، آپ نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا اور فرمایا۔

لوگو! یہ میں کیا سن رہا ہوں کہ تم میں سے کچھ لوگ اسامہ کی سرداری پر بے اطمینانی کا اظہار کر رہے ہیں اور یہ طعن کوئی پہلا طعن نہیں ہے، اس سے پہلے بھی تم لوگ اس کے باپ زید کی قیادت پر اعتراض کر چکے ہو، حالانکہ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ زید بھی قیادت کا اہل تھا اور اس کا بیٹا اسامہ بھی اس کا اہل ہے، وہ بھی رسول کو محبوب تھا اور اسامہ بھی محبوب ہے۔

اعتراض کرنے والوں نے گو بظاہر اسامہ کی کم سنی کو نشانہ بنایا، لیکن لوگوں کے دلوں میں جو بات تھی اسے خدا کے رسول بھانپ چکے تھے اور وہ بات تھی حسب و نسب کا تکبر، چنانچہ آپ نے دلوں کے اس چور کو آشکارا فرما دیا اور بعض لوگوں کی اس خواہش کو ٹھکرا کر پھر یہ ثابت کر دیا کہ اسلام ہر کام میں اہلیت کا قائل ہے، حسب و نسب کی بڑائی اور خاندانی شرافت اور رذالت اس کے نزدیک بے حقیقت بات ہے۔

سوسائٹی میں مساوات اور برابری کی روح پھونکنے کے لئے رسول پاک نے اپنے متبعین کو "صحابی" کہہ کر پکارا، صحابی کے معنی ساتھی اور رفیق کے ہیں۔ ایک موقعہ پر صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا، تم میرے صحابہ (ساتھی یا دوست) ہو اور جو لوگ بغیر دیکھے مجھ پر ایمان لائیں گے وہ میرے بھائی ہوں گے۔[۱]

ایک حبشی عورت حضور کی مسجد پاک میں جھاڑو دیا کرتی تھی، اس کا انتقال ہو گیا، صحابہ کرام نے اس کی تجہیز و تکفین کر کے اسے دفن کر دیا، سب کا یہ خیال کرنے والے آپ نے ایک دن اس عورت کو نہ دیکھا، صحابہ سے پوچھا، وہ خادمہ کہاں ہے ... کیا، اس کی وفات ہوگئی ... عرض کیا، حضور! ہم نے خیال کیا کہ آپ کو کیا پریشان کریں، فرمایا، چلو! اس کی قبر بتلاؤ، صحابہ کرام ساتھ گئے، اور حضور نے اس حبشی عورت کی قبر پر تشریف لے جا کر اس کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔[۱۲]

آج کی حالت یہ ہے، امیروں کے جنازے میں کھوے سے کھوا چھلتا ہے اور چھوٹے آدمیوں کے جنازے میں رشتہ داروں کے کندھے تھک جاتے ہیں، کندھا دینے والے نہیں ملتے، حضور نے ایک غریب عورت کے جنازہ میں شریک نہ ہونے پر افسوس کا اظہار کیا، صحابہ پر خفگی فرمائی اور قبرستان پہنچ کر اس کے لئے دعا کی تاکہ امت سمجھ لے کہ چھوٹے آدمیوں کے لئے دعا کرنا اور ان کے جنازے میں شریک ہونا رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

عرب کے سردار اپنے بھتیجے محمد سے شکایت کرتے ہیں کہ محمد! تم نے عرب کے ان رذیلوں کو سر چڑھا لیا ہے، ان کے ساتھ مل جل کر بیٹھتے ہو، شیر و شکر ہو کر رہتے ہو، محمد اگر تم یہ چاہتے ہو کہ ہم بھی تمہاری محفل میں شریک ہو کر تمہارا پیغام سنیں تو بلال، صہیب اور دوسرے غلاموں کو تاکید کر دو کہ وہ ہمارے اوقات میں نہ آیا کریں، ہم ان کے ساتھ ایک محفل میں بیٹھ کر اپنی بے عزتی نہیں کرا سکتے، یہ وہ مغرور سردار ہیں جو رسول کی محفل میں آنا گوارا نہیں کرتے، اگر آج یہ اس شرط کے ساتھ آنے کا وعدہ کر رہے ہیں کہ غلاموں کو ہمارے اوقات میں آنے کی ممانعت کر دی جائے، یہ شرط اگر حضور منظور فرما لیتے تو ابو جہل اور عتبہ جیسے رئیسانِ قریش آپ کی مجلس وعظ میں آنے جانے لگتے اور ان متکبر سرداروں کی ضد ٹوٹ جاتی مگر وحی الٰہی نے اس شرط کو برداشت نہ کیا کیونکہ اس سے ان غریب عوام کی دل شکنی ہوتی، محمد رسول اللہ کی محفل بادشاہوں کی محفل ہو جاتی جہاں اونچ نیچ چلتی ہے اور جہاں ظالمانہ تقسیم ہوتی ہے، حضور کو حکم ملا، ان سرداروں کی اس شرط کو ٹھکرا دو، ان کو اگر محمد کی محفل میں آنا ہے تو بلال و عمار کے ساتھ بیٹھنا ہوگا، محمد کے آنے کے بعد انسانوں کے درمیان کسی قسم کی اونچ نیچ برداشت نہیں ہو سکتی، دنیا کے انسانیت نواز رہنما نے ابو جہل اور عتبہ کی اس مذموم خواہش کو ٹھکرا دیا اور اس مظلوم طبقہ کی عزت بڑھا دی۔[۱۳]

چھوت چھات کے مریض کھانے پینے کے برتن علیحدہ رکھتے ہیں، ان کے ساتھ کھانے پینے میں شرم محسوس ہوتی ہے اور بندگانِ الٰہی کے جھوٹے کو نجس سمجھتے نظر آتے ہیں، ایک روز صحابہ کرام نے اپنے رسول میں امتیازی شان ... کرتے ہوئے عرض کیا ... اپنے پینے کے ...

...

[illegible] حضورؐ نے ارشاد فرمایا: نہیں میں بھی مومنوں سے پانی پیوں گا، [illegible] مسلمان پانی پیتے ہیں، مجھے امید ہے کہ اس پانی میں مجھے برکت حاصل ہوگی [illegible] عام مسلمانوں کے ہاتھ پڑتے ہیں۔

دُنیا کے اس عوامی رہنما نے اپنے لئے اتنا امتیاز بھی گوارا نہ کیا، کیونکہ اسی قسم کے امتیازات سے چھوت چھات کی بیماری کو شہ ملتی ہے۔[۱]

"غلام" دُنیا کا مظلوم ترین انسان تھا، عیسائیت کا سلوک اس کے ساتھ وحشیانہ تھا، عیسائی آقا اپنے غلام کو قتل کرنے کا حق رکھتا تھا، یہود کے ہاں غلام کو مذہبی کتابیں پڑھنے کا حق نہ تھا۔ ارسطو یونان کا مشہور حکیم ہے، وہ کہتا تھا "غلام ایک جاندار کھلونا ہے"، زمانہ قدیم کی سب سے بڑی اور سب سے مہذب حکومت روما کی حکومت تھی، اس حکومت میں غلاموں کو درندوں کے سامنے چھوڑ کر ان کی موت کا تماشہ دیکھا جاتا تھا، باندیوں سے پیشہ کرایا جاتا تھا، غلام کو آزاد ہونے کے بعد بھی شہری حق نہیں ملتا تھا۔

عرب کی حالت بھی ایسی ہی تھی، غلام عرب کا اچھوت طبقہ تھا، ان اچھوتوں کا لباس الگ تھا، ان کے بیٹھنے اٹھنے کا طریقہ الگ تھا، انہیں شہری زندگی بسر کرنے کا حق حاصل نہ تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طبقہ پر احسان فرمایا، دنیا سے غلامی کی رسم ختم کرنے کے لئے آپ نے جو انقلابی احکام دیئے ان کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں، صرف آپ کی سیرت پاک کے ان چند پہلوؤں کو دکھانا مقصود ہے جس سیرت پاک نے غلاموں میں آقاؤں کے شانہ بشانہ کھڑے ہونے کی ہمت پیدا کی اور آقاؤں میں اخوت و مساوات کا وہ پاک جذبہ پیدا کیا کہ انھوں نے غلاموں کو اپنے ساتھ کھلانا پلانا اور اپنی اولاد کی طرح رکھنا شروع کر دیا۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سردار تھے سرداروں کی اولاد تھے، مگر آپ غلاموں کی طرح اونچا تہبند باندھتے تھے، غلاموں کی طرح اکڑوں بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے، غلاموں کے ساتھ میل جول رکھتے تھے تاکہ اس طبقہ میں سے ذلت و حقارت کا احساس دور ہو۔ آپ کے اس طرزِ عمل سے قریش کے سردار بہت چراغ پا ہوتے تھے مگر آپ اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

سیرتِ ابنِ ہشام میں لکھا ہے، مکہ میں ایک رومی نصرانی غلام (جبر) تھا، یہ لوہار کا کام کرتا تھا اور عبرانی زبان جاننے کی وجہ سے انجیل پڑھ لیا کرتا تھا، حضورؐ اس غلام میں علم کی روشنی دیکھ کر اس کے پاس آیا جایا کرتے تھے اس خیال سے کہ شاید یہ شخص اسلام قبول کر لے، لوگوں نے حضورؐ کو اس کے پاس آتے جاتے دیکھ کر یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ محمد (صلعم) جو کچھ کہتے ہیں اسی سے سُن کر اور سیکھ کر کہتے ہیں۔

مقصد ان مخالفین کا یہ تھا کہ آپ اس سے میل جول ختم کر دیں مگر آپ اس پروپیگنڈہ سے مرعوب نہیں ہوئے، قرآن نے جواب دیا، لوگو! سوچ سمجھ کر اعتراض کرو! وہ غلام عجمی ہے، یہ قرآن عربی ہے، کیا قرآن جیسا فصیح و بلیغ کلام ایک عجمی غلام تصنیف کر سکتا ہے، وہ قرآن جس نے اہلِ زبان کو عاجز کر رکھا ہے۔[۱]

حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات اور اخوت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

إِنَّ اللّٰهَ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ	اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے غرور اور باپ دادا
الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرَهَا بِالْآبَاءِ إِنَّمَا	پر فخر کرنے کو مٹا دیا، انسان اب یا تو پرہیزگار مومن
هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ اَلنَّاسُ	ہے یا بدنصیب گنہگار، تمام لوگ آدم کے بیٹے ہیں
كُلُّهُمْ بَنُوْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ [۲]	اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔

---

[۱] ابن کثیر سورہ نحل صفحہ ۵۸۶ [۲] ابوداؤد باب التفاخر بالاحساب

-:(۲):-

(۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلام کہنے میں پہل فرماتے تھے، راستہ میں جب چلتے مرد، عورت، بچے اور جو سامنے آتا اس کو سلام کرتے، ایک بار راستہ میں، کسی مقام پر مسلمان اور منافق سب ملے جلے بیٹھے تھے آپؐ کا ادھر سے گذر ہوا تو سب کو سلام کیا۔

(۱۱) کسی کی کوئی بات ناگوار ہوتی اور مجلس ہی میں، اس کا اظہار بھی فرمانا ہوتا تو اس کا نام نہ لیتے بلکہ اس بات کو ایک عام انداز میں فرماتے کہ "لوگ ایسا کرتے ہیں، ایسا کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ" یہ طریقہ اس لئے اختیار فرماتے، کہ اس خاص شخص کی تذلیل نہ ہو اور اس کے احساس میں غیرت میں کمی نہ پیدا ہو جائے۔

دشمنوں سے درگذر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، فتح مکہ کا دن، انتقام کا سب سے بہتر موقع تھا لیکن آپ نے یہ اعلان فرمایا کہ "لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ" "آج تم پر کوئی ملامت نہ کی جائے گی، عفو و درگذر کی ایک غیر معمولی مثال قائم فرمادی" اس سلسلہ کے چند خاص خاص واقعات ملاحظہ ہوں۔

(۱) وحشیؓ حضورؐ کے چچا حضرت حمزہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل، حضورؐ کے ڈر سے بھاگ کر طائف پہنچا، جب طائف بھی مسلمانوں نے فتح کر لیا، تو وحشیؓ کو بڑی پریشانی ہوئی کہ اب کہاں جائے، لیکن یہ سُنکر کہ حضورؐ سفیروں کے ساتھ کوئی سختی نہیں کرتے، آخر حاضرِ خدمت ہو ہی گیا اور اسلام قبول کر لیا، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مواخذہ نہیں کیا، صرف اتنا فرمایا اور میرے سامنے نہ آیا کرو، کہ تم کو دیکھ کر چچا کی یاد آتی ہے۔

(ب) ہند، ابو سفیان کی بیوی، جس نے حضرت حمزہؓ کا سینہ چاک کیا اور جگر کے ٹکڑے کئے اور اپنی دیرینہ دشمنی کا یوں بدلہ لیا ۔۔۔ لیکن فتح مکہ کے دن نقاب پوش ہو کر حاضرِ خدمت ہوئی، کہ بھیڑ میں بیعت کرلیں تاکہ امان مل جائے ۔۔۔ مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہچان لیا اور اس کا ذکر تک نہ کیا ۔۔۔ ہند اس اخلاقِ کریمانہ سے متاثر ہو کر بے اختیار بول اٹھی۔

"یا رسول اللہ! آپ کے خیمہ سے زیادہ برا کوئی دوسرا خیمہ میری نگاہ میں نہ تھا لیکن ... آج آپ کے خیمہ سے زیادہ کوئی محبوب خیمہ نہیں"

(ج) عکرمہ ؓ اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل کے فرزند، قبول اسلام سے پہلے یہ بھی باپ کی طرح، اسلام کے سخت دشمن، فتح مکہ کے وقت بھاگ کر یمن چلے گئے، عکرمہ کی بیوی مسلمان ہو چکی تھیں وہ یمن گئیں اور شوہر کو تسکین دی۔ ان کو مسلمان کیا، ساتھ لے کر حاضرِ خدمت ہوئیں، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو دیکھا تو فرطِ مسرت سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے آنے والے کی طرف بڑھے کہ جسم مبارک پر چادر تک نہ تھی اور عکرمہ کے لئے زبانِ مبارک پر یہ الفاظ تھے۔

"اے ہجرت کرنے والے سوار! تمہارا آنا مبارک ہو"

(د) صفوان ابن امیہ، رئیس قریش اور اسلام کے سخت ترین دشمن، انھوں نے عمیر بن وہب کو انعام کے وعدہ پر، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم قتل پر مقرر کیا تھا لیکن ان کی یہ تدبیر ناکام رہی۔

فتح مکہ کے دن ہی صفوان جدہ بھاگ گئے اور وہاں سے یمن جانا چاہتے تھے، کہ عمیر بن وہب نے، رحمت عالمؐ کے دربار میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ:

"یا رسول اللہ! صفوان اپنے قبیلہ کے رئیس ہیں اور ڈر سے بھاگ گئے ہیں، چاہتے ہیں کہ اپنے آپ کو سمندر میں ڈال دیں"

رحمتِ عالم نے فرمایا کہ "اس کو امان ہے" عمیر نے پھر عرض کیا کہ کوئی نشانی عطا ہو جسے دیکھ کر صفوان کو میری بات کا اعتبار آجائے، رحمت

نے عمامۂ مبارک عنایت فرما دیا۔ عمیر اسے لے کر صفوان کے پاس پہنچے، صفوان نے کہا، مجھے وہاں جانے میں جان کا خطرہ ہے، عمیر نے کہا "صفوان! ابھی تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و حلم کا حال معلوم نہیں" یہ سن کر صفوان دربار نبوی میں حاضر ہوا اور سب سے پہلی بات جو منہ سے نکلی، یہ تھی کہ:۔

"عمیر کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے اماں دی ہے"

فرمایا، سچ کہتے ہیں۔

صفوان نے کہا، تو مجھے دو ماہ کی مہلت دی جائے۔

فرمایا "نہیں چار مہینے کی مہلت ہے۔"

اس کے بعد صفوان اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے۔

(۸) ہبار ابن الاسود — یہ وہ شخص ہے جس نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو سخت تکلیفیں پہنچائی تھیں۔ حالت حمل میں مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ آ رہی تھیں، اسی ہبار نے جان بوجھ کر، راستے میں ان کو اونٹ سے گرا دیا، جس سے انھیں سخت چوٹ آئی اور حمل ساقط ہو گیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے جرموں کا مرتکب ہو چکا تھا۔ اس لئے اس کا شمار مخالفین کی صف اول میں تھا۔ اسی لئے فتح مکہ کے دن وہ بھاگ کر ایران چلا جانا چاہتا تھا، کہ آپ کے احسانات اور حلم و عفو کا خیال آیا۔ حاضر ہو کر عرض کیا "پیغمبر! میں جو کچھ آپ جانتے ہیں وہ سب سچ ہے، مجھے اپنے قصوروں کا اعتراف ہے، لیکن اب میں مشرف بہ اسلام ہونے آیا ہوں"

ابھی ہبار کی آواز فضا میں گونج ہی رہی ہو گی کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے، عفو کا اعلان کر دیا گیا۔

(۹) ابو سفیان — قبول اسلام سے پہلے ان کا جو حال تھا، اسے سب جانتے ہیں — فتح مکہ تک اسلام اور صاحب اسلام کے خلاف جو جو کچھ کیا گیا، ابو سفیان ان سب میں پیش پیش رہے، لیکن جب فتح مکہ کے پہلے وہ گرفتار کر کے لائے گئے، عم رسول، حضرت عباس رضی اللہ عنہ ساتھ لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے بھی کہ "ان کے جرموں کے پیش نظر ان کو قتل کر دیا جائے" اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کو منع فرمایا اور صرف یہ ہی نہیں کہ ابو سفیان کے ساتھ محبت سے پیش آئے بلکہ ان کے گھر کو "جائے امن" قرار دیا" اعلان فرما دیا کہ "جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا، اس کا قصور معاف"

(۱۰) ثمامہ ابن اثال — قبیلہ بنو حنیفہ کے رئیسوں میں تھا، یہ وہ قبیلہ ہے، جو آخر تک اسلام کا مخالف رہا، بالکل اتفاقیہ، ثمامہ مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا، خدمت اقدس میں پیش کیا گیا، حکم ہوا کہ "مسجد کے ستون سے اس کو باندھ دیا جائے"

پھر آپ مسجد میں تشریف لائے اور پوچھا، ثمامہ! کیا کہتے ہو؟ بولا "اے محمد! اگر مجھے قتل کرو گے تو ایک خونی کو قتل کرو گے، احسان کرو گے تو ایک شکر گذار پر احسان ہو گا اور زر فدیہ چاہتے ہو تو مانگو میں دوں گا"

آپ سن کر خاموش رہے، دوسرے اور تیسرے دن بھی، اسی قسم کا سوال تھا اور اس نے وہی جواب دیا، تیسرے دن اس کا وہی جواب سن کر رحمت عالم نے فرمایا، "اس کی رسی کھول کر اسے آزاد کر دو" — اس لطف و عنایت کا ثمامہ پر یہ اثر ہوا کہ قریب کے ایک درخت کی آڑ میں جا کر غسل کیا اور مسجد میں حاضر ہو کر کلمہ پڑھا، مسلمان ہو گیا اور عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! دنیا میں کوئی شخص میری نظر میں، آپ سے زیادہ برا نہ تھا اور اب آپ سے زیادہ، مجھے کوئی عزیز نہیں کوئی مذہب آپ کے مذہب سے زیادہ میرے نزدیک برا نہ تھا اور اب وہی سب سے زیادہ پیارا ہے، کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ ناپسند نہ تھا اور اب وہی سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔"

(۲) قریش نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے خاندان اور آپ کے اصحاب پر جو ظلم ڈھائے، اسے دنیا جانتی ہے، شعب ابی طالب میں، تین برس تک، آپ کو اور آپ کے خاندان کو قید رکھا گیا اور پانی تک روک دیا گیا، بچے بھوک سے روتے اور بلکتے تھے۔ قریش ان کی آہ و بکا سن کر، رحم کے بجائے ہنستے اور خوش ہوتے تھے لیکن اس کے مقابلہ میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے، ان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ صرف یہی ایک واقعہ، آں حضرت کے اخلاق کریمانہ کی مثال نمونے کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے کہ:۔

مکہ میں، غلہ یمامہ سے آتا تھا، یمامہ کے رئیس، وہی ثمامہ تھے جن کا ذکر ابھی ہوا، یہ مسلمان ہو کر جب مکہ گئے، تو قریش نے تبدیل مذہب پر ان کو طعنے دیئے۔ انھوں نے غصہ میں قسم کھائی کہ "خدا کی قسم، اب رسول اللہ کی اجازت کے بغیر ایک دانہ گیہوں کا تم کو نہیں ملے گا۔"

اس بندش سے، مکہ میں غلہ کا کال پڑ گیا، اب تو قریش گھبرائے، اور رحمت عالم کی خدمت میں قاصد بھیجا، حضور کو ان کی حالت پر رحم آ گیا، اور ثمامہ کو کہلا بھیجا کہ بندش اٹھا لو۔ تب جا کے مکہ والوں کو غلہ مل پایا۔

(باقی آئندہ)

ں ہو رہا ہے اور اس کا وجدان خیر و بھلائی کی شعاعوں سے منور ہو رہا ہے تو اس
راہ تنگ کر دیتے اور ہر وقت اس کی گھات میں لگے رہتے اور اس وقت تک
ں کا پیچھا نہ چھوڑتے جب تک کہ اس کے اور حق کے درمیان سد سکندری
حائل کر لیں یا خود عاجز نہ ہو جائیں۔

ولید بن مغیرہ (جو ابوجہل کا چچا اور سرداران قریش میں سے تھا) صاحب
عیش و عشرت مالدار اور سنجیدہ قسم کا آدمی تھا اور کبھی کبھی حق کی بھی پاسداری کر دیا
کرتا تھا لیکن اس کا تکبر اور حرص دونوں دربار حق میں سجدہ کرنے سے اسے روکتے تھے
اور اسے حقانیت کی جانب مائل نہ ہونے دیتے تھے، ولید نے ایک مرتبہ حضورؐ کے
دہان مبارک سے چند قرآنی آیتیں سنیں اس کے دل پر ان کا کافی اثر پڑا۔
اس نے اپنی قوم۔ بنی مخزوم۔ سے جا کر کہا کہ ابھی کچھ پہلے میں نے محمدؐ کے منہ
سے کچھ کلمات سنے ہیں واللہ نہ وہ انسانی کلام ہو سکتے ہیں اور نہ جناتی اس میں
شیرینی ہے اور ایک حسن ہے جو سننے والے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اس کی ابتداء
و انتہا دونوں گوہر نایاب ہیں وہ ایسا کلام ہے جو سب پر غالب آسکتا ہے اور
اس پر دنیا کے کسی فصیح و بلیغ کا کلام فوقیت نہیں پا سکتا۔

ولید کے منہ سے یہ باتیں سنکر قریش سکتہ میں پڑ گئے اور آپس میں کانا پھوسی
کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے ان میں ایک گھبراہٹ اور پریشانی پیدا ہو گئی اور انہوں
نے چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا کہ ولید محمد کے پھندے میں پھنس گیا اور اس کے دین میں
داخل ہو گیا ابوجہل نے قوم کو تسلی دی اور کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ابھی میں
زندہ ہوں اور پھر کارروائی شروع کر دی۔

ایک دن ابوجہل ولید کی خدمت میں منہ لٹکائے اور غمگین صورت بنائے
حاضر ہوا اور بغیر کچھ کہے سنے ایک طرف بیٹھ گیا کچھ دیر بعد ولید یک بیک اٹھا اس
کے نتھنے پھڑک رہے تھے اور سانس پھول رہا تھا وہ سیدھا قریش کے مجمع میں پہنچا
اور بیچ میں کھڑے ہو کر تقریر کرنے لگا۔

اے لوگو! تم محمدؐ کو مجنون سمجھتے ہو؟ حالانکہ تم کبھی یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ
اس کی عقل میں کبھی کچھ فتور ہوا ہو تم اسے کاہن کہتے ہو؟ کیا تم نے اسے کبھی کہانت کا عمل
کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ تمہارا دعویٰ ہے کہ وہ شاعر ہے کیا کبھی تم نے اس کو شاعری کرتے
ہوئے دیکھا ہے؟ تم کہتے ہو کہ وہ جھوٹا ہے کیا تم کوئی دلیل پیش کر سکتے ہو؟ کہ اس
نے کبھی جھوٹ بولا ہو۔ سب نے ایک زبان ہو کر کہا یا عبد شمس ہم کو یہ کہاں کہتے ہیں کہ
وہ مجنون ہے یا شاعر ہے یا کاہن اور کاذب ہے، ہم اسے صحیح العقل امین مانتے ہیں
لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر محمدؐ کیا ہے؟ ولید نے قوم کے اس سوال پر کچھ دیر

رک کر جواب دیا کہ اصل میں محمدؐ جادوگر ہے کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ شوہر اور بیوی
کے درمیان، باپ بیٹے کے درمیان آقا اور غلام کے درمیان تفریق کرا دیتا ہے یہ
سن کر سب خوشی سے ناچنے لگے اور اپنی اپنی راہ لی۔

ادھر اللہ تعالیٰ نے ولید کی مکاریوں اور گناہوں کا احصا فرما لیا تاکہ قیامت
کے دن اس کے ان اعمال کو اس کی گردن میں ڈال کر لوگوں کے سامنے رسوا کرے
اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا	اور اس شخص کو اپنے حال پر رہنے دو اور جس کو میں
وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا	نے اکیلا پیدا کیا اور اس کو کثرت سے مال متاع دیا
وَبَنِينَ شُهُودًا وَمَهَّدْتُ لَهُ	اور پاس رہنے والے بیٹے دیئے اور سب طرح کا سامان
تَمْهِيدًا ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ	اسکے لئے مہیا کر دیا پھر بھی اس بات کی ہوس رکھتا
كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا	ہے کہ اس کو اور زیادہ دوں ہرگز وہ زیادہ دیئے
عَنِيدًا سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا	کے قابل نہیں (کیونکہ) وہ ہماری آیتوں کا مخالف
إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ فَقُتِلَ كَيْفَ	اس کو عنقریب (مرنے کے بعد) دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں
قَدَّرَ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ثُمَّ	گا۔ اس شخص نے سوچا پھر ایک بات تجویز کی سو اس
نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ	پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی اور پھر اس پر خدا
أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ فَقَالَ إِنْ	کی مار ہو کیسی بات تجویز کی پھر (حاضرین کے چہرے
هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ	کو دیکھا پھر منہ بنایا (تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کو قرآن
إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ	سے بہت کراہت ہے) اور زیادہ منہ بنایا پھر منہ
الْبَشَرِ سَأُصْلِيهِ	پھیرا اور تکبر ظاہر کیا۔ پھر کہا یہ تو جادو ہے (جو اگلوں
سَقَرَ	سے) منقول ہے۔ بس یہ تو آدمی کا کلام ہے میں
(المدثر)	جلدی دوزخ میں داخل کروں گا۔

اسلام کے حق میں سب سے زیادہ نقصان دہ اور ناقابل تلافی ضرر دہ کام
جس کا ارتکاب نضر بن حارث۔ قبیلہ عبد الدار۔ نے اسلام کی مخالفت میں کیا
اس کا شیوہ تھا کہ یہ روزانہ حضورؐ کی عبادت گاہ کے قریب ہی بیٹھ جاتا اور جب
دیکھتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تلاوت فرما رہے ہیں اور تبلیغ دین کر رہے ہیں
تو یہ قوم کے سربرآوردہ لوگوں کو مخاطب کر کے کہتا کہ اے سرداران قریش میرے
پاس آؤ میں محمد سے زیادہ اچھی اور عجیب و غریب بات جانتا ہوں جب لوگ اس
کے ارد گرد جمع ہو جاتے تو روم و فارس کے بادشاہوں کے قصے شروع کر دیتا اور
شیطانی چال چلکر لوگوں کو گمراہ کیا کرتا تھا القرآن نے اس کی خباثت نفس سے لوگوں
کو ہوشیار رہنے کی تاکید فرمائی اور اس کی تشہیر کر کے عبرت حاصل کرنے کے لئے

سامان بہم پہنچا دیا " ارشاد ہوتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّىٰ مُسْتَكْبِرًا كَأَنْ لَمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِي أُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (لقمٰن)

اور بعض آدمی ایسے بھی ہیں جو (قرآن سے اعراض کرکے) ان باتوں کے خریدار بنتے ہیں جو (اللہ سے) غافل کرنے والی ہیں تاکہ (اس کے ذریعے دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے بے سوچے سمجھے گمراہ کر دے (اور اس کے ساتھ دین حق) کی ہنسی بھی (اڑائے) ایسے لوگوں کے لئے (آخرت میں) ذلت کا عذاب ہے اور جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ شخص تکبر کرتا ہوا اور ایسی بے التفاتی سے منہ موڑ لیتا ہے جیسے اس نے سنا ہی نہیں جیسے اس کے کانوں میں ثقل ہے (بہرا ہے) سو اس کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔

اسی طرح ایک زمانہ تک حق و باطل کے درمیان معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ باطل حق کو پچھاڑنے کے لئے نت نئے راستے اختیار کرتا رہا لیکن حق خاموشی اور سکون کے ساتھ مورچہ باندھے رہا جب کبھی قوم کی سرکشی اور بیہودگی حد سے بڑھ جاتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ ایزدی میں ان الفاظ کے ساتھ دست بدعا ہوتے کہ اے میرے پروردگار مجھے جو کچھ دکھ تکلیف ہے سب کو تیرے ہی سامنے رکھتا ہوں تو کمزوروں اور ضعیفوں کا رب ہے اگر تو مجھ پر غضبناک نہ ہو تو پھر مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں، تیری رضامندی بہرحال درکار ہے، غور کیجئے کہ حضور عالم صلی اللہ علیہ وسلم غم و آلام کے پیالوں کو کس طرح امرت بنا کر پی جاتے تھے۔ تاکہ حق کا غلبہ ہو ضمیر مطمئن ہو جاتے اور خدا راضی ہو جائے چنانچہ خدا راضی ہو گیا اور اس نے اپنے وعدہ کو سچ کر دکھلایا۔

إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ (الحجر)

یہ لوگ جو ہنستے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود قرار دیتے ہیں ہم ان سے آپ کے لئے کافی ہیں سو ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے

دنیا نے دیکھ لیا کہ ان عاقبت نا اندیشوں کا کیا انجام ہوا اور وہ کس حال میں اس دنیا سے رخصت ہوئے، ابوجہل، نضر بن حارث، عقبہ بن ابی معیط یہ تین کے تینوں ذلیل و خوار ہو کر اسلامی نیزوں اور تیروں سے چھلنی ہو ہو کر راہی ملکِ عدم ہوئے اور ابولہب، عاص بن وائل، ولید بن مغیرہ ان تینوں نے دنیا ہی میں خوب عذاب کا مزہ چکھا خطرناک امراض میں مبتلا کئے گئے اور حسرت و ملامت کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

آخر ایک دن وہ بھی آیا جبکہ خدا کا وعدہ پورا ہوا اور اس نے مسلمانوں کو ان کے صبر کا پورا پورا بدلہ (حسب وعدہ) عنایت فرمایا اور ان کو عرب و عجم بلکہ ساری دنیا کی حکومت کا مالک بنا دیا اور اس آیت مبشرہ کا مصداق دنیا کے سامنے بے نقاب ہو گیا

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ۔

اور ہم کو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زمین میں زور گھٹایا جا رہا تھا ہم ان پر (دینی و دنیوی) احسان کریں اور ان کو (دین میں) پیشوا بنا دیں اور (دنیا میں) حکومت کا مالک بنا دیں

اپنے اخلاق کو وسعت دو۔ (فرمان محمدی)

تلخیص و ترجمہ
کوثر نیازی

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ سے کس طرح زندہ برآمد ہوئے؟

انبیائے سابقین کے حالات بیان کرتے ہوئے قرآن نے جو بعض محیر العقول واقعات پیش کئے ہیں ان میں سے ایک مشہور واقعہ حضرت یونس علیہ السلام کا ہے آدمی یہ پڑھ کر حیران ہو جاتا ہے کہ کس طرح حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں رہے اور جب اس نے آپ کو کنارے پر اگل دیا تو آپ اس میں سے زندہ سلامت نکل آئے، جو لوگ صاحبِ ایمان ہیں اور خدا تعالٰی کی قدرتِ کاملہ پر نظر رکھتے ہیں ان کے لئے تو ایسے واقعات چنداں نا ممکنات میں سے نہیں، وہ انھیں پڑھتے ہیں تو ان کا ایمان کچھ اور بڑھ جاتا ہے مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ہر واقعہ کو اپنی محدود عقل سے جانچنے اور پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب ان کی عقل اس کی تہہ تک نہیں پہنچ پاتی تو اس کے بے بنیاد ہونے کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں۔ حضرت یونس علیہ السّلام کا یہ واقعہ بھی ایک مدت مزید تک ان کج فہمیوں کا نشانہ بنا رہا لیکن یورپ میں اس سے ملتے جلتے ایک واقعہ نے ان کی آنکھیں کھول دی ہیں اور وہ مجبور ہو گئے ہیں کہ قرآن اور انجیل کی بیان کردہ اس حقیقت کو بے چون و چرا تسلیم کر لیں۔

یہ واقعہ یوں ہے کہ Falk. Land کے جزائر میں ایک دفعہ "ستارۂ مشرق" نامی جہاز کے ملاحوں کو تقریباً تین میل کے فاصلے پر ایک بہت بڑی مچھلی نظر پڑی، یہ لوگ وہیل مچھلی کا شکار کھیلنے نکلے تھے۔ انھوں نے فوراً دو شکاری کشتیاں اس کے پیچھے لگا دیں، تھوڑی بھاگ دوڑ کے بعد ایک کشتی کے شکاریوں نے کانٹا پھینکا وہ اس میں اُلجھ گئی مگر جب زخم کھا کر اس نے مڑنے کی کوشش کی تو اس کی بارہ فٹ لمبی دم نے دوسری کشتی کو تہ و بالا کر دیا ایک شکاری ڈوب گیا اور دوسرے بدنصیب کو (جس کا نام بارکلے تھا) اس نے صحیح سلامت نگل لیا۔ پہلی کشتی کے ملاح اس حادثے سے بے خبر تھے ان کا خیال یہ تھا کہ شاید بارکلے بھی سمندر کی موجوں کی نذر ہو گیا۔

آخرکار بڑی جد و جہد کے بعد وہ مچھلی کو شکار کرنے میں کامیاب ہو گئے اسے ساحل پر لایا گیا اور جہاز کا پورا عملہ اسے کاٹنے اور چیرنے پھاڑنے پر مشغول ہو گیا دن کا باقی ماندہ وقت اسی [illegible] ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سر سے پاؤں تک تیل میں ڈوب گئے ہوں، دوسرے دن علی الصبح انھوں نے یہ کام شروع ہی کیا تھا کہ انھیں مچھلی کے پیٹ میں کچھ ہل چل محسوس ہوئی اپنے سابقہ تجربات کی بناء پر ان کا خیال تھا کہ شاید یہ کوئی شارک مچھلی ہو گی۔ جو غریب اب تک اس قید خانے میں بند ہو گی کیونکہ وہیل مچھلی اکثر اسے لقمۂ تر سمجھ کر نگل جایا کرتی ہے' یہ سوچ کر وہ اس نئے شکار کو پھانسنے کے لئے تیار ہو گئے مگر جب انھوں نے وہیل کا پیٹ چاک کیا تو یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس میں شارک مچھلی کی بجائے بارکلے چھپا ہوا تھا جسے وہ اپنے خیال میں دنیا سے رخصت کر چکے تھے' بارکلے تیل اور چکنائی میں لتھڑا ہوا تھا اور اس لحاظ سے اس کا رواں رواں تر نظر آتا تھا۔

انھوں نے فوراً اسے اٹھا کر تختۂ جہاز پر پہنچایا وہ سب کے سب اس کے دوا دارو میں لگ گئے چند ہی گھنٹوں کے بعد اس نے ہوش میں آنا شروع کر دیا مگر اس کا دماغ ابھی پوری طرح صاف نہیں تھا اور اس کی عقل کام نہیں کر رہی تھی اس لئے اسے مزید علاج کے لئے جہاز کے کمرہ میں ایک آرام دہ بستر پر لٹا دیا گیا اور پورے کا پورا عملہ اس کے علاج معالجہ اور تیمارداری میں مصروف ہو گیا وہ مسلسل دو ہفتے تک کپتان کے کیبن میں رہا اس دوران میں وہ ایک عجیب الخلقت انسان نظر آتا تھا بے معنی اور ناقابلِ فہم بڑبڑاہٹ اس کے لبوں پر تھی اور ذہنی لحاظ سے وہ بالکل ادھ موا ہو چکا تھا اور اس کا جسم برف کی طرح سفید ہو گیا تھا۔ تاہم آہستہ آہستہ کر کے وہ اپنی حالت پر آتا گیا اور تیسرے ہفتے کے آخر میں وہ مکمل طور پر ہوش میں آ گیا اس کی جسمانی صلاحیتیں عود کر آئیں اور اسے پھر سے وہیل کے شکار کے فرائض سونپ دیئے گئے۔

ہوش میں آنے اور یہ جاننے کے بعد کہ میں کہاں ہوں، اس نے اپنی آپ بیتی سنائی اس نے کہا جب میں سمندر میں گرا تو میں نے پانی میں ایک زوردار سرسراہٹ محسوس کی، یہ سرسراہٹ وہیل کی دُم سے پیدا ہوئی تھی اور اس کے بعد ایک تاریک تاریکی نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا، میں نے اپنے آپ کو ایک نرم اور مختصر راستے

سے گزرتا ہوا محسوس ہوا۔ اس رستے میں پھسلن ہی پھسلن نظر آتی تھی، لیکن یہ بڑی لمحوں کی بات تھی، تھوڑی ہی دیر بعد میں زیادہ جگہ پا گیا، مجھے اس جگہ کے گرد گرد دیواریں سی کھڑی ہوئی معلوم ہوئیں، میں نے انھیں چھوا مگر یہ دیواریں عجب چکنی چکنی اور نرم نرم تھیں، میں سمجھ گیا کہ معاملہ کیا ہے اور میں کہاں پہنچ چکا ہوں، میں نے خوف پر غالب آنے کی کوشش کی اور موت کو خوشی خوشی لبیک کہنے کے لئے تیار ہو گیا، میں یہاں سانس بھی لے سکتا تھا مگر سانس لیتے وقت ہر بار ایک خاص قسم کی حرارت میرے رگ و ریشہ میں دوڑ جاتی، یہ حرارت سورج کی گرمی سے بالکل مختلف نوعیت کی تھی ایسا لگتا تھا جیسے میرے بدن کا ایک ایک مسام کھل جائے گا اور اس رستے سے میری زندگی کی ساری تب و تاب بہ نکلے گی،" اس کے بعد بکلے نے کہا —

اس اثنا میں میں بتدریج کمزور ہوتا چلا گیا۔ اور اپنے آپ کو بیمار سا محسوس کرنے لگا، اس کمزوری اور بیماری سے زیادہ سوہان روح وہ تکلیف دہ خاموشی تھی جو میرے اردگرد اپنے پر پھیلائے ہوئے تھی، فقط یہی کچھ مجھے یاد ہے اس کے بعد کیا ہوا مجھے یاد نہیں، ہوش میں آیا ہوں تو اتنا دیکھا ہے کہ کپتان کے کمرے میں لیٹا ہوں اور میرے اردگرد آپ لوگ کھڑے ہیں۔"

جہاز کے انگلستان واپس پہنچنے پر بکلے کو "لندن ہسپتال" میں داخل کرا دیا گیا اور وہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جلد اور دماغ — ہر اعتبار سے تندرست ہو گیا۔

جب اس واقعہ کی شہرت ہوئی اور جہاز کے کپتان اور بکلے نے اس حیرت انگیز داستان کو لوگوں کے سامنے بیان کیا تو علم اور سائنس کی دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا، پیرس کے ایک مشہور سائنسی جریدہ کے ایڈیٹر "ایم ڈی" پارول نے بنفس نفیس اس قصے کی تحقیق کی ہے اب تک اس بات میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں تھی کہ وہیل مچھلی انسانوں کو نگل جایا کرتی ہے لیکن یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ ہے جس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آدمی مچھلی کے پیٹ سے زندہ سلامت برآمد بھی ہو سکتا ہے — اس حقیقت کے منکشف ہونے کے بعد میں تسلیم کرتا ہوں کہ حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق جو واقعہ آسمانی کتب میں بیان کیا گیا ہے حرف بحرف صحیح ہے اور اس میں کلام کرنا ایک زندہ حقیقت کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔"

چین میں اسلامیات کا ادارہ

پیکنگ کی مسلم آبادی کے علاقہ کے نزدیک ہی فنِ تعمیر کے اسلامی ڈھنگ کی ایک شاندار اور پرشکوہ نئی عمارت کھڑی ہے، یہی اسلامی دینیات کے چینی ادارہ کی عمارت ہے۔

یہ ادارہ اپریل ۱۹۵۵ء میں چینی اسلامک ایسوسی ایشن کی پیکنگ کمیٹی کی توسیع شدہ جلسے میں پاس کئے گئے ایک ریزولیوشن کا نتیجہ ہے اسی سال میں ادارہ میں طلبا کا داخلہ بھی شروع کر دیا گیا ہے مسلم فرقے نے اس ادارہ کا خیر مقدم کیا کیونکہ اس کا مقصد محب وطن اخونوں کو دینی کتابوں کے معقول علم میں تربیت دینا ہے۔

ادارہ کا نصب العین طلبا کو دینی کتابوں اور چینی زبان (یعنی قومیت کی زبان جو اکثر چینی مسلمان بولتے ہیں) کا بنیادی علم دینا ہے۔ اس کے طلباء ہونہار نوجوان مولانا اور خلیفہ ہیں جو اپنی زندگی مذہبی سرگرمیوں میں وقف کر دینا چاہتے ہیں ان کی تعلیم میں چار سال کا نصاب ہوتا ہے جس میں قدیم عربی و دینیات قرآن شریف (جس میں قرآن شریف کے ترجمہ اور شرح کرنے کے بنیادی اصول ہوتے ہیں)

اسلامی مذہب کے اصول اور ضوابط عربی گرامر اور منتخب مطالعہ سوال و جواب کے ذریعہ تعلیم اور عربی کی دوسری کتابوں کا مطالعہ شامل ہے یہ موضوع نصاب کا دو تہائی حصہ ہوتے ہیں۔ طلباء کو ہمہ گیر تعلیم دینے اور اسلامی مذہبی تعلیمات اور عربی زبان میں ان کی سمجھ بوجھ کا معیار اٹھانے کی غرض سے ایسے نصاب مثلاً ترجمہ چینی زبان خاص کر سنکیانگ کے طلباء کے لئے، تاریخ جغرافیہ، آئین اور دیگر نصاب شامل کئے گئے ہیں۔ یہ موضوعات کل نصاب کا تہائی حصہ ہوتے ہیں۔

تعلیم کے مکمل ہونے پر طلباء کو ذیل کی باتوں کی ضروریات پوری ہو جاتی ہیں۔ مذہبی کتابوں کی کم از کم مکمل سمجھ، ہائی اسکول کے گریجویٹ کے برابر چینی زبان کا علم، مسجد میں عام مذہبی معاملے نپٹانے کی اہلیت، اصلی کتابیں پڑھنے کی اہلیت، سادہ ترجمہ کرنے اور تقریر کرنے کی قابلیت، طلباء کو یہ بھی سکھایا جاتا ہے کہ وہ محب وطن ہوں، مسلم عوام کی خدمت کرنے میں راضی ہوں اور علمیت و اخلاق کے اخون بنیں۔ اب تک طلبا کی ایک جماعت اپنا نصاب پاس کر کے نکل بھی چکی ہے اس میں اکثر دیش کے مختلف حصوں کی مسجدوں سے آئے ہوئے اخون ہیں اگرچہ طلباء کی زبان، بولی اور رسم و رواج ایک دوسرے سے مختلف ہیں اگر پھر بھی سبھی آپس میں بڑے میل جول سے رہتے ہیں، طلباء کے لئے یہ ادارہ نہ صرف اسلامی علم کا ایک اعلیٰ ترین ادارہ ہے، بلکہ دہ قومی قومیتوں کا ایک خوش و خرم کنبہ بھی ہے۔ ادارہ کے عملے میں کئی مشہور امام اور ملا ہیں جو مصر کی الازہر یونیورسٹی کے تربیت یافتہ ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں ایسے استاد بھی ہیں جو دیس کے دوسرے علاقوں سے منگوائے گئے ہیں جیسے پروفیسر لطیف اور رضوان پہلے آئے تھے اور اب پروفیسر علی اور سلیمان ہیں، انھیں چینی مصری کلچرل سمجھوتہ کے تحت چین بلا گیا، وہ مذہبی اور عربی مطالعہ کا بندوبست کرتے ہیں۔

طلباء مذہبی رسومات، نماز اور مذہبی قوانین کی سختی سے پابندی کرتے ہیں اور کڑا مطالعہ کرتے ہیں، نیز انھیں سماجی بہبودی کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لئے ترغیب بھی دی جاتی ہے سبھی طلباء عوامی حکومت کے وظائف کی مدد سے تعلیم پا رہے ہیں۔

چونکہ یہ ادارہ ابھی نیا نیا ہی قائم ہوا ہے اور ہم اپنے کام میں تجربہ سے بھی عاری ہیں ہمیں کئی مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، دو ضروری مسائل جن کا حل ہونا چاہیئے یہ ہیں پہلے طلباء کے داخلے کے وقت ضروریات اور دوسرا پڑھائی کے لئے ضروری مواد:-

پچھلے دو سال میں پورے غور سے اس بات کا فیصلہ نہیں کیا گیا کہ طلبا کے داخلہ کے وقت ان میں کن کن باتوں کی ضرورت ہے چونکہ طلباء دیس کے مختلف حصوں سے آئے ہیں ان کا تعلیمی پس منظر مختلف ہوتا ہے، اسی لئے اگرچہ ان کو جماعتوں میں تقسیم در تقسیم کیا جاتا ہے پھر بھی وہ وسیع پیمانے پر مختلف معیار کے ہی پائے جاتے ہیں، اس مسئلہ کی بدولت نہ صرف پڑھانا ہی دشوار ہو رہا ہے بلکہ اس سے بعض طلباء پر کافی بوجھ پڑتا ہے۔

نیز ادارہ کو ایک باقاعدہ مکمل اور مقررشدہ پڑھائی کے مواد کی اشد ضرورت ہے تاکہ طلباء چار سال میں اپنا مطالعہ مکمل کر لیں اور مطلوبہ معیار تک پہنچ جائیں وقت، عملہ اور تجربہ کی کمی کی وجہ سے ہم نے پڑھائی کے ساتھ ساتھ ہی پڑھائی کی

کتابیں لکھنے کا طریقہ اپنایا ہے۔ ابھی تک ہمارے پاس پڑھائی کی اچھی کتابوں کا مکمل سیٹ بھی نہیں تھا۔ مندرجہ بالا وسائل خاص کر موخر الذکر کو جتنا جلدی ہو سکے حل کرنا ہوگا۔

حکومت مسلمانوں کی جانب خاص توجہ دے رہی ہے، اس نے نئی سکول کی عمارتوں کی تعمیر کو فوقیت دی ہے۔ جسے وہ اس سال جنوری میں مکمل کر دی گئی ہیں، ابھی استاد اور طلبا ان نئی عمارتوں مثلاً مرکزی عمارت، رہائشی حصہ اور کھانے کے کمرے میں چلے گئے ہیں، اس عمارت پر کل ۱۱ لاکھ یوان خرچ آیا ہے۔ اس کا کل رقبہ ۹۴۴۲ مربع میٹر ہے اور مرکزی عمارت کے نیلے گنبد پہ ہلال چاند جو ادارہ کی عمارت میں سب سے اونچا نقطہ ہے ۲۵ ر ۳۲ میٹر اونچا ہے۔

مرکزی عمارت بہت خوبصورت اور سائنس سامان سے خوب آراستہ ہے اس پانچ بڑے اور چھوٹے نیلے گنبد، پلیٹ فارم کے اندر گرد پھیلا ہوا نقش و نگار والا چبوترہ لگایا ہے، یہ اپنے دو منزلہ ستون، زمردیں رنگ کی ہری دیواروں میں لگی قوس نما محرابی کھڑکیاں، یہ سب اسلامی فن تعمیر کا مخصوص نمونہ پیش کرتی ہیں، مرکزی عمارت کی چار منزلیں ہیں۔ ہموار اور اچھی طرح روشن جماعتوں کے کمروں اور دفتروں کے علاوہ یہاں ۵۰ افراد کے لئے ایک سماعت خانہ، ۱۰ ہزار کتابوں کی ایک لائبریری اور ایک اونچا محراب دار مرکزی ہال بھی ہے یہاں ایک پرشکوہ اور شاندار مسجد بھی ہے جس میں ۵۰۰ آدمی جمعہ کی نماز ادا کر سکتے ہیں اس کے علاوہ وضو کے لئے ایک خاص کمرہ بھی ہے

نئی عمارتیں بھاپ کی گرمی اور دوسری جدید سہولتوں سے آراستہ ہیں پانچ منزلہ رہائشی مکان اور کھانے کا کمرہ بہت خوبصورت ہے۔ ان میں سے ہر ایک میں پانچ سو آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔   (آنا لیشیا)

ALHARAM Monthly, Meerut. Regd. No. A-410

مفتی زین العابدین

جلد نمبر (۶) — ۲۲ فروری ۱۹۵۹ء

نمبر ۲ — شعبان المعظم ۱۳۷۸ھ

:- قیمت :-

سالانہ	دو روپے
ممالک غیر میں	پانچ شلنگ
فی پرچہ	تین آنے

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	نقوش اولین	مدیر	۴
۲	احادیث قدسیہ	"	۷
۳	دو نعتیں	جناب مجیب بستوی اسبارکپور، اعظم گڈھ، محمد اسمٰعیل صاحب صوفی شکرگڑ	۹
۴	تضمین نعت قدسی	حافظ مظہر الدین	۱۰
۵	حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی	جناب مولینا ظفیر الدین دار العلوم دیوبند	۱۱
۶	دعوت اتحاد یا نفرت انگیزیوں کی یاد؟	جناب مولانا عبد الرؤف رحمانی جھنڈا نگری	۱۴
۷	ماہ شعبان کا پیغام	مولانا عبد الحئی سجانہ اعظمی۔ خیرآبادی	۱۸
۸	تاریخ اسلام کا ایک ورق	مولوی محمود الحسن جامعی (فاضل دیوبند، متعلم بی اے جامعہ)	۲۰
۹	بلاکشان اسلام	مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی	۲۳

:- التماس :-

(۱) جن اصحاب کے پاس پرچہ ان کی طلب پر بطور نمونہ پہونچے ان کا فرض ہے کہ وہ خریداری سے متعلق اپنے فیصلے سے اطلاع دیں ورنہ انھیں خریدار تصور کیا جائے گا۔

(۲) قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیجیں، وی پی نہیں بھیجا جاتا۔

(۳) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا لفافہ بھیجیں۔

(۴) اپنا پتہ صاف اور اگر ہو سکے تو منی آرڈر کے کوپن پر خط میں ضرور لکھیں اور نمبر خریداری بھی لکھیں۔

◯

اگر دیے ہوئے دائرے میں یہ نشان لگا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے لہٰذا چندہ سالانہ بذریعہ ارسال فرمائیں یا اپنے آئندہ ارادے سے مطلع فرمائیں

(پاکستان میں قیمت بھیجنے کا پتہ)

منیجر کوثر بک ایجنسی، C - 11 شاہ عالم مارکیٹ لاہور (پاکستان)

قاضی زین العابدین سجاد ایڈیٹر پرنٹر و پبلشر کے اہتمام سے یونین پریس اردو بازار دہلی میں چھپ کر دفتر "الحرم" مفتی واڑہ میرٹھ سے شائع ہوا۔

نقوشِ اوّلین

قادیانی "تبلیغ اسلام"

جماعتِ اسلامی ہند کے ایک ترجمان میں حسب ذیل اطلاع شائع ہوئی ہے۔

" جماعت احمدیہ کا عام سالانہ جلسہ ربوہ میں ختم ہوگیا اور مندوبین واپس آنے لگے ہیں انھوں نے بتایا کہ اس سال وہاں ایک لاکھ سے زیادہ افراد جمع تھے ان میں کم و بیش ہزار نمائندے ایشیا، افریقہ، امریکہ اور دوسرے ملکوں سے آئے تھے اس طرح پورے اجتماع میں ۵۲ مختلف زبانیں بولنے و سمجھنے والے تھے تقریریں بھی اتنی ہی زبانوں میں اا رپورٹ بھی اتنی ہی زبانوں میں مرتب ہوگی. اجلاس کے دوران بتایا گیا کہ جنوبی افریقہ میں اسلام (۹) بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے اور گاؤں کے گاؤں مسلمان (۹) ہوتے جا امریکہ اور اسپین میں بھی ان کی تعداد خاصی ہے، اس خبر پر ہندوستان کے ایک ممتاز سنی حنفی، تھانوی اہلِ قلم یوں تبصرہ فرماتے ہیں:-

" اکبر کا ایک ظریفانہ شعر تحریکِ ترکِ موالات کے زمانہ شباب میں ۱۹۲۰ء کا کہا ہوا ہے۔

صاحب میں سب برائی لیکن وہ خوب چوکس   گاندھی میں سب بھلائی لیکن وہ محض بے بس

موقع کچھ اس وقت بھی ایسے ہی شعر پڑھنے کا ہے." قادیانیوں" کے سارے عیب، ایک طرف اور فعالیت اور تبلیغی جوش و سرگرمی کا ایک ہنر دوسری طرف تو بھاری یہی دوسرا پلہ

محترم تبصرہ نگار قادیانیوں کی "فعالیت اور جوش و سرگرمی" کی جتنی تعریف چاہیں کریں مگر "تبلیغی" کی بات سمجھ میں نہیں آتی لغوی اعتبار سے "اشاعت قادیانیت" کے لئے تبلیغ کا لفظ وہ استعمال کر سکتے ہیں، مگر اصطلاحی تبلیغ، جو يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ . سے ماخوذ ہے اور رسول سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام کی اشاعت کا نام ہے اس کا اطلاق تو قادیانی مشن کی سرگرمیوں پر خواہ وہ کتنی ہی حیرت انگیز (یا مبالغہ آمیز) نہ ہوں ہو ہی نہیں سکتا۔

خدا غریق رحمت کرے پروفیسر محمد الیاس برنی، ایم اے ایل ایل بی کو جنھوں نے قادیانیت کے چہرے سے اسلام کی نقاب اتار پھینکی ہے اور یہ بات اب راز نہیں رہی کہ قادیانی مسلمانوں کو پھلنے اور ان سے چندہ وصول کرنے کے لئے اگرچہ خود کو "مسلمان" کہتے ہیں مگر وہ تمام غیر قادیانی مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں، قادیانیت اسلام میں اتنا ہی فضل ہے جتنا اسلام اور نصرانیت میں. پروفیسر صاحب مرحوم کی آخری تصنیف "قادیانی قول و فعل" سے ماخوذ صرف دو اقتباس ملاحظہ ہوں۔

(۱) ہمارا فرض ہے کہ غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی (مرزا غلام احمد قادیانی) کے منکر ہیں یہ دین کا معاملہ ہے اس میں کسی کا اپنا اختیار نہیں کہ کچھ کر سکے (انوار خلافت صفحہ ۹۰ مصنفہ میاں محمود احمد خلیفہ قادیان)

(۲) پس اس آیت کے ماتحت ہر ایک شخص جو موسیٰ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو تو مانتا ہے مگر محمد کو نہیں مانتا یا محمد کو مانتا ہے پر مسیح موعود (مرزا) کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور یہ فتویٰ ہماری طرف سے نہیں ہے بلکہ اس کی طرف سے ہے جس نے اپنے کلام میں ایسے لوگوں کے لئے أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا - فرمایا ہے (کلمۃ الفصل مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی مندرجہ ریویو آف ریلیجنس صفحہ ۱۱۰ نمبر ۳ جلد ۱۴) اب محترم کیا قادیانیت کی اشاعت کو کسی طرح بھی تبلیغ اسلام کہا جا سکتا ہے اور من بعد غلاظت کا پلہ ذوقِ سلیم کے قسطاس مستقیم میں ایک ماشہ "مشک" پر بھاری ہو سکتا ہے؟ اگر مقصد کے حسن و قبح سے الگ ہو کر "نفسِ فعالیت اور جوش و سرگرمی عمل" ہی قابلِ داد ہے، تو اس کا استحقاق بھی کمیونزم کے علمبرداروں کو حاصل ہے

بلندیوں پر اشتراکی جھنڈا نصب کرنے ہی والا ہے، بیچارے قادیانی کس شمار قطار میں ہیں جو اپنے ٹیلہ (ربوہ) ہی کو آسمان سمجھ رہے ہیں؟

الحاج الیاس برنی مرحوم

علمی و دینی حلقوں میں یہ خبر دلی رنج و افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ ہندوستان کے ممتاز فاضل اور نامور مصنف الحاج مولوی شاہ محمد الیاس برنی نے ۷۹ سال کی عمر میں دنیاء فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی مرحوم نے علی گڑھ کالج سے ایم اے ایل ایل بی کیا اور لیکچرر معاشیات کی حیثیت سے اپنی اجتماعی زندگی کا آغاز کیا مگر جلد ہی حیدرآباد دکن منتقل ہوئے جہاں صدر شعبہ معاشیات عثمانیہ یونیورسٹی، ناظم دار الترجمہ، ناظم دائرۃ المعارف العثمانیہ، رجسٹرار عثمانیہ یونیورسٹی کے مناصب کی منزلیں طے کرتے ہوئے، سلسلہ قادریہ کے شیخ طریقت کے مرتبہ پر فائز ہوئے اور باقی زندگی خدمت ملت اور اشاعت دین کے لئے وقف کر دی۔

موصوف نے معاشیات، ادبیات اور اسلامیات پر ۴۰ کتابیں لکھیں جن میں آپ کی کتاب قادیانی مذہب سب سے زیادہ مشہور ہے اس کتاب کا چھٹا ایڈیشن ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے جو قاموس قادیانیت کے نام سے مشہور ہے، آپ کی انگریزی کتاب "قادیانی موومنٹ" اور "اسلام" بھی قابل ذکر ہیں، آپ نے عربی ملکوں کو قادیانیت سے محفوظ رکھنے کے لئے الدیانۃ القادیانیہ کے نام سے "قادیانی مذہب" کا خلاصہ بھی مرتب کرایا ہے جو ابھی شائع نہیں ہوا آپ کی آخری کتاب "قادیانی قول و فعل" ہے جو گذشتہ ماہ تبصرہ کے لئے موصول ہوئی تھی۔

ہندوستان میں مصنفوں ادیبوں اور سجادہ نشینوں کی کمی نہیں مگر رد قادیانیت اور بیرونی ملکوں کو اسلام کے صحیح خد و خال سے روشناس کرانے میں آپ نے جو مقام حاصل کیا اس میں آپ منفرد ہیں۔

موصوف بلند شہر کے رہنے والے تھے اور راقم الحروف سے خاندانی تعلق بھی تھا اور رشتہ بھی مگر عرصہ دراز سے آپ نے حیدرآباد کو اپنا وطن بنا لیا تھا اور وہیں مقیم تھے اگرچہ آپ اپنے بڑے بھائی حافظ محمد اسمٰعیل صاحب (ڈسٹرکٹ جج) اور عزیز بہن (بیگم سید حسن برنی صاحب ایڈووکیٹ) سے ملنے بلند شہر تشریف لائے اور یہیں ایک ہفتہ کی مختصر علالت کے بعد، بھائی سے پہلے ہی راہی ملک بقا ہوئے۔ اور خاندانی قبرستان میں اپنے والد ماجد اور بھائی کے پہلو بہ پہلو دفن کئے گئے، یوں کہنا چاہیے کہ عزیزوں کا روحانی تعلق ہی آپ کو خاک وطن میں کھینچ لایا، خداوند قدوس ان کو جنت الفردوس میں مقام جلیل اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مرحوم و مغفور ذاتی طور پر ایک ادارہ کا کام کر رہے تھے ضرورت ہے کہ موصوف کا کام جاری رکھا جائے ان کی نامکمل کتابوں کی تکمیل اور شائع شدہ کتابوں کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کا بندوبست کیا جائے یہ موصوف کی بہترین یادگار ہوگی اور اسلام کی عظیم خدمت، مرحوم کے حیدرآبادی دوستوں اور عقیدتمندوں پر اس سلسلہ میں سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

"دعوت اتحاد"

ناظرین الحرم کو یاد ہوگا کہ ہم نے اکتوبر ۱۹۵۵ء کے الحرم میں، جماعت اہلحدیث کے ایک اہل قلم مولانا ابو مسعود قمر جندوسی کے ایک مضمون پر "جس میں بتایا گیا تھا کہ آئمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقلدین باطل پر ہیں، اہل حق اہل حدیث ہی ہیں اور صحابہ کرام اور اماماں دین سب اہلحدیث تھے" تبصرہ کیا تھا اور ان سے درخواست کی تھی کہ وہ اس قسم کی منافرت انگیز تحریروں سے اجتناب فرمائیں اور موجودہ دور میں مسلمانان ہند کے شیرازہ کو مزید پراگندہ نہ فرمائیں۔

مگر افسوس ہے کہ مولانا نے اس درخواست کو ٹھکرا دیا اور اپنے ایک طویل مضمون میں جو بیک وقت جماعت کی دونوں پارٹیوں کے آرگنوں ترجمان و اہلحدیث میں شائع ہوا ہے اپنے سابقہ خیالات کا مزید شدت سے اعادہ کیا، نیز ایک قدم آگے بڑھ کر یہ اعلان بھی فرما دیا کہ "تقلید جہل کا دوسرا نام ہے، لہٰذا سب مقلدین جاہل ہیں"

مدیر "الحرم" فروعی اختلافی مباحث میں الجھنا پسند کرتا تو وہ مولانا قمر ہی کو کیوں ٹوکتا؟ خدمت دین کے سلسلے میں اس کا ایک مخصوص اسلوب رہا ہے جسے وہ ہاتھ سے دینا نہیں چاہتا اس لئے مدیر الحرم نے نہ صرف خود کچھ نہ لکھنے کا فیصلہ کر لیا بلکہ بعض دوسرے لکھنے والوں کے مضامین بھی جن میں ایک مضمون "صحابہ کرام اور آئمہ دین سب اہل فقہ تھے" امتیازی حیثیت رکھتا ہے، روک دئے۔

مگر حال ہی میں جماعت اہلحدیث کے ممتاز مصنف اور مشہور عالم مولانا عبد الرؤف رحمانی جھنڈا نگری مولف (نصرۃ الباری) کا جو مضمون "دعوت اتحاد یا دعوت انگیزی کی یاد" کے عنوان سے موصول ہوا تو اس فیصلہ کو تبدیل کرنا پڑا۔ مولانا موصوف اپنے گرامی نامہ میں لکھتے ہیں:- "مولانا قمر صاحب نے جس طرح لا حاصل بحثوں سے نفاق و شقاق

نقوشِ اوّلین

قادیانی "تبلیغ اسلام"

جماعتِ اسلامی ہند کے ایک ترجمان میں حسب ذیل اطلاع شائع ہوئی ہے۔

" جماعت احمدیہ کا عام سالانہ جلسہ ربوہ میں ختم ہو گیا اور مندوبین واپس آنے لگے ہیں انھوں نے بتایا کہ اس سال وہاں ایک لاکھ سے زیادہ افراد جمع تھے ان میں کم از کم دو ہزار نمائندے ایشیا، افریقہ، امریکہ اور دوسرے ملکوں سے آئے تھے، اس طرح پورے اجتماع میں ۵۲ مختلف زبانیں بولنے اور سمجھنے والے تھے تقریریں بھی اتنی ہی زبانوں میں اور رپورٹ بھی اتنی ہی زبانوں میں مرتب ہو گی۔ اجلاس کے دوران بتایا گیا کہ جنوبی افریقہ میں اسلام (؟) بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے اور گاؤں کے گاؤں مسلمان (؟) ہوتے جا رہے ہیں امریکہ اور اسپین میں بھی ان کی تعداد خاصی ہے، اس خبر پر، ہندوستان کے ایک ممتاز سنی حنفی، تھانوی اہلِ قلم یوں تبصرہ فرماتے ہیں:۔

" اکبر کا ایک ظریفانہ شعر تحریکِ ترکِ موالات کے زمانہ شباب میں ۱۹۲۰ء کا کہا ہوا ہے۔

صاحب میں سب برائی لیکن وہ خوب چوکس   گاندھی میں سب بھلائی لیکن وہ محض بے بس

موقع کچھ اس وقت بھی ایسے ہی شعر پڑھنے کا ہے۔ "قادیانیوں" کے سارے عیب ایک طرف اور فعالیت اور تبلیغی جوش و سرگرمی کا ایک ہنر دوسری طرف، تو بھاری یہی دوسرا پلہ نکلا

محترم تبصرہ نگار قادیانیوں کی "فعالیت اور جوش و سرگرمی" کی جتنی تعریف چاہیں کریں مگر "تبلیغی" کی بات سمجھ میں نہیں آتی لغوی اعتبار سے "اشاعت قادیانیت" کے لئے تبلیغ کا لفظ وہ استعمال کر سکتے ہیں، مگر اصطلاحی تبلیغ، جو يَآ أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۔ سے ماخوذ ہے، اور خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام کی اشاعت کا نام ہے اس کا اطلاق تو قادیانی مشن کی سرگرمیوں پر خواہ وہ کتنی ہی حیرت انگیز یا مبالغہ آمیز کیوں نہ ہوں ہو ہی نہیں سکتا۔

خدا غریقِ رحمت کرے پروفیسر محمد الیاس برنی، ایم، اے، ایل ایل بی کو جنھوں نے قادیانیت کے چہرے سے اسلام کی نقاب اتار پھینکی ہے اور یہ بات اب راز نہیں رہی کہ قادیانی مسلمانوں کو پھلنے اور ان سے چندہ وصول کرنے کے لئے اگرچہ خود کو "مسلمان" کہتے ہیں مگر وہ تمام غیر قادیانی مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں، قادیانیت اسلام میں اتنی ہی داخل ہے جتنا اسلام اور نصرانیت میں۔ پروفیسر صاحب مرحوم کی آخری تصنیف "قادیانی قول و فعل" سے ماخوذ صرف دو اقتباس ملاحظہ ہوں۔

(۱) ہمارا فرض ہے کہ غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالےٰ کے ایک نبی (مرزا غلام احمد قادیانی) کے منکر ہیں یہ دین کا معاملہ ہے اس میں کسی کا اپنا اختیار نہیں کہ کچھ کر سکے (انوار خلافت صفحہ ۹۰ مصنفہ میاں محمود احمد خلیفہ قادیان)

(۲) پس اس آیت کے ماتحت ہر ایک شخص جو موسیٰ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو تو مانتا ہے مگر محمد کو نہیں مانتا یا محمد کو مانتا ہے پر مسیح موعود (مرزا غلام احمد) کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور یہ فتویٰ ہماری طرف سے نہیں ہے بلکہ اس کی طرف سے ہے جس نے اپنے کلام میں ایسے لوگوں کے لئے أُولَٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۔ فرمایا ہے (کلمۃ الفصل مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی مندرجہ ریویو آف ریلیجنس صفحہ ۱۱۰ نمبر ۳ جلد ۱۴) اب مدیر محترم بتائیں کیا قادیانیت کی اشاعت کو کسی طرح بھی تبلیغ اسلام کہا جا سکتا ہے اور "من بھر غلاظت کا پلہ" ذوقِ سلیم کے قسطاس مستقیم میں ایک ماشہ "مشک" پر بھاری ہو سکتا ہے؟ اگر مقصد کے حسن و قبح سے الگ ہو کر "نفس فعالیت اور جوش و سرگرمی عمل" ہی قابلِ داد ہے، تو اس کا استحقاق بھی کیمونزم کے علمبرداروں کو حاصل ہے جو

بلندیوں پر اشتراکی جھنڈا نصب کرنے ہی والا ہے، بیچارے قادیانی کس شمار قطار میں ہیں جو اپنے ٹیلہ (ربوہ) ہی کو آسمان سمجھ رہے ہیں؟

الحاج الیاس برنی مرحوم

علمی و دینی حلقوں میں یہ خبر دلی رنج و افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ ہندوستان کے ممتاز فاضل اور نامور مصنف الحاج مولوی شاہ محمد الیاس برنی نے ۷۹ سال [کی عم]ر میں دنیاء فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی مرحوم نے علی گڑھ کالج سے ایم اے ایل ایل بی کیا اور وہاں لیکچرر معاشیات کی حیثیت سے اپنی اجتماعی زندگی کا آغاز کیا، مگر جلد [ہی] حیدرآباد دکن منتقل ہوئے جہاں صدر شعبہ معاشیات عثمانیہ یونیورسٹی، ناظم دارالترجمہ، ناظم دائرۃ المعارف العثمانیہ، رجسٹرار عثمانیہ یونیورسٹی کے مناصب کی منزلیں طے [کر]تے ہوئے، سلسلہ قادریہ کے شیخ طریقت کے مرتبہ پر فائز ہوئے اور باقی زندگی خدمتِ ملت اور اشاعتِ دین کے لئے وقف کردی۔

موصوف نے معاشیات، ادبیات اور اسلامیات پر ۴۹ کتابیں لکھیں جن میں آپ کی کتاب قادیانی مذہب سب سے زیادہ مشہور ہے اس کتاب کا چھٹا ایڈیشن ایک [ہزا]ر صفحات پر مشتمل ہے جو قاموس قادیانیت کے نام سے مشہور ہے، آپ کی انگریزی کتاب "قادیانی مومنٹ" اور "اسلام" بھی قابلِ ذکر ہیں، آپ نے عربی ملکوں کو قادیانی[ت] سے محفوظ رکھنے کے لئے الدیانۃ القادیانیہ کے نام سے "قادیانی مذہب" کا خلاصہ بھی مرتب کرایا ہے جو ابھی شائع نہیں ہوا آپ کی آخری کتاب "قادیانی ق[و]ل" ہے جو گذشتہ ماہ تبصرہ کے لئے موصول ہوئی تھی۔

ہندوستان میں مصنفوں ادیبوں اور سجادہ نشینوں کی کمی نہیں مگر رد قادیانیت اور بیرونی ملکوں کو اسلام کے صحیح خدوخال سے روشناس کرانے میں آپ نے [جو] مقام حاصل کیا اس میں آپ منفرد ہیں۔

موصوف بلندشہر کے رہنے والے تھے اور راقم الحروف سے خاندانی تعلق بھی تھا، مگر عرصہ دراز سے آپ نے حیدرآباد کو اپنا وطن بنالیا تھا اور وہیں مقیم تھے [گذشتہ] [ماہ] آپ اپنے بڑے بھائی حافظ محمد اسمٰعیل صاحب (ریٹائرڈ جج) اور عزیز بہن (بیگم سید حسن برنی صاحب ایڈوکیٹ) سے ملنے بلندشہر تشریف لائے اور یہیں ایک ہفتہ کی [مخت]صر علالت کے بعد بھائی سے پہلے ہی راہی ملک بقا ہوئے۔ اور خاندانی قبرستان میں اپنے والد ماجد اور بھائی کے پہلو بہ پہلو دفن کئے گئے، یوں کہنا چاہیئے کہ عزیزوں کا [رو]حانی تعلق ہی آپ کو خاکِ وطن میں کھینچ لایا، خداوند قدوس ان کو جنت الفردوس میں مقام جلیل اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مرحوم و مغفور ذاتی طور پر ایک ادارہ کا کام کر رہے تھے ضرورت ہے کہ موصوف کا کام جاری رکھا جائے ان کی نامکمل کتابوں کی تکمیل اور شائع شدہ کتابوں کی زیادہ [سے] زیادہ اشاعت کا بندوبست کیا جائے یہ موصوف کی بہترین یادگار ہوگی اور اسلام کی عظیم خدمت مرحوم کے حیدرآبادی دوستوں اور عقیدتمندوں پر اس سلسلہ میں سب [س]ے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

[د]عوتِ اتحاد"

ناظرینِ الحرم کو یاد ہوگا کہ ہم نے اکتوبر ۱۹۵۵ء کے الحرم میں جماعتِ اہلحدیث کے ایک اہل قلم مولانا ابومسعود قمر جندوسی کے ایک مضمون پر "جس میں بتایا گیا تھا کہ آئمہ [مج]تہد رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقلدین باطل پر ہیں، اہل حق اہل حدیث ہی ہیں اور صحابہ کرام اور امامان دین سب اہلحدیث تھے" تبصرہ کیا تھا اور ان سے درخواست کی [تھ]ی کہ وہ اس قسم کی منافرت انگیز تحریروں سے اجتناب فرمائیں اور موجودہ دور میں مسلمانانِ ہند کے شیرازہ کو مزید پراگندہ نہ فرمائیں۔

مگر افسوس ہے کہ مولانا نے اس درخواست کو ٹھکرادیا اور اپنے ایک طویل مضمون میں جو بیک وقت جماعت کی دونوں پارٹیوں کے آرگنوں (ترجمان اور اہلحدیث) میں شائع [ہ]وا ہے اپنے سابقہ خیالات کا مزید شدت سے اعادہ کیا، نیز ایک قدم آگے بڑھ کر یہ اعلان بھی فرمادیا کہ "تقلید جہل کا دوسرا نام ہے، لہٰذا سب مقلدین جاہل ہیں"۔

مدیر "الحرم" فروعی اختلافی مباحث میں الجھنا پسند کرتا تو وہ مولانا قمر ہی کو کیوں ٹوکتا؟ خدمت دین کے سلسلے میں اس کا ایک مخصوص اسلوب رہا ہے جسے وہ ہاتھ سے دینا نہیں چاہتا اس لئے مدیر الحرم نے نہ صرف خود کچھ نہ لکھنے کا فیصلہ کرلیا بلکہ بعض دوسرے لکھنے والوں کے مضامین بھی جن میں ایک مضمون "صحابہ کرام اور آئمہ دین سب اہل فقہ تھے" امتیازی حیثیت رکھتا ہے، روک لئے۔

مگر حال ہی میں جماعت اہلحدیث کے ممتاز مصنف اور مشہور عالم مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری مولف نصرۃ الباری کا جو مضمون "دعوت اتحاد یا نفرت انگیز [تح]ریک؟" کے عنوان سے موصول ہوا تو اس فیصلہ کو تبدیل کرنا پڑا۔ مولانا موصوف اپنے گرامی نامہ میں لکھتے ہیں:- "مولانا قمر صاحب نے جس طرح لاحاصل بحثوں سے نفاق و شقاق

کی راہ پیدا کی وہ مجھے پسند نہیں ہے۔ آپ میرے مراسلہ کو من و عن شائع کر دیں۔ میں بحیثیت ایک اہلحدیث کے لکھ رہا ہوں اور مولانا قمر کے تشدد کے یکسر خلاف ہوں، کیا ہم ہو کر دارالعلوم وغیرہ میں بھی اسے شائع کر دیں۔ ہم اتحاد و توافق کے متلاشی ہیں اور اسی میں نظم کلمہ بھی سمجھتے ہیں؟

امید ہے کہ ان کے فاضلانہ مضمون سے فتنہ کے بادل چھٹ جائیں گے اور ناظرین الحرم کو یہ معلوم کر کے مسرت ہوگی کہ ہندوستان کی جماعت اہل حدیث میں بھی پاکستان کی جماعت اہلحدیث کی طرح ابھی "رجال رشید" موجود ہیں، مولانا کا مضمون اندرونی صفحات میں ملاحظہ فرمایا جائے

حجاج کے لئے رقم کا تعین۔

وزارت امور خارجہ کا ایک اعلان مظہر ہے کہ حکومت ہند نے غیر ملکی زرمبادلہ کو محفوظ رکھنے کے لئے فیصلہ کیا ہے کہ عازمین حج کو صرف محدود مقدار میں رقم لیجانے کی اجازت دی جائے، چنانچہ سال ۱۹۵۹ء کے لئے حسب ذیل حد مقرر کی گئی ہیں۔

بذریعہ ہوائی جہاز سفر کرنے والوں کے لئے	۱۷۰۰	فی بالغ
سمندری جہاز کے درجہ اول میں سفر کرنے والوں " "	۱۸۰۰	"
سمندری جہاز کے عرشہ میں " " " "	۱۲۰۰	"

اعلان میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ پاکستان نے بھی یہی رقم متعین کی ہے" (الجمعیۃ)

ہمیں معلوم ہے کہ بعض حجاج مصارف حج سے زیادہ رقم لیجاتے ہیں اور اسے تجارتی مقاصد کے لئے غلط طور پر استعمال کرتے ہیں اس لئے حکومت کو ایسی پابندی کی ضرورت پیش آئی اگرچہ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ رقم کی مذکورہ بالا مقدار سفر حجاز کے لئے ناکافی ہے، جہاں گرانی کی یہ حالت ہو کہ ایک پیالی چائے اور چند بسکٹ ایک روپے سے کم میں نہیں ملتے وہاں تین چار ماہ کی مدت گزارنے کے لئے بارہ سو کی رقم بہت کم ہے، امید ہے کہ حکومت اس اعلان پر نظر ثانی کرے گی (جدید اعلان کے مطابق رقوم کی تفصیل ہے جو ایک حد تک مناسب ہے۔ ہوائی جہاز اور کیبن کلاس کے مسافروں کے لئے۔ قبل رمضان پانچ ہزار۔ بعد رمضان تین ہزار، ڈیک کلاس کے مسافروں کے لئے، قبل رمضان ساڑھے تین ہزار، بعد رمضان دو ہزار)

اونچے کھمبے پر!

انڈیاناپولس (شمالی امریکہ) میں ایک سترہ سالہ لڑکی ۱۱۵ فٹ اونچے کھمبے پر ۹۱ دن سے بیٹھی ہے، اس کا بیان ہے کہ اس نے اس سلسلے میں سابقہ ریکارڈ توڑ دیا۔ یہ لڑکی ٹیلیفون سے بات چیت کرتی ہے اور اسے شکایت ہے کہ یہاں بیٹھے بیٹھے اس کا وزن بڑھتا جارہا ہے کیونکہ یہاں بیٹھ کر کھانے پینے کے سوا اسے کوئی کام نہیں۔ کھمبے پر ایک مچان بنا ہوا ہے جس پر یہ لڑکی بیٹھی ہے اور اس ساری مصیبت کے جھیلنے سے اس کا مقصد صرف ایک ریسٹوران کی پبلسٹی کرنا ہے جو اس کھمبے کے نیچے ہی ہے" الجمعیۃ

آپ اس لڑکی کی حرکت پر تعجب نہ کیجئے، ہمارے بہت سے قومی رہنما اور سیاسی لیڈر بھی یہی تماشہ دکھا رہے ہیں، وہ بھی شہرت و عزت کی اونچی مچانوں پر بیٹھے ہوئے ہیں جہاں صبح و شام ان کے اعزاز میں شاندار پارٹیاں اور ڈنر دیئے جاتے ہیں اور اس عیش و فراغت کی زندگی میں جہاں انھیں پنج سالہ انتخابی تگ و دو کے علاوہ کوئی محنت نہیں کرنا پڑتی، ان کا وزن روز بروز بڑھتا جاتا ہے، ان کے زیر سایہ نفع اندوزی اور اقرباپروری کے ریسٹوران بھی ہیں جن کی ترقی و کامیابی ان کے منصب و مرتبہ کی رہین منت ہے

کم استطاعت خریداروں کو خوشخبری

سال گذشتہ ایک صاحب خیر نے کچھ رقم دفتر الحرم میں اس لئے جمع کرائی تھی کہ اس سے کم استطاعت شائقین الحرم کی مدد کی جائے اس مد کی کچھ رقم ابھی باقی ہے اس لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ جو صاحب الحرم کا پورا چندہ ادا نہ فرما سکیں اور مذکورہ سے فائدہ اٹھانے کے خواہشمند ہوں ایک روپیہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما کر الحرم کے خریدار بن سکتے ہیں ایک روپیہ امدادی رقم میں سے ان کے چندہ میں شامل کر دیا جائے گا، چونکہ یہ رقم محدود ہے اس لئے خواہشمند اصحاب جلد توجہ فرمائیں، منی آرڈر کے کوپن پر مکمل نام اور پتہ اور اگر قدیم خریدار ہوں تو نمبر خریداری بھی لکھنا ضروری ہے۔ منیجر

مسلسل

مدیر

تاخیرِ قبولِ دعاء کی مصلحت

(۴۳) إِنَّكَ إِنْ ذَهَبْتَ تَدْعُوْا عَلٰى اٰخَرَ مِنْ اَجْلِ اَنَّهٗ ظَلَمَكَ وَاِنَّ اٰخَرَ يَدْعُوْا عَلَيْكَ اِنَّكَ ظَلَمْتَهٗ فَاِنْ شِئْتَ اِسْتَجَبْنَا لَكَ وَعَلَيْكَ، وَاِنْ شِئْتَ اَخَّرْتُكُمَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَاَوْسَعْكُمَا عَفْوِىْ (رواہُ الحاکم عن انس رضؓ)

فرمایا اللہ عزوجل نے :-

(اے میرے بندے) اگر تو کسی دوسرے پر بددعا کرنے لگے اس لئے کہ اس نے تجھ پر ظلم کیا اور کوئی دوسرا تجھ پر اس لئے بددعا کرے کہ تو نے اس پر ظلم کیا ہے۔ تو اگر تو چاہے تو ہم تیرے حق میں اور تیرے خلاف دونوں دعائیں قبول کرلیں۔ اور اگر تو چاہے تو ہم تم دونوں کے معاملے کو قیامت تک کے لئے موخر کردیں، پھر تم دونوں کو اپنے دامانِ مغفرت میں پناہ دیدیں۔ روایت کیا اسے حاکم نے انسؓ سے

تشریح :-

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ مظلوم کی دعاء کو ضرور قبول فرماتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ "تین دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں ان کی مقبولیت میں کچھ شک نہیں، باپ کی دعا، مسافر کی دعاء، مظلوم کی دعاء" (ترمذی)

مگر انسان کی حالت یہ ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں مظلوم بھی ہوتا ہے اور ظالم بھی۔ ایک طرف وہ کسی کے ظلم کا شکار ہوتا ہے اور دوسری طرف وہ خود کسی دوسرے پر ہاتھ صاف کرتا ہے ان حالات میں اگر اللہ تعالےٰ ہر مظلوم کی فریاد کو سن کر جس طرح وہ چاہتا ہے اسی طرح پوری کردیا کرے تو یہ کسی کے لئے مفید نہ ہوگا۔

اس لئے یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے اور بندے کے لئے اس میں بڑی مصلحت ہے کہ وہ قبولِ دعاء کی وہ صورت اختیار فرماتا ہے جو دعا کرنے والے کے لئے زیادہ مفید ہوتی ہے، چنانچہ مذکورہ بالا حدیث کے مطابق جب دعاء مانگنے والا ظالم بھی ہو اور مظلوم بھی، اس کی بددعاء کو دوسرے کے حق میں اور دوسرے کی بددعاء کو اس کے حق میں، آخرت کے لئے اٹھا رکھتا ہے۔ اس طرح دونوں دنیا میں اپنے ظلم و زیادتی کے وبال سے محفوظ رہیں گے، اور قیامت کے دن جب بندہ خیر کا سب سے زیادہ محتاج ہوگا۔ اللہ تعالےٰ دونوں کو ان کی دعاؤں کے نتیجہ میں اپنی مغفرت و رحمت کے دامن میں ڈھانپ لے گا۔

مذکورہ بالا حدیث میں سوال کا انداز اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ قبولیت دعاء میں جو تاخیر فرماتا ہے اس کی مصلحت اچھی طرح سمجھ میں آجائے اور ہر بندہ خود اپنی زبان سے پکار اٹھے کہ اے اللہ ہم دنیا میں ظلم کا بدلہ لینا نہیں چاہتے، ہمیں آخرت میں اپنے فضل و کرم سے ہی نوازنا!

مقبولِ نماز

(۴۴) اِنَّمَا اَتَقَبَّلُ الصَّلٰوةَ مِمَّنْ تَوَاضَعَ لِعَظَمَتِىْ وَلَمْ يَسْتَطِلْ عَلٰى خَلْقِىْ وَلَمْ يَبِتْ مُصِرًّا عَلٰى مَعْصِيَتِىْ وَقَطَعَ نَهَارَهٗ فِىْ ذِكْرِىْ وَرَحِمَ الْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالْاَرْمَلَةَ وَرَحِمَ الْمُصَابَ. ذٰلِكَ نُوْرُهٗ كَنُوْرِ الشَّمْسِ اَكْلَؤُهٗ بِعِزَّتِىْ وَاَسْتَحْفِظُهٗ مَلَائِكَتِىْ اَجْعَلُ لَهٗ فِى الظُّلْمَةِ نُوْرًا وَفِى الْجَهَالَةِ حِلْمًا وَمَثَلُهٗ فِىْ خَلْقِىْ كَمَثَلِ الْفِرْدَوْسِ فِى الْجَنَّةِ

فرمایا باری تعالےٰ عزاسمہٗ نے :- (رواہ البزار عن ابن عباسؓ)

میں اس شخص کی نماز کو قبولیت کا درجہ عطا کرتا ہوں جو نماز کے ذریعہ میری عظمت کے آگے سر جھکا دیتا ہے اور میری مخلوق پر دست درازی نہیں کرتا، اور میری نافرمانی پر جما نہیں رہتا، دن کو میری یاد میں صرف کرتا ہے، محتاج پر، مسافر پر، اور بیوہ پر رحم کرتا ہے اور مصیبت زدہ پر بھی رحم کرتا ہے، یہ وہ شخص ہے جس کا نور سورج کے نور کی طرح ہے، میں اس کو اپنی عزت و جلال کی پناہ میں لے لیتا ہوں اور اپنے فرشتوں کو اس کی حفاظت پر مقرر کرتا ہوں، اندھیرے میں اس کے لئے روشنی کا سامان کرتا ہوں اور جہالت میں علم عطا کرتا ہوں اور اس کی مثال میری مخلوق میں ایسی ہے جیسی فردوس کی جنت میں۔ روایت کیا اسے بزار نے ابن عباسؓ سے۔

تشریح :-

نماز کی ادائیگی کے دو درجے ہیں۔ ایک درجہ تو صحت نماز کا ہے اور دوسرا قبولیت نماز کا۔ اگر نماز کے فرائض و واجبات و سنن کے ساتھ ادا کر لیا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ نماز ادا ہو جائیگی اور اس کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جائے گا گویا اب اس پر نماز نہ پڑھنے کا مواخذہ نہ رہے گا۔ مگر نماز کے درجہ قبولیت پر پہنچنے کے لیے اتنا ہی کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ نماز حضور قلب کے ساتھ ہو، قیام و رکوع اور سجود کے ہر مرحلے میں اپنی عاجزی و فروتنی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا پورا پورا استحضار ہو، اور نماز سے فراغت کے بعد اس کی زندگی کا یہ نقشہ ہو کہ اللہ کی ساری مخلوق کو اپنا خاندان سمجھے سب کے حقوق درجہ بدرجہ ملحوظ رکھے اور کسی کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہ کرے اپنے آقا و مولا کی فرمانبرداری کو اپنا وظیفہ زندگی بنائے، کوئی قدم اس کی مرضی کے خلاف نہ اٹھائے، اور اگر بتقاضائے بشریت اتفاقاً کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو جس قدر جلد ممکن ہو توبہ کرے گناہ کی آلودگی کی حالت میں ایک رات بھی اس پر نہ گزرے۔ اس کے دن کا ہر ہر لمحہ یاد خدا و بندگی میں صرف ہو۔ اور مخلوق خدا سے محبت و حسن سلوک کے متعلق اس کے احکام کسی وقت نظر انداز نہ ہوں، محتاجوں، مسافروں بیواؤں اور مصیبت زدوں پر رحم کرے اور ان کے دکھ درد میں کام آئے جو نماز ان صفات کی حامل ہوگی اس کو قبولیت کا درجہ حاصل ہوگا۔ ایسی نماز پڑھنے والے کی پیشانی اور دوسرے اعضاء جسم آخرت میں سورج کے نور کی طرح دمکتے ہوں گے اللہ تعالیٰ اسے اپنی عزت و جلال کی پناہ میں لے لیگا، فرشتے اس کے محافظ بنائے جائیں گے گمراہی کے تاریک ماحول میں اسے ہدایت کی روشنی دکھائی جائے گی، جہالت کی کشمکش میں اسے نفس پر قابو پانے کی طاقت عطا ہوگی، اور بندگان خدا میں اس کو ایسا اعزاز و امتیاز حاصل ہوگا۔ جیسا جنت الفردوس کو دوسری جنتوں کے مقابلہ میں۔ یہی وہ نمازی ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح فرمایا گیا ہے۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ؕ

"بیشک وہ ایمان والے کامیاب ہوئے جو اپنی نمازوں میں خشوع و خضوع رکھتے ہیں جو لغو باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں جو زکوٰۃ ادا کرنے میں سرگرم ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں بجز اپنی بیبیوں کے یا باندیوں کے کہ ان سے تعلق رکھنے میں کوئی برائی نہیں، ہاں جو اس کے علاوہ کے متلاشی ہوئے تو وہ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہدوں کا خیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی پوری پابندی کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جو اپنا پورا ورثہ پانے والے ہیں جو جنت الفردوس کے مالک ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے"

یہاں جن مومنین کاملین کے لیے فلاح آخرت کا اعلان فرمایا گیا ان کا پہلا وصف یہ بیان کیا گیا کہ وہ اپنی نمازیں خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور آخری وصف یہ کہ وہ انھیں پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں درمیان میں اخلاق و اعمال سے متعلق دوسرے اوصاف بیان فرمائے گئے جو ان دونوں اوصاف کے لازمی نتائج میں سے ہیں، اور ان دونوں اوصاف کی بنیادوں پر ان کی عمارت اٹھتی ہے پھر فرما دیا گیا کہ "یہ لوگ جنت الفردوس کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے"

حدیث زیر تشریح کے آخری حصہ میں فرمایا گیا تھا کہ وہ مقدس نمازی جن کی نمازیں درجہ قبول حاصل کرتی ہیں اپنے اعمال کے نکھار اور اپنے اوصاف کی بہار میں جنت الفردوس کا نمونہ ہوتے ہیں اور قرآن کریم کی ان آیات میں بتا دیا گیا کہ آخرکار ان کا ٹھکانا بھی جنت الفردوس ہی ہوگا۔ كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ إِلَىٰ أَصْلِهِ۔

گندم از گندم بروید جو ز جو　　　از مکافات عمل غافل مشو

نعت

از

محمد اسماعیل صاحب صوفیؔ
شکر نگر

سمایا ہے دل میں جمالِ محمدؐ　　میسر ہمیں ہے وصالِ محمدؐ
محمد کا جلوہ ہے جلوہ خدا کا　　جمالِ خدا ہے جمالِ محمدؐ
بنا کر محمد کو فرمایا حق نے　　ہوا ہے نہ ہوگا مثالِ محمدؐ
وہ انسان نہیں ہے وہ انساں نہیں ہے　　نہو جس کے دل میں خیالِ محمدؐ
سرِ عرش جا کر وہ اک پل میں آئے　　یہ ہے ایک ادنیٰ کمالِ محمدؐ
مرا دل تصدق حبیبِ خدا پر　　مری جان قرباں بر آلِ محمدؐ
خدا خود ثنا خواں ہے احمد کا صوفیؔ
سراپا ہے قرآں خصالِ محمدؐ

نعت

مری جنت وہ طیبہ کی گلی معلوم ہوتی ہے　　وہاں کی زندگی ہی زندگی معلوم ہوتی ہے
ابھی جو باغِ طیبہ سے نسیمِ صبح آئی ہے　　رسالت کے گلِ تر سے بھری معلوم ہوتی ہے
تبسم خیز ہے بادِ صبا تیری گل افشانی　　شگفتہ آج کچھ دل کی کلی معلوم ہوتی ہے
سکونِ قلب ملتا ہے مجھے تیرے تصور سے　　مرے دل میں تری نسبت قوی معلوم ہوتی ہے
عرب کا چاند ہی چرخِ عرب پر ضوفشاں لیکن　　زمانہ بھر میں اس کی روشنی معلوم ہوتی ہے
شہنشاہِ عرب اک دن مدینہ میں بلائیں گے　　مرے دل کو کچھ ایسی آگہی معلوم ہوتی ہے

پریشاں رہتا ہے تو کیوں مجیب بستوی ہر دم
ترے لب پر یہ کیسی خامشی معلوم ہوتی ہے

جناب مجیب بستوی (مبارک پور اعظم گڈھ)

دل میں عشقِ شہِ کونین کی ہے آگ دبی　　عجمی شیشے میں ہے بادۂ نابِ عربی!
مجھ سا محروم ازل اور یہ فیضانِ نبی　　مرحبا سیّدِ مکی مدنی العربی!
دل وجاں بادِ فدایت چہ عجب خوش لقبی

شہِ خوبانِ عرب! نازشِ خوبانِ عجم　　تیرے جلووں سے ضیا گیر ہیں انوارِ حرم
راحتِ جانِ حزیں ہے ترا اسمِ اعظم　　منِ بیدل بجمالِ تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی

کیف پرور ہے ترے باغِ تمدن کی ہوا　　عطر سے بڑھ کے معطر ہے پسینہ تیرا
خاکِ درتیری ہے دنیا کے لئے خاکِ شفا　　نسبتے نیست بذاتِ تو بنی آدم را
بہتر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

یہی مکہ تھا ترے فیضِ کرم کو منظور　　یہی وادی ترے جلووں سے ہوئی تھی معمور
چن لیا صبحِ ازل تیری تجلی نے یہ طور　　ذاتِ پاکِ تو دریں ملکِ عرب کردہ ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بزبانِ عربی

اے شہنشاہِ امم! سیّد و سالارِ امم　　تیرے کوچے کی زمیں رشکِ گلزارِ ارم!
تیرا ذرہ بھی ہے صحرا، تیرا قطرہ بھی ہے یم　　نسبتے خود بسگت کردم و بس منفعلم!
زانکہ نسبت بسگِ کوئے تو شد بے ادبی

خواجۂ ہر دوسرا سوئے من انداز نظر　　شانِ رحمت بنما سوئے من انداز نظر
سیّدی! بہرِ خدا سوئے من انداز نظر　　چشمِ رحمت بکشا سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقبی، ہاشمی و مطلبی

بوذرؓ و خالدؓ و صدیقؓ و عمرؓ تیرے غلام　　عرش سے تجھ کو پہنچتا ہے درود اور سلام
شہِ کونین! ترا ہر دلِ زندہ میں مقام　　نخلِ شادابِ مدینہ ز تو سرسبز مدام
تا شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی

اے رسولِ عربی! گوہرِ نایابِ حیات　　تجھ سے پائی ہے زمانے نے متاعِ حیات
حق نے رکھے ہیں ترے ہاتھ میں اسبابِ حیات　　ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آبِ حیات
لطف فرما کہ ز حد می گزرد تشنہ لبی!

ہم نے چکھی تھی ترے عشق کی مے یومِ الست　　ہم اسی بادۂ سرشار کی لذت سے ہیں مست
یہی ایمان ہے، دنیا کے اوہام پرست　　شبِ معراج عروجِ تو از افلاک گزشت
بہ مقامیکہ رسیدی نرسد ہیچ نبی!
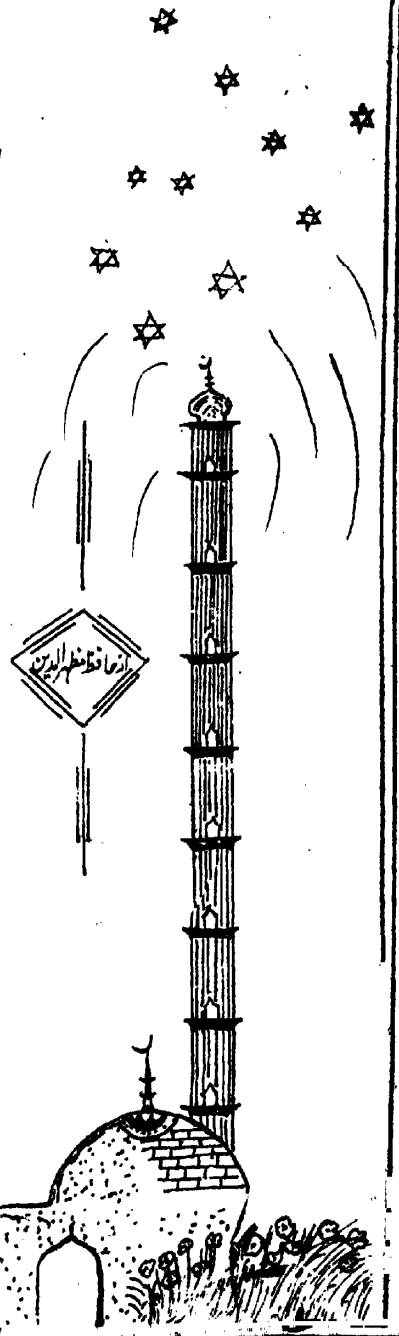
حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رح کی زندگی کے بعض گوشے

۔۔: (مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب۔ دارالعلوم دیوبند) :۔

مولانا گنج مرادآبادی کا تذکرہ جو ابھی حال میں چھپا ہے، اس کے مطالعہ کی توفیق نصیب ہوئی، بعض واقعات نے دل پر خاص اثر ڈالا، جی نے چاہا کہ جو مزہ میں نے پایا ہے دوسروں کو بھی اس میں شریک کروں، کیا عجب کہ کسی کو ان سے فائدہ پہونچ جائے، اور یہ خاکسار کے لئے زادِ آخرت بن جائے، وما توفیقی الا باللہ (طالب دعا۔ ظفیر صدیقی)

حضرت مولانا فضل الرحمٰن (م ۱۲۰۸ھ سن ۱۳۱۳ھ) چودھویں صدی کے ایک نامور اور مشہور و مقبول مرشد گذرے ہیں، انکی طالب علمی کے حالات میں لکھا ہے، اور خود حضرت والا ہی کا قول نقل کیا ہے کہ آپ نے اپنے متعلق ایک دن فرمایا۔

"ہم نے کبھی نوکری نہیں کی، مگر جب ہم دہلی (بغرض تعلیم) گیا تو البتہ کتاب کے صحیح کرنے کے لئے لوگوں نے کچھ مقرر کر دیا تھا، دو ڈھائی روپیہ مزدوری کی [۱]

یہ تھا ہمارے اسلاف کا حال کہ تحصیل علم میں جو جائز کام کرنا پڑا، اس سے دریغ نہیں فرمایا، بلکہ غیرت و حمیت کی بقا کے لئے شوق سے محنت و مزدوری کو پسند کیا۔ خود اپنا حال بیان کرتے تھے کہ جب تعلیم کے لئے دہلی روانہ ہوا، تو یہ حالت تھی۔

"کہ جب ہم حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا شہرہ سن کر لکھنؤ سے چلے تو ہمارے پاس تھوڑے پیسے تھے، راہ میں پیسے دو پیسے کے دانے لے کر کھا لیتے، راستے میں دوستوں، یگانوں کے گھر ملے، مگر ہم کہیں نہیں ٹھہرے، صرف اپنی ایک بہن کے یہاں کہ عرصے سے ان کو نہ دیکھا تھا ایک شب ٹھہر گئے [۲] "

اب یہ غیرت و حمیت عام طلبہ میں کہاں باقی رہی، اب مالدار طلبہ مدرسے سے امداد لیتے ہیں، اور گھر سے جو پیسے آتے ہیں، انھیں رنگ رلیوں میں صرف کرتے ہیں اور ذرہ برابر نہیں شرماتے کہ کیا کر رہے ہیں، اس کا نتیجہ ہے کہ خیالات کی بلندی، اخلاق و اعمال کی پاکیزگی، اور عقائد کی پختگی عنقا ہوتی جا رہی ہے۔

جو غیرت و حمیت سے کام لیتا ہے، قدرت اس کا انتظام کرتی ہے، خود حضرت گنج مرادآبادی اپنے، اس سفر کا حال لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

"ایک جگہ پہنچے، وہاں کے لوگوں کو کچھ حاجت تھی، ہم نے دعاء کی، انکی حاجت بر آئی، انھوں نے کچھ روپے دیئے، با آرام دہلی پہونچ گئے [۳] "

غور کیجئے کہ ایک باغیرت و حمیت کی ضرورت اللہ تعالیٰ نے کس راستہ سے پوری کی، اور کس عزت و شان کے ساتھ، پھر یہ بھی سوچئے کہ پہلے کے طلبہ صحیح معنوں میں علم دین کے کیسے طالب ہوا کرتے تھے اور ان کی دعاؤں میں قدرت نے کیسی تاثیر دے رکھی تھی، مگر آہ آج حال الٹا ہے، ان کو خود اپنے اوپر اعتماد نہ رہا اور نہ دوسروں کو ہی ان سے عقیدت رہی۔

ہمارے اسلاف ضرورت کے وقت مزدوری کرنا پسند کرتے تھے، مگر بغیر دوسروں سے رقم قبول کرنا پسند یدہ نہیں تھا مولانا گنج مرادآبادی رح کے حالات میں لکھا ہے کہ حضرت قبلہ راقم الحروف سے بطور تعلیم فرماتے تھے کہ جب میں دہلی سے آیا، تو سنا کہ فرنگی پل بناتے ہیں، اور دو دو آنے مزدوری دیتے ہیں، چنانچہ ہم نے ایک دن مزدوری کی تھی اور شام کو ہم کو بھی دو آنے ملے تھے [۴] "

ایک نوجوان عالم جو ابھی ابھی حضرت شاہ صاحب رح کے درس سے اٹھ کر آیا ہو، پھر یہ وہ زمانہ ہے کہ علماء کی یہ کثرت نہیں تھی، بلکہ گنے چنے علماء نظر آتے تھے، قوم و ملت کی نظر میں بڑی وقعت تھی، مگر جب ضرورت نے مجبور کیا تو مزدوری کرنے میں ذرا بھی شرم نہ کی، دو آنے پر دن بھر پل پر کام کرتے رہے۔

مگر صد افسوس ایک ہمارا یہ دور ہے کہ بعض اپنے کو علماء میں شمار کرنے والے محنت و مزدوری سے جی چراتے ہیں، لیکن دوسروں کے آگے مختلف حیلوں سے ہاتھ پھیلانے میں شرم محسوس نہیں کرتے، کاش ان کے سامنے یہ حدیث ہوتی۔

الیدُ العُلیا خیرٌ من الید السفلیٰ

حضرت گنج مرادآبادی رح میں یہ شرف و مجد کے جوہر کیوں نہ پیدا ہوتے، جبکہ خود داری کے اسی ماحول میں انکی پرورش ہوئی تھی، آپ کے تذکرہ نگار نے خود آپ

---

[۱] تذکرہ فضل الرحمٰن ص ۲۱ [۲] ایضاً [۳] ایضاً [۴] ایضاً

کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

" آپ نے فرمایا کہ ہماری عمر گیارہ بارہ سال کی ہوگی کہ والد رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال فرمایا، جو کچھ سرمایہ تھا وہ رفتہ رفتہ خرچ ہو گیا تھا کہ سخت قحط پڑا، ہماری والدہ ماجدہ نے جب تک قحط رہا مکان کا دروازہ بند رکھا، اور جو درخت گھر میں تھے ان کے پتوں کو اُبال کر کھا لیتیں، اور کسی کو اپنے حال سے مطلع نہ ہونے دیتیں، حالانکہ یگانے اور دوست ایسے تھے کہ مدد کرتے، اگر یہ گوارہ نہ تھا۔"[۵۱]

ایک بیوہ کی خودداری قحط کے زمانے میں کیا بتاتی ہے؟ جب ایسی گود میں بچّہ کی پرورش ہوگی تو اس میں پھر کہاں سے طمع پیدا ہو سکتی ہے؟ زمانہ کی رفتار نے لوگوں کے عقل و خرد پر پردہ ڈال رکھا ہے اور وہ خودداری و قناعت پر آوازے کسنے لگے ہیں اور خوددار و قانع کا مذاق اڑانے لگے ہیں، علامہ اقبال نے خودداری کی تعلیم دیتے ہوئے کہا تھا ۔

تنگ بخشی کو استغنا سے پیغام خجالت دے :: نہ رہ منت کش شبنم نگوں جام و سبو کر

پہلے زمانہ کے طلبہ کو اپنے اساتذہ سے بے انتہا محبت ہوتی تھی، حضرت مولانا گنج مراد آبادی ہی کے تذکرے میں لکھا ہے کہ آپ کی خدمت میں دہلی و سہارنپور سے بعض علماء سند حدیث لینے آئے تھے، اس سلسلے میں آپ نے تذکرہ فرمایا۔

" ہم نے کچھ تھوڑی سی حدیث تو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے پڑھی، اور باقی شاہ اسحاق صاحبؒ سے، دوسرے جلسہ میں پھر اس کا ذکر فرمایا، اور آنسو بھر آئے اور یہ شعر پڑھا ۔[۵۲]

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد :: روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

اساتذہ کرام ہی کی محبت کا نتیجہ تھا کہ اوس دور کے علماء ماہر فن، استاذ کامل اور علم و فن میں مقبول عام و خاص ہوئے۔ ایک ہمارا پر فتن دور آیا ہے کہ طلبہ اور علماء اپنے اساتذہ کو گالیاں دینے سے بھی نہیں شرماتے اِنا للّٰہ و اِنا الیہ راجعون۔

پڑھ کر آئے تو مسجد ویران تھی اس کی آبادی کی فکر ہوئی، پھر اس پر ظلم یہ تھا کہ مسجد میں تعزیہ رکھا رہتا تھا، غیرت کو جوش آیا، اسے جدا کرنا چاہا، تو وہاں خان صاحب حملہ آور ہوئے اور نواب صاحب کو خبر کر دی کہ مولانا فضل الرحمٰن نے تعزیہ پھینک دیا ہے۔ پھر کیا تھا، گرفتاری کا آرڈر آیا، اور

" پھر تلنگوں نے گرفتار کیا، اور لوہے کی بیڑیاں پائے مبارک میں ڈالیں، اور مراد آباد تک چھاؤنی میں فوج کے ساتھ لے آئے۔

اس درمیان میں محمد جعفر خاں جو اس وقت راجہ گوالیار کے میر منشی تھے۔

انھوں نے لکھنؤ کے نواب کو لکھا کہ مولوی فضل الرحمٰن جو ہمارے تمہارے استاذ کے ہیں ان کو چھوڑ دیجئے، نواب نے منظور کر کے آپ کی رہائی کا حکم بھیجا۔[۵۳]

ہمارے اسلاف میں دینی غیرت و حمیت کا بھی جذبہ تھا جس نے ان کو سربلند کیا، اور ہر عام و خاص میں مقبول بنایا اور آج اسی جوہر کے فقدان سے ہمارے علماء ذلیل و خوار ہو رہے ہیں، کاش ہم سب کو اس کا صحیح احساس ہوتا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے آخیر وقت تک اپنی عالمانہ شان پر باقی رہے، انتہائی عوام و خواص کے رجوع عام کے باوجود کوئی فرق آنے نہ دیا، آپ کی زندگی کا سامان ملاحظہ ہو لکھا ہے۔

" صحن مسجد میں جو ایک گنبد ہے وہ آج بھی موجود ہے قیام رکھا، اس حجرہ پر کر ایک چارپائی بانده کی بنی ہوئی، بچھا دن اس پر نماز، اور اس کی بغل میں مٹی کے ڈھیلوں کا ڈھیر اور ایک لوٹا مٹی کا وضو کرنے کا موجود رہتا تھا، اور ایک تین ہاتھ کی چوکی جس پر چٹائی کھجور کی بچھی رہتی تھی۔ اس میں مدت گزار دی۔[۵۴]

یہ تھی شان کبھی ہمارے علماء اور صوفیاء کی، دنیا نے کبھی سے ان کو پہچانا نہیں تھا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ خدا کی مخلوق خواہ کسی فرقے سے تعلق رکھتی ہو، پروانہ وار گرتی تھی، اور فیضیاب ہو کر واپس ہوتی تھی، کیا اب ہمارے اس دور میں اس کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے؟ حاشا و کلا، الا ما شاء اللّٰہ - لوگ زمانہ کی ترقی کا وعظ کر کے زبان بند کرنے کی سعی کرتے ہیں، مگر کس طرح سمجھایا جائے کہ اس سے عام لوگوں کے دل مطمئن نہیں ہوتے،

آپ کی پوشاک کے متعلق لکھتے ہیں:-

" آپ پارچہ معمولی پہنتے تھے، دو تین جوڑے پارچے سے زیادہ نہیں رکھتے تھے، موسم سرما میں بیشتر رضائی پر اکتفا فرماتے، اسی کو شب کو اوڑھتے، اور وہی دن میں اوڑھتے، جب آپ نماز ادا فرماتے رضائی جدا فرما دیتے اور نماز کے وقت سر پر دوپٹہ باندھتے، کرتہ تہبند نہیں پہنتے تھے، نہ تکیہ گدہ آپ رکھتے ۔۔۔ اکثر آپ دال ماش اور باجرہ کی روٹی یا کھچڑی قدرے قلیل نوش فرماتے، یا دودھ قدرے قلیل نوش کرتے تھے۔[۵۵]

ایمان داری سے سوچا جائے کیا اب بھی یہ سادگی پوشاک اور کھانے میں برتی جاتی ہے؟ اب ہر وقت اور ہر موسم کے لباس جدا جدا ہوتے ہیں، پھر ان میں بھی ضرورت سے زیادہ تنوع اور زینت کا لحاظ ہوتا ہے بلکہ سچ پوچھئے تو اکثر علماء اور صوفیاء تو اپنے اعمال و اخلاق کے بجائے پوشاک کی ہی نمائش سے عوام و خواص کو مرعوب کرنے کی

۵۱ ایضاً ص ۲۹ ۵۲ ص ۳۱ ۵۳ ص ۳۲ ۵۴ ص ۳۳ ۵۵ ص ۳۵

ہیں، جب تک بدن پر شیروانی اچھی اور جسم پر مہنگا کپڑا ہو، سمجھتے ہیں کہ دیکھنے والے آدمی سمجھیں گے، آہ جو عالمانہ سادگی کی روح تھی وہ بھی اب غائب ہوتی جارہی ہے۔

حضرت گنج مراد آبادیؒ کا لباس کیا تھا؟ اسے بھی ملاحظہ فرمالیں۔

" لنبا انگرکھا اور موٹے گاڑھے کا پاجامہ اور دو پلیہ ٹوپی پہنتے تھے، دھوبی یہاں سے جب کپڑا آتا تو اس کو پھر پاک کرتے تھے "

حضرت والا کے معمولات پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے، تاکہ اندازہ ہو جائے کہ اسلاف کا کیا حال تھا، مولانا تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں۔

"بعد فراغت نماز صبح تھوڑی دیر ذکر میں مشغول رہتے تھے، پھر کچھ دیر مراقب رہتے تھے، ہم لوگ بھی پیچھے بیٹھ کر توجہ لیتے تھے، آپ نے فرما دیا تھا کہ حجرے میں آیا جب میرے پاس بیٹھو اپنے قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھو...... کبھی ایسا ہوتا تھا کہ طلوع آفتاب تک آپ مسجد میں مشغول رہتے تھے اور نماز اشراق ادا کر کے آتے تھے، اور کبھی نماز پڑھ کر حجرہ میں آکر اذکار میں مشغول ہو کر بیٹھتے اور وہیں مراقب رہتے تھے،..... بعد اشراق کے درس حدیث شریف کا ہوتا تھا...... اب آخر زمانہ میں تمام دن حدیث ہوتی تھی،..... بعد مغرب اذکار و اشغال سے فرصت پاکر حجرہ مسجد میں کچھ دیر مراقبہ میں رہتے تھے "

جب انسان اپنے کو اس طرح ذکر اللہ اور درس حدیث میں مشغول کرلے تو اندازہ لگائیے اس کے باطن کا کیا حال ہوتا ہوگا، اب یہ پابندی موجودہ علماء دین میں کہاں باقی رہی؟ کاش نوجوان علماء اس سے کوئی سبق حاصل کرتے اور ایک دفعہ عزم کرلیتے کہ ہمیں اپنے سلف کا طریقہ اختیار کرنا ہے۔

صد افسوس اب تو ظاہری زیبائش سے آگے نگاہ ہی نہیں جاتی، باطن پر کوئی دھیان دینے کے لئے تیار ہی نہیں، غیبت و چغل خوری میں عمر بسر ہو جاتی ہے، اور احساس تک نہیں ہوتا کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔

دعوتِ اتحاد یا نفرت انگیزیوں کی یاد؟

از جناب مولانا عبدالرؤف رحمانی، جھنڈا نگری

آج کل بعض حضرات اختلافی مسائل میں اس طرح کے سوالات کرتے ہیں کہ کیا صرف ہم اہلِ حدیث حق پر ہیں؟ اور کیا صرف یہی فرقہ ناجی ہے اور کیا آمین بالجہر و رفع یدین ہی حق ہے اور اس کے ماسوا باطل ہے؟ اس قسم کے سوالات کے جواب میں صرف اہلِ حدیث کو برحق اور ناجی بتلانا اور باقی حنفی شافعی مالکی حنبلی وغیرہ فرقوں کی علی الاطلاع تضلیل اور تجہیل کرنی نہ کسی اہلِ حدیث کے لئے معیارِ حقانیت ہے نہ صداقت پسندی کی یہ کوئی علامت ہے، اپنی منافرت کی یاد تازہ کرنے سے نہ تہذیب و شرافت کا کچھ حق ادا ہوتا ہے نہ ملک و ملت کو ایسی بحثوں سے کوئی فائدہ پہونچ سکتا ہے، تعصب و عداوت کی کسی وقتی فضا اور کسی مکدر ماحول کو پیش کر کے اپنے لئے کچھ نہ کچھ جواز پیدا کرنا میرے نزدیک ایسے کمزور حریف کا کام ہے جو وقت پر اپنے داؤ پیچ سے بازی لیجانے کا منتظر رہتا ہے، اسوء اتفاق کہ آج کل اسی قسم کی بحث مدیر الحرم میرٹھ کے ادارتی شذرہ کے ایک نوٹ پر پھر اُبھر آئی ہے جس میں حنفی و مالکی، شافعی و حنبلی علماء و مقلدین کے جہل و عدم علم پر کچھ اقوال پیش فرمائے جا رہے ہیں. مجھے حیرت ہے کہ قاضی ابو یوسف جو حضرت امام ابو حنیفہ کے مقلد و تلمیذ رشید ہیں ان کو کس زبان اور کس دل سے یہ غلو فرمانے والے حضرات جاہل قرار دے سکتے ہیں؟ علامہ سندھی حنفی ملا علی قاری وغیرہ آپ کی اصطلاح میں جاہل ہوں گے مولانا عبدالحئی فرنگی محلی، مولانا اشرف علی تھانوی بھی آپ کے نزدیک ہو سکتا ہے کہ ان کا شمار بوجہ تقلید جاہلوں میں ہو مگر میرے نزدیک یہ محض مکابرہ و مجادلہ ہے، علامہ عبدالوہاب شعرانی، حافظ ابن عبدالبر قرطبی ابن دقیق العید ابن قدامہ صاحب المغنی حافظ ابوبکر بیہقی امام مزنی امام غزالی امام نووی امام سبکی وغیرہ اجلہ علماء جو شافعی و حنبلی و مالکی فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنے ائمہ کی طرف منسوب ہیں کیا روز روشن میں یہ سچ ہو سکتا ہے کہ اہلِ حدیث علماء انکو جاہل قرار دیں بایں وجہ کہ یہ اپنے ائمہ کے مقلد ہو کر شافعی یا مالکی یا حنبلی کہلاتے ہیں؟ اگر آپ یا مولانا قمر کی طرح غلو کرنے والے کوئی دوسرے مولانا اس پر اُتر آئیں کہ یہ سب واقعی جاہل تھے اور صرف اہلِ حدیث ہی عالم ہیں تو میں پوچھتا ہوں کہ جن علماء و ائمہ و اکابر سلف کی کتابوں کے حوالے آپ دیتے ہیں اور ان کی توضیح و تلویح و مسلم الثبوت جامع بیان العلم، فتوحاتِ مکیہ، انوار محمدیہ، فقہ اکبر دراسات اللبیب، اصول بزدوی مغنی، بیہقی وغیرہ سے بلا تکلف نقل کرتے ہیں. تو کیا جہلا کی عبارتوں اور ان کی لکھی ہوئی کتابوں کو سند قرار دینا اور ان سے استدلال کرنا اور معرضِ دلیل میں پیش کرنا جائز ہے بلکہ مولانا قمر کے نزدیک ثابت ہو گیا ہے کہ مقلدین اہلِ علم نہیں بلکہ جاہل ہیں تو پھر ان مقلدین کی کتابوں سے استدلال کرنا عقل و شرافت کی کونسی علامت ہے:

مشکرے بودن و ہمرنگ مستان زیستن

علماء دیوبند اور عوام کی طرف سے انہی جیسے اسباب کے بناء پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ اہلِ حدیث ائمہ کے حق میں بدزبان و بے ادب ہوتے ہیں؟ چند کہ ادھر بھی غلو ہے اور بعض آئمہ کرام مثلاً امام شافعیؒ کے حق میں نور الا جیسی کتاب میں جہل الشافعی کا لفظ استعمال ہو گیا ہے مگر کسی کی سوءِ ادب کا ہمارے لئے کوئی وجہ جواز مہیا نہیں کرتا، مولانا قمر نے مقلدین ائمہ کو جاہل قرار دے کر اہلِ علم کے متعارف حلقہ سے باہر نکالنے کی جو سعی کی ہے اسے سعی جمیل نہیں کہہ سکتے، استاذ العلماء حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی نے تقلید کے متعلق جن قیود و شرائط کا ذکر فرمایا ہے اس کی تفصیلات معیار الحق میں ہیں اس کی روشنی میں اصحاب تقلید اور ذی علم اکابر کو علی الاطلاق جاہل قرار دینا بہت عجیب فکر و زیادتی و حیرت ناک بے انصافی ہے۔

فقہاء کا احترام

محدثین کرام کی طرح فقہاء عظام کا بھی امت پر ہے، تہذیب الاسماء میں امام نوویؒ نے ائمہ اور خاص طور سے امام الائمہ امام ابو حنیفہ کے متعلق حضرت سفیان ثوریؒ کے جن تاثرات اور جن مشاہدات کو نقل کیا ہے اس کو پیشِ نظر رکھ کر آج بھی علماً و عملاً اپنی کوتاہ دامانی اور عاجزی و بے بسی کے اظہار پر صد ہزار ہمارے دل میں بھی ان کی عزت و احترام کا ایک خاص مقام ہے، جہاں

نی نہیں ہو سکتی ۔ عذل العواذل حول قلب التائہ
وھوی الاحبۃ منہ فی سودائہ

اصحاب علم متقدمین و فقہاء کرام کو اہل علم کے اصطلاحی حلقہ سے نکال کر اس
اہل قرار دینے میں غلو کرنے والے حضرات کو ایک بار پھر اپنے دل کی دیانت و انصاف
اپنے عقل کی شرافت و متانت کا جائزہ لینا چاہیئے۔

یک مثال حافظ ذہبیؒ جیسے ناقد الرجال امام نے امام ابو یوسفؒ کے بارے میں
کچھ لکھا ہے اس سے آپ کا اطلاق وا ستعمال سرتاسر بے محل و بر عکس نظر آتا ہے
امام ابو یوسفؒ کو صاحب حدیث و صاحب سنت فرماتے ہیں اور ساتھ ہی امام
ظم ہی کے مقلد کی حیثیت سے ان کو یاد کرتے ہیں اور فقیہ اعظم گردانتے ہیں
(تذکرۃ الحفاظ جلد اول صـ۲۶۹)

اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ نے ان کو صدوق فرمایا حافظ یحییٰ بن معین جیسو
یمیں الناقدین نے ان کا دلی میلان اور تعلق اصحاب الحدیث سے ثابت کیا۔ محدث
ابو حاتمؒ نے ان کا شمار ان محدثین میں کیا ہے جن کی حدیثیں اور روایتیں قلم بند کی جاتی
ہیں (کتاب الجرح والتعدیل قسم ثانی جلد رابع صـ۲۰۲)

امام الناقدین امام نسائیؒ نے امام ابو یوسفؒ کو ثقہ قرار دیا ہے اور
فحول اہل علم میں شمار کیا ہے (کتاب الضعفا للنسائی صـ۳۵) امام ابو یوسفؒ
کا کمال انصاف اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف میلان خود
آپ کی تصنیف کتاب الخراج کے بہت ساری تصریحات سے بھی ظاہر ہے، جہاں
آپ نے امام کے اقوال و اجتہادات سے اختلاف کرکے احادیث کا اتباع کیا ہے
وہ خود فرماتے ہیں، اتبعنا الاحادیث التی جاءت عن رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم لانھا اوثق عندنا واکثر۔ (کتاب الخراج صـ۲۲
صـ۶۳ و صـ۹۶، صـ۱۰۶ وغیرہ ملاحظہ ہو)

اسی طرح خود حضرت امام ابو حنیفہؒ کے متعلق حافظ ابن حزم کی تصریح موجود
ہے، حافظ سخاوی تلمیذ حافظ ابن حجرؒ نقل کرتے ہیں، قال ابن حزمؒ ان جمیع
الحنفیۃ علیٰ ان مذھب اماھم ایضا ان ضعیف الحدیث اولیٰ
عندہ من الرای والقیاس۔
(فتح المغیث للسخاوی صـ۳۳)

اس سلسلہ میں مزید تفصیل اہل علم کے لئے کتاب الاعتصام للشاطبیؒ میں
موجود ہے جس سے یہ بھی واضح ہوا کہ ضعیف سے مراد وہ حدیث ہے جو امام ترمذیؒ
کی اصطلاح میں حسن کہلاتی ہے بہرحال سرتاج ائمہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک

بھی رائی و قیاس کے مقابلہ میں حدیث کا مقام بلند ہے خواہ وہ حدیث پوری طور
سے معیار صحت پر نہ ہو۔ اب خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جن فقہاء کو ائمہ بالا نے اپنی
کتابوں میں اہل علم میں شمار کیا اور اس کی مدح فرمائی ہے ان کو مقلد ہی
سمجھ کر فقہاء و علماء میں شمار کیا ہے اور قابل تعظیم و احترام قرار دیا ہے، امیر جماعت
اہل حدیث پاکستان سرآمد علماء حضرت مولٰنا داؤد صاحب غزنوی مدظلہ العالی
نے مدیر تجلی کے اعلام و استدراک کے سلسلہ میں اشرف السوانح کے حوالہ سے
ایک واقعہ نقل کیا ہے۔

کہ ایک بار کسی غالی غیر مقلد مولوی نے جو مولٰنا سید نذیر حسینؒ کے پاس
بیٹھے تھے دوران گفتگو میں علامہ ابن ہمامؒ کی کچھ تنقیص کی تو مولانا نے ان کو ڈانٹا
کہ یہ بڑے لوگ تھے ہمارا منہ نہیں کہ ان کی شان میں کچھ کہہ سکیں (اشرف السوانح
حصہ اول صـ۱۲۳)

اس سے با وضاحت ثابت ہوا کہ اکابر علماء اہل حدیث امام ابو حنیفہؒ
کے معتقدین و مقلدین کے لئے نہ صرف متقدمین بلکہ متاخرین فقہا کے لئے بھی کس درجہ
ادب و احترام ملحوظ رکھتے تھے، دار الحدیث رحمانیہ دہلی کے شیخ الحدیث استاذنا
و شیخنا الاجل حضرت مولانا احمد اللہ صاحب پرتاب گڈھی درس حدیث میں بعض
مسائل کے ذکر میں ابن الہمام علامہ زیلعی وغیرہ کا ذکر کرتے تو خاص طور پر علامہ
ابن الہمامؒ کے متعلق پرشوکت الفاظ استعمال فرماتے اور ان کو حنفی علماء میں سرخیل
علماء بالمحفظ دیگر جج بتلایا کرتے تھے کہ وہ علمی مباحثات میں ایک جج کی طرح محاکمہ و تصفیہ
کرتے ہیں۔

"تاریخ اہل حدیث" میں حضرت مولانا ابراہیم میر سیالکوٹیؒ نے حافظ ابن
تیمیہ و حافظ ابن کثیرؒ وغیرہ کی کتابوں کے حوالے سے امام اعظم اور فقہاء کرام کی مدح
و توصیف فرمائی ہے اس کا دیکھنے سے تعلق ہے۔ (تاریخ اہلحدیث صـ۵۹ تا صـ۶۱)

جماعت اہلحدیث کے اکابر علماء نے فرقہ وارانہ تعصب سے ہرگز کام نہیں
لیا اور نہ اصحاب تقلید فقہاء و علماء کا ذکر نا ملائم لفظوں سے کیا ہے، لادینی گروہوں
اور بدعتیوں کے مقابلہ میں بلاشبہ باہمی اتحاد اور تعاون و تناصر کی ضرورت صرف
شدید نہیں اشد ہے اس لئے مسائل کے اختلاف و نزاع میں ہر وہ انداز
غلط ہے جس سے سوء ظن اور بے ادبی کا اظہار یا احساس ہو۔

علماء حال جماعت اہل حدیث کے خلاف تعصب و منافرت کا دور تیزی سے
گزر گیا اب پرانی باتوں کی یاد تازہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے علماء احناف کے اجلہ
علماء میں مولانا عبد الحیٔ صاحب فرنگی محلی کا شمار ہے جو ظفر الامانی میں لکھتے ہیں۔

اللھم احشرنی فی زمرۃ المحدثین (ہی)

رفع یدین کے مسئلہ میں لکھتے ہیں. رُواۃُ الرفع من الصحابۃ جمٌّ غفیر اور آمین بالجہر کے متعلق تحریر کرتے ہیں وَالحق انّ الجھر بالتامین اقوی من حیث الدلیل ، اسی طرح حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں

آمین بالجہر جائز ہے جیسے بالسر جائز ہے رفع یدین جائز ہے. جیسے عدم رفع جائز ہے (امداد الفتاویٰ جلد اوّل ص۱۳۹)

اسی طرح ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں غیر مقلدین کے ساتھ ہمارا اختلاف صرف فروعی مسائل میں ہے ان کی اقتداء اس طرح جائز ہے جس طرح شافعی وغیرہ دیگر مقلدین کی (امداد الفتاویٰ جلد اوّل ص۹۳۹)

(مطبوعہ اشرف الاسلام کراچی)

ایک اور موقعہ پر لکھتے ہیں حنفی، شافعی ہونا جزو ایمان نہیں ورنہ صحابہ وتابعین کا غیر مومن ہونا لازم آئے گا. والتالی باطل فالمقدم مثلہ (فتاویٰ امدادیہ جلد چہارم)

یہ عبارتیں جناب مولانا محمد صاحب لکھوی کے قلم سے الاعتصام میں ۱۱ اپریل ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں موجود ہیں اسی طرح فضیلت مآب خطیب الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے ایک کتاب کے مقدمہ میں جو فاتحہ خلف الامام کے بحث پر کسی صاحب کی تصنیف ہے بڑی وضاحت وصراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ رفع یدین اور آمین بالجہر وغیرہ مسائل میں ہماری بحث اہل حدیث حضرات سے صرف افضل ومفضول وراجح ومرجوح کے حد تک ہے ہم آمین بالجہر ورفع یدین کو مرجوح ومفضول سمجھتے ہیں اور اہل حدیث اسے راجح وافضل سمجھتے ہیں جس طرح کہ آمین بالسر ہمارے نزدیک راجح ہے اور وہ ان کے یہاں مرجوح ومفضول ہے، بہر حال صورت یہ نہیں ہے کہ فریقین میں نزاع اور اختلاف حق وباطل یا جواز وعدم جواز کے معنی میں ہو، ہماری نماز دوسرے فریق کے نزدیک مفضول وغیر افضل ہے یہ نہیں ہے کہ ہماری نماز اس کے نزدیک باطل وناجائز وکالعدم ہے اسی طرح اس کی نماز ہمارے نزدیک مرجوح وغیر افضل ہے یہ نہیں کہ ہمارے نزدیک اس کی نمازیں باطل وغیر حق ہیں (رسالہ دار العلوم بابت مئی ۱۹۵۵ء)

اسی طرح مدیر تجلی دیوبند مولانا عامر عثمانی نے بھی لکھا ہے.

جو اہل حدیث ائمہ احناف اور فقہاء سے کد نہیں رکھتے اور مقلدین کو گمراہ نہیں کہتے بلکہ نیک نیتی اور دیانت کے ساتھ اپنے مسلک کی تبلیغ کرتے ہیں وہ اسی طرح حق پر ہیں جس طرح ائمہ کے مقلدین انہیں آخرت میں بھی ان کے اعمال خیر پر ویسا ہی اجر ملیگا جیسا کہ دیگر مومنین کو ملتا ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ اگر ان کے قلوب تحقیر ائمہ کے جذبہ سے خالی ہوں تو خالص حبِ رسول کے تحت انہیں کچھ اجر زائد ہی ملے آخر میں لکھا ہے کہ کچھ ضروری نہیں کہ اہل حدیث حضرات اگر علماء دیوبند سے کسی مسئلہ میں اختلاف رکھتے ہوں تو لازماً علماء دیوبند ہی حق پر ہوں آخرت کا اگر خیال ہے تو گروہی اور وطنی عصبیتوں کو بالائے طاق رکھ کر وسعت نظر اور علم وبرداشت کی راہ پر چلنا ضروری ہے (تجلی دیوبند اگست ۱۹۵۵ء)

بہر حال ہمیں اس سے دکھ اور افسوس ہے کہ فریقین میں اس قسم کی بے مزہ وغیر مفید بحث چلے اور سمٹے ہوئے مسائل کو دوبارہ پھیلا بلو یا جائے ایسا ہرگز مناسب نہیں کہ اپنی اصحاب علم مقلدین وفقہا کو یا تو جاہل قرار دے کر دم لیا جائے یا مسلک اہل حدیث کی زبردستی مہر چھاپ ان پر لگا کر اپنے فرقہ وارانہ ذہن کی تسکین کر لی جائے آخر امام شافعی وغیرہ ائمہ کے مقلدین کو خواہ مخواہ اہل حدیث بنالینے سے بنیادی مقصد کیا ہے؟ اختلاف امتی رحمۃ تو اختلاف مسائل اور اختلاف اجتہادات ہی کی شکل میں رونما ہوگا کیا اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ صرف اہل حدیث حق پر ہیں اور باقی حنفی شافعی مالکی حنبلی فرقے باطل وغیر حق فرقے ہیں اگر یہ مراد ہے تو اہل حدیث ہی برحق وناجی فرقہ ہے اور باقی سب جہنمی ہیں تو اس مراد ومطلب سے ہمارا احناف مسلک اباء کرتا ہے اور ہزار بار تبرّی کا اظہار کرتا ہے (اعاذنا اللہ عن مثل ذالک الھفوات)

جماعت اہل حدیث کے خلاف جو تعصب قدیم یا جدید حادث ہوا ہے، وہ غالباً ایسے ہی غالیانہ افکار وخیالات کی تحریر ونشر واشاعت کے ردّ عمل کے طور پر پیدا ہوا ہے اور یہ بھی حق ہے کہ حنفی دیوبندی حضرات میں بھی کچھ تشدد پسند اصحاب موجود ہیں انھوں نے خاصی عصبیت کے ساتھ اپنی جماعتوں کو منافرت کا ذہن ودماغ بخشا ہے اگر اب تو ایسے عمل اور اس کے ردّ عمل دونوں ہی سے صرف نظر جذبۂ اتحاد کے تحت ضروری واز بس ضروری ہے

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (البقرۃ)

فرقہ ناجیہ اصحاب بصیرت کے نزدیک اہل سنت والجماعت کے تمام فرقے فرقہ ناجیہ میں داخل ہیں، اہل سنت حضرات کا کتاب وسنت کے ساتھ جو عشق وشیفتگی رہی ہے اس کا انکار محض فروعی مسائل میں اختلاف وامتیاز کی بنا پر ناممکن اور غیر معقول ہے، سیدنا ومرشدنا حجۃ الخلف ونمونۂ سلف مولانا

یدالرحمان صاحب مبارکپوری شارح ترمذی نے اپنی مشہور شرح میں امام ابو منصور عبدالقاہر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک فرقہ کو ناجی قرار دے کر باقی فرقوں کو جہنمی فرمایا ہے لیکن اس سے مراد وہ فرقے ہیں جن اصول و بنیادی امور میں مثلاً توحید و تقدیر و نبوت و رسالت کے شرائط وغیرہ میں اختلاف ہو، فروعی مسائل میں فقہ و اجتہاد کے سبب جو ممتاز و مختلف فرقے نظر آتے ہیں وہ سب کے سب باوجود فروعی اختلافات کے اہل سنت الجماعت کے وسیع اور عام لقب میں داخل ہیں اور سب کا شمار فرقہ ناجیہ میں ہے

(تحفۃ الاحوذی جلد ثالث صفحہ ۳۱۵، صفحہ ۳۶۷)

خود صحابہ کرام کے اندر بھی فروعی مسائل میں اختلافات موجود تھے باوجود اس کے وہ سب ایک ہی جماعت تھے بس فرقہ ناجیہ میں اشعریہ ظاہریہ حنفیہ حنبلیہ مالکیہ وغیرہ ایسے سب فرقے داخل ہیں جن کا اصولِ دین میں اتحاد ہو اور ضروریات دین سے انکار نہ ہو چونکہ جماعت اہلِ حدیث اور اصحاب تقلید میں توحید و تقدیر و رسالت و نبوت و حُبِّ صحابہ جیسے بنیادی مسائل میں اصولاً اتفاق ہے اس لئے یہ بھی اہلحدیث حضرات کی طرح فرقہ ناجیہ میں شامل ہیں ہمکو نہ ان سے کوئی تعصب چاہئے اور نہ ان کو ہم سے تعصب رکھنا چاہیئے مضمون تو بس یہ ہونا چاہیئے کہ وہ اور ہم مل کر بڑھیں ؎

کون کہتا ہے کہ ہم تم میں جدائی ہو گی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اُڑائی ہو گی

یاد شِ بخیر حضرت العلام مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمان القرآن میں تعصب کے ہولناک انجام کے سلسلے میں لکھا ہے کہ جب فقہ کے مذاہب اربعہ مدون ہو گئے، اور تقلید شخصی کا التزام قایم ہو گیا تو سوال ہوا کہ ان چاروں اماموں میں افضل کون امام ہے؟ حضرت امام ابو حنیفہؒ یا امام شافعیؒ؟ اب بحث شروع ہوئی اور بحث نے جنگ و قتال کی صورت اختیار کی چنانچہ ہلاکو خاں کو اسلامی ممالک پر حملہ کی سب سے پہلی ترغیب خراسانیوں کے اسی جھگڑے سے ملی تھی، حنفیوں نے شافعیوں کی ضد میں آکر بلا وا دیا۔ اور شہر کے پھاٹک کھول دیئے جب ہلاکو خاں آگیا اور تاتاریوں کی تلوار چلی تو اس نے نہ شافعیوں کو چھوڑا نہ حنفیوں کو فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ...... (ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۳۶۴) پس اگر آج اس قسم کے تلخ و دل آزار واقعات دہرائے جاتے رہے اور تعصب کے ساتھ دونوں نظریے کی طرح حنفی اہل حدیث کی فرقہ وارانہ مسموم فضا تیار کی جاتی رہی اور دعوت کو بھی مادی کاروبار کی طرح حصولِ منفعت کا ذریعہ و طلب زر کا ایک مشغلہ سمجھا گیا تو روحانی و اخروی خسارہ کے ساتھ دنیوی یک جہتی و اتحاد باہمی کے رخصت ہو جانے کا خسارہ اور خمیازہ اس پر مستزاد ہوگا یعنی کہ تحقیق مسائل و ترجیح راجح و نصبِ قیام اولہ اور چیز ہے اور تفضیل، تفسیق، تجہیل و تذلیل بالکل دوسری چیز ہے اب اکھاڑہ بازی اور مذہبی دنگل کی نمائش سے فریقین کے علماء کو احتراز و احتیاط کامل لازم ہے

اندکے با تو بگفتم و بدل ترسیدم　که دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

مرتبہ:۔ قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

ماہِ شعبان کا پیغام مسلمانانِ عالم کے نام

مولانا عبدالحئی مجاز اعظمی — خیر آبادی

تمام مذاہب عالم میں صرف مذہب اسلام ہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کے اندر ایک ایسا دستور العمل موجود ہے کہ اگر انسان اس کے مطابق زندگی بسر کرے اور اپنی زندگی کے ہر شعبے کو اسی سانچے میں ڈھالے تو کبھی راہ راست سے ہٹ کر گمراہی کی راہ اختیار نہیں کر سکتا۔ اسلام ایک ابدی اور اٹل قانون ہونے کے لحاظ سے آج بھی ویسا ہی جامع اور مکمل دستور العمل ہے جیسا کہ آج سے پورے چودہ سو برس پہلے تھا جس کے سایہ میں رہ کر مجسم وحشت و بربریت نے تہذیب و تمدن، اخلاق و ادب اور تقویٰ و طہارت کے وہ نمونے دنیا کے سامنے پیش کئے جس کی نظیر سے آج کی پوری اور تمام دنیا عاجز رہے گی، لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں کے سامنے اتنی روشن اور واضح تعلیمات کے ہوتے ہوئے اصحابِ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اسوۂ حسنہ ہوتے ہوئے ائمہ اطہار، اولیائے عظام اور مبصران قرآن و حدیث کے بہترین کارنامے موجود ہوتے ہوئے ان کی قوت علمی و عملی جس قدر کمزور اور ابتر ہوتی جا رہی ہے محتاج بیان نہیں، مسلمان اسلام اور اسلامی تعلیمات کو بالائے طاق رکھ کر اور اس سے منہ موڑ کر جس ذلت و نکبت اور تباہی و بربادی کا شکار ہوتے جا رہے ہیں اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے، حالانکہ خدا کی رحمت کے بادل کبھی سال کے مختلف مہینوں میں، کبھی مہینوں کی مختلف راتوں میں اور کبھی راتوں کے مخصوص گھنٹوں میں ہمارے سروں پر منڈلاتے پھرتے ہیں ہمیں چاہیئے تو یہ تھا کہ ہم خود نمونہ بن کر دنیا کے سامنے آتے اور دنیا والوں کو خدا پرستی کا سبق پڑھاتے مگر جو خود اپنا سبق بھول گئے ہوں دوسروں کو کیا پڑھائیں گے انہیں مخصوص ساعات و ایام میں سے جن کی فضیلت و منزلت ہم لکھ رہے ہیں، شعبان المعظم کا مہینہ ہے۔ یہ اتنی فضیلتوں اور برکتوں والا مہینہ ہے کہ خود حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ شَعْبَانُ شَهْرِي وَرَمَضَانُ شَهْرُ اللهِ یعنی شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان خدا کا مہینہ ہے، آپ اس مہینہ میں بکثرت روزے رکھتے اور عبادت اور خدا کی یاد میں مشغول رہتے حالانکہ کسے معلوم نہیں کہ آپ اللہ کے محبوب تھے، آپ کے اگلے، پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے تھے، آپ معصوم تھے مگر اس کے باوجود آپ شب و روز عبادت کرتے اور خدا کی یاد میں مشغول رہتے تھے حتیٰ کہ پائے مبارک میں ورم آجاتا۔

ذرا اور آگے بڑھ کر دیکھیے کہ اس مہینہ میں ایک رات آتی ہے جو شب براۃ کہلاتی ہے یہ شعبان کی پندرہویں تاریخ کو ہوتی ہے، بڑی سعادتوں اور برکتوں والی رات ہے، یہ رات ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے، بڑا ہی خوش نصیب ہے وہ شخص جو اس رات کی عظمت سمجھ کر اور اس کی قدر و منزلت کا احساس کر کے خدا کی یاد میں مصروف رہے، اس رات میں اللہ تعالیٰ سماء دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے اور بندوں کے گناہ معاف کرنے کے لئے، مریضوں کے مرض کو شفا سے بدلنے کے لئے، غریبوں اور تنگدستوں کو رزق دینے کے لئے بندوں پر اپنی رحم و کرم کی بارش برسانے کے لئے، رنج و الم اور کلفت و غم کے طوفان ہٹا کر راحت و آرام کے جھونکے چلانے کے لئے پکار پکار کر بندوں سے خطاب کرتا ہے۔

أَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ
أَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَأَرْزُقَهُ
أَلَا مُبْتَلًى فَأُعَافِيَهُ
أَلَا كَذَا أَلَا كَذَا حَتّٰى
يَطْلُعَ الْفَجْرُ۔
(رواہ ابن ماجہ)
مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۱۵

کیا ہے میرے بندوں میں کوئی مغفرت چاہنے والا کہ میں اس کے گناہوں کو بخش دوں، ہے کوئی رزق کا طلب کرنے والا کہ میں اس کو رزق عطا کردوں، ہے کوئی مصیبت زدہ بندہ کہ جسے صحت و عافیت عطا کردوں۔ ہے کوئی ایسا اور ویسا یہاں تک کہ صبح صادق ہو جاتی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رات میں مغفرت چاہنے والوں کے گناہ معاف ہوتے ہیں، رزق طلب کرنے والوں کو رزق ملتا ہے، مصیبت زدوں کی مصیبتیں دور ہوتی ہیں، غرضیکہ ہر ایک دعا اس متبرک رات میں مقبول

ی ہے گویا اس رات میں دینوی اور اخروی دونوں فائدے ہیں اور سب سے
، بات تو یہ ہے کہ خدائے تعالےٰ خود اپنے بندوں کو بلاتا ہے۔

ادھر ہمارا حال یہ ہوتا ہے کہ جوں جوں یہ وقت قریب سے قریب تر ہوتا
لے ہماری بے رغبتی اور بے توجہی بڑھتی جاتی ہے اور عین اس وقت میں بجائے
دت کے ہم لہو و لعب میں مشغول رہتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ تو کوئی ثواب حاصل
تا ہے اور نہ ان کاموں سے کوئی نفع ہی ہاتھ آتا ہے، ہاں یہ البتہ ہوتا ہے کہ ہمارے
ت سے روپے اور بہت سے اوقات ان فضول اور بیکار کاموں میں صرف ہو جاتے ہیں

مسلمانوں کو اس نادانی اور اس تجاہل عارفانہ پر شرمانا چاہیئے۔

ردر کائنات) خواجۂ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی پر نظر دوڑائیے
آپ نے اس مہینہ کو اپنا مہینہ فرمانے کے باوجود کیا کبھی ان خرافات میں اپنے
قات ضائع کئے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تاریخ کا ایک
ب ورق الٹ کر دیکھئے اور بتلایئے کہ کیا انہوں نے اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی
ان سب کاموں میں صرف کیا؟

مسلمانو! خواب سے بیدار ہو جاؤ اور اپنے مولائے حقیقی کو پہچانو، پوری
زندگی تو لہو و لعب میں گذار دی کم از کم اس رات میں تو اپنے مولا سے رشتہ
جوڑ لو گناہوں کی مغفرت طلب کر لو، کیا معلوم پھر کا ہی ملاقات کا موقع ملے نہ ملے
اللہ تعالےٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا تہ دل سے شکریہ ادا کرو، اس وجہ سے کہ
اللہ تبارک و تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ
وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ؏

اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کروگے تو وہ اپنی نعمتیں تم پر اور زیادہ
کردے گا اور اگر تم نے کفرانِ نعمت کیا تو یاد رکھو اللہ کا عذاب بہت سخت ہے
جب تک اس نے رسی ڈھیلی کی ہے کی ہے جب اپنا عذاب نازل کرے گا تو کوئی
طاقت ایسی نہیں جو اس کے عذاب سے بچا سکے۔

تاریخ اسلام کا ایک زرّیں ورق

فتح قسطنطنیہ

مولوی محمود الحسن جامعی (فاضل دیوبند۔ متعلم بی اے جامعہ)

دورِ عباسی کے زوال کے بعد قوم میں ایک نئی قوت اُبھرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے جو کچھ ہی عرصہ کے بعد نئی طاقت بن کر دنیا کے نقشہ پر آتی ہے یہ طاقت آلِ عثمان کی طاقت ہے اس عظیم الشان خاندان کے ایک عظیم کارنامہ کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ میری مراد فتح قسطنطنیہ سے ہے۔

قسطنطنیہ کی اہمیت

اگرچہ یہ قدیم شہر اپنی شان و شوکت کو کھو چکا تھا پھر بھی اس کے باوجود بہت سے انسانوں کے لئے روحانی قوت اور قومی عظمت کا مرکز تھا وہ بازنطینی حکومت جس کی حکمرانی کا دائرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا اب سمٹ سمٹا کر قسطنطنیہ اور پاس پڑوس کے علاقوں تک محدود ہوگئی تھی باقی حصہ عثمانیوں نے فتح کرکے اپنے مقبوضات میں شامل کر لیا تھا۔

یہ صورت حال بازنطینی حکومت کے خطرناک انجام کی طرف اشارہ کررہی تھی، عثمانی خلفاء کی نگاہیں جب بھی یورپ کی طرف اٹھتی تھی تو قسطنطنیہ کی سنگین حصاروں سے ٹکرا کر واپس آجاتی تھیں چنانچہ نہ کرا انھیں اس کے فتح کا خیال آتا تھا بالآخر محمد فاتح نے خاندان عثمانی کے اس خواب کو عملی جامہ پہنانے کی ٹھان لی جس کے نقوش ان کے صفحۂ دماغ پر محو نہ ہوئے تھے۔

حملہ کی تیاریاں

محمد فاتح نے عملی طور پر اس کے لئے پر زور تیاری شروع کردی، ادھر یہ تیاری جاری تھی کہ قسطنطین نے کسی بات پر دھمکی دی، اس دھمکی نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا، سلطان کی جنگی تیاریوں میں اور زور شور پیدا ہوگیا اس نے تمام اندرونی بیرونی خطرات کو پہلے ختم کیا پھر آبنائے باسفورس کے یورپی ساحل پر قلعہ تعمیر کروایا، اس تعمیر پر قسطنطین نے سخت احتجاج کیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ان تمام تیاریوں کا مقصد

بلکہ فوراً اعلان جنگ کردیا۔

قسطنطنیہ کی حیثیت

یہ شہر مثلث نما تھا اس کے دو حصے پانی سے گھرے تھے، شمال میں شاخ زریں اور جنوب میں بحر مارمورا تھا، بری فوجیں صرف تیسرے حصے سے حملہ کرسکتی تھیں مگر اس جانب تین زبردست دیواریں اس کی حفاظت کررہی تھیں اندر کی دونوں دیواریں بہت موٹی تھیں ان دیواروں کے درمیان ساٹھ فٹ کا فاصلہ تھا، باہر کی جانب تیسری دیوار کے بیچ میں ساٹھ فٹ چوڑی خندق تھی جو سو فٹ گہری تھی یہ دیواریں پانچویں صدی میں تعمیر کی گئی تھیں، قسطنطنیہ کی فتح کے لئے ضروری تھا کہ ان دیواروں پر کامیاب گولہ باری کی جائے۔ اسی خیال سے محمدؒ نے نہایت عظیم الشان توپیں بنوائیں جو اپنی جسامت اور طاقت کے لحاظ سے بے نظیر تھیں، توپوں کی تعمیر میں ہنگری کے ایک عیسائی نے مدد کی تھی محمدؒ نے اس محاصرہ کے لئے ایک سو اسی جہازوں کا بیڑا تیار کرایا تھا وہ خود بھی اس میں ہمہ تن شریک تھا۔

مدافعت کی تیاریاں

شہنشاہ قسطنطین بھی مدافعانہ تیاری میں ہمہ تن مشغول تھا۔ شہر کی دیواروں کی بھی مرمت کرائی، سامان رسد اکٹھا کیا اپنے مخالفوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے اس نے اپنے تمام قدیم مذہبی اختلافات اور جھگڑوں کو بھلا دیا حتیٰ کہ اپنی ... بھی اس نے کھو دی اور کلیسائے روما میں اپنے آپ کو مدغم کردیا، مگر ان تمام قربانیوں کے باوجود اسے خاطر خواہ امداد نہ مل سکی، مغربی یورپ کی تمام ریاستوں نے تو امداد بھیجی نہ گروہ تا ہنوز جنیوا والوں کو مدد کے لیے ... کافی نہ تھی تاہم ... جاہ و جلال کا پرانا خیال اس نے قسطنطین کو آمادۂ پیکار کردیا اس کے لئے کوئی

حملہ آور ہوا۔ یونانیوں نے اس محاصرہ میں زبردست شجاعت و قوت کا مظاہرہ یا۔ بحری جنگ کبھی کبھی ہو جایا کرتی تھی ان جھڑپوں میں جسٹینانی نے بڑی صحت مظاہرہ کیا ایک بار انھوں نے عثمانی بیڑے کو شکست دی جس سے محصورین ، اوپر اچھا اثر پڑا انھیں زندگی کی نئی کرن نظر آئی اور ایک نئی روح پیدا ہوگئی سری طرف محمد نے بحری بیڑہ کے لئے ایک نئی تدبیر سوچی۔ محمد کو یقین تھا کہ سفورس کے اس حصے میں جہاں پانی گہرا ہے عیسائیوں کے بیڑے کو نہیں رایا جا سکتا تھا کیونکہ انکے جہاز نسبتاً زیادہ اونچے تھے، چنانچہ اس کے ذہن ں ایک نئی تجویز آئی اس نے محسوس کیا کہ بندرگاہ کے بالائی حصہ میں اپنی کشتیوں منتقل کردینا چاہیئے اگر وہاں تک سمندری راستہ سے پہنچنا سخت دشوار تھا۔ ں دشواری کو اس نے اس طرح حل کیا کہ باسفورس سے قسطنطنیہ تک دس میل ہاڑی لکڑی کی سڑک بنوادی اور انھیں چربی سے خوب چکنا کردیا ایک ہی ات میں اسی کشتیاں ریلوں سے کھچوا کر بندرگاہ کے اس حصہ تک پہنچادیں۔ سلطان کا یہ کارنامہ اس کی بے مثال ذہانت اور آہنی عزم و استقلال کی ثانی مثال ہے اب تک یہ حصہ بالکل محفوظ تھا لیکن ان کشتیوں کے پہنچ جانے ے یہ بھی حملہ کی زد میں آگیا۔ مجبور ہو کر قسطنطین کو اپنے دفاعی دستے ادھر بھی بھیجنے پڑے اور قوت منتشر ہوگئی جنگ کا سلسلہ برابر جاری رہا دونوں جانب ابر حملے ہو رہے تھے۔

عثمانی حملوں اور گولہ باری سے دیواروں میں شگاف پیدا ہوگئے تھے۔ ب عثمانیوں کو یقین ہوگیا کہ فتح کی کنجی انھیں کے ہاتھوں میں جلد ہی آنے والی ہے ہانچہ محمد نے قسطنطین کو پیغام بھیجا کہ اگر وہ شہر کو سپرد کردے تو رعایا کی ن و مال کی حفاظت کی جائے اور موریا کی حکومت اسے دیدی جائے مگر قسطنطین س پر راضی نہ ہوا چنانچہ آخری حملہ کا اعلان کردیا گیا اور اس کے لئے ۲۹ مئی کی اریخ بھی مقرر کردی گئی۔

قسطنطین کی شکست

۲۹ مئی کی رات کو عثمانیوں نے خوب تیاری کی سپاہیوں کو خصوصی ہدایات دی گئیں۔ صبح ہوتے ہی حملہ شروع ہوگیا تمام سمتوں سے گولہ باری ہو رہی تھی زیادہ تر ور اس حصہ پر تھا جو سینٹ رومانس کے قریب تھا وہاں گولہ باری نے دیوار کو الکل چھلنی چھلنی کردیا تھا مگر عثمانیوں کی شدید یلغار کے باوجود کوئی بھی اندر جا سکا کیونکہ یونانی بڑی بے جگری سے مزاحمت کر رہے تھے قسطنطین اور اس کے ساتھیوں نے اس دن جرأت و استقلال کی عجیب و غریب مثالیں پیش کیں مگر محمد اپنے تازہ دستوں کو لیکر آگے بڑھا یونانی اس وقت لڑتے لڑتے خستہ ہو چکے تھے ان کے عظیم بہادر سردار جسٹینانی کو اسی عالم میں ایک زخم لگا جس سے وہ میدان چھوڑنے پر مجبور ہوگیا ایسے نازک موقع پر اس کا میدان چھوڑ دینا یونانیوں کے لئے بہت ہی صورت شکن ثابت ہوا ان کے حوصلے جواب دینے لگے مگر قسطنطین نے موقع پر پہنچ کر خود کمان سنبھال لی مگر ترکی کی تازہ فوج کے ہمت شکن حملوں کو کون روک سکتا تھا، ان کا ایک سردار آغا حسن تیس ساتھیو کو لے کر دیوار پر چڑھ گیا اگرچہ اس کے اٹھارہ ساتھیوں کو مار گرادیا گیا لیکن باقی کامیاب رہے اس کے بعد ترک دستے یکے بعد دیگرے پہنچ گئے، یونانیوں کے لئے اب کوئی امید باقی نہ تھی، اس وقت قسطنطین نے اپنی شاہی سرخ عبا بھی اتار دی اور ترکوں کے بڑھتے ہوئے طوفان میں گھس کر جان دیدی۔

ترکوں کا داخلہ

چند گھنٹوں میں ترک دستوں سے پورا شہر بھر گیا۔ شروع میں ترکوں نے قتل و غارتگری کی راہ اختیار کی مگر تھوڑی ہی دیر بعد انھوں نے جوش پر قابو پالیا، شہریوں نے مزاحمت نہیں کی، ظہر کے وقت محمد فاتح اپنے امراء و اراکین سلطنت کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ سینٹ صوفیا کے گرجے کے سامنے گھوڑے سے اترا اور اس عالیشان معبد میں داخل ہو کر خدائے واحد کے سامنے سجدۂ شکر بجالایا، اس عالی شان معبد میں جہاں گیارہ سو سال سے تین خداؤں کی پرستش ہوتی تھی، خدائے واحد کی تقدیس و تہلیل کا نعرہ گونجنے لگا۔

فتح کے دوسرے روز محمد نے شہر کا جائزہ لیا جب وہ قیصر کے شاہی محل کے سامنے پہنچا تو اس کی تباہی و بربادی پر بے اختیار یہ شعر اس کی زبان پر آگیا[۵]

پردہ داری می کند در قصر قیصر عنکبوت

بوم نوبت می زند بر گنبد افراسیاب

اس زمانے کے دستور جنگ میں یہ شامل تھا کہ فاتح مفتوح کی جان و مال سب کا مالک ہوتا تھا۔ تاہم سلطان محمد فاتح نے مفتوحین کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی۔ ایک یوروپین مورخ بھی عربی زبان سے یہ اعتراف ان الفاظ میں کرتا ہے اگرچہ سلطان اور اس کے سپاہیوں نے مظالم کئے۔ اور یونانیوں کی پوری جماعت پر نہایت سخت مصیبت ٹوٹ پڑی تاہم یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فتح قسطنطنیہ کے موقع پر ایسی نفرت انگیز بدمستیوں کا مظاہرہ ہوا جیسی ۱۲۰۴ء میں دیکھی گئی تھی جب کہ محاربین صلیبی نے اس پر قبضہ کیا تھا داخلے کے ابتدائی چند گھنٹوں بعد اس موقع پر کوئی قتل عام نہیں ہوا۔ آتش زنی بھی زیادہ نہیں ہوئی، سلطان نے

گرجاؤں اور دوسری عمارتوں کو محفوظ رکھنے میں پوری کوشش کی، اور وہ اس میں کامیاب رہا (ماخوذ دولتِ عثمانیہ)

محمد نے اس عظیم شہر کو فتح کرنے کے بعد جس رواداری، بے تعصبی، اور فراخدلی کا ثبوت دیا وہ واقعی تاریخ اسلام کا روشن کارنامہ ہے، اس نے سب سے پہلے مکمل امن کا اعلان کیا، جو عیسائی بھاگ گئے تھے انھیں واپس آنے کی دعوت دی، ان کی جان ومال کی حفاظت کا ذمہ لیا، اس کے بعد یونانی بطریق کو از سرنو اس کے عہدہ پر مامور کیا اور کلیسا کی سرپرستی قبول کی چنانچہ ایک خاص فرمان کے ذریعے بطریق کی ذات کو محترم قرار دیا نیز اس کلیسا کے تمام عہدہ داروں کو ٹیکس سے بری کردیا، یونانیوں کے نصف گرجے واپس کردیئے انھیں مذاہبی رسوم ادا کرنے کی پوری آزادی دی گئی اس کی بھی اجازت تھی کہ وہ اپنے قومی معاملات اپنی ملّی عدالتوں سے طے کرلیا کریں، ان کے شادی بیاہ وراثت وغیرہ کے قوانین کو اسی طرح انھیں کے ہاتھوں میں دے دیا. ڈی یوربیا مورّخ محمد کی رواداری پر اس طرح تبصرہ کرتا ہے: "محمدؐ کی یہ عظیم الشان رواداری اس عہد کی مسیحی یورپین حکومتوں کی سیاسی اخلاقیات سے بہت آگے تھی. اہل اسپین نے ان مسلمان موروں کو جنھوں نے اپنے گرفتار کرنے والوں کا مذہب اختیار کرنے سے انکار کردیا تھا، ان کے ملک سے نکلتے وقت اس کے نمونہ پر عمل نہیں کیا... یونانیوں یا قسطنطنیہ کے دوسرے باشندوں کو ترغیب یا جبر سے مسلمان بنانے کی کوشش نہیں کی گئی" (ماخوذ دولت عثمانیہ)

پروفیسر آرنالڈ اسی واقعہ پر یوں تبصرہ کرتے ہیں: "سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے اور شہر میں امن ہونے کے بعد پہلا انتظام یہ کیا کہ خود یونانی کلب کا حامی اور سرپرست بنا تاکہ عیسائی اس کی اطاعت قبول کریں، گنا دیوس کو جو ترکوں کی فتح کے بعد قسطنطنیہ کا پہلا بادشاہ ہوا اس نے اپنے ہاتھوں سے وہ عصا عنایت کیا جو اس کے منصب کا نشان تھا اور ایک جس میں ایک ہزار اشرفیاں تھیں اور ایک گھوڑا جس پر بہت تکلف کا سامان تھا اس کو دیا. آگے چل کر لکھتا ہے بطریق اور اس کی مجلس کو پورے اختیارات مذہب اور مذہبی انتظام کے بارے میں حاصل

(دولت عثمانیہ)

ان تمام واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ترکوں نے فتح کے نشہ میں چور ہوکر کوئی حرکت نہیں جو انکے معاصر قوموں کی انگشت نمائی کا سبب بنجاتی، اس زمانے کی متمدن قوموں کے مقابلہ میں عثمانی ترکوں نے اپنے کردار سے وہ نمونہ پیش کیا جس سے دوسری عاری تھے، دراصل ترکوں کی افتادِ طبع کا اس میں اتنا زیادہ دخل نہیں جتنا اسلام کی تعلیمات اور احترام انسانیت کا وہ جذبہ تھا جو اسلام انسانوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے اور جس کا مظاہرہ مسلمانوں نے ہر زمانے ملک میں بڑی ... کیا ہے. ان اخلاقی صفات کی اہمیت ایک مسلمان کے لئے ہر لمحہ اور ہر زمانہ

:- (مولانا نجم الدین صاحب احیائی) :-

فاتح ایران کا اسلام

حضرت سعدؓ قدیم صحابی ہیں، یہی وہ ذات ہے جس کو دُنیا فاتح ایران کہتی ہے، جس کی شجاعت و بسالت نے رستم ایمان دکھائے.. جس کے تدبر و تفکر نے ایرانی فوجوں کو شکستِ فاش دی، جن کی تنظیمی قابلیت نے کوفہ جیسا شہر آباد کیا، آپ کی کتابِ اخلاق کے خشیتِ الٰہی، محبتِ رسول، زہد، تقویٰ، بے نیازی اور خاکساری سب سے زیادہ روشن ابواب ہیں۔

آپ بھی اسلام اس وقت لائے جب مکہ مسلمانوں کے لئے جہنم بنا ہوا تھا، چند لوگ تھے جو حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے، ان میں سے بعض چھپے ہوئے تھے لیکن جو ظاہر تھے ان پر عرصۂ حیات تنگ تھا، آپ نے مشرکین کے خوف سے مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے سے اسلام کا اعلان نہ کیا، لیکن اس کے باوجود ابتلاء و آزمائش سے نہ بچ سکے، آپ کی ماں کو آپ کے اسلام کی خبر ہوئی، بگڑ گئیں، بات چیت بند کر دی، اور خورد و نوش چھوڑ بیٹھیں، ایک مسلمان اپنی ماں کا فرمانبردار ہوتا ہی ہے، حضرت سعدؓ اسلام سے مشرف ہونے سے پہلے بھی اپنی ماں کی عزت کرتے تھے، ان کے حکموں کو ٹالنا ان کے لئے ممکن نہ تھا اب سخت موقعہ آچکا تھا کیونکہ ماں نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک سعد اسلام نہ چھوڑ دیں گے میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی نہ ان سے بات کروں گی. اور دوسری طرف اطاعت خدا اور رسول دامن کھینچ رہی تھی، مے توحید کا نشہ رگ و ریشہ میں اثر کر چکا تھا، ایک کشمکش تھی جس سے نجات کی کوئی صورت بظاہر نظر نہ آتی تھی، اگر ماں کی محبت کو ترجیح دیتے تو ایک بیش بہا نعمت سے محروم رہ جاتے، اور اگر اسلام پر قائم رہتے تو ماں کی ناراضگی مول لیتے اور ممکن تھا کہ ماں اس صدمے میں عالم آخرت کی طرف چل بسے. لیکن باوجود اس کے آپ ثابت قدم رہے، قدم میں لغزش نہ آئی، ماں تین دن تک بے آب و دانہ رہی، لیکن وہی لڑکا جو اطاعتِ مادر کو سب سے قیمتی چیز سمجھتا تھا، خدا کی اطاعت میں اتنا سرشار نکلا کہ اس کی توجہ بھی اس جانب نہیں ہوتی، خدا کو یہ چیز اس قدر بھائی کہ اسے ہلالی اخلاق کا ایک عنوان قرار دیدیا گیا. چنانچہ فرمایا گیا:-

وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا — اگر والدین تم کو میرے ساتھ شرک پر مجبور کریں جن کا کوئی علم و یقین تیرے پاس نہیں ہے تو ان کی اطاعت چھوڑ دے۔

آپ اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے. لیکن وہ کب تک چھپایا جاتا. آخر کھل کے رہا. ایک دن چند مسلمانوں کو لے کر ایک پہاڑ کی وادی میں نماز ادا کر رہے تھے کچھ بدکردار کفار گذرے، ان کی نظر رسالت کے ان پروانوں پر پڑی. جو اپنے مالک کے روبرو سجدہ ریز تھے، ان کی رگ شیطنت پھڑک اٹھی، انھوں نے مذاق اڑانا شروع کر دیا. حضرت سعد نماز سے فارغ ہو گئے، مشرکین کی اشتعال انگیز باتیں سُن رہے تھے اور برداشت کر رہے تھے. لیکن مشرکین اپنی زبان درازی سے باز نہ آئے یہاں تک کہ انھوں نے اسلام اور ناموس رسالت پر حملہ شروع کر دیا اب قوت برداشت باقی نہ تھی، اونٹ کی ایک ہڈی وہیں پڑی تھی، لپک کر اٹھا لی اور ایک مشرک کے سر پر دے ماری جس سے اس کا سر پھوٹ گیا، اسلام کی حمایت میں یہ پہلی خونریزی تھی جو حضرت سعدؓ کے ہاتھوں عمل میں آئی [۱]

جنگ احد میں انھوں نے نمایاں کارنامے انجام دیئے، آپ بھی ان جاں نثاروں میں سے ہیں جو شمع رسالت کے ارد گرد گھمسان کی جنگ میں بھی ارد گرد منڈلاتے رہے، آپ اچھے تیر انداز تھے اور اس میں کمال رکھتے تھے اس لئے کہ جب نرغہ ہوا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے ترکش سے تیر دیتے جاتے اور فرماتے یا سعد! اِرْمِ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ

[۱] اسد الغابہ ج ۲

انهم فداك ابي وامي — یعنی اے سعد تیر چلا، میرے باپ و ماں تم پر فدا ہوں۔

زدوکوب پر بھی اتباعِ باطل سے انکار

سعید بن زید ایک مشہور صحابی ہیں، زہد و تقویٰ کے گلشن اخلاق کے شگفتہ اور نمایاں پھول ہیں، یہ ایک ایسے باپ کے نورِ نظر تھے جو دورِ جاہلیت میں ہی اہلِ مکہ کی بت پرستی سے بیزار ہو چکے تھے، جنھوں نے کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگا کر کہہ دیا تھا کہ اے اہلِ مکہ! تم میں سے کوئی ملتِ ابراہیم پر قائم نہیں ہے۔ صرف میں ہوں، جو دینِ حنیف پر کچھ نہ کچھ عامل ہے، سعیدؓ اسی دیندار اور روشن ضمیر باپ کے فرزند دلدار رہے ہیں۔

اسلام کا آفتاب جب افقِ مکہ سے طلوع ہوا تو حضرت سعیدؓ بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے، ان کی بیوی بھی نیک بخت تھی اس نے بھی اسلام کے جواہر اپنے دامن میں سمیٹ لئے اور زیورِ اطاعت سے آراستہ ہو گئی، یہ حضرت عمرؓ کی بہن تھیں۔ عمرؓ ابھی دولتِ اسلام سے سرفراز نہیں ہوئے تھے، بلکہ اسلام اور داعیِ اسلام کے انتہائی دشمن تھے۔ بہنوئی کے تبدیلِ مذہب کا حال سنا، غصہ سے بھر گئے اور بے ساختہ دوڑے اور اپنی بہن کے دروازہ کے قریب پہونچ گئے دروازہ کھٹکھٹایا، بہن اندر تھی، ابن ارقم اور حضرت سعیدؓ قرآن پاک کی تعلیم و تعلم میں مشغول تھے، ابن ارقمؓ جلد ایک گوشہ میں روپوش ہو گئے اس کے بعد حضرت عمرؓ کی بہن نے دروازہ کھولا، اندر داخل ہوئے اور میاں بیوی کو سخت سست کہا اور حضرت سعیدؓ کو خوب مارا مارتے اور کہتے کہ اسلام سے توبہ کرو ورنہ ختم کر ڈالوں گا، لیکن وہ اس قدر اسلام پر جم چکے تھے کہ ٹس سے مس نہ ہوتے، حضرت عمرؓ مارتے رہے، ان کا بدن لہولہان ہو گیا۔ ان کی بہن نے روکا تو ان کو بھی حضرت عمر نے مارا۔ لیکن وہ اللہ کی بندی بھی غضب کی تھی، انتہائی دلیرانہ انداز میں فرمایا عمر چاہے جتنا مارو لیکن ہم اسلام سے پھر نہیں سکتی۔ عمر کا اتنا سُننا تھا کہ عمر کی عقل کے پردے ہٹ گئے اور حضرت عمر مارنے سے رُک گئے اور دلچسپ چیز یہ ہے کہ یہی واقعہ حضرت عمر کے اسلام لانے کا سبب بنا۔[1]

راہِ خدا میں باپ کا قتل

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جن کو دنیا فاتحِ شام کہتی ہے، اسلام کی تاریخ ان کے کارناموں سے بھری ہے، ماضی کا مورخ اسلام کے اس مایۂ ناز فرزند کو فراموش نہیں کر سکتا۔ دنیا میں بہت سے فاتح آئے اور بہتوں نے سپہ سالاری کی لیکن جس قابلیت وصلاحیت کا ثبوت ابوعبیدہؓ نے دیا شاید ہی کوئی ایسا کر سکے، اتنے عظیم الشان منصب پر ہوتے ہوئے بھی انتہائی نرم خو، منکسر المزاج اور سادگی کے پیکر تھے۔

یہ اسلام اس وقت لائے جبکہ مکہ کا ہر ہر فرد مسلمانوں کو کاٹ کھانے کے لئے تیار تھا، مکہ کی سوسائٹی میں سب سے بڑا سنگین جرم خدا کی وحدانیت اور محمد رسول اللہ کی رسالت کا اقرار تھا، مصائب کی انتہا ہو گئی تھی، کفار ان پر پل پڑے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے، برداشت نہ کر سکے، ان کو اجازت دیدی کہ ہجرت کر جائیں چنانچہ یہ حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے، جہاں بہت سے مسلمان پناہ گزیں ہو چکے تھے، کچھ دنوں کے بعد حبشہ سے لوٹے تب بھی مسلمانوں کے لئے قید خانہ سے کم نہ تھا، جہاں چند منٹ گذارنا مشکل تھا، بالآخر مکہ میں نہ رک سکے اور مدینہ تشریف لے گئے، لیکن مشرکین نے وہاں بھی مسلمانوں کو چین نہ لینے دیا۔ جس کے نتیجہ میں جنگِ بدر واقع ہوئی، مسلمان کل تین سو تیرہ اور مشرکین کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ تھی، مقابلہ ہوا۔ ابوعبیدہؓ بھی اس معرکہ میں شریک تھے، عجب اتفاق ہے کہ جنگِ بدر میں ایک طرف بیٹا تو دوسری طرف باپ تھا، ایک طرف بڑا بھائی تو دوسری طرف چھوٹا بھائی تھا، مشرکین کی جانب سے ابوعبیدہؓ کے والد بھی لڑنے آئے تھے وہ بھی اسلام اور داعیِ اسلام کے سخت دشمن تھے انھیں اپنے بیٹے کا اسلام ایک نظر بھی نہ بھاتا تھا، چنانچہ انھوں نے تاک تاک کر اپنے جگر کے ٹکڑے کو نشانہ بنانا چاہا، حضرت ابوعبیدہؓ تھوڑی دیر تک برداشت کرتے رہے لیکن غیرتِ اسلامی جوش میں آئی، پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا، نسبی تعلقات اسلامی تعلقات کے مقابلہ میں ہیچ معلوم ہونے لگے، اب وہ اپنے باپ کو باپ ہونے کی وجہ سے چھوڑنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ دین کے بارے میں باپ کی محبت بے معنی شے ہے چنانچہ دلیری سے آگے بڑھے اور ایک ہی ہاتھ میں ان کا کام تمام کر دیا، درحقیقت یہ والہانہ جوش اور سچی مذہبی وارفتگی کی ایک نہایت بے مثال مثال تھی، فرشتوں نے مرحبا کہا، اور قرآن نے بھی اس بے مثال قربانی پر مہر ثبت کر دی۔

اقوالِ زرّیں

(۱) اپنے بڑوں کا ادب کرو۔ چھوٹوں سے پیار کرو۔
(۲) تمام دُنیا کے انسان بھائی بھائی ہیں سب سے محبت کرو۔
(۳) پڑوسیوں کے حق ادا کرو
(۴) اپنے اخلاق کو وسعت دو۔

[1] اسد الغابہ ج ۴

اِرْمِ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ　　یعنی اے سعد تیر چلا، میرے باپ و ماں تم پر فدا ہوں۔

زدوکوب پر بھی اتباع باطل سے انکار

سعید ابن زید رض ایک مشہور صحابی ہیں، زہد و تقویٰ ان کے گلشن اخلاق کے شگفتہ اور نمایاں پھول ہیں، یہ ایک ایسے باپ کے نور نظر تھے جو دور جاہلیت میں ہی اہل مکہ کی بت پرستی سے بیزار ہو چکے تھے، انھوں نے کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگا کر کہہ دیا تھا کہ اے اہل مکہ! تم میں سے کوئی ملت ابراہیم پر قائم نہیں ہے۔ صرف میں ہوں، جو دین حنیف پر کچھ نہ کچھ قائم ہے، سعید رض اسی دیندار اور روشن ضمیر باپ کے فرزند ارجمند ہیں۔

اسلام کا آفتاب جب افق مکہ سے طلوع ہوا تو حضرت سعید رض بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، ان کی بیوی بھی نیک بخت تھی اس نے بھی اسلام کے جواہر اپنے دامن میں سمیٹ لئے اور زہد و اطاعت سے آراستہ ہو گئی، یہ حضرت عمر رض کی بہن تھیں۔ عمر رض ابھی دولت اسلام سے سرفراز نہیں ہوئے تھے، بلکہ اسلام اور داعی اسلام کے انتہائی دشمن تھے۔ بہنوئی کے تبدیل مذہب کا حال سنا، غصہ سے چور ہو گئے اور بے ساختہ دوڑے اور اپنی بہن کے دروازہ کے قریب پہونچ گئے دروازہ کھٹکھٹایا بہن اندر تھی، ابن ارقم اور حضرت سعید رض قرآن پاک کی تعلیم و تعلم میں مصروف تھے ابن ارقم رض جلد ایک گوشہ میں روپوش ہو گئے اس کے بعد حضرت عمر رض کی بہن نے دروازہ کھولا، اندر داخل ہوئے اور میاں بیوی کو سخت سست کہا اور حضرت سعید رض کو خوب مارا مارتے اور کہتے کہ اسلام سے توبہ کرو ورنہ ختم کر ڈالوں گا لیکن وہ اس قدر اسلام پر جم چکے تھے کہ ٹس سے مس نہ ہوتے، حضرت عمر رض مارتے رہے، ان کا بدن لہو لہان ہو گیا۔ ان کی بہن نے روکا تو ان کو بھی حضرت عمر نے مارا۔ لیکن وہ اللہ کی بندی بھی غضب کی تھی، انتہائی دلیرانہ انداز میں فرمایا عمر! چاہے جتنا مارو لیکن ہم اسلام سے پھر نہیں سکتی، عمر کا اتنا سننا تھا کہ عمر کی عقل کے پردے ہٹ گئے اور حضرت عمر مارنے سے رک گئے اور دلچسپ چیز یہ ہے کہ یہی واقعہ حضرت عمر کے اسلام لانے کا سبب بنا[1]

راہ خدا میں باپ کا قتل

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جن کو دنیا فاتح شام کہتی ہے، اسلام کی تاریخ ان کے کارناموں سے بھری ہے، ماضی کا مؤرخ اسلام کے اس مایہ ناز فرزند کو فراموش نہیں کر سکتا۔ دنیا میں بہت سے فاتح آئے اور بہتوں نے سپہ سالاری کی، لیکن جس قابلیت و صلاحیت کا ثبوت ابو عبیدہ رض نے دیا شاید ہی کوئی ایسا کر سکے، اتنے عظیم الشان منصب پر ہوتے ہوئے بھی انتہائی نرم خو، منکسر المزاج اور سادگی کے پیکر تھے۔

یہ اسلام اس وقت لائے جبکہ مکہ کا ہر فرد مسلمانوں کو کاٹ کھانے کے لئے تیار تھا، مکہ کی سوسائٹی میں سب سے بڑا سنگین جرم خدا کی وحدانیت اور جناب محمد رسول اللہ کی رسالت کا اقرار تھا، مصائب کی انتہا ہو گئی تھی، مکہ آسمان پر بلی پڑے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے، برداشت نہ کر سکے۔ ان کو اجازت دیدی کہ ہجرت کر جائیں چنانچہ یہ حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے، جہاں بہت سے مسلمان پناہ گزیں ہو چکے تھے، کچھ دنوں کے بعد حبشہ سے لوٹے تب بھی مکہ مسلمانوں کے لئے قید خانہ سے کم نہ تھا، جہاں چند منٹ گذارنا مشکل تھا، بالآخر مکہ میں نہ رک سکے، اور مدینہ تشریف لے گئے، لیکن مشرکین نے وہاں بھی مسلمانوں کو چین نہ لینے دیا۔ جس کے نتیجہ میں جنگ بدر واقع ہوئی، مسلمان کل تین سو تیرہ تھے اور مشرکین کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ تھی، مقابلہ ہوا۔ ابو عبیدہ بھی اس معرکہ میں شریک تھے، عجب اتفاق ہے کہ جنگ بدر میں ایک طرف بیٹا تو دوسری طرف باپ تھا، ایک طرف بڑا بھائی تو دوسری طرف چھوٹا بھائی تھا۔ مشرکین کی جانب سے ابو عبیدہ رض کے والد بھی لڑنے آئے تھے وہ بھی اسلام اور داعی اسلام کے متشدد دشمن تھے انھیں اپنے بیٹے کا اسلام ایک نظر بھی نہ بھاتا تھا، چنانچہ انھوں نے تاک تاک کر اپنے جگر کے ٹکڑے کو نشانہ بنانا چاہا۔ حضرت ابو عبیدہ رض تھوڑی دیر تک برداشت کرتے رہے لیکن غیرت اسلامی جوش میں آئی، پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا، نسبی تعلقات اسلامی تعلقات کے مقابلہ میں ہیچ معلوم ہونے لگے، اب وہ اپنے باپ کو باپ ہونے کی وجہ سے چھوڑنا نہیں چاہتے تھے، کیونکہ دین کے بارے میں باپ کی محبت بے معنی شے ہے چنانچہ دلیری سے آگے بڑھے اور ایک ہی ہاتھ میں ان کا کام تمام کر دیا، درحقیقت یہ والہانہ جوش اور سچی مذہبی وارفتگی کی ایک نہایت بے مثال مثال تھی، فرشتوں نے مرحبا کہا۔ اور قرآن نے بھی اس بے مثال قربانی پر مہر ثبت کر دی۔

[1] اسد الغابہ ج ۲

اقوال زرّیں

(۱) اپنے بڑوں کا ادب کرو۔ چھوٹوں سے پیار کرو

(۲) تمام دُنیا کے انسان بھائی بھائی ہیں، سب سے محبت کرو۔

(۳) پڑوسیوں کے حق ادا کرو

(۴) اپنے اخلاق کو وسعت دو۔

Remove the
SHADOW
جی ہاں۔ آپ کی جلد پر اگر
کیل۔ چھائیوں یا داغ دھبوں
کا سایہ ہے۔ تو اسے "صافی"
سے دور کیجئے۔ یہ خون کو صاف
کرتی ہے۔ نظامِ عصبی کو درست
کرتی ہے اور شفّاف خون پیدا
کرکے چہرہ پر سرخی اور شادابی
لاتی ہے۔
صافی
خون صاف کرنے کی
قدرتی دوا
SAFI
THE GREAT
BLOOD
PURIFIER
ہمدرد

ALHARAM Monthly, Meerut. Regd. No. A-440

جلد نمبر ۷ مارچ ۱۹۵۹ء

نمبر ۱ رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ

:- قیمت :-

سالانہ	دو روپے
ممالک غیر میں	پانچ شلنگ
فی پرچہ	تین آنے

:- (التماس) :-

(۱) جن اصحاب کے پاس پرچہ ان کی طلب پر بطور نمونہ پہونچے ان کا فرض ہے کہ وہ خریداری سے متعلق اپنے فیصلہ سے اطلاع کردیں ورنہ انھیں خریدار تصور کیا جائے گا۔

(۲) قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیجیں، دی پی نہیں بھیجا جاتا۔

(۳) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا لفافہ بھیجیں۔

(۴) اپنا پتہ صاف اور انگریزی میں منی آرڈر کے کوپن پر اور خط میں ضرور لکھیں

اور نمبر خریداری ضرور لکھیں

اگر دیئے ہوئے دائرے میں سرخ نشان لگا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے لہذا آئندہ سال جدید ارسال فرمائیں یا اپنے آئندہ ارادے سے مطلع فرمائیں۔

(پاکستان میں قیمت بھیجنے کا پتہ)

منیجر کوثر بک ایجنسی ۱۱ شاہ عالم مارکیٹ لاہور پاکستان

نقش و نگار

سفر حج کے متعلق چند معروضات

سرکاری رپورٹ کی روشنی میں

سفر حج ۱۹۵۸ء سے متعلق، ہندوستانی سفارت خانہ جدہ کی رپورٹ شائع ہوگئی ہے۔ اس رپورٹ میں چند امور کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی گئی ہے۔

(۱) رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ حاجیوں کی تعداد کے لحاظ سے اس سال ہندوستان کا نمبر چوتھا تھا۔ مصر، یمن اور پاکستان علی الترتیب اول، دوم و سوم نمبر پر تھے۔ اول الذکر دونوں ملک حجاز سے قریب ہیں اور انھیں مختلف سہولتیں حاصل ہیں۔ پاکستان میں مسلمانوں کی آبادی ہندوستان کے مقابلہ میں کافی زیادہ ہے وہاں کے حاجیوں کی تعداد زیادہ ہونی ہی چاہیئے۔ لہذا ہندوستان کا تعداد حجاج کے لحاظ سے چوتھا درجہ ہونا ناقابل اطمینان نہیں۔ تاہم اگر سفری سہولتیں مزید بہم پہنچائی جائیں تو ہندوستان کا اس میدان میں پاکستان سے بازی لے جانا بھی مشکل نہیں۔ بفضلہ تعالیٰ یہاں حاجیوں کا کوٹہ سرکار کی طرف سے مقرر نہیں کیا جاتا۔ ہر شخص زیارت حرمین کا شوق پورا کرسکتا ہے۔ مگر دقت یہ ہے کہ حسب ضرورت حاجیوں کے لئے بحری جہازوں کا انتظام نہیں ہے۔ حجاج کی قسمت مغل لائن کے کارپردازوں کے ہاتھ میں ہے وہ رمضان سے قبل ہی جگہ کے ختم ہوجانے کا اعلان فرمادیتے ہیں اور مشتاقان دیار حبیب اپنی محرومی قسمت پر آنسو بہاتے رہ جاتے ہیں۔ اگر "مغل لائن" حاجیوں کے لئے مناسب تعداد میں جہازوں کا بندوبست نہیں کرسکتی۔ تو کسی دوسری کمپنی کو میدان میں لانا چاہیئے۔ ارباب ثروت مسلمانوں کو بھی اس کام کی طرف توجہ کرنی چاہیئے جو یہم خرما و ہم ثواب ہے۔

(۲) دوسری بات رپورٹ میں یہ بتائی گئی ہے کہ "جن ہندوستانیوں کو سفر حج میں دشواریوں کا سامنا ہوا وہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ مادری زبان کے سوا دوسری زبان (عربی) نہیں جانتے تھے۔ البتہ اردو داں حاجیوں کو نسبتہً کم دقت ہوئی۔ عربی زبان مسلمانوں کی بین المللی زبان ہے۔ قرآن و حدیث کی زبان ہے۔ اسی زبان میں ان کے علوم و فنون کے خزانے محفوظ ہیں۔ یوں بھی ہر کلمہ گو کو عربی زبان سیکھنی ہی چاہیئے۔ امام شافعیؒ نے تو بقدر ضرورتِ دینی، عربی زبان سیکھنا فرض قرار دیا ہے۔ اور امام احمد حنبلؒ نے ارشاد فرمایا ہے۔ مَنْ يُحْسِنُ أَنْ يَتَكَلَّمَ بِالْعَرَبِيَّةِ فَلَا يَتَكَلَّمُ بِالْعَجَمِيَّةِ (اقتضاء الصراط المستقیم) جو شخص اچھی طرح عربی بول سکتا ہے اسے دوسری کسی زبان میں بات نہیں کرنی چاہیئے۔ تو کیا اچھا ہو کہ جب مسلمان سفر حج کا ارادہ کریں وہ اس موقعہ پر تھوڑی بہت عربی زبان بھی سیکھ لیا کریں۔ اردو میں کئی اچھی کتابیں ایسی تیار ہوگئی ہیں۔ جن کی مدد سے آسانی کے ساتھ چند ہفتوں میں بقدر ضرورت عربی سیکھی جاسکتی ہے۔ اس طرح ایک مستقل دینی ضرورت بھی پوری ہوجائے گی اور سفر حج میں بھی کسی دشواری کا سامنا نہ ہوگا۔

تاہم اگر عربی زبان سے واقفیت کا موقعہ نہ مل سکے تو اردو بھی بڑی حد تک مفید ثابت ہوسکتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عالم اسلامی کی زبانوں میں عربی کے بعد اردو ہی

کا درجہ تسلیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ حجاز مقدس میں اہم سرکاری اعلانات اس زبان میں بھی سنائے جاتے ہیں۔ اور معلمین و مجاورین و تجار وغیرہ بھی تھوڑی بہت اس زبان سے واقفیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا جن ہندوستانیوں کی زبان اردو نہیں ہے۔ وہ عربی کے بدل کے طور پر اس زبان کو سیکھ کر بہت کچھ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

(۳) رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ "سفر حج کے لئے خشکی کا راستہ اختیار کرنے سے روکنا چاہیئے۔ عام حاجیوں کیلئے بری راستہ خطرناک، غیر محفوظ اور تکلیف دہ ہے" یہ بھی ایک اہم اور قابل توجہ بات ہے۔ گزشتہ سال متعدد مقامات میں بعض غیر ذمہ دار لوگوں نے خشکی کے راستہ سفر حج کے انتظام کے اعلانات جاری کر دیئے تھے کہ سات آٹھ سو روپے میں حاضری حرمین شریفین کے علاوہ بیت المقدس، کربلائے معلی، بغداد شریف وغیرہ مقامات مقدسہ کی زیارت کرانے کی بھی ذمہ داری لی (قانونی اور انتظامی ناقابل عبور دقتوں کی وجہ سے وہ اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں ناکام رہے۔ بلکہ سنا گیا ہے کہ حاجیوں کو بصرہ لے جا کر چھوڑ دیا گیا۔ اور وہ سخت ترین تکلیفیں اٹھا کر اور اپنی ساری عمر کی کمائی گنوا کر با دل بریاں و چشم گریاں واپس آ گئے۔ بہرحال اس سال حجاج کو اس چکر میں نہ پڑنا چاہیئے۔ بلکہ خود حکومت کو اس سلسلہ میں قانونی پابندی عائد کر دینی چاہیئے۔

(۴) آخری اہم دلچسپ مگر افسوسناک بات حاجیوں کی تقسیم ہے۔ رپورٹ میں حجاج کو تین گروپس میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) متقی حاجی، جو محض ثواب آخرت اور رضائے خداوندی حاصل کرنے کے لئے حج کرتے ہیں۔ (۲) وہ حاجی جو بغرض تجارت حج کرتے ہیں۔ (۳) وہ حاجی جو نفع کے لئے ہر سال حجاج کے قافلوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔

حج اسلام کے ارکان خمسہ میں سے ایک رکن ہے۔ یہ خاندان ابراہیم (علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام) کی راہ حق میں جان ومال کی قربانی کی یادگار ہے۔ یہ سفر تو سراسر مخلصانہ ہی ہونا چاہیئے۔ یہ تسلیم کہ سفر حج میں تجارت ممنوع نہیں، مگر تجارت ہی کے مقصد سے حج کرنا تو کسی طرح صحیح نہیں قرار دیا جا سکتا۔ جو لوگ سفر حج کے بہانے تجارت کرتے ہیں وہ اس مقدس سفر کی توہین بھی کرتے ہیں۔ اور دونوں حکومتوں کو کسٹم کے قوانین کی خلاف ورزی کر کے دھوکہ بھی دیتے ہیں۔

اسی طرح کچھ لوگوں نے معلموں کی دلالی کو اپنا پیشہ بنا لیا ہے۔ یہ لوگ طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر، ناواقف حاجیوں کو نالائق معلموں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ معلم اپنی فیس وصول کر لیتے ہیں اور یہ ایجنٹ اپنا کمیشن، اور حاجی مسافرت و غربت کے عالم میں ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ رپورٹ میں ان لوگوں کی ہمت شکنی کی اپیل کی گئی ہے ضرورت ہے کہ ہر شہر و قصبہ میں ذمہ دار جماعتیں اور افراد حجاج کی صحیح رہنمائی کریں۔ اور انھیں غلط کار لوگوں کے پھندے میں پھنسنے سے بچائیں۔ اس سلسلہ میں "جمعیۃ علماء" اور "تبلیغی جماعت" کے کارکنوں کو خصوصیت کے ساتھ اپنی ذمہ داری محسوس کرنی چاہیئے۔

اعلان مطابق قواعد رجسٹریشن اخبارات ورسائل

(فارم ۴ رول ۸)

رسالہ کا نام	"الحرم"
مقام اشاعت	قاضی اسٹریٹ۔ مفتی واڑہ۔ میرٹھ
وقفہ اشاعت	ماہوار
پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر کا نام	قاضی زین العابدین سجاد
قومیت	ہندوستانی
پتہ	قاضی اسٹریٹ۔ میرٹھ۔
ملکیت	قاضی زین العابدین سجاد
	قاضی اسٹریٹ میرٹھ

میں قاضی زین العابدین تصدیق کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و یقین کے مطابق صحیح ہیں۔

ساقی

عارف سیالکوٹی

اگرچہ دہر میں مسلم ذلیل و خوار ہے ساقی	مگر پھر بھی شراب ناز سے سرشار ہے ساقی
درِ باطل پہ جھکنے سے ابھی یہ ہچکچاتا ہے	ابھی تک اس میں حق کی قوتِ اظہار ہے ساقی
ابھی تک ہے یقیں اس کا خدا کی ہمیشالی پر	ابھی تک یہ مئے توحید سے سرشار ہے ساقی
ابھی مستِ مئے ایماں، ابھی محوِ عبادت ہے	ابھی تک اس کے لب پر وردِ استغفار ہے ساقی
ابھی تک اس کے دل میں کچھ نہ کچھ خوفِ الٰہی ہے	ابھی در پردہ دل اس کا تجلی زار ہے ساقی
ابھی تک دوسروں کے غم کو اپنا غم سمجھتا ہے	یہ صہبائے اخوت سے ابھی سرشار ہے ساقی
ابھی تک ہمت و فرزانگی بھی اس میں باقی ہے	ابھی اس کا مذاقِ زندگی ہموار ہے ساقی
ابھی تک اس کے دل میں الفتِ شاہِ مدینہ ہے	ابھی تک یہ شریعت کا علمبردار ہے ساقی
ابھی قربان ہو سکتا ہے ناموسِ پیمبر ؐ پر	ابھی مستِ شرابِ جذبۂ ایثار ہے ساقی
ابھی تک اس میں نظم و ضبط بھی ہے عزمِ محکم بھی	ابھی تک یہ حریفِ لذتِ آزار ہے ساقی
علاجِ پستیٔ مسلم ابھی تو عین ممکن ہے	ابھی تو ملتِ کبریٰ حیات آثار ہے ساقی

ہم آغوشِ ثریا پھر مقدر اس کا ہو جائے
فقط اک جنبشِ چشمِ کرم درکار ہے ساقی

الحرم

گمنام بستوی

بعثتِ ختمِ رُسل کا رازداں ہے الحرم	بوستانِ احمدی کا پاسباں ہے الحرم
نطقِ پاکِ سرورِ لولاک کا منادی ہے	وحیِ جبرئیل امیں کا ترجماں ہے الحرم
بوئے ملت سے معطر ہو گئی ساری فضا	عطر بیز و مشکبار، عنبر فشاں ہے الحرم
طالبِ علم و ہنر کرتے ہیں غواصی مدام	گوہرِ یکتا کا بحرِ بیکراں ہے الحرم
ہر نفس پیغامِ حق ہر آن حق کی گفتگو	ملتِ اسلام کی بیشک زباں ہے الحرم
راستی و امن و صلح و آشتی کا مدعی	عدل و انصاف و کرم کا گلستاں ہے الحرم
کیا کروں اے ہمنشیں ذکرِ بہارِ برگِ گل	مختصر یہ ہے کہ بس باغِ جناں ہے الحرم

پا گئے گمنام راہی منزلِ مقصود کو
مشعلِ دینِ حنیفی بیگماں ہے الحرم

"روزہ" کے اسرار و مقاصد

(قاضی زین العابدین سجاد)

ابتداء اسلام میں ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھنے کا حکم تھا، علاوہ ازیں عاشورہ کا روزہ بھی رکھا جاتا تھا ہجرت سے قبل کے واقعات میں کئی جگہ روزہ کا ذکر آتا ہے، مثلاً دربارِ حبشہ میں حضرت جعفرؓ نے اسلام کے جو فضائل بیان کئے ہیں ان میں روزہ کا بھی ذکر کیا۔

سنہ ۲ھ میں رمضان کے پورے مہینے کے روزے فرض کئے گئے اور یہ آیات اتریں يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ان آیات میں چند امور کی وضاحت فرمائی گئی۔

(۱) روزہ دین کے ان بنیادی احکام میں سے ہے جو ہر زمانہ اور ہر ملک میں تمام امتوں میں مشترک رہے ہیں، خدا کے پیغمبر جتنے بھی آئے سب نے اپنی اپنی قوم کو روزہ کا حکم دیا۔ ہاں البتہ جس طرح نماز اور دوسرے احکامِ شریعت کے آداب و شرائط مختلف زمانوں کی مصلحتوں کے پیشِ نظر مختلف رہے ہیں۔ اسی طرح روزہ کے آداب و شرائط میں بھی اختلاف رہا، چنانچہ حضرت معاذ سے مروی ہے کہ پچھلی امتوں میں روزہ تین دن کا ہوتا تھا یا حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ پچھلی امتوں میں روزہ کے دنوں میں نمازِ عشاء کے بعد جب کوئی سو جاتا تھا تو پھر اسے کھانے پینے کی اجازت نہ رہتی تھی، چنانچہ یہی طریقہ ابتداءً اسلام میں بھی کچھ دن تک جاری رہا۔

اسی طرح سورہ مریم میں حضرت مریم کا واقعہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا (پھر اے مریم اگر تو کسی آدمی کو دیکھے تو اشارہ سے کہہ دیجو کہ میں نے آج اپنے خدا کے لئے روزہ مانا ہے لہٰذا کسی انسان سے بات نہیں کروں گی) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں روزہ کی ایک شرط چپ رہنا بھی تھا یا چپ رہنے کی شرط بھی کی جا سکتی تھی۔

بہرحال روزہ، اگرچہ اس کے شرائط و آداب مختلف رہے ہوں، ہر زمانہ میں ہر نبی کی امت کو اس کا حکم دیا جاتا رہا ہے۔

(۲) روزہ کوئی ایسی عبادت نہیں ہے، جسے ادا کرنا مصیبت ہو، بیشک کھانا پینا اور دوسری نفسانی خواہشات کو چھوڑ دینا، نفسِ انسانی پر بار گذرتا ہے مگر یہ بار ایسا نہیں جسے انسان سہار نہ سکے شروع شروع میں کچھ تکلیف ہوتی ہے، جہاں دو چار روز گذرے پھر محسوس بھی نہیں ہوتا چنانچہ ابتداء آفرینش سے خدا کی تمام فرمانبردار قومیں خدا کے اس حکم کی ہنسی خوشی تعمیل کرتی رہی ہیں، پھر اگر روزے کے ان بے شمار فوائد و منافع پر نظر ڈالی جو انسان کو روحانی و جسمانی اعتبار سے، انفرادی و اجتماعی حیثیت سے حاصل ہوتے ہیں تو یہ تھوڑی سی تکلیف کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

(۳) روزہ کے بے شمار فوائد و منافع میں سے اہم ترین فوائد کی طرف لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ (تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو) فرما کر اشارہ فرما دیا گیا۔

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں:-

"تقویٰ کے اصل معنے ہیں نفس کو خوف کی چیز سے بچانا، اصطلاحِ شرع میں تقویٰ کہتے ہیں گناہ کی بات سے نفس کی حفاظت کو"

گویا روزہ کا فائدہ یہ ہے کہ جن باتوں سے تم کو بچنا چاہیئے ان سے بچو اور اس بچنے میں اصل محرک خدا وند جل و علیٰ کا خوف ہو، یہ مقصد روزہ رکھنے سے کس طرح پورا ہو سکتا ہے؟

سنیئے:

(۱) جب خدا کا ایک بندہ محض اپنے آقا و مولیٰ کے حکم کی تعمیل اور اس کی رضامندی کے حصول کے لئے مسلسل ایک مہینہ تک اپنی طبعی اور جائز خواہشوں (بھوک پیاس وغیرہ) کو روکے رکھتا ہے تو اس کے نفس میں یہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ان دنوں اور ان دنوں کے علاوہ سال کے باقی دنوں میں بھی ناجائز اور حرام خواہشوں سے پرہیز کرے اور اپنے آقا کے ان تمام حکموں کی تعمیل کرے جو .... اس نے اپنے کرم .... سے اپنے بندہ ہی کے فائدہ کے لئے اس پر لازم کئے ہیں اور اگر اس راہ میں اسے تکلیفیں، مصیبتیں پیش آئیں تو صبر و شکر کے ساتھ انھیں برداشت کرے۔ اس طرح وہ گناہوں سے بچ کر اپنے نفس کو بھی ہلاکت سے محفوظ رکھے

[illegible] ... [illegible] اختیار کر۔

اور سوسائٹی کو بھی اپنی برائیوں سے مامون بنائے، اسی لئے فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ إِنَّمَا الصَّوْمُ جُنَّةٌ روزہ گناہوں سے بچنے کی ڈھال ہے۔

اور دوسری حدیث میں فرمایا اَلصِّیَامُ نِصْفُ الصَّبْرِ

(روزہ رکھنا نصف صبر ہے) اور جو روزہ ان مقاصد کے حصول کا ذریعہ نہ بنے اس کو مردود قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا کہ جو شخص باطل گفتگو اور اس پر عمل کو نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ شخص اپنا کھانا اور پینا چھوڑ دے"

(بخاری عن ابی ہریرہ رض)

(ب) خواہشات نفسانیہ تمام گناہوں کی بنیاد اور جڑ ہیں اور خواہشات کو شکم سیری سے طاقت و قوت حاصل ہوتی ہے اور بھوک پیاس سے ان میں ضعف و اضمحلال پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا روزہ گناہوں کے سرچشمہ کو بند کر دیتا ہے اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے " شیطان انسان کی رگ رگ میں خون کی طرح دوڑتا ہے، لہٰذا بھوک کے ذریعے اس کی گزرگاہوں کو بند کرو۔" اور دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ " اے نوجوانو، جو تم میں شادی کر سکے وہ شادی کرے کیونکہ شادی نگاہ کو محفوظ رکھتی ہے اور شرمگاہ کا بچاؤ کرتی ہے اور جو نکاح کی طاقت نہ رکھے اسے روزہ رکھنا چاہیئے کیونکہ روزہ اس کے لئے روک ہے۔"

(ج) انسان کی عادت یہ ہے کہ جب تک اس پر خود کوئی مصیبت نہ پڑے وہ دوسروں کی مصیبت کا احساس نہیں کر سکتا، جب ایک شخص خود بھوکا رہے گا تب ہی وہ بھوکوں کی تکلیف کا صحیح احساس کر سکے گا اور ان کی مدد کو تیار ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ جب مصر میں قحط پڑا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے جو وزیر غذا تھے روزے رکھنے شروع کر دیئے تھے، لہٰذا روزہ غریبوں کی حق تلفی سے باز رکھتا ہے اور آدمی میں مصیبت زدوں کی مصیبت اور ضرورت مندوں کی ضرورت کا احساس پیدا کر کے اسے آدمی بناتا ہے۔

(د) روزہ مختلف افراد نسل انسانی میں کامل مساوات کا جذبہ پیدا کرتا ہے کچھ مدت کے لئے فقیروں اور امیروں اور مالداروں کو ایک سطح پر لا کر طبقاتی امتیاز کی دیواریں منہدم کر دیتا ہے اور یہ عملی احساس پیدا کرتا ہے کہ سب انسان ایک ہی آقا کے غلام ہیں، ایک دروازے کے بھکاری ہیں، ایک ہی حکم کے فرمانبردار بھی ہیں۔

(ہ) انسان کی بہترین مرغوبات میں غذائے لذیذ اور تمتع جنسی ہے جو شخص ان دونوں کو چھوڑنے پر قادر ہو جائے گا وہ ذاتی و قومی ضرورتوں کے وقت ان راحتوں کو ٹھکرانے اور بڑی سے بڑی تکلیف کو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرنے کی قدرت حاصل کرے گا، صحابہ کرام نے جہاد کے میدانوں میں صبر و ثبات اور تحمل و استقامت کے جو بے نظیر نمونے دکھلائے وہ روزوں ہی کا ثمرہ تھے۔

(و) قوت ارادی کی مضبوطی دینی و دنیاوی کامیابی کی منزلوں میں بہترین رفیق ہے، جن لوگوں کے ارادہ کی قوت کمزور ہے وہ کامیابی کی بلندی پر کبھی فائز نہیں ہو سکتے، قوت ارادی کو مضبوط کرنے کے لئے روزہ مفید ترین ٹانک ہے، ایک جرمن پروفیسر جیہارسٹنے " تقویتہ ارادہ" کے موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے اس میں اس نے ثابت کیا ہے کہ جسم پر روح کے اقتدار کو قائم کرنے کا اعلیٰ ذریعہ روزہ ہے، روزہ دار کی قوت ارادی کی باگ اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے وہ خود خواہشات نفسانی کا غلام نہیں ہوتا

(ز) لیکن روزہ صرف باطنی بیماریوں ہی سے نہیں بچاتا بلکہ وہ بے شمار ظاہری امراض سے بھی محفوظ رکھتا ہے، تمام ڈاکٹر اور طبیب اس بات پر متفق ہیں کہ بیماری کی اصل اور بنیاد معدہ کا فساد ہے، اگر معدہ کو درست رکھا جائے۔ کم مقدار میں کھانا کھانے کی عادت ڈالی جائے اور کبھی کبھی معدہ کو بالکل صاف کر دیا جائے تو آدمی بیمار نہ ہو، حدیثوں میں بھی روزہ کے اس فائدہ کا ذکر ہے، حضور نے ارشاد فرمایا " کہ ہر شئے کی ایک زکوٰۃ ہے اور بدن کی زکوٰۃ روزہ ہے۔" یعنی جس طرح زکوٰۃ سے مال کا میل کچیل دور ہو جاتا ہے اسی طرح روزہ سے جسم کا مادہ فاسدہ نکل جاتا ہے، ایک دوسری حدیث میں حضور نے ارشاد فرمایا " روزہ رکھا کرو تندرست رہو گے۔"

پھر وہ سمجھئے کہ روزہ دار جو برائیوں اور گناہوں سے بچتا ہے تو صرف اللہ کے واسطے اور اس کے حکم کی تعمیل میں بچتا ہے، کوئی روزہ دار کے پیچھے پیچھے لگا نہیں پھرتا۔ اگر وہ چاہے تو تنہا جگہ جہاں کوئی انسان اسے دیکھتا ہو سب کچھ کر سکتا ہے مگر وہ محسوس کرتا ہے کہ تہ خانہ کی اندھیری میں بھی عالم الغیب والشہادۃ اس سے بے خبر نہیں، یہ احساس رات تاروں میں بھی اسے گناہ سے قریب نہیں آنے دیتا اسی طرح روزہ میں کرنا نہیں بلکہ چھوڑنا پڑتا ہے اس لئے اس کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا، نماز پڑھنے والے کو رکوع و سجود کرتے دیکھ کر ہر شخص جان سکتا ہے کہ یہ نماز ادا کر رہا ہے۔ حج کرنے والے کو طواف و سعی میں مشغول دیکھ کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ حج کر رہا ہے مگر اگر روزہ دار خود ہی ظاہر نہ کرے تو کسی کو اس کے اس عمل کا علم نہیں ہو سکتا اس لئے ایک حدیث میں فرمایا گیا

الصوم لی وانا اجزی بہ (روزہ خاص میرے ہی لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ ہوں) اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ روزہ گناہوں سے بچنے کی ایسی قوت پیدا کرتا ہے۔ جس کے حدود عمل ظاہر و باطن کو حاوی ہوتی ہیں اور ایسی پرہیزگار زندگی کا ڈھانچہ تیار کرتا ہے۔ جس کے رگ و پے میں صدق و اخلاص کی روح جاری و ساری ہوتی ہے

(۴) روزہ کے ان عظیم الشان اور کثیر التعداد فوائد کو دیکھتے ہوئے ہر شخص کو ہر حالت میں ہر قیمت پر اس سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا مگر قربان جائیے اللہ تبارک و تعالے کی شان رحمت کے مزید تسلی کے لئے ارشاد ہوا۔ ایامًا معدودات گھبرانا نہیں گنتی کے چند روز ہیں جو آنکھ جھپکتے گزر جائیں گے۔ دو چار روز نفس پر بار رہے گا پھر محسوس بھی نہ ہوگا چنانچہ مشہور ہے "دہ روز ان، دہ روز ان دہ پایان"

(۵) پھر انسان کی جان کے ساتھ ہر طرح مرض لگا ہوا ہے، اس کی بھی رعایت فرمادی گئی اور یہ سہولت دی گئی کہ جو ایسا بیمار ہو کہ اسے روزہ رکھنا دشوار ہو یا مسافر ہو تو اسے اجازت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور جتنے دن کے روزے ناغہ ہوئے ان کی قضا تندرست ہونے کے بعد دوسرے دنوں میں کر لے، تھوڑے تھوڑے کرکے پورے کرے یا مسلسل فمن کان منکم مریضًا او علٰی سفرٍ فعدۃٌ من ایام اخر۔ پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا مسافر تو وہ ان کی تعداد کو دوسرے دنوں میں پورا کرے۔

اس کے بعد مزید لطف و کرم کا اظہار اس طرح فرمایا گیا۔

وعلی الذین یطیقونہ فدیۃٌ طعام مسکین علامہ عبدہ صاحب المنار نے لکھا ہے اطاقہ کے معنی ہیں "کسی کام کو بمشکل کر سکنا" چنانچہ عرب اطاق الشیٔ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کام بمشکل کیا جا سکتا ہو اور اس کے کرنے میں سخت مشقت اٹھانی پڑتی ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ روزہ رکھنے میں سخت تکلیف محسوس کرتے ہوں، مثلاً شیخ فانی یا وہ مریض جس کی صحت یابی کی امید نہ رہی تو وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلایا کریں، انھیں دوسرے دنوں میں قضا کی بھی ضرورت نہیں، یہ رعایت در رعایت ہے۔

بہرحال روزہ کا فدیہ واجب تھا ایک مسکین کا دو وقت کا پیٹ بھراؤ کھانا ہے جس کی مقدار گیہوں کا آدھا صاع اور جو کا ایک صاع ہے (حضرت تھانوی رح کی تحقیق کے مطابق صاع ساڑھے چار سیر چھٹانک کا ہوتا ہے) لیکن غریبوں اور مسکینوں کی شکم پری اور حاجت روائی نیکی کا کام ہے اگر کوئی اپنی خوشی سے نیکی کرے اور مقدار مذکور میں اضافہ کردے کہ ایک مسکین کو ایک دن کی بھی خوراک سے زیادہ دیدے یا ایک کی جگہ کئی مسکینوں کا پیٹ بھر دے تو یہ اس کے لئے بہتر ہی بہتر ہے فمن تطوع خیرًا فھو خیرٌ لہٗ

روزہ کے مصالح و منافع کی اس توضیح اور اس کے احکام و مسائل کی اس تفصیل کے بعد بطور خاتمہ کلام ارشاد فرمایا گیا و ان تصوموا خیرٌ لکم ان کنتم تعلمون اور دیکھو جہاں تک ممکن ہو روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہی بہتر ہے اگر روزہ کی حکمت و مصلحت اور اس کی منفعت پر تمہاری نظر ہو تو تم اس کو کبھی نہ چھوڑو۔

اب روزہ اور رمضان کے فضائل سے متعلق ایک جامع حدیث بھی سن لیجئے

حضرت سلمان فارسی کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری جمعہ میں خطبہ پڑھا، آپ نے فرمایا اے لوگو! ایک بڑے اور برکت والے مہینہ نے تم پر سایہ ڈال رکھا ہے ایسا مہینہ جس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے اللہ تعالےٰ نے اس مہینہ کے روزے فرض کئے ہیں اور اس کی عبادت (تراویح وغیرہ) فرض سے کم (سنت اور نفل) قرار دی ہے جو شخص رمضان میں کوئی (نفل) نیک کام کرکے اللہ تعالےٰ کی نزدیکی طلب کرے اس کو اس نفل نیکی کا اتنا ثواب ملے گا جتنا کسی دوسرے مہینوں میں فرض کی ادائیگی کا اور جو شخص کوئی فرض ادا کرے اس کو اتنا ثواب ملے گا جتنا کسی کو دوسرے مہینوں میں ستر فرض ادا کرنے کا، رمضان صبر کا مہینہ ہے (کہ روزہ دار نفسانی خواہشات کو روک کر ہر قسم کی تکلیف برداشت کرتا ہے اور ایسے صبر کا بدلہ جنت ہے اور رمضان، غریبوں اور مصیبت زدوں کی غمخواری اور چارہ سازی کا مہینہ ہے (اور یہ بات بھی باعث رحمت خداوندی ہے) اور رمضان ایک ایسا بابرکت مہینہ ہے جس میں مومن کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے دنیوی رزق میں بھی اضافہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو ان دنوں میں دوسرے دنوں سے بہتر کھانے پینے کو ملتا ہے اور اخروی رزق میں بھی کہ جنت کی نعمتیں اس کے لئے نامزد ہو جاتی ہیں جو شخص رمضان میں کسی روزہ دار کا روزہ افطار کراتا ہے اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور دوزخ سے اسے نجات مل جاتی ہے اور صرف گناہ ہی معاف نہیں ہو جاتے بلکہ) اسے اتنا ہی ثواب ملتا ہے، جتنا اس روزہ دار کو، پھر روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جاتی (

باقی مضمون صفحہ ۲۲ پر

روزہ کے مسائل

روزہ کی نیت

(۱) روزہ کی نیت کے لئے یا تو دل میں کہہ لے اور ارادہ کرے یا زبان سے کہہ لے کہ رمضان کا روزہ رکھتا ہوں یا عربی میں کہہ دے۔ بِصَوْمِ غَدٍ نَوَیْتُ۔ بغیر نیت روزہ درست نہ ہوگا۔ (۲) رمضان کے روزہ کی نیت ٹھیک دوپہر سے پہلے پہلے تک کرلینا ضروری ہے ورنہ روزہ نہ ہوگا۔ (۳) روزہ کا وقت صبح صادق سے شروع ہو کر غروب آفتاب تک ہے اس درمیان میں کچھ کھانا پینا صحبت کرنا درست نہیں۔

جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

(۱) ناک یا کان میں دوا ڈالنے سے (۲) قصداً منہ بھر قے کرنے سے (۳) کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلے جانے سے (۴) ناس لینے سے (۵) حقنہ کرنے سے (۶) کنکر پتھر لوہے وغیرہ کے کھانے سے (۷) غلطی سے بخیال غروب سورج روزہ کھولنے سے (۸) رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد کھانے سے (۹) لوبان وغیرہ کی دھونی سونگھنے سے (۱۰) سگریٹ وحقہ پینے سے (۱۱) جب تھوک میں غالب خون کی آمیزش ہو اس کے نگلنے سے (۱۲) پاخانہ کی جگہ دوا استعمال کرنے سے۔ ان سب باتوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے ہاں پیشاب کی جگہ دوا استعمال کرنے سے عورت کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ مرد کا نہیں۔ دانتوں میں جو گوشت کا ریشہ یا ڈلی وغیرہ کا ٹکڑا رہ گیا ہے اس کو منہ سے باہر نکال کر پھر کھا لیا۔ تو خواہ وہ کتنی ہی مقدار کا ہو روزہ ٹوٹ گیا۔ اور اگر اندر ہی اندر زبان سے نکال کر نگل گیا تو اگر چنے کے برابر یا اس سے زائد ہو تو روزہ فاسد ہو جاوے گا ورنہ نہیں۔

جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا

(۱) بھول کر کھانے سے (۲) مسواک کرنے سے (۳) خود بخود قے آنے سے (۴) خوشبو سونگھنے سے (۵) بلا قصد حلق میں گرد وغبار مکھی مچھر جانے سے (۶) سر میں تیل اور آنکھ میں سرمہ لگانے سے (۷) احتلام ہونے سے (۸) آنکھ میں دوا یا پانی ڈالنے سے (۹) تھوک اور بلغم نگلنے سے (۱۰) منہ بھر سے کم قصداً قے کرنے سے (۱۱) پان کی سرخی غرغرہ کے بعد باقی رہنے سے (۱۲) رات کے وقت صحبت کر کے صبح صادق کے قبل نہ نہانے سے ان سب باتوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔ اسی طرح انجکشن لگوانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

افطار و سحر

(۱) سحری کھانا سنت ہے اگر بھوک بھی نہ ہو تب بھی بقصد سنت دو ایک چھوارے کھالے یا کم از کم پانی ہی پی لے (۲) سحری دیر کر کے کھانا سنت ہے مگر نہ اتنی دیر کہ وقت میں شک ہو جاوے۔ (۳) غروب کے بعد فوراً روزہ کھولنا مستحب ہے اور دیر کرنا مکروہ ہے۔ البتہ ابر کے دن افطار میں دیر اور سحری میں جلدی کرنا چاہیئے (۴) افطار کے وقت اگر مگر ہو تو اس قدر کھا پی لے جس سے شدتِ اشتہا میں تخفیف ہو جائے۔ اور نماز با اطمینان خشوع وخضوع سے پڑھی جائے۔ امام کو چاہیئے کہ مغرب کی نماز میں عجلت نہ کرے بلکہ مقتدیوں کی قدرے رعایت مناسب ہے (۵) چھوارے یا کسی اور میٹھی چیز سے روزہ افطار کرنا بہتر ہے ورنہ پانی یا اور کسی چیز سے افطار .... کرے (۶) بوقت افطار یہ دعا پڑھنا مسنون ہے۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ۔

مسائل تراویح

(۱) رمضان شریف کی راتوں میں عشا کی فرض نماز کے بعد بیس رکعت تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ ہے (۲) تراویح میں ایک مرتبہ کلام اللہ پڑھنا یا سننا بھی سنت ہے۔ (۳) جو شخص مسجد میں بعد نماز فرض آوے اس کو فرض پڑھ کر تراویح میں شریک ہونا چاہیئے اور جس قدر تراویح ہو چکی ہوں ان کو بعد میں یا جلسہ استراحت میں ادا کرے البتہ وتر تراویح کے بعد اور قبل دونوں صورتوں میں جائز ہے (۴) تراویح کی جتنی دیر میں چار رکعت پڑھی جاویں اتنی ہی دیر چار رکعت کے بعد بیٹھنا مستحب ہے۔ (۵) ختم قرآن شریف کے وقت زائد روشنی کرنا اور جھنڈیاں وغیرہ لگانا تقسیم شیرینی کے لئے جبراً چندہ لینا اور تقسیم کے وقت مسجد میں شور وشغب کرنا۔ اور اس تقسیم کو ضروری اور لازم سمجھنا۔ یہ جملہ امور شرعاً ناجائز ہیں۔

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی

دیانت دار سوداگر کی حیثیت سے

آئیے! اب ایک بد معاملہ قوم میں ایک دیانت دار سوداگر کو دیکھیں' یہ بددیانتی اور حق تلفی کے اندھیرے میں ایمانداری اور سچائی کا چراغ کون جلاتا ہے؟۔ یہ کس نے اپنی معاملہ داری سے ساری قوم کا اعتماد حاصل کر رکھا ہے۔؟ یہ وہی ہاشمی نوجوان ہے جس کو تمام قوم "امین" یعنی امانتدار کہہ کر پکارتی ہے' یہ عہد کا پکا ہے' وعدہ کا سچا ہے اور قول کا پورا ہے' اب ہر شخص اس کے پاس اپنی قیمتی امانتیں رکھواتا ہے' بوڑھے سرداروں میں ابوجہل ہے' عباس ہیں' ابوسفیان ہیں' ابوطالب اور ابولہب ہیں' مگر اس نوجوان کی ساکھ کے مقابلہ میں کسی کا چراغ نہیں جل رہا۔

سوداگری کے زمانہ میں عبداللہ ابن ابی الحمساء نے ایک دفعہ اس سوداگر سے معاملہ کیا' وہ خود فرماتے ہیں' کچھ معاملہ ہو چکا تھا' کچھ باقی تھا' میں نے وعدہ کیا' پھر آؤں گا' اتفاق کی بات مجھے تین دن تک اپنا وعدہ یاد نہ آیا' تیسرے دن جب میں موقعہ پر پہنچا تو دیکھا' وہ سوداگر اس جگہ میرا منتظر ہے' اس وعدہ خلافی کی وجہ سے اس کو بگڑنا چاہیئے تھا' مگر وہ بالکل ناراض نہ ہوا' اس کی پیشانی پر بل نہ پڑے البتہ اس نے صرف اتنا کہا "عبداللہ! تم نے مجھے تکلیف دی' میں اسی جگہ تین دن سے موجود ہوں" [۱]

یہ ایک معاملہ دار سوداگر کی حیثیت سے فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیرکٹر ہے' ٹھیک ہے' وہ اگر رسول کی حیثیت سے رسالت کے مکمل اوصاف کے مالک تھے تو ایک بلند کیرکیٹر اور امانت دار تاجر کی حیثیت سے بھی اپنی ساری قوم میں ممتاز تھے۔

حضرت سائب سے بھی معلوم کرو! انھوں نے بھی نبی بننے سے پہلے سوداگری کی زندگی میں سرکارِ دو عالم سے معاملہ کیا ہے' اسلام قبول کر کے جب سائب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو لوگوں نے حضور سے سائب کی تعریف کی کہ یہ بڑے اچھے آدمی ہیں' حضور نے سُنکر فرمایا' سائب کو میں تم سے زیادہ جانتا ہوں' سائب نے بات کاٹ کر عرض کیا' میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں' آپ میرے ساتھ تجارت میں شریک ہو کر کام کر چکے ہیں' میں نے آپ کے لین دین کا ہمیشہ صاف پایا' نہ آپ جھگڑا کرتے تھے نہ لوگوں سے بیا دجہ الجھتے تھے [۲]

غور کرو! اس باکمال سوداگر نے لین دین اور خرید و فروخت کے میدان میں ایمانداری کی یہ کیسی مثال قایم کی ہے' لوگ سمجھتے ہیں' جھوٹ اور دھوکا کامیاب تجارت کا راز ہے۔ لیکن اس شخص نے ایمانداری سے نفع حاصل کر کے حضرت خدیجہ الکبریٰ کے مال کو دوگنا تگنا کر دیا ہے' دیکھنے والے حیرت میں ہیں' خدیجہ کبریٰ اس ایماندار سوداگر کو اپنی زندگی کا مالک بنانے کا فیصلہ کر رہی ہیں' یقیناً خدیجہ جیسی باوقار خاتون کو اس نوجوان سے زیادہ کوئی معاملہ کا صاف اور امانت کا پکا نہیں مل سکتا تھا۔

یہ کل کے ایماندار سوداگر آج کے نبی ہیں — یہ اپنی امت کو نصیحت فرما رہے ہیں صرف ذکر و شغل اور تہجد گزاری کو ولایت کا سبب نہ سمجھو'

التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین (حدیث) — جو تاجر دوکاندار سچائی اور ایمانداری سے تجارت کرتا ہے اس کا حشر قیامت میں رسولوں' صدیقوں' شہیدوں اور نیک بندوں کے ساتھ ہو گا'

کتنی بڑی فضیلت ہے ایک ایماندار دوکاندار کی —؟— اور کتنی

---

[۱] ابوداؤد شریف جلد ۲ صفحہ ۳۳۴

[۲] ابوداؤد شریف جلد ۲ صفحہ ۳۱۱

سخت ناراضگی اور خفگی ہے ایک بے ایمان اور دھوکے باز تاجر پر کہ اعلان فرما رہے ہیں

من غشنا فلیس منّا — جو مسلمان لین دین میں دھوکے بازی سے کام لیتا ہے وہ میرا نہیں ہے۔ (حدیث)

حضورؐ "شریف بیٹے" کی حیثیت سے

قدرت کو منظور یہ تھا کہ اپنے آخری رسول کو تمام ظاہری سہاروں سے بے سہارا کر کے کھڑا کرے، تعلیم و تربیت کے لئے مشفق استاد کا سہارا نہ ہو۔ جہاں غمخوار ماں باپ کا سہارا نہ ہو، دماغی صلاحیتوں کے لئے کشمیر جیسے پر فضا ماحول کا سہارا نہ ہو۔ وہ استاد کی تعلیم کے بغیر بہترین عالم ہو۔ عرب کے جھلسے ہوئے پہاڑی علاقہ میں پل کر بھی اس کا دماغ بہترین دماغ ہو — تاکہ جو ذات کائنات عالم کی محسن بنا کر بھیجی گئی تھی وہ خود کسی مخلوق کے سامنے شرمندہ احسان نہ ہو، اور دنیا کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ کائنات ہستی کی یہ عظیم شخصیت کسی ظاہری سبب کی ہی پیداوار ہے۔

اسی وجہ سے دیکھو، وہ خلاق عالم کی مقدس امانت شکم آمنہ میں تھی کہ والد ماجد جناب عبد اللہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والد کے انتقال کے دو ماہ بعد کونین کی یہ دولت بی بی آمنہ کی گود میں آئی، پھر رضاعت کے بہانے چمنستان رسالت کے اس سدا بہار پھول نے قبیلہ بنی سعد کو مہکایا اور بی بی حلیمہ کی قسمت کا ستارہ چمکا۔

ایک یتیم کی تعلیم و تربیت کے لئے گو صرف ماں کا سہارا کوئی سہارا نہیں مگر غیرت الٰہی نے اس سہارے کو بھی برداشت نہ کیا اور ان کے سایہ سے بھی آپ کو بے سایہ کر دیا اس وقت حضورؐ چھ سال کے تھے۔

بی بی آمنہ کے بعد دو سال دادا کی سرپرستی میں رہے، پھر دادا بھی انتقال فرما گئے، اب یہ دولت پھوپی ام ایمن اور چچا ابو طالب کے حصہ میں آئی اور انھوں نے اس در یتیم کی خدمت کر کے بقدر قسمت سعادت حاصل کی۔

آپ کہیں گے، جب "رب محمدؐ" کو منظور یہ تھا کہ اس کا محبوب تمام سہاروں سے بے نیاز ہو کر کھڑا ہو تو پھر اس نے ماں، دادا، پھوپی اور چچا کی اس تھوڑی سی رفاقت بھی اپنے نبی کے لئے کیوں گوارہ کی —؟ — میں کہوں گا، قدرت کو جہاں اپنے در یتیم کو ظاہری سہاروں سے بے نیاز رکھنا تھا وہاں اس کامل نبی کی زندگی میں ایک شریف بیٹے کا اسوہ بھی قائم کرنا تھا اور ایک سعادت مند بیٹے کا نمونہ رسول اعظم کی زندگی میں تب ہی ظاہر ہو سکتا تھا جب بطور ماں باپ دادا اور چچا کے وہ کسی کے آغوش میں پلتے اور پھر جوان ہو کر ان کے حسن سلوک کا اچھا حق ادا کرتے۔

اسی حق کی ادائیگی سے ایک شریف بیٹے کی زندگی کا نمونہ قائم ہوتا ہے اب اس مکمل نمونہ میں سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ماں باپ کے مرنے کے بعد اولاد پر ماں باپ کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ وہ ان کے لئے دعاء مغفرت کرے، چنانچہ فخر انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کے لئے دعاء مغفرت فرمائی، صحابہ کرام بیان کرتے ہیں، سرکار کے ساتھ ایک ہزار کے قریب صحابہ تھے مکہ اور مدینہ کے درمیان جب ہم لوگ اس مقام پر پہنچے جہاں حضور کی والدہ جناب آمنہ مدفون تھیں تو آپ نے صحابہؓ سے فرمایا، تم عقبہ کے پاس ٹھہرو، میں ابھی آتا ہوں، آپ کچھ دور جا کر ایک قبر پر کھڑے ہو گئے اور دعاء کرنی شروع کی، دعاء کرتے وقت آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ اور رونے کی دبی دبی اور درد میں ڈوبی ہوئی آواز نے — ہمیں بھی بے قرار کر دیا۔ اور ہم بھی رونے لگے۔ ہمارے رونے کی آواز سن کر حضور واپس تشریف لے آئے اصحاب کرام سے پوچھا تم لوگ اس قدر کیوں رو رہے تھے —؟ — صحابہؓ نے عرض کیا، حضور! آپ کی گریہ و زاری نے ہمیں بھی بے اختیار رونے پر مجبور کر دیا ہمیں یہ خیال ہوا کہ شاید خدا کی طرف سے امت کے لئے کوئی سخت حکم نازل ہوا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، نہیں، ایسی کوئی بات نہیں، واقعہ یہ ہوا کہ جب میں اس مقام سے گذرا تو مجھے اپنی والدہ کی قبر کا خیال آ گیا، میں قبر پر پہنچا، اور اپنی ماں کے لئے دعاء مانگی اللہ تعالےٰ نے انھیں دوبارہ زندگی عطا فرمائی اور وہ مجھ پر ایمان لائیں[1]

ایک روایت میں یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے میرے والد کو بھی دوبارہ زندہ فرمایا اور وہ بھی مجھ پر ایمان لائے، محدثین فرماتے ہیں، یہ زندگی اس طرح کی تھی جس طرح سرور کونین کی دعا سے خدا تعالےٰ نے ڈوبتے سورج کو دوبارہ لوٹا دیا تھا اور آپ نے عصر کی نماز ادا فرمائی تھی[2]

چچا ابو طالب کے بارے میں آتا ہے کہ ایک دفعہ جب وہ بیمار پڑے تو حضور مزاج پرسی کے لئے اندر تشریف لائے، بھتیجے کو دیکھ کر ابو طالب نے،

---

[1] فتاویٰ علی قبر — الجلس علی قبر [2] حافظ ابن کثیر نے سورہ نور صفحہ ۲۹۳ پر مفصل بحث کی ہے

بیٹا! کیا خالی مزاج پرسی کرنے آئے ہو، جس خدا نے تمہیں رسول بنایا ہے اس سے میری تندرستی کے لئے دعا کیوں نہیں کرتے؟ بیٹے نے دعاء کے لئے ہاتھ اُٹھا دیئے۔ رحمتِ الٰہی کو بھی جوش آگیا، دعاء قبول ہوئی "ابوطالب کے کانٹا سا نکل گیا" تندرست ہو گئے" اُٹھ کر بیٹھے، محبت کے جوش میں بولے "بیٹا! خدا تمہارا کہنا مانتا ہے" آپ نے تبلیغ کا ایک اچھا موقعہ پا کر ارشاد فرمایا۔

چچا جان! اگر آپ بھی اپنے خدا کا کہنا مان لیں تو خدا تعالےٰ آپ کا بھی کہنا ماننے لگے لہ

ابوطالب زندگی بھر ایمان نہ لائے، محسن اور جاں نثار چچا تھے، جب چچا کا وقت قریب آیا تو حضور ابوطالب کے قریب آکر بیٹھ گئے اور فرمایا۔ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر لیجئے تاکہ میں خدا کے پاس آپ کے ایمان کی شہادت دے سکوں، دل کی نصیحت تھی، کارگر ثابت ہوئی، جب ابوطالب مرنے لگے تو لوگوں نے دیکھا، ابوطالب کے لب ہل رہے ہیں، بھائی عباس پاس کھڑے تھے، بھائی کے منہ کے قریب کان لگائے کچھ سُنا، حضور کو مخاطب کر کے فرمایا، بھتیجے تم نے جو کلمہ ابوطالب کے سامنے پیش کیا تھا ابوطالب وہی کلمہ پڑھ رہے ہیں ٢ہ

راقم نے حضور کے والدین اور چچا کے کفر و ایمان کے اختلافی مسئلہ میں ایمان کے پہلو کی روایات کو اختیار کیا ہے، کیونکہ اس پہلو کو جہاں علماء اہل سنت کے ایک بڑے گروہ نے قابلِ ترجیح سمجھا ہے وہاں ان تینوں بزرگوں کو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے جو نسبت حاصل ہے اس مبارک نسبت کا بھی یہی تقاضہ ہے جن محتاط علماء نے اس معاملہ میں بھی روایات کی قوت و کمزوری پر نظر رکھنا ضروری خیال کیا ہے وہ بھی "سکوت" کو اولیٰ قرار دیتے ہیں اور کفر کی تشہیر کو خلاف ادب ٣ہ

حضور اپنی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سے بھی بہت محبت فرماتے تھے، نبوت کے بعد حضرت حلیمہ اپنے بیٹے سے ملنے آئیں تو حضور اپنی ماں کو دیکھ کر پھڑک اُٹھے اور "میری ماں" "میری ماں" کہہ کر حضرت حلیمہ سے لپٹ گئے، حضرت حلیمہ نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔

اسی طرح جب آپ کے رضاعی باپ حضرت حارث آپ سے ملنے آئے تو آپ نے انھیں دیکھ کر اپنی مبارک چادر ان کے لئے زمین پر بچھا دی اور جب انھوں نے قیامت کے متعلق پوچھا "بیٹا! کیا یہ بات صحیح ہے کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا ہے؟" تو آپ نے حارث حضرت کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا "ابا جان! دیکھو! یہ قیامت قائم ہو گئی ہے۔ حضرت حارث بڑے والہانہ انداز سے بیان کیا کرتے تھے، میرا بیٹا! جب قیامت کے دن میرا ہاتھ پکڑے گا تو مجھے یقین ہے وہ جنت سے پہلے نہیں چھوڑے گا۔

یہ ہے اس شریف بیٹے اور بھتیجے کا اسوہ پاک ــــ

امت کے لئے جو ہدایات اس رسولِ برحق نے دیں ان کا خلاصہ معراج کے احکام میں اس طرح ہے۔

(۱) وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۔	اور تیرے رب نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اسکے سوا کسی کو نہ پوجنا۔
(۲) وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا	اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنا اور اگر ان میں سے ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں تو ان کو "ہوں" بھی نہ کہنا، اور نہ ان پر خفا ہونا اور ان سے ادب سے بولنا اور ان کے سامنے اطاعت کا بازو جھکانا اور ان کے حق میں دعا کرنا کہ میرے پروردگار ان پر رحم فرما، جس طرح انھوں نے مجھے بچپن میں پالا۔

"اچھے باپ" کی حیثیت سے

ایک اچھے باپ میں دو باتیں ہونی ضروری ہیں، ایک یہ کہ وہ اپنی اولاد سے محبت کرے، دوسری یہ کہ محبت کے ساتھ ان کی تعلیم و تربیت کا پورا خیال رکھے۔

مدنی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک ایک اچھے باپ کا بہترین نمونہ ہے اولاد کے ساتھ محبت و شفقت کا یہ حال ہے کہ ایک روز آپ حضرت سیدہ زہرا کے گھر تشریف لے گئے، دیکھا نواسے رو رہے ہیں اور بیٹی دن بھر کے تھکے ہارے آرام سے سو رہی ہیں، کوئی دوسرا ہوتا تو بیٹی کو جگاتا، مگر آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے بکری کا دودھ نکالا اور نواسوں کو پلایا، بچوں کو بہلانے کے لئے نہ بیٹی کو جگایا نہ اپنے داماد حضرت علی رضی کو حضور کی محبت کا ایک

لہ سیرت النبی جلد اوّل ٢ہ حضرت عباسؓ کا یہ جملہ ابن ہشام صفحہ ۱۴۶ میں ہے
٣ہ سورہ توبہ آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا کے تحت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح ملاحظہ ہو۔

واقعہ امام بخاری نے ادب المفرد میں نقل کیا ہے، لکھتے ہیں حضورؐ کے ایک صحابیؓ جو لاد ایک لوہار کی بیوی کا دودھ پیا کرتے تھے، لوہار غریب آدمی تھا گھر میں کام کرتا تھا جس کی وجہ سے اس کے گھر میں دھواں گھٹتا رہتا تھا۔

نازک طبع رسول کہ پیاز لہسن کی بو سے گھبراتے ہیں، ایک بیوی اگر مغافیر کی بو کا نام لے دیتی ہیں تو شہد کو چھوڑ دیتے ہیں مگر اولاد کی محبت کا یہ عالم ہے کہ بچے کو دیکھنے انا کے گھر تشریف لے جاتے ہیں گھر میں دھواں گھٹتا ہوا ہوتا ہے جو آنکھوں اور ناک میں گھستا رہتا ہے اور آپ بیٹھے بچے کو پیار کرتے رہتے ہیں۔

چھوٹی بیٹی سے اس قدر محبت ہے کہ روزانہ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر حضرت سیدہ کے گھر تشریف لے جاتے ہیں اور انھیں دیکھ کر گھر واپس آتے ہیں

حضرت ابراہیم جو حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے جب وفات پا جاتے ہیں تو بیٹے کی جدائی پر روتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں، ابراہیم! تمہاری جدائی نے ہمیں مغموم کر دیا، صحابہ کرام صبر و استقلال کے اس پیکر عظیم کو روتا دیکھ کر کہتے ہیں، حضور یہ آنسو کیسے۔؟ ــ آپ تو ہمیں صبر کی تلقین فرمایا کرتے ہیں، جواب میں ارشاد فرماتے ہیں، مصیبت پر رونا قلب کی نرمی کی علامت ہے۔ صبر کے خلاف یہ ہے کہ انسان چیخے چلائے اور گریبان چاک کرے۔

دنیا کی جہالت کا یہ حال ہے کہ لڑکی کے وجود کو باعث عار سمجھتے ہیں اور اس کی پیدائش کو موجب ذلت، مگر وہ رسول برحق جو قوم میں سب سے زیادہ عزت رکھتے ہیں، سب سے زیادہ عظمت والے ہیں، قوم سے فرماتے ہیں، تم بیٹیوں کو ناپسند کرتے ہو، مجھے دیکھو، میں بیٹیوں کا باپ ہوں، میرے ہاں کوئی بیٹا نہیں ہے، مگر اس سے نہ میری عزت میں کوئی فرق آیا، نہ میری عظمت میں، اگر بیٹیوں کے ہونے سے ماں باپ کی عزت خراب ہوتی تو محمد سب سے پہلے بیٹی سے نفرت کرتے مگر وہ تو محبت کرتے ہیں، کتنا اچھا باپ ہے جس نے دنیا میں اس مظلوم صنف کی عزت بڑھا دی۔ ستم رسیدہ بیٹیوں کو بیٹوں کے برابر لا کھڑا کیا، ایک حدیث میں ارشاد فرمایا۔

"عورت کی برکتوں میں سے یہ بھی ایک برکت ہے کہ وہ سب سے پہلے لڑکی جنے[1] ــ کیا اس سے زیادہ اچھا باپ دنیا نے آج تک دیکھا ہے!

(صلی اللہ علیہ وسلم)

اس محبت کے ساتھ اولاد کی تعلیم و تربیت کا اتنا خیال تھا کہ ایک موقع پر حضرت زہرا سے ارشاد فرمایا ــ فاطمہ! عمل کر، عمل کر، مجھ سے جو کچھ لینا ہے دنیا میں لے لے، قیامت کے دن میں تیرے کچھ کام نہیں آؤں گا۔

دونوں جہاں کے سردار ہیں، قیامت میں آپ کی شفاعت سے امت کے گنہگاروں کا بڑا بیڑا پار ہوگا، مگر دیکھو! لخت جگر کو کس سختی سے تنبیہ فرما رہے ہیں عمل کا شوق دلا رہے ہیں، بڑے لوگوں کی اولاد جس گھمنڈ سے تباہ ہوتی ہے اس گھمنڈ کو توڑ رہے ہیں۔

اسے سمجھ دار لوگ کہتے ہیں، اولاد کو کھلائے سونے کا نوالہ اور دیکھے شیر کی نگاہ" فاطمہ مخزومی کے لواحقین نے جب حضرت اسامہ سے سفارش کرائی کہ بڑا ذات ہے، اگر حضور چوری کی سزا میں اس کے ہاتھ کٹوا دینگے تو اس سے سارے قبیلے کی بدنامی ہوگی، تو یہ سن کر آپ نے فرمایا، خدا کی قسم! اس فاطمہ کی جگہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی ہوتی تب بھی میں اس کا ہاتھ کٹوا تا، اپنی اولاد کو تنبیہ کرنے کا یہ کتنا اچھا طریقہ ہے ــ؟

اس اسوہ پاک کے ساتھ حضور نے امت کو جو تعلیم دی وہ بھی نہایت واضح ہے فرمایا۔

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّ رَاعٍ مَسْئُولٌ عن رعيته (حدیث)	تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ذمہ دار اپنے ماتحتوں کی طرف سے جواب دہ ہے۔

یعنی تم صرف اپنے نماز روزے کی وجہ سے نجات نہیں پاؤ گے جب تک کہ بادشاہ اپنی رعیت کو، ماں، باپ اپنی اولاد کو، شوہر اپنی بیوی کو سدھارنے اور صحیح راہ پر چلانے کی کوشش نہ کرے گا۔ جن ماں باپوں کی اولاد ان کی غفلت سے خراب ہو جائے گی وہ باوجود نماز روزے کی پابندی کے خدا کے حضور میں مجرم بن کر کھڑے ہوں گے۔

[1] تفسیر روح البیان سورہ نحل رکوع ۷ (انا ابو البنات)

(عطیہ ہمدرد دواخانہ دہلی) ★ جناب مولانا حکیم عبدالواحد صاحب

روزہ اور روزہ داروں کی غذائی ضرورتیں

روزہ ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے۔ اگرچہ عام طور پر بھوکا پیاسا رہنے کو ہی روزہ سمجھا جاتا ہے لیکن درحقیقت روزہ ایک خاص وقت تک کھانے پینے پر پابندیاں لگانے کا ہی نام نہیں ہے بلکہ یہ بہت سی اخلاقی پابندیوں سے مشروط ہے۔ روزہ اسوقت تک صحیح اور مکمل روزہ نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ حواس خمسہ (آنکھ، ناک کان وغیرہ) کا بھی روزہ نہ رکھا جائے۔ مثلاً جسطرح کھانے پینے کی چیزوں کے مزے سے زبان کو محروم رکھا جاتا ہے اسی طرح جھوٹ بولنا اور ناشائستہ الفاظ نکالنا روزے کے منافی ہے۔ آنکھوں سے کسی کو برے خیال سے دیکھنا روزے میں خلل ڈالنا ہے۔ کانوں سے بری باتیں سننا اور ہاتھوں سے برا کام کرنا اور پاؤں سے برے کام کی تکمیل میں مدد لینا روزے کے خلاف ہے۔ ان تمام اعتبارات سے روزہ انسان کے خیالات میں پاکیزگی پیدا کرتا اور اسکے اخلاق وعادات کو سنوارتا ہے۔ اُسے عادت کا غلام ہونے سے بچاتا صبر و سکون کی دعوت دیتا اور خوداعتمادی پیدا کرتا ہے۔

عام طور پر ہر شخص دن میں تین مرتبہ کھاتا پیتا ہے یہ عادت اتنی پختہ ہوتی ہے کہ اگر ایک وقت کسی وجہ سے کھانا نہ ملے یا کم از کم کھانا ملنے میں ایک دو گھنٹے ہی کی تاخیر ہو جائے تو وہ بے چین ہو جاتا ہے اسکے برخلاف جو شخص روزے رکھنے کا عادی ہوتا ہے وہ اتفاقی حالات میں بھوک پیاس کو نہایت صبر و سکون کے ساتھ برداشت کر سکتا ہے۔

روزہ سے تزکیۂ نفس اور پاکیزگی اخلاق کے علاوہ انسان کی صحت پر بھی نہایت خوشگوار اثر پڑتا ہے انسان تمام دن کام کاج میں مصروف رہنے کی وجہ سے تھک جاتا ہے اور اس تھکن کو دور کرنیکے لئے رات کو سونے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے اسطرح تمام انسانی اعضاء متواتر کام میں مصروف رہنے کے باعث تھک جاتے ہیں اور ان کے لئے کچھ دیر آرام کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ یہی حال ہمارے اعضائے ہضم (معدہ اور آنتوں وغیرہ) کا بھی ہے۔ صبح ہی ناشتہ کیا جاتا ہے اسکو ہضم کرنے کے بعد دوپہر کے کھانے کو ہضم کرنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے ابھی اس سے فراغت حاصل ہوتی ہے کہ رات کا کھانا کھا لیا جاتا ہے اسطرح چوبیس گھنٹے میں معدے کو برابر اپنے کام میں مصروف رہنا پڑتا ہے۔ اسکے علاوہ ایسی غذائیں بھی کھائی جاتی ہیں جن کا ہضم معدہ کے لئے دشوار ہو جاتا ہے اور آنتیں ان کے فضلات کو پورے طور پر خارج نہیں کر سکتیں۔ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معدے کا فعل کمزور ہو جاتا ہے۔ آنتیں سست پڑ جاتی ہیں ان میں فضلات بند رہنے لگتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں معدہ اور آنتیں وغیرہ اعضائے ہضم مسلسل کام کرنے کی وجہ سے تھک جاتے ہیں اور وہ آرام کے محتاج ہوتے ہیں۔

اب اگر روزہ مقررہ احکام کے مطابق رکھا جائے تو اس سے معدہ اور آنتوں کو آرام ملتا ہے ان کی تھکن اور سستی دور ہو کر قوت رفتہ لوٹ آتی ہے اور جسمانی قوتیں از سر نو تازگی محسوس کرنے لگتی ہیں۔

مقررہ احکام یہ ہیں کہ سحری میں سادہ اور زود ہضم غذا کھائی جائے اور صرف اتنی کھائی جائے کہ معدہ اسکو تھوڑی مدت میں اور اچھی طرح ہضم کر سکے۔ پھر افطاری میں بھی سادگی سے کام لیا جائے اور کھانا زود ہضم کھایا جائے۔ لیکن اسکے برخلاف ہوتا یہ ہے کہ سحری کے وقت پراٹھا فینیاں کھجلا اور دوسری دیر ہضم غذائیں کھائی جاتی ہیں جن سے خراب ڈکاریں نہ آئیں تو کم از کم تمام دن طبیعت پر بوجھ رہتا ہے شگفتگی نہیں آتی۔ یہانتک کہ افطار کا وقت آپہنچتا ہے۔ افطار میں غیر معمولی تکلفات سے کام لیا جاتا ہے۔ چنے کی دال چنے کی پھلکیاں اور مٹھائیاں تو ایک عام بات ہے۔ پھر ان کے بعد شربت پیا جاتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد کھانا کھا لیا جاتا ہے۔ ان حالات میں روزے کے طبی فائدے

جنکے متعلق اوپر اشارہ کیا جاچکا ہے فوت ہو کر رہ جاتے ہیں اور روزے سے فائدے کے بجائے نقصان پہنچتا ہے۔

روزہ کے دنوں میں سادہ اور متوازن غذائیں کھانے کی ضرورت ہے جن کو معدہ جلد ہضم کرسکے۔ اور ان سے مطلوبہ فائدے بھی جسم کو پہنچ سکیں۔

ہمارے جسم کو ایسی غذاؤں کی ضرورت ہے جو اسکے گوشت پوست اور رگ پٹھوں کی تعمیر میں کام آئیں یہ ضرورت عموماً گوشت۔ انڈے دودھ۔ دہی۔ پنیر اور مچھلی وغیرہ حیوانی غذاؤں اور گیہوں۔ چنا۔ مٹر دال ماش۔ دال مونگ وغیرہ نباتی غذاؤں سے پوری ہوجاتی ہے۔ تعمیر بدن کے لئے صرف اس قسم کی چیزیں کافی نہیں ہوتیں بلکہ اسمیں قوت و حرارت پیدا کرنے کے لئے شکر اور روغنی چیزوں (گھی۔ تیل۔ چربی) کی بھی ضرورت ہے۔ بدن انسان کی ترکیب میں مختلف قسم کے نمکیات مثلاً چونا۔ فولاد اور فاسفورس وغیرہ بھی شامل ہیں اور یہ بدنی حرکتوں کے باعث برابر تحلیل ہوتے رہتے ہیں۔ اسلئے انکی کمی کو پورا کرنے کے لئے انسان ساگ پات اور پھل کھانے کا محتاج ہے کیونکہ ان میں یہ نمکیات کافی مقدار میں موجود ہوتے ہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ مذکورہ بالا غذائی اجزاء کا تغذیہ اسوقت تک نامکمل رہتا ہے جبتک ان کے ساتھ پانی نہ پیا جائے۔ اور ان میں وہ غذائی جوہر موجود نہ ہوں جن کو حیاتین (وٹامنز) کہتے ہیں۔

یہ حیاتین کئی قسم کے ہوتے ہیں اور ہر ایک اپنے الگ الگ فوائد رکھتا ہے۔ مثلاً حیاتین "الف" (وٹامن "اے") انسان کی نشوونما میں کام آتے ہیں بچے تو انکے بغیر نشوونما نہیں پاسکتے ان میں مرض کساح (ریکٹس) پیدا ہوجاتا ہے۔ بڑوں میں آنکھوں کی بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ یہ حیاتین دودھ مکھن بالائی پنیر انڈے کی زردی سبز ترکاریوں مچھلی اور مچھلی کے تیل (کاڈلور آئیل) میں پائے جاتے ہیں۔

حیاتین "ب" (وٹامن "بی") بھی حیات انسانی کے لئے ضروری ہیں۔ ان کی غیر موجودگی سے ایک خاص قسم کا مہلک مرض پیدا ہوجاتا ہے جسے "بیری بیری" کہتے ہیں اور انکے نہ ہونے کی وجہ سے بچوں کی پرورش میں فوراً خلل پڑجاتا ہے یہ حیاتین انڈوں سبز ترکاریوں آلوؤں گوشت دودھ مچھلی انڈے کی زردی مکھن اور پنیر میں پائے جاتے ہیں۔

حیاتین "ج" (وٹامن "سی") کی غیر موجودگی سے مرض سکروی پیدا ہوجاتا ہے۔ یہ تازہ سبزیوں، ترکاریوں اور پھلوں خصوصاً لیموں نارنگی اور آملہ میں پایا جاتا ہے۔

حیاتین "د" (وٹامن "ڈی") حیاتین "الف" کے مانند ہے۔ یہ دودھ مکھن گھی مچھلی کے تیل وغیرہ میں پائے جاتے ہیں اور ان کے نہ ملنے سے بدنی نشوونما میں خلل پڑتا ہے۔ انکے علاوہ اور بھی کئی قسم کے حیاتین دریافت کئے گئے ہیں جو بدن انسان کے لئے ضروری ہیں اور انکے نہ ہونے سے انسان مختلف بیماریوں میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

جو غذائیں ہم کھاتے ہیں اگر انمیں مذکورہ غذائی اجزاء مناسب مقدار میں موجود ہوں اور وہ مناسب طریقہ سے پکا کر مناسب مقدار میں ضرورت کے مطابق کھائی جائیں تو وہ ہی متوازن غذا ہوتی ہیں اور انہیں سے ہمارے بدن کی تعمیر ہوتی اور اس میں قوت و حرارت پیدا ہوتی ہے۔ اگر سبز ترکاریوں کو ابال کر پانی پھینک دیا جائے تو اسکے کارآمد نمکیات چونا۔ فولاد۔ فاسفورس اور ان میں موجود حیاتین ضائع ہوجاتے ہیں اور وہ ایک ناقص غذا ہوجاتی ہے۔ کیونکہ چونا اور فاسفورس ہڈیوں کو بنانے اور ان کو طاقت دینے کے کام آتا ہے فولاد خون کی پیدائش کو بڑھاتا ہے۔ اور بھی نمکیات ہیں جو بدن انسان میں مختلف کام انجام دیتے ہیں۔

شدید ضرورت ہے کہ روزے کے دنوں میں سادہ اور متوازن غذائیں کھائی جائیں اور مناسب مقدار میں کھائی جائیں روغنی چیزیں قلیل مقدار میں استعمال کی جائیں لیکن اگر ان سب احتیاط کے باوجود کوئی تکلیف ستائے تو اسکا ازالہ مناسب دوا سے کیا جائے مثلاً اگر عام جسمانی کمزوری لاحق ہو طبیعت میں چڑچڑاپن پیدا ہوجائے تو غذائی اصلاح کے علاوہ الائچی دھنیا گلاب اور حیاتین "ب" حیاتین "ج" یا ان کے مرکبات استعمال کئے جائیں۔ پیاس کی شدت اور جسمانی خشکی کو دور کرنے کے لئے الائچی دھنیا گلاب۔ تلسی۔ صندل سفید اور حیاتین "الف"، "ب" وغیرہ کا استعمال مفید ہے۔ اگر کسی روزہ دار کو بدہضمی ہوجائے تو کھانے میں احتیاط سے کام لیا جائے اور بطور دوا الائچی۔ تیز پات۔ ناگرموتھا۔ دارچینی وغیرہ کا مناسب مرکب کھایا پیا جائے۔ متلی اور قے کی صورت میں الائچی گلاب کیوڑ کھپری اور تلسی جیسی دواؤں کا کوئی مفید مرکب استعمال کرنا مناسب ہے۔

ٹالیڈو کے مسلمان

ذیل کا مختصر سا مضمون دنیا کے ایک گوشے کے مسلمانوں سے ہم کو متعارف کراتا ہے، یہ بات ہمارے لئے وجۂ مسرت ہے کہ مادی تہذیب کے مکین اپنے گھر میں اسلام آہستہ آہستہ قدم دھر رہا ہے اور آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ کسے معلوم ہے کہ کب ڈالروں کی سرزمین سے اسلام ایک تاریخی قوت بن کر اٹھ کھڑا ہو۔ اور کعبے کو صنم خانہ سے پاسبان ملنے کی ایک نئی مثال سامنے آجائے۔

ٹالیڈو کے مسلمانوں کے اس مجمل تذکرے میں امید افزا پہلو یہ ہے کہ ان لوگوں میں اپنے مسلم ہونے کا احساس کام کر رہا ہے اور یہ اپنی دینی روح کو زندہ رکھنے میں اور عربی زبان اور قرآن کی تعلیم سے اپنی نسلوں کا ذہنی رابطہ قایم رکھنے کے لئے خاصہ اہتمام کر رہے ہیں۔ مسجد کو آباد رکھنے، اسے اپنے سماجی مرکز کی حیثیت دے کر اس میں مختلف تعمیری سرگرمیاں جاری کرنے اور باہمی رابطۂ اخوت کو زندہ رکھنے اور اسلامی علوم سے اپنے آپ کو سیراب کرنے کے لئے جتنی کوششیں یہ لوگ کر رہے ہیں کاش کہ ان سے مثال لے کر دنیا کے سارے مسلمان متحرک ہو جائیں۔

ٹالیڈو (ریاست اوہیو) تین لاکھ پچاس ہزار نفوس کا ایک شہر ہے جو جھیل ایری کے مغربی کنارے پر واقع ہے یہ شیشے کی صنعت کا عالمی مرکز ہے کیونکہ شیشہ سازی کارخانے یہاں بکثرت ہیں۔

اس شہر میں مسلمانوں کی آبادی کا آغاز ۵۰ برس پہلے ہوا تھا اب انکی تعداد ۱۵۰ تک ہے نسلی امتیاز سے یہ زیادہ تر لبنان، شام اور اردن سے تعلق رکھتے ہیں اندازہ ہے کہ ان میں سے ۳۰ فیصد افراد مشرق وسطیٰ ہی میں پیدا ہوئے تھے، بقیہ نے امریکہ میں جنم لیا۔

اس گروہ کی اپنی ایک مسجد ہے جو گویا ان کا سماجی مرکز بھی ہے نمازیں اصل عمارت میں ادا کی جاتی ہیں جس کے صدر دروازے کے دائیں جانب امام کا دفتر ہے۔ سیڑھیاں نیچے اتر کر ہم ایک ہال میں داخل ہوتے ہیں جس میں عربی کی تعلیم گاہ ہے، اجلاس ہوتے ہیں سماجی تقاریب ــ ضیافتیں وغیرہ ــ منعقد ہوتی ہیں، اس کے ایک کونے میں جدید طرز کا کچن ہے جس میں چولھے، برقی آلات تبرید (ریفریجریٹر)، کھانا پکانے اور کھانا لانے لینے کے برتن بھی موجود ہیں۔

یہ مسجد جو ۱۹۳۶ء میں تعمیر کی گئی تھی مسلم آبادی کی ملکیت میں ہے جس کی تنظیم "امریکن مسلم سوسائٹی" کے نام سے موسوم ہے، شروع شروع میں "شامی امریکی مسلم سوسائٹی آف ٹالیڈو" کا نام اختیار کیا گیا تھا بعد میں بدل دیا گیا۔

مسجد کے امام ڈاکٹر کامل یوگوسلاویہ میں پیدا ہوئے اور مصر میں ۱۳ برس رہ کر الازہر یونیورسٹی سے سند فضیلت حاصل کی موصوف ۱۹۲۰ء میں امریکہ آئے اور شکاگو کی مسلم آبادی کے ساتھ رہے جنوری ۱۹۵۶ء میں ٹالیڈو آگئے۔

ٹالیڈو کے مسلمانوں نے مسجد کے مرکز میں مختلف سرگرمیوں کو باقی رکھنے کے لئے باقاعدہ پروگرام بنا رکھا ہے نمازوں کے علاوہ ہفتے میں ایک رات کو عربی کا سبق ہوتا ہے، ہر اتوار کو ساڑھے دس بجے صبح بچوں کا مکتب لگتا ہے، بالکل چھوٹے بچوں کو اسلامی حکایات سنائی جاتی ہیں اور اسے ۹ برس اور ۹ سے ۱۲ برس کے بچوں کو علاحدہ کر کے ان میں اسلامی دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے ۱۱ بجے سے دوپہر تک امام صاحب بالغوں کے سامنے قرآن کی تفسیر بیان کرتے ہیں اس کے بعد ظہر کی نماز ادا کی جاتی ہے۔

ٹالیڈو کے مسلمانوں کا گروہ امریکہ کے دوسرے فرقوں کی طرح ایک الگ اور مستقل ہیئت رکھتا ہے، اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جنھوں نے روپیہ پیدا کر کے اپنے کاروبار کھڑے کر لئے ہیں اور کئی آدمی شہر میں ہوٹلوں کے مالک ہیں۔

پچھلے پچاس برس میں عمر رسیدہ افراد نے اپنے بچوں کو تعلیم دلانے کی بڑی کوششیں کی ہیں اور ان کوششوں کے نتائج سامنے ہیں۔ مسلم گروہ میں کئی ایک وکیل اور انجینیر اور متعدد اساتذہ ہیں، کچھ دوسرے نوجوان اسٹور والے ہیں کلرک ہیں، دفتری کارکن ہیں یا پھر صحت مند محنت کار ہیں۔

اس گروہ کا ایک فرد محمود برکت ہے یہ شخص شامی امریکی مسلمانوں کی سوسائٹی کے اولین بانیوں میں سے ہے۔ محمود برکت لبنان میں ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوا اور امریکہ ۱۹۰۶ء میں آیا ۱۹۵۶ء میں امریکن مسلم سوسائٹی کے صدر محمد شاہین نامی ۲۹ سالہ نوجوان ہیں ان صاحب کا اپنا ہوٹل ہے قیصر شاہین کے صاحبزادے ہیں امریکہ ہی کی سرزمین پر ۱۹۲۹ء میں پیدا ہوئے والدین ۱۹۳۱ء میں اپنے ساتھ لبنان لے گئے تھے ۱۹۴۶ء میں یہ نوجوان پھر امریکہ پہنچا اور امریکی فوج میں بھرتی ہو کر ۱۹۴۹ء تا ۱۹۵۱ء سے وہ میں کوریا میں سارجنٹ رہا بعد میں فوجی ملازمت سے فارغ ہو کر ٹالیڈو میں اقامت اختیار کر لی۔

(مولوی محمد شمس تبریز — کوئٹہ)

آج کل دنیا میں ہر طرف جمہوریت کے غلغلے اور مساوات کے چرچے بلند ہیں۔ لیکن اس جمہوری دور میں بھی انسانوں کو دیکھئے تو حاکموں اور محکوموں کے درمیان ہنوز وہی خلیج حائل ہے۔ امیر و غریب کے مابین اب تک وہی زمین و آسمان قائم ہیں رنگ و نسل کے امتیازات ہنوز اسی پیمانے پر ہیں دیکھئے ۱۲ر جنوری ۱۹۵۵ء کے اخبارات کی شاہ سرخیاں ہیں کہ "افریقہ کی پارلیمنٹ میں سیاہ فاموں کا داخلہ ممنوع ہو گیا" حالانکہ ملک ان کا ہے قصور ہے تو صرف ان کے کالے ہونے کا ہے لیکن ساری دنیا کے لئے اسلام کا نعرہ ہے۔

لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَىٰ عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَىٰ عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَىٰ أَسْوَدَ إِلَّا بِالتَّقْوَىٰ

اور حضورؐ نے اعلان کر دیا ہے۔ کُلُّكُمْ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ

اور قرآن نے دنیا کے ہر گوشے میں قوموں کی ہر زبان میں اعلان کر دیا ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ ؕ

ہاں! بہت دور تاریخ عالم میں ایک حقیقی جمہوریت کا دور گزر چکا ہے۔ اسلامی دور جب حکمرانی کے بھیس میں خدمتگری اور امارت کے روپ میں جمہوریت کارفرما تھی۔ اور صحیح طور پر سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ پر عمل کرنے کے لئے …… "سروری در دین ما خدمتگری است" گویا منشور سمجھا جا رہا تھا نہ آزادی کا شور و شغب تھا نہ دیسی جمہوریت کا یہ بلند بانگ دعویٰ۔ وہ مبارک زمانہ اب سے تقریباً ۱۴ ہزار برس پہلے ساتویں صدی عیسوی میں تھا، جب کہ رحمۃ للعالمین اپنے کفش برداروں کو خلافت سونپ گئے تھے، جن کو آج خلفاء راشدین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے آپ ان کی زندگی دیکھیں گے تو خود شہادت دیں گے کہ ان کے بعد پھر آج تک جمہوریت و مساوات کا لفظ شرمندۂ معنی نہ ہوا۔ عدل و انصاف نے تمام زندگی میں بار نہیں پایا، رعایا پروری و غربا نوازی معیار زندگی نہ بن سکا، افسوس ہے کہ دنیا کا بگڑا ہوا مزاج اور قوموں کا غلط ذہن اسے برداشت نہ کر سکا اور نگاہوں نے خلفائے راشدین کے سینچے ہوئے باغ و بہار دیکھنے سے سیری حاصل نہ کی تھی کہ شہنشاہیت و آمریت کی کی باد سموم نے اس چمن کا سہاگ لوٹ لیا۔ دنیا کی نگاہیں ایک بار پھر اسی خلافت کے مناظر دیکھنے کو ترستی ہیں۔

ہماری خوش قسمتی سے کاروان خلافت کے کچھ نقوش تاریخ عالم کے اوراق میں محفوظ ہیں جی چاہتا ہے کہ اس کے کچھ دھندلے نقوش حاضر کروں۔

دور صدیقی اپنے چند اہم کارناموں کی وجہ سے غیر معمولی درجہ رکھتا ہے، حضرت صدیق اکبرؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد سب سے پہلے خطبہ دیا اس میں فرمایا کہ

"لوگو میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری مدد کرو اور اگر میں غلط چلوں تو درست کر دو جب تک خدا اور رسول کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو۔ لیکن جب نعوذ باللہ خدا اور رسول کی نافرمانی کروں اس وقت میری اطاعت تم پر لازم نہیں

سلاطین عالم کی تاریخ میں پہلی مثال ہے کہ اپنی ہی رعایا کے روبرو ان کا سب سے بڑا حاکم ایک معمولی انسان کی طرح اپنے کو پیش کرتا ہے، اور پھر عمر بھر اس پر عمل کرتا ہے اور یہ کسی نبی کے خلیفہ ہی کا حوصلہ ہو سکتا ہے کہ انتقال کے وقت سارا سامان ایک غلام ایک اونٹ ایک چادر تھا اور بس، کفن کے لئے فرمایا کہ میرے بدن ہی کے کپڑوں میں دو اور کپڑوں کے ساتھ کفن دے دینا، ایک مفلس بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ پھٹے پرانے کپڑوں میں دفن کیا جاؤں۔ مگر ایک عظیم الشان سلطنت کے فرمانروا کیا فرماتے ہیں کفن کے لئے فرماتے ہیں انھیں بدن کے … کپڑوں میں دفنا دینا۔ لذائذ سے اجتناب دیکھئے کہ ایک بار اہلیہ محترمہ نے کہا بہت دن سے بچوں کو کچھ شیرینی کھلانے کو جی چاہتا ہے فرمایا کہ بیت المال سے مجھے جتنی تنخواہ ملتی ہے اس سے زیادہ تو میں نہیں دے سکتا، البتہ جی چاہے تو روزانہ کے خرچ میں سے کچھ بچا لیا کرو انھوں نے ایسا ہی کیا بہت دنوں کے بعد شیرینی پکا کر سامنے لائیں تو حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا کہاں سے تحفہ آیا ہے؟ انھوں نے بتایا روزانہ بچاتے بچاتے اتنے دنوں میں یہ پکا سکی ہوں، فرمایا کہ مسلمانوں

کے مال سے اتنا زیادہ لیتا ہوں؟ ابوبکرؓ ایسا ہو سکے اہل کا بغیر شیرینی کھائے بھی گزر ہو سکتا ہے، یہ کہا اور کم کرا دیا۔ خدا کو پیارے ہوتے تو وصیت کر گئے کہ ہم نے بیت المال سے جتنی تنخواہ لی ہے وہ جائداد بیچ کر ادا کر دی جائے۔ خلیفۃ المسلمین کی تنخواہ کیا تھی ماہانہ اسکوں میں ۱۵ روپئے سے بھی کم ہے شخصی خدمتگزاری اور رعایا پروری کے لئے اس سے بڑھ کر کیا مثال ہو سکتی ہے اور اتنا کرنا کس کے امکان میں ہے۔

مگر ان تمام خدمات و حسنات کے باوجود یاس و حسرت ظاہر کرتے اور فکر آخرت میں اتنے غلطاں اور پیچاں رہتے کہ چڑیوں کو چہچہاتے دیکھتے تو کہتے پرندو! تمہیں مبارک ہو دنیا میں چہچہاتے چگتے ہو درختوں کے سایہ میں بیٹھتے ہو اور قیامت میں تمہارے لئے کوئی حساب کتاب نہیں، کاش ابوبکر بھی تمہاری طرح ہوتا، درختوں کو دیکھ کر کہتے کاش! میں درخت ہوتا کہ عاقبت کے جھگڑوں سے نجات پاتا۔

اسی طرح خلیفۂ دوم امیرالمومنین فاروق اعظمؓ کے حالات سنئے حضرت صدیق اکبرؓ اگر اسلام کے دل تھے تو ان کو دماغ اسلام کہنا بیجا نہ ہوگا۔ خلیفہ ہونے کے بعد انھوں نے جو خطبہ دیا ہے وہ امارت اسلام کی صحیح تعبیر کیجئے پوری تاریخ جمہوریت میں اپنی آپ نظیر ہے۔ فرمایا۔ اب میں تمہارا والی ہوں تم پر سختی نہ کروں گا اب تو میری سختی صرف ظالموں اور بدکاروں پر ہوگی۔ آگے چل کر دریافت فرمایا لوگو! اگر میں سنت نبویؐ اور سیرت صدیقیؓ کے خلاف حکم دوں تو تم کیا کروگے؟ لوگ کچھ نہ بولے تو اصرار کیا چنانچہ ایک نوجوان تلوار کھینچ کر تن گیا اور کہنے لگا اس طرح تلوار سے سر تن سے جدا کر دیں گے، اس پر فاروق اعظمؓ خوش ہوئے۔ عمرؓ کی حکمرانی میں شانِ گدائی ملاحظہ ہو کہ خطبہ دے رہے ہیں اور تہمد میں ۱۲ پیوند لگے ہیں کرتے میں چار ہیں ایک مرتبہ جمعہ میں دیر ہو گئی لوگوں نے پوچھا تو فرمایا میرے پاس یہی ایک کپڑا ہے اسے صاف کر کے خشک کرنے میں دیر ہو گئی، قحط سالی کے زمانہ میں جو کی روٹی بھی نہ کھاتے، دودھ اور گھی کا تو ذکر ہی کیا فاقے پر فاقے کرتے رہے، سفر شام کا واقعہ مشہور ہی ہے، آقا پیدل نکیل پکڑے ہوئے اور غلام سوار، یہ تھا کاروانِ خلافت کا حال۔ ایکبار عرض کیا گیا کہ اب اسلامی سلطنت آدھی دنیا پر قائم ہو گئی ہے اور غیر سلطنتوں کے سفراء اور وفد آتے رہتے ہیں اب ذرا عمدہ کپڑے پہنا کریں بے تکلف جواب دیا میرے لئے عزت اسلام کافی ہے۔ فکر آخرت ملاحظہ ہو گشت کر رہے ہیں ایک بڑھیا ملی آپ نے اپنے متعلق پوچھنا شروع کیا کہ عمر کیسا آدمی ہے اس نے کہا جب سے خلیفہ ہوا مجھے ایک پیسہ نہیں ملا۔ فاروق اعظمؓ نے کہا اسے اطلاع کہاں، بڑھیا نے کہا وہ امیرالمومنین ہے اس کو خود مشرق سے مغرب تک کی خبر رکھنی چاہیئے،

سنکر آپ رونے لگے اور فرمایا مجھ عمرؓ پہ رحم آتا ہے اچھا یہ بتلاؤ کہ عمرؓ نے جو تم پر ظلم کیا ہے اس کا کیا معاوضہ لوگی؟ بڑھیا نے کہا مجھ سے ساتھ تمسخر کرو آپ نے فرمایا میں تمسخر نہیں کرتا یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ سامنے سے حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ آ گئے اور کہا۔ مرحبا یا امیرالمومنین۔ یہ سنکر بڑھیا کے اوسان خطا ہو گئے کہ امیرالمومنین کے منہ پر اس نے برا بھلا کہا۔ آپ نے فرمایا کچھ حرج نہیں پھر تحریر لکھوائی کہ عمرؓ نے اپنا ظلم بڑھیا سے ۲۵ اشرفیوں پر معاف کرا لیا اب یہ قیامت کے دن اللہ کے سامنے دعویٰ نہیں کر سکتی اور اس پر علیؓ اور ابن مسعودؓ کی گواہی لکھوائی۔

انتقال کے وقت اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ کو وصیت کی کہ بیت المال کے ۸۰ ہزار روپے میرے ذمے باقی ہیں جو میرے باغ اور جائداد بیچ کر دیدینا۔

خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ ذوالنورین اپنی حلم و بردباری رحم و کرم میں مشہور ہیں، زمانۂ خلافت میں فرشِ خاک پر لیٹ رہتے تاکہ عام لوگوں کو ان سے ملنے میں دشواری نہ ہو۔ دوپہر کو مسجد میں پڑے رہتے ہاتھ سر کے نیچے رکھ لیتے اور فرشِ زمین پر لیٹے رہتے جس سے کنکریوں کے نشانات ابھر جاتے، ہر جمعہ کو کہتے جس کو میرے متعلق یا میرے عمال سے کوئی شکایت ہو بے جھجک پیش کرے اور فرماتے میں قوی کے مقابلے میں ضعیف کے ساتھ ہوں، پورا زمانۂ خلافت مسلمانوں کی خدمات میں گزارا۔

خلافت کے آخری چھ سال میں منافقوں کی سازش سے مسلمانوں میں خانہ جنگیاں ہونے لگیں، یہاں تک کہ خود حضرت عثمانؓ کی جان پر آ بنی محاصرہ کر لیا گیا۔ حضرت عثمان رضؓ نے منافقوں پر تلوار اٹھانے کی جگہ ان سے عاجزانہ لہجہ میں کہا "مسلمانو! مجھے قتل نہ کرو۔ یاد رکھو میرے بعد تمہاری شیرازہ بندی نہیں ہو سکتی اور تم بھائی کا فرقوں سے لڑنے کے اپنے ہی بھائیوں پر تیغ و سناں استعمال کرو گے" آخر یہی ہوا حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت شیرِ خدا کا دورِ خلافت آیا جس کو مسلسل خانہ جنگیوں سے دوچار ہونا پڑا حضرت علیؓ کو رعایا کے مال سے اتنا اجتناب تھا کہ ایک مرتبہ سخت جاڑے میں ایک کمبل کا ٹکڑا اوڑھے کانپتے ہوئے چلے جا رہے تھے، ایک آدمی نے کہا اللہ آپ پر رحم کرے، آخر آپ اپنے اوپر اتنی سختی کیوں کرتے ہیں اس بیت المال میں اللہ نے آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا حصہ بھی رکھا ہے فرمایا یہ ٹکڑا تو میں اپنے گھر (مدینہ) سے لے کر چلا تھا۔ مسلمانوں کے مال میں سے کچھ نہیں لیا کوئی آج ایسا حکمران ہے جو نصف عالم پر حکومت کرتے ہوئے ایک کمبل کا محتاج ہو

(باقی صفحہ ۲۴ پر)

افق تمدن پر تہذیب مغرب کے دھوئیں

(بشکریہ ایشیا)

(خلیل حامدی)

مرکز اسلام — حجاز کے متعلق مسلسل سُن رہے ہیں کہ وہاں پر اخلاقی حالت روز بروز بگڑتی جا رہی ہے اور اس اخلاقی بگاڑ کا اصل منبع شاہی خاندان کے نوجوان ہیں جو اپنے خاندانی اقتدار اور شاہی اختیار کے بل بوتے پر ملکی قانون سے مستثنیٰ ہیں جہاں ملکی قانون سینما اور فلم کو عوام الناس کے لئے حرام اور ممنوع قرار دیتا ہے۔ وہاں شہزادوں کے محلات مستقل سینما ہاؤس بنے ہوئے ہیں، ان کے حرم کی خواتین وہی مغربی لباس زیب تن کرتی ہیں جو پیرس و لندن کی لیڈیاں کرتی ہیں، شہزادوں کی بے راہ روی کا اثر عوام الناس پر تیزی سے پڑ رہا ہے، سب سے پہلے وہ طبقہ اس سے متاثر ہوا جو مال و دولت اور اختیارات میں ان سے قریب تھا اب نچلے طبقے میں بھی یہ جراثیم بڑی طرح داخل ہو رہے ہیں، اخلاقی بگاڑ کا دوسرا سبب فحش رسالوں اور کتابوں کی فراوانی ہے جو مصر و شام سے بے تحاشہ حرمین تک پہنچتی ہیں اور کعبہ و گنبد خضرا کے زیر سایہ کھلم کھلا فروخت ہوتی ہیں، اب یہ بگاڑ کس حد تک معاشرہ حجاز میں سرایت کر چکا ہے اس کی ایک مثال آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔

مدینۃ الرسولؐ میں نوجوان ادباء کی ایک انجمن وجود میں آئی ہے جس کے سربراہ عبدالسلام ہاشم حافظ نامی ایک نوجوان ہیں اس انجمن نے اپنی ادبی سرگرمیوں کا آغاز ”روائع الادب العربی“ (ادب عربی کا جمالیاتی پہلو) کے عنوان سے ماہانہ رسالوں اور کتابوں کی اشاعت سے کیا ہے، اب تک اس سلسلے کے تحت متعدد مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ مثلاً ”قلوب کلیمۃ“ (زخمی دل)، ثورۃ الجزیرہ (جزیرہ عرب کا انقلاب)، راہب الفکر، خطمۃ الاقدار (تقدیر نے اسے ریزہ ریزہ کر ڈالا) وغیرہ۔ یہ لٹریچر اپنے دامن میں ادب عربی کا کون سا پہلو لئے نمودار ہوا ہے اس کا اندازہ آپ ذیل کے اقتباسات سے کر سکتے ہیں۔

قلوب کلیمہ (زخمی دل) ایک افسانہ ہے، اس کے ٹائیٹل کے بالائی حصے پر ایک مغربی جوڑے کی تصویر ہے۔ زیریں حصہ میں ایک نوجوان ایک عریاں دوشیزہ کا بوسہ لیتے ہوئے دکھایا گیا ہے یہ تو اس کتاب کا ظاہر ہے، اب باطن ملاحظہ فرمائیے۔

ص۳ پر افسانہ نگار محبت کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: ”یہ کائنات ایک تھیٹر ہے جس پر ”زخمی دل“ (اہل عشق) اپنا اپنا وہی کردار ادا کر رہے ہیں جو فطرت انھیں سکھاتی ہے اور زندگی ان کے لئے تیار کرتی ہے“ مدنی نوجوان یہ لکھتے ہوئے یہ فراموش کر گیا کہ گنبد خضراء کے مکین جس کتاب الٰہی کو لے کر اس کے شہر میں پہنچے تھے وہ اس غلط جبری نظریے کی تعلیم نہیں دیتی بلکہ اس کا فیصلہ ہے کہ ”ہدیناہ النجدین“ (ہم نے انسانوں کو خیر اور شر کے دونوں راستے بتلائے ہیں) نوجوان اسی خیال کو ص۷ پر ادا کرتے ہوئے لکھتا ہے ”آسمان لگے بندھے حکم کے تحت چل رہا ہے۔ تقدیر اپنے مخفی تصرفات کر رہی ہے۔ ہم — انسان بالخصوص اہل عشق — فطرت کے اشاروں پر چل رہے ہیں“ — وہی فطرت ہمیں چلا رہی ہے جو لالہ و گل کے اکھووں میں زندگی پھونکتی ہے اور انھیں بڑا کرتی ہے“ یہ محض ایک جبری نظریہ کا اظہار نہیں بلکہ عشق و محبت کے لباس میں نوجوان اپنی نفسیاتی خواہشات کے لئے راستہ ہموار کرنا چاہتا ہے، چنانچہ ایک دوسرے افسانے عاشق اوثن (عاشقِ صنم) میں دو محبوبوں کی کہانی بیان کرتا ہے جن کی منگنی تو ہو گئی مگر شادی میں کامیاب نہ ہو سکے، افسانہ نگار ان کے عشق کو ”محبت افلاطونی“ کا نام دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ یہ ناکام جوڑا اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتا کہ ان کو چند رس بھرے بوسوں کا موقع مل جائے اس کے علاوہ وہ کسی خلوت و سرگوشی کا حاجت مند نہیں“ (ص۶) جب لڑکی کی شادی کسی دوسرے شخص سے ہو جاتی ہے تو وہ اپنے محبوب کو اپنا فوٹو بھیجتی ہے جس پر یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں: ”میرا جسم آپ کھو بیٹھے لیکن میری روح آپ کی جھولی میں رہتی ہے“ (ص۹)

افسانہ ”حطمۃ الاقدار“ میں افسانہ نگار نے ایک جگہ محبوبہ کو مغربی لباس پہنایا ہے جس سے اس کا اندرونی حصہ صاف نظر آتا ہے لیکن یہ لباس بھی [illegible]

تعارف وتبصرہ

۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ :-

مرتبہ خلیق احمد صاحب نظامی۔ استاذ شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ۔ تقطیع کلاں، صفحات ۲۱۲۔ کاغذ کتابت وطباعت اعلیٰ۔ مجلد مع گردپوش۔ قیمت چار روپے آٹھ آنے (للعہ) ملنے کا پتہ :- ندوۃ المصنفین۔ جامع مسجد دہلی۔

ہنگامہ ۱۸۵۷ء عرصہ دراز تک "غدر" کے نام سے یاد کیا جاتا رہا۔ مگر آزادی ... نے پہلی جنگ آزادی کا عنوان دیا گیا، اور ہند وپاکستان کے سیاسی و ذہنی حلقوں میں فکر ونظر کا ایک دلچسپ موضوع بن گیا۔ چنانچہ دونوں جگہ اس موضوع پر متعدد کتابیں شائع ہوئیں۔ اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ زیر تبصرہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک سنہری کڑی ہے۔

عبداللطیف، جو اس روزنامچہ کا مصنف ہے دہلی کے ایک معزز خاندان کا رکن ہے۔ اور صاحب علم وفہم آدمی ہے۔ اس کو خود قلعہ دہلی میں آنے جانے کا موقع ملتا رہا ہے۔ اس لئے جو کچھ اس نے لکھا ہے وہ چشم دید اور گوش شنید واقعات ہیں۔ تاہم یہ روزنامچہ ہنگامہ فرو ہو جانے اور انگریزی تسلط قائم ہو جانے کے بعد قید تحریر میں آیا ہے۔ اور اس میں مرتب کے قلم سے وقتاً فوقتاً ترمیم واضافہ بھی ہوتا رہا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد انگریزی حکومت کے ظلم وستم نے دہشت انگیزی کی جو فضا قائم کر دی تھی۔ اس سے عبداللطیف کا قلم بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ اس نے ہنگامہ آرا عناصر کا ذکر اچھے الفاظ سے نہیں کیا ہے۔ مگر بہادر شاہ "شاہ دہلی" کے احترام وعقیدت میں کمی نہیں کی۔ اور بادشاہ کو بے بس ومجبور اور ہنگامہ وفساد سے نفور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاہم ایک صاحب نظر طالب علم الفاظ وطرز بیان کی نقاب الٹ کر حقائق و واقعات کے چہرہ مستور کو دیکھ سکتا ہے۔ اور اس روزنامچہ سے جنگ آزادی کے بہت سے مخفی گوشے اس کی نگاہوں کے سامنے آ سکتے ہیں۔

یہ اچھی بات ہے کہ اصل روزنامچہ (جو بزبان فارسی ہے) اور اس کا ترجمہ دونوں شائع کر دیئے گئے ہیں۔ اس طرح کتاب عام شائقین کے علاوہ اہل تحقیق کے لئے بھی مفید و کارآمد ہوگئی ہے۔

کتاب کے شروع میں نظامی صاحب (مرتب ومترجم) کے قلم سے ۵۴ صفحات کا بسیط ومحققانہ مقدمہ ہے۔ نظامی صاحب عرصہ سے تاریخ ہند کے اسلامی عہد پر تدریسی وتصنیفی کام کر رہے ہیں۔ اور اب تو ماشاءاللہ اس موضوع پر اپنی وسعت نظر اور اصابت فکر کی بنا پر وہ اپنی ذات سے ایک "حوالہ" بن گئے ہیں۔ ان کے اس مقالہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ تحریک آزادی ہند کے اسباب وعوامل کیا تھے۔ اس تحریک کو کن کن مراحل سے گذرنا پڑا، کن کن عناصر نے اس تحریک میں حصہ لیا۔ اور ان کے کیا کیا مقاصد تھے۔ اور اس قومی تحریک کو ناکامی کا منہ کیوں دیکھنا پڑا۔ آپ نے تحریک آزادی کے فکر کا مؤسس بجا طور پر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کو قرار دیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں اولین عملی اقدام کا سہرا حضرت سید احمد شہید اور ان کے رفقاء کے سر باندھا ہے۔ آپ کی رائے میں ۱۸۵۷ء کے ممتاز مجاہد مولانا لیاقت علی الہ آبادی، مولانا عبدالجلیل علی گڈھی اور جنرل بخت خاں بھی سید صاحب کی تحریک سے متاثر تھے۔ دوسرے زعماء تحریک حاجی امداد اللہ، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا عبدالقادر لدھیانوی تو بہرحال حضرت سید صاحب کے گروہ کے آدمی تھے ہی۔

کتاب کے خاتمہ پر ان شخصیات کا تعارف نامہ درج کر دیا گیا ہے۔ جن کا روزنامچہ میں کسی حیثیت سے ذکر آیا ہے۔ یہ کتاب ہماری رائے میں اردو لٹریچر میں بہت مفید اور قیمتی اضافہ ہے۔ کتاب ان تمام طباعتی محاسن سے موصوف ہے جو ندوۃ المصنفین دہلی کا خصوصی امتیاز بن چکے ہیں۔ ہم ایسی کتاب کو ایسی اچھی صورت میں شائع کرنے پر ندوۃ المصنفین کو قابل مبارکباد سمجھتے ہیں۔

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

نصرۃ الباری فی بیان صحۃ البخاری :- مرتبہ جناب مولانا عبدالرؤف صاحب

دیر تک قائم نہیں رہتا بلکہ وہ یکایک لباس اتار پھینکتی ہے اور اپنے عاشق کو چمٹ جاتی ہے، عاشق خود بیان کرتا ہے "اس محبوبہ نے کپڑے اتار پھینکے اور جھٹ میری گردن اپنی باہوں میں لے لی اور اپنا سینہ میرے سینے سے ملا کر زور سے دبایا اور کہنے لگی "میرے محبوب اسی کا نام محبت ہے" — اسی افسانے میں عاشق کی زبان سے محبوبہ کی میٹھی محبت کو ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے "اس نے میری باہوں کو اپنی گردن میں ڈال لیا اور ہم شہد بھرے بوسوں کے نشے میں دیر تک غرق رہے اور اس وقت ہوش آیا جب نوکر نے اپنی انگلی سے دروازہ کھٹکھٹایا اور اپنی سیدہ کو بلایا لیکن سیدہ نے دروازے کی جانب دوڑ کر اسے کہا کر جاؤ ہمارا عشائیہ اور شراب کی بوتلیں لاؤ — چنانچہ نوکر مختلف قسم کی شراب لایا۔ مجھے گمان نہیں تھا کہ شراب بھی نشہ آور ہوگی۔

نحو لغت اور محض ادبی لحاظ سے بھی یہ افسانوی مجموعے نہایت پست معیار کے حامل ہیں چنانچہ جا بجا ایسی فاش غلطیاں ملتی ہیں جن کی توقع عام عربی دان سے بھی نہیں کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود افسانہ نگار کا دعویٰ ہے کہ "اس کی خامہ نے اسے ابو نواس اور عمر بن ربیعہ کے مرتبہ تک پہنچے" افسوس ہے کہ مدنی ادیب عربی ادب میں بھی اپنے لئے اسوہ تلاش کرتا ہے تو قرآن و حدیث کی سوغات فصحی و معجز بیان کو چھوڑ کر بے راہ شعراء کے گمراہ و قصائد کو۔

قصۃ الحب اور ما ہی الا الشکر میں جدہ و بیروت کے معاشرتی حالات کی تصویر پیش کی گئی ہے جس میں اسلامی اقدار کو نہایت مضحکہ انگیز انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ القلوب کلیمہ کے مقدمہ میں ان افسانوں کا تعارف کراتے ہوئے بتایا گیا ہے "ہم ان سماجی بیڑیوں کو کاٹنا چاہتے ہیں جو اپنی پوری رجعت پسندی اور استبداد کے ساتھ مشرق کی سرزمین پر چھا رہی ہیں۔"

یہ ہیں مدینۃ العلوم کے نوجوانوں کی ادبی سرگرمیاں جنہیں ہم حجاز کے موجودہ حالات کو عہد فاروقی کے معاشرتی حالات سے کم نہیں سمجھتے ہیں ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ آپ نے صرف ہیئۃ الامر بالمعروف ہی کو دیکھا ہے اور سمجھ گئے ہیں کہ جس ملک میں آمرین بالمعروف اور ناہین عن المنکر موجود ہیں وہ اسلامی حکومت نہیں تو اور کیا ہے، ہم گزارش کریں گے کہ یہی ادارہ امر بالمعروف تو عام بے نمازیوں اور علانیہ روزہ خوروں کی تو گردن ناپ سکتا ہے مگر منبع شر اور معدن فواحش کے آگے وہ بھی روزہ شب سجدہ ریز ہے ورنہ آپ خود اندازہ لگائیں کہ ایسے بہکے ہوئے نوجوان ادب و فن کے لباس میں ہر لمحہ سادہ لوح نوجوانوں کے دل و دماغ میں تہذیب مغرب کے جراثیم اتار رہے ہیں، مگر آج تک ان کی سرگرمیوں کو خلاف شرع قرار دے کر نہیں روکا گیا، ہمارا اندازہ ہے کہ اگر امیر فیصل کچھ مدت تک اور وزیر اعظم رہے تو حجاز سے فحش و منکر کا ایسا لاوا پھوٹے گا جس کا روکنا کسی کے بس میں نہ ہوگا — اللہ تعالیٰ اپنے محبوب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ارض پاک کو نادانوں کے تصرف سے محفوظ رکھے۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۲۰)

ایکبار لوگوں نے دیکھا کہ بازار میں اپنی تلوار فروخت کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں خدا کی قسم یہ وہ تلوار ہے جس سے میں نے بارہا رسول اکرمؐ کے روئے انور سے تکلیفیں دور کی ہیں اگر میرے پاس ایک تہمد خریدنے کی قیمت ہوتی تو اسے ہرگز فروخت نہ کرتا۔ ان کے سگے بھائی حضرت عقیلؓ حاضر ہوتے ہیں اور بڑی منت و سماجت سے کہتے ہیں کہ علی! مجھ پر چار ہزار درہم قرض ہیں۔ بیت المال سے دے دیجئے فرمایا کیا آپ ہمیں مسلمانوں کے مال کا خائن بنانا چاہتے ہیں، عشرہ مبشرہ میں سے ہونے کے باوجود راتوں کو داڑھی پکڑ کر تضرع و زاری کرتے ہیں اور کہتے ہیں زاد راہ کم ہے اور سفر لمبا اور راستہ دشوار ہے، آپ کے زہد و ورع کی مثالیں سن کر تعجب ہوتا ہے بہرحال یہ ہمارے خلفائے راشدینؓ نبیؐ کے حقیقی پیرو کار اور متبع تھے اور انہیں کے دم سے آفتاب عالم کی کرنیں عالم کے گوشے گوشے میں پہنچی ہوئی ہیں اور آج بھی ہم خلفائے راشدین کے نقش قدم پر چل کر دنیا کو زیر نگیں کر سکتے ہیں اور اقوام عالم کو اپنا گرویدہ اور حلقہ بگوش بنا سکتے ہیں۔ ؏

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(بقیہ مضمون صفحہ ۹): اللہ خدا کی رحمت و کرم کے خزانے بہت وسیع ہیں) روزہ کشائی کے یہ فضائل سن کر صحابہ نے کہا یا رسول اللہ ہم میں سے ہر شخص کو تو میسر نہیں کہ روزہ دار کو روزہ کھلوا سکے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ روزہ افطار کرانے کا یہ مطلب نہیں کہ تم پیٹ بھر کر ہی کھانا کھلاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی عطا فرمائے گا جو کسی روزہ دار کو ایک لسی یا ایک چھوارہ یا ایک گھونٹ پانی ہی سے افطار کرا دے گا۔ اور جو شخص اس میں اضافہ کرے گا اور روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے گا تو اسے اللہ تعالیٰ میرے حوض کوثر سے ایسا پانی کا گھونٹ پلائے گا کہ اسے قیامت کی شدید گرمی میں بھی پیاس نہ لگے گی یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ:۔

مرتبہ خلیق احمد صاحب نظامی۔ استاذ شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ تقطیع کلاں۔ صفحات ۲۱۲۔ کاغذ کتابت وطباعت اعلیٰ۔ مجلد مع گرد پوش۔ قیمت چار روپے آٹھ آنے (للعہ) ملنے کا پتہ :۔ ندوۃ المصنفین۔ جامع مسجد دہلی۔

ہنگامہ ۱۸۵۷ء عرصہ دراز تک "غدر" کے نام سے یاد کیا جاتا رہا۔ مگر آزادی ہند کے بعد اسے "پہلی جنگ آزادی" کا عنوان دیا گیا۔ اور ہند وپاکستان کے سیاسی ودینی حلقوں میں بحث ونظر کا ایک دلچسپ موضوع بن گیا۔ چنانچہ دونوں جگہ اس موضوع پر متعدد کتابیں شائع ہوئیں۔ اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ زیر تبصرہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک سنہری کڑی ہے۔

عبداللطیف، جو اس روزنامچہ کا مصنف ہے دہلی کے ایک معزز خاندان کا رکن ہے۔ اور صاحب علم وفہم آدمی ہے۔ اس کو خود قلعہ دہلی میں آنے جانے کا موقعہ ملتا رہا ہے۔ اس لئے جو کچھ اس نے لکھا ہے وہ چشم دید اور گوش شنید واقعات ہیں۔ تاہم یہ روزنامچہ ہنگامہ فرو ہو جانے اور انگریزی تسلط قائم ہو جانے کے بعد قید تحریر میں آیا ہے۔ اور اس میں مرتب کے قلم سے وقتاً فوقتاً ترمیم واضافہ بھی ہوتا رہا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد انگریزی حکومت کے ظلم وستم نے دہشت انگیزی کی جو فضا قائم کر دی تھی۔ اس سے عبداللطیف کا قلم بھی مرتعش ہوئے بغیر نہ رہا، اس نے ہنگامہ آرا عناصر کا ذکر اچھے الفاظ سے نہیں کیا ہے۔ مگر "بہادر شاہ، شاہ دہلی" کے احترام وعقیدت میں کمی نہیں کی۔ اور بادشاہ کو بے بس ومجبور اور ہنگامہ وفساد سے نفور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاہم ایک صاحب نظر طالب علم الفاظ وطرز بیان کی نقاب الٹ کر حقائق وواقعات کے چہرہ مستور کو دیکھ سکتا ہے۔ اور اس روزنامچہ سے جنگ آزادی کے بہت سے مخفی گوشے اس کی نگاہوں کے سامنے آسکتے ہیں۔

یہ اچھی بات ہے کہ اصل روزنامچہ (جو بزبان فارسی ہے) اور اس کا ترجمہ دونوں شائع کر دیئے گئے ہیں۔ اس طرح کتاب عام شائقین کے علاوہ اہل تحقیق کے لئے بھی مفید وکارآمد ہوگئی ہے۔

کتاب کے شروع میں، نظامی صاحب (مرتب ومترجم) کے قلم سے ۵۴ صفحات کا بسیط ومحققانہ مقدمہ ہے۔ نظامی صاحب عرصہ سے تاریخ ہند کے اسلامی عہد پر تدریسی وتصنیفی کام کر رہے ہیں۔ اور اب تو ماشاء اللہ اس موضوع پر اپنی وسعت نظر اور اصابت فکر کی بناء پر وہ اپنی ذات سے ایک "حوالہ" بن گئے ہیں۔ ان کے اس مقالہ سے معلوم ہوسکتا ہے کہ تحریک آزادی ہند کے اسباب وعوامل کیا تھے، اس تحریک کو کن کن مراحل سے گذرنا پڑا، کن کن عناصر نے اس تحریک میں حصہ لیا۔ اور ان کے کیا کیا مقاصد تھے، اور اس قومی تحریک کو ناکامی کا منہ کیوں دیکھنا پڑا۔ آپ نے تحریک آزادی کے فکر کا موسس بجا طور پر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کو قرار دیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں اولین عملی اقدام کا سہرا حضرت سید احمد شہید اور ان کے رفقاء کے سر باندھا ہے۔ آپ کی رائے میں ۱۸۵۷ء کے ممتاز مجاہد، مولانا لیاقت علی الہ آبادی، مولانا عبدالجلیل علی گڈھی اور جنرل بخت خاں بھی سید صاحب کی تحریک سے متاثر تھے۔ دوسرے زعماء تحریک حاجی امداد اللہ، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا عبدالقادر لدھیانوی تو بہر حال حضرت سید صاحب کے گروہ کے آدمی تھے ہی۔

کتاب کے خاتمہ پر، ان شخصیات کا تعارف نامہ درج کر دیا گیا ہے۔ جن کا روزنامچہ میں کسی حیثیت سے ذکر آیا ہے۔ یہ کتاب ہماری رائے میں، اردو لٹریچر میں بہت مفید اور قیمتی اضافہ ہے۔ کتاب ان تمام طباعتی محاسن سے موصوف ہے جو ندوۃ المصنفین دہلی کا خصوصی امتیاز بن چکے ہیں۔ ہم ایسی عمدہ کتاب کو ایسی اچھی صورت میں شائع کرنے پر ندوۃ المصنفین کو قابل مبارکباد سمجھتے ہیں۔

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

نصرۃ الباری فی بیان صحۃ البخاری:۔ مرتبہ جناب مولانا عبدالرؤف صاحب

رحمانی۔ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۲۴۰ کتابت روشن، طباعت و کاغذ عمدہ۔ قیمت غیر مجلد دو روپے آٹھ آنے (۲/۸) ملنے کا پتہ:۔ مولانا عبدالرؤف رحمانی معرفت قاضی تبارک اللہ۔ بڑھنی بازار۔ پوسٹ راست گنج۔ ضلع بستی۔

صحیح البخاری کی شہرت و قبولیت، عظمت و مرتبت اور اعتماد و استناد کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ امت کے ہر طبقہ میں اس کو جو تلقی بالقبول حاصل رہی ہے وہ اس میں منفرد ہے اور "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" کا جو مقام اس کا تسلیم کیا جا چکا ہے اس میں اس کا کوئی سہیم و شریک نہیں۔ اس لحاظ سے بظاہر "بخاری" پر قلم اٹھانا بے ضرورت معلوم ہوتا ہے۔ مگر گذشتہ چند سالوں میں پاکستان میں انکار حدیث کا جو فتنہ برپا ہوا ہے اور "عجمی سازش" کا جو افسانہ سنایا جا رہا ہے اس کے پیش نظر ضرورت تھی کہ محدثین کرام کے زریں کارناموں کو منظر عام پر لایا جائے۔ ملک کے معروف اہل قلم اور ممتاز اہل حدیث عالم مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی جھنڈا نگری کی یہ کتاب اسی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔

فاضل مؤلف نے "امام محمد بن اسمٰعیل بخاری" کے ذاتی حالات، علمی کمالات طلب علم میں جد و جہد، جمع احادیث میں محنت و مشقت، استنباط مسائل میں ان کی درایت و فقاہت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ پھر ان کی "صحیح" کی ان تمام امتیازی خصوصیات کو واضح کیا ہے جن کی وجہ سے اسے "اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری" کا پروانہ ملا ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے اسلاف کرام کی محنتوں کا صحیح نقشہ نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اور آج کل کے مستشرقین کی ریسرچ کے مقابلہ میں محدثین و ناقدین حدیث کی تحقیق و تنقید کا امتیاز ظاہر ہو جاتا ہے۔

مولانا کا انداز تحریر، صاف شگفتہ مگر محققانہ ہے اور کتاب مستند مآخذ کے حوالوں سے معمور ہے۔

تاہم مولانا مودودی کو انکار حدیث میں پرویز صاحب کے زمرہ میں شامل کرنا مقام عدل سے تجاوز ہے۔ اگرچہ صحیح بخاری سے متعلق ان کے بعض بیانات سے ہمیں بھی اختلاف ہے۔ اسی طرح "صحیح بخاری" کا "ہدایہ" سے مقابلہ کرنا بھی مناسب نہیں (ص ۹۵) دونوں کا موضوع مختلف ہے اور "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است۔"

بہر حال یہ رسالہ اپنے موضوع پر، ہر طرح مستند جامع اور دلچسپ ہے۔ ہم ناظرین الحرم سے اس کے مطالعہ کی پُر زور سفارش کرتے ہیں۔

* * * * * *

العلم و العلماء :۔ مؤلفہ مولانا عبدالرؤف رحمانی تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۹۶۔ کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ۔ قیمت ۱۲ ملنے کا پتہ:۔ مذکورہ بالا۔

یہ کتاب بھی مولانا رحمانی کی قابل قدر تالیف ہے۔ اس میں آپ نے مستند تاریخ و سیر کی کتابوں سے اخذ کر کے علمائے ملت اور فضلائے امت کی طلب علم میں محنت و مشقت، فقر و فاقہ و تنگدستی پر قناعت، دنیا اور متاع دنیا کی بے قدری، دنیا داروں سے بے نیازی، نشر و اشاعت دین میں طالبانہ گرویدگی، اعلاء کلمہ حق میں جرأت و بے باکی کے سینکڑوں روح پرور اور ایمان افروز واقعات جمع کر دیئے ہیں۔ کتاب کا مطالعہ ہر دیندار مسلمان خصوصاً طلبہ مدارس دینیہ کے لئے بہت مفید اور ضروری ہے۔

* * * * * *

چراغ راہ :۔ اسلامی قانون نمبر۔ جلد اول۔ مرتبہ خورشید احمد صاحب۔ قیمت چار روپے آٹھ آنے (للعہ) ملنے کا پتہ:۔ دفتر چراغ راہ کراچی ۱۔

جو لوگ دنیا کے موجودہ حالات میں نظام اسلامی کے قیام کو، اقوام و ملل کی مشکلات کا واحد حل سمجھتے ہیں ان پر قدرتی طور پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ قانون اسلامی کی دوسرے قوانین پر برتری، اس کی جامعیت و ہمہ گیری، عہد حاضر کے مسائل پر اس کے انطباق، اور اسلامی ریاست میں اس کے نفاذ کی عملی تدابیر کو مدلل طور پر ثابت کریں۔ چراغ راہ کراچی نے یہ اہم ذمہ داری قبول کی۔ اور "اسلامی قانون نمبر" کے نام سے دو ضخیم نمبر شائع کر دیئے۔

اس وقت پہلا نمبر پیش نظر ہے جو بڑے سائز کے ساڑھے چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اور متعدد ابواب پر منقسم ہے۔ ان بابوں کے عنوانات یہ ہیں۔

قانون اور اصول قانون، اسلام کا تصور قانون، اسلامی قانون کا تقابلی مطالعہ، مآخذ قانون اسلامی، تاریخ قانون اسلامی، اسلامی قانون کی تشکیل جدید، اسلامی قانون اور تعبیر نو وغیرہ۔ ان عنوانات کے تحت عالم اسلامی کے ممتاز فضلاء، علماء مستشرقین اور ارباب سیاست کے بہترین جدید و قدیم مضامین و مقالات جمع کر دیئے گئے ہیں۔ مضمون نگاروں میں ڈاکٹر صبحی محمصانی، عبدالقادر عودہ شہید، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، سبھی شامل ہیں۔ بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ اس موضوع پر چراغ راہ کا یہ نمبر عدیم النظیر ہے اور کسی دوسری جگہ کسی زبان میں بھی اتنی معلومات یکجا ملنی ممکن نہیں۔ اس نمبر سے جہاں یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اسلام زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ وہاں فقہاء اسلام کے ان عظیم الشان کارناموں کی اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ ص ۴۴

[illegible] اور تیسری صدی ہجری میں اسلام کو "بحیثیت نظام حکومت" نافذ کرنے [illegible] [illegible] کر دیا۔

محراب النبی

المدینۃ المنورۃ

جلد نمبر ۸ — اپریل ۱۹۵۹ء
نمبر (۲) — شوال المعظم ۱۳۷۸ھ

-: قیمت :-

سالانہ	دو روپے عہ/
ممالکِ غیر میں	پانچ روپے
فی پرچہ	تین آنے

-: التماس :-

جن احباب کے پاس پرچہ انکی طلب پر بطور نمونہ پہونچے ان کا فرض ہے کہ وہ خریداری سے متعلق اپنے فیصلہ سے اطلاع کردیں ورنہ انھیں خریدار تصور کیا جائے گا۔

قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیجیں وی پی نہیں بھیجا جاتا۔

جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا لفافہ بھیجیں۔ اپنا پتہ صاف اردو و انگریزی میں منی آرڈر کے کوپن پر اور خط پر صرور لکھیں اور نمبر خریداری ضرور لکھیں۔

اگر دیے ہوئے دائرہ میں سرخ نشان لگا ہوا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے، لہٰذا چندہ سالِ جدید ارسال فرمائیں اور اپنے آئندہ ارادے سے مطلع فرمائیے۔

-: پاکستان قیمت بھیجنے کا پتہ :-

منیجر کوثر بک ایجنسی C - 11 شاہ عالم مارکیٹ لاہور پاکستان

قاضی زین العابدین سجاد ایڈیٹر ... پرنٹر ... نے ... دہلی میں چھپ کر دفتر "الحرم" مفتی واڑہ میرٹھ سے شائع ہوا۔

بسم اللہ تعالیٰ

رمضان المبارک کے بعد!

رمضان المبارک کا مقدس مہینہ آیا اور گزر گیا! آیئے ذرا دیکھیں ہم نے اس نزولِ رحمت باری کے مہینہ سے کیا فائدہ حاصل کیا، ہمارے دل کی کھیتی اس سے کس قدر سیراب ہوئی اور ہمارے اعمال و اخلاق کی شاخوں میں اس سے کون سی کلیاں کھلیں؟ قرآن کریم میں روزے کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

"اے ایمان والو! تم پر اسی طرح روزہ رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کیا گیا تاکہ تم "تقویٰ" اختیار کرو۔

"تقویٰ" کے معنی ہیں "اللہ تعالیٰ کے خوف سے ان تمام برائیوں سے بچنا جن سے بچنے کا اس نے حکم دیا ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ روزہ میں کھانا پینا اور دوسری بعض نفسانی خواہشات کو پورا کرنے سے جو روکا گیا ہے تو اس سے مقصد صرف ان ممنوعات فقہیہ سے رکنا نہیں ہے بلکہ یہ تو محض وسیلہ اور ذریعہ کے درجہ کی چیزیں ہیں، اصلی مقصد یہ ہے کہ انسان کے دل میں اپنے آقا و مولےٰ کی کامل اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ پیدا ہو جائے اور کھلے اور چھپے اسی کی احکام کی تعمیل میں لگا رہے اور اس کا مقصد زندگی رضائے خداوندی کے حصول کے سوا کچھ نہ ہو۔

اب اگر رمضان کے بعد ہم اپنے اندر گناہوں سے بچنے کی طاقت محسوس کرتے ہیں اور اپنے دل میں خداوند قدوس کی وفاداری کا جذبہ موجزن پاتے ہیں، تب تو انشاء اللہ ہمارے روزے قبول ہوئے اور ہم اپنے مقصد میں کامیاب ورنہ فرض کا ساقط ہو جانا تو اور بات ہے، رمضان کے ثمرات و برکات سے تو محروم ہی رہے۔

ہماری عام حالت تو یہ ہے کہ رمضان کے ختم ہوتے ہی ایسا محسوس کرتے ہیں گویا کسی قید سے رہائی مل گئی ہے، کھانے پینے کے تکلفات میں یوں تو رمضان ہی میں کافی کمی چھوڑی جاتی ہے، اکثر مقدس لوگ بھی اس کی شرعی تاویلیں کرتے نظر آتے ہیں اور رمضان شریف کے ختم ہوتے ہی پچھلا سارا کوٹہ چند ہی دنوں میں پورا کر دیا جاتا چنانچہ اکثر لوگ اس بے احتیاطی کی وجہ سے رمضان شریف کے بعد بیمار پڑ جاتے ہیں اور اس طرح روزہ کے بہترین صحت بخش فوائد سے بھی محروم رہ جاتے ہیں۔

غذا کی افراط کے ساتھ ساتھ دوسری نفسانی خواہشات کے ارتکاب میں جو کسر رہ جاتی ہے اسے بھی فوراً پورا کرنے کی کوشش شروع کر دی جاتی ہے، عید کے ہی رقص و سرود کی مجلسیں آراستہ ہوتی ہیں۔ سنیماؤں میں خاص پروگرام عید کی خوشی میں چلتے ہیں۔ بعض شہروں میں عید کے بعد بڑا میلہ لگتا ہے اور مسلم ممالک کے بھی ریڈیو سے اسباب نشاط کے گانے نشر ہوتے ہیں۔

اسلام نے عید کے دن کو بیشک خوشی کا دن قرار دیا ہے مگر یہ خوشی اسلام کے مقررہ حدود کے اندر ہی ہونی چاہیئے اور اس کا مرکزی نقطہ یہ ہونا چاہیے کہ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے رمضان کے مہینہ میں ہمیں اپنی مرضیات کے حصول کے لئے نفسانی خواہشات سے بچنے کی توفیق دی اور ہم اس کی اپنی بساط کے مطابق عبادت و اطاعت کر سکے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے لَيْسَ الْعِيدُ لِمَنْ لَبِسَ الْجَدِيدَ وَلَكِنَّ الْعِيدَ لِمَنْ أَمِنَ الْوَعِيدَ عید اس کی نہیں ہے جس نے نیا لباس زیب تن کیا۔ عید اس کی ہے (جو گناہوں سے بچا اور) عذاب کی وعید سے محفوظ رہا۔

بے شک عید کے موقعہ پر بہتر لباس جو اپنے پاس موجود ہو پہننا مسنون مگر اس کا مقصد اللہ کی نعمت کا شکر ہونا چاہیئے، عید کے دن بہتر کھانا بھی کھایا جائے مگر غریب مسلمان بھائیوں کے کھانے کا انتظام بھی مدِ نظر رہنا چاہیئے (اور فطرہ اسی لئے واجب کیا گیا ہے) عسکری انداز کے کھیلوں میں بھی حصہ لیا جا سکتا ہے مگر اس کا مقصد بھی راہِ خدا میں اپنے جسم کو آزمائشوں میں پڑنا، مصیبتوں کے قابل بنانا ہونا چاہیئے۔

کھانے پینے میں تکلفات، لباس کی سج دھج اور لہو و لعب کی مشغولیت جو خواہشات نفسانی کی تسکین کے لئے ہو اسلام کی اسپرٹ کے خلاف ہے اور اسلام کے تہواروں میں اسے داخل کرنا ایک ظلم ہے۔

قرآن کریم میں کافروں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:۔

اَلَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ "یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے دین کو کھیل کود بنا رکھا تھا اور دنیوی زندگی نے انھیں دھوکہ میں ڈال دیا تھا۔"

اسلام کی عید تو یہ ہے کہ مسلمان اللہ اکبر اللہ اکبر کے ترانے بلند کرتے ہوئے عید گاہ جائیں وہاں شاندار نشانہ کھڑے ہو کر خداوند قدوس کی تحمید و تقدیس کے گیت گائیں، پھر اللہ تعالیٰ کے حضور میں دست سوال دراز کریں اور پھر گڑگڑائیں اپنے گناہوں کی معافی چاہیں اور اس کی طاعات و مرضیات کی توفیق طلب کریں اور اِرْجِعُوْا قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ جَمِيْعًا۔ "لوٹ جاؤ میں نے تم سب کو بخشا" کا مژدہ سنیں۔

الحاصل رمضان المبارک کے بعد ہمیں جائزہ لینا چاہیئے کہ یہ ماہِ مقدس اپنی برکتوں اور نعمتوں کا کتنا حصہ ہمیں دے گیا اور ہم کس طرح ان اعمال حسنہ کے پودوں کو جو ہمارے دل کی کھیتیوں میں ابھرے ہیں تن آور درختوں میں تبدیل کر سکتے ہیں۔

رمضان المبارک میں ہماری مسجدیں نمازیوں سے بھر جاتی ہیں جو لوگ نماز کے عادی نہیں ہوتے وہ بھی نماز پڑھنے لگتے ہیں، ضرورت ہے کہ ایسے لوگوں کو مستقل نمازی بنایا جائے۔

اس زمانہ میں ہم فرائض و سنن کے علاوہ نوافل بھی پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں، اچھا ہے کہ یہ عادت برقرار رہے ورنہ کم از کم فرائض و سنن تو ادا ہوتے ہی رہیں۔

اس زمانہ میں ہمیں بھوک پیاس کی تکلیف اٹھا کر اپنے غریب بھائیوں کی تکلیفوں کا عملی احساس ہوتا ہے، ضرورت ہے کہ یہ احساس باقی رہے اور ہم اپنے نادار بھائیوں کے حقوق مستقل طور پر ادا کرتے رہیں۔

اس زمانے میں ہم کھانے پینے اور زندگی کی جائز خواہشوں کی تکمیل کے لئے اس لئے رک جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محدود مدت کے لئے ان کو ہمارے لئے ممنوع قرار دے دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اب ہم ان تمام خواہشاتِ نفسانی سے دست کش ہو جائیں جو ہر زمانہ میں ہمارے لئے ممنوع قرار دی گئی ہیں۔

رمضان المبارک کے اس مقدس زمانہ میں ہم نے خداوند قدوس کے مبارک کلام کو باقاعدگی کے ساتھ سنا ہے، ضرورت ہے کہ ہم نہ صرف اس کی تلاوت جاری رکھیں بلکہ اس کے معنی و مطالب کو سمجھیں اور اسے اپنی زندگی کا مرکز و محور بنائیں وَمَا تَوْفِيْقُنَا اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ!

سکونِ قلب کے لئے "ہمدردانہ مشورہ"

انسان نے مادی اور ذہنی ترقی کافی کر لی ہے پھر بھی اسے سکونِ قلب حاصل نہیں اور بیسوی صدی کا یہ ترقی یافتہ انسان انفرادی سطح سے لے کر بین الاقوامی اور عالمی سطح تک ذہنی عدم اطمینان، انتشار اور پریشانی کا شکار ہے آخر اس کا علاج کیا ہے؟

ماہنامہ "ہمدرد صحت" دہلی (اپریل ۱۹۵۹ء) میں فاضل مضمون نگار ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب (جامعہ عثمانیہ) نے غالباً اشاروں ہی اشاروں میں اس سوال کا جواب دینے اور اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی ہے موصوف "صحت و شفا" کے زیر عنوان اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ

[illegible] ہے محض یہی کہ استغنا نہیں کرنا اگر اصلاً ہمارے قلب و ذہن میں کلی شادابی کا تصور قائم ہو جائے اور کوئی دوسرا خیال محل نہ ہو تو

و سرور سے قلب کی فضا معمور ہو جاتی ہے اور سکینت اور طمانیت ہمارا حال ہو جاتا ہے ا باطن کی یہ کیفیت خارج یا آفاق پر بھی طاری ہو جاتی ہے ؟

موصوف اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے آگے چل کر اسی مضمون میں لکھتے ہیں کہ " اس قاعدہ کے تحت اگر ہم اپنی محبت کا مرکز حق تعالےٰ کی ذات کو قرار دیں جو تمام رحمتوں اور نعمتوں کا مبداء ہیں اور فرح و سرور کا مرکز تو پھر قوانین حیات کے ساتھ کامل تطابق اور توافق پیدا ہو جاتا ہے اور ہمارے تمام حالات میں کامل تب اور ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے اور تمام دکھوں کا درماں مل جاتا ہے ۔"

ڈاکٹر صاحب موصوف اس نکتہ کی مزید وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ ۔ " فساد و بیماری کا اثر ان قلوب پر نہیں ہوتا جن کا قلب توجہ حق تعالےٰ کی ذات پر ہے ۔ فساد و اختلال پیدا کرنے والی بیماریاں اس شخص کے بدن پر حملہ نہیں کر سکتیں، جس کا قلب ہر آن ملازم حق ہوتا ہے اور حضور رحمۃ اللہ جن کو نقدم افسوس ہوتا ہے کہ ہم اس طرف بالکل توجہ نہیں کرتے ، ہمیں ناممکنات کی توقع بھی لوگوں سے نہ کرنی چاہیئے لیکن اتنا مشورہ ضرور دیا جا سکتا ہے کہ ہر روز چند لمحوں کے لئے دل شکستگی کے ساتھ ذات الٰہی کی طرف توجہ کریں جو ہماری زندگی کا مبداء و منشاء ہے اور ان لمحوں میں سرور سکینت اپنے قلب پر طاری کریں ۔ اس عرصہ میں تمام خیالات سے قلب کو خالی کر دیں تمام حرص و انانیت عداوت و نفرت درد ناپافت سے فارغ ہو جائیں اور قلب کو محبت ذاتی سے پر کر لیں اور سکون و سرور کا اس رکز بنائیں جبلی جذبات منفی خیالات کا تکب ذہن سے دور ہو جاتا ہی سکینت و سرور کا قلب میں پیدا ہوتا ہے ۔ ع

" ازخود چو گزشتی ہمہ عیش است خوش ۔ "

لطائف الحدیث

مدیر

(۴۵) اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا مَنْ اَقَرَّ لِیْ بِالتَّوْحِیْدِ دَخَلَ حِصْنِیْ وَمَنْ دَخَلَ حِصْنِیْ اَمِنَ عَذَابِیْ رَوَاہُ الشِّیْرَازِیُّ فِی الْاَلْقَابِ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ -

فرمایا اللہ تبارک وتعالٰی نے :- میں ہی معبود برحق ہوں میرے سوا کوئی بھی مستحق عبادت نہیں تو جس کسی نے میری توحید کا اقرار کیا وہ میرے قلعہ میں داخل ہو گیا اور جو میرے قلعہ میں داخل ہوا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا' روایت کیا اسے شیرازی نے الالقاب میں حضرت علیؓ سے۔

تشریح :- کلمۂ توحید اسلام کا بنیادی پتھر ہے، اسلام کے معنی مکمل فرمانبرداری اور اطاعت کے ہیں، مکمل فرمانبرداری کامل فرماں روا ہی کی ہو سکتی ہے، کلمۂ توحید کا مطلب ایسے ہی فرماں روا کا اقرار ہے جو اپنی ذات وصفات میں یکتا ہو۔ عظمت وقدرت کا تنہا مالک ہو، علم وحکمت کے خزانے اسی کے قبضہ میں ہوں، زندگی اور موت کا سررشتہ اسی کے ہاتھ میں ہو، عزت وذلت اسی کے ہاتھ میں ہو، وہ جو چاہے کرے کوئی اس سے باز پرس کرنے والا نہ ہو اور اس کی مرضی کے خلاف ایک پتہ بھی نہ ہل سکے۔

ظاہر ہے کہ جو شخص ایسے آقائے بالا دست کی غلامی کا پٹہ لکھ دے گا وہ تمام عالم سے مستغنی ہو جائے گا وہ کسی کے سامنے گردن نہ جھکائے گا کیونکہ اور سب اسی کی طرح اس کے آقا کے غلام ہیں وہ کسی سے خوف نہ کھائے گا کیونکہ اس کے آقا کے غلاموں پر کسی کو ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہیں ہو سکتی وہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے گا۔ کیونکہ کون سی چیز ہے جو اس کے آقا کے خزانے میں موجود نہیں تو گویا ایک مسلم موحد اقرار توحید کے بعد اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا بندہ بن کر ساری دنیا سے بے خوف وبے پروا ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالٰی بھی اپنے ایسے وفادار غلام کو اپنے حفاظت ورحمت کے آغوش میں لے لیتا ہے' اللہ تعالٰی کے قلعہ میں داخل ہونے اور اس کے عذاب سے محفوظ ہو جانے سے یہی مراد ہے

(۴۶) اِنِّیْ اِذَا اَخَذْتُ کَرِیْمَتِیْ عَبْدٍ فَصَبَرَ وَاحْتَسَبَ لَمْ اَرْضَ لَہٗ ثَوَابًا دُوْنَ الْجَنَّۃِ رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ وَ اَبُوْ یَعْلٰی وَالطَّبْرَانِیُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا

فرمایا اللہ عزوجل نے میں اگر کسی بندے کی دونوں آنکھیں لے لوں۔ اور وہ "اس معیبت پر" صبر کرے اور ثواب کی توقع رکھے تو میں اسے جنت سے کم کوئی بدلہ دینا پسند نہ کروں گا۔ روایت کیا اسے ابن ماجہ اور ابو یعلی اور طبرانی نے حضرت ابن عباس سے۔

(۴۷) اِنَّ اَوْلِیَائِیْ مِنْ عِبَادِیْ وَاَحِبَّائِیْ مِنْ خَلْقِیَ الَّذِیْنَ یُذْکَرُوْنَ بِذِکْرِیْ وَاُذْکَرُ بِذِکْرِہِمْ رَوَاہُ الْحَکِیْمُ وَاَبُوْ نُعَیْمٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ

فرمایا جناب باری عزاسمہٗ نے، میرے بندوں میں میرے دوست اور میری مخلوق میں میرے پیارے وہ لوگ ہیں کہ میری یاد کے ساتھ ان کی یاد آ جائے اور ان کی یاد کے ساتھ میری یاد آ جائے، روایت کیا اسے حکیم اور ابو نعیم نے عمرو بن جموح سے۔ احادیث نمبر ۴۶، ۴۷ کی تشریح سابق میں گذر چکی ہے۔ وہاں دیکھ لی جائے۔

(۴۸) اِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ وَجَعَلْتُہٗ مُحَرَّمًا بَیْنَکُمْ فَلَا تَظَالَمُوْا، یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ ہَدَیْتُہٗ فَاسْتَہْدُوْنِیْ اَہْدِکُمْ، یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ جَائِعٌ اِلَّا مَنْ اَطْعَمْتُہٗ فَاسْتَطْعِمُوْنِیْ اُطْعِمْکُمْ یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ عَارٍ اِلَّا مَنْ کَسَوْتُہٗ فَاسْتَکْسُوْنِیْ اَکْسُکُمْ یَا عِبَادِیْ اِنَّکُمْ تُخْطِئُوْنَ بِاللَّیْلِ وَالنَّہَارِ وَاَنَا اَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا غَیْرَ الشِّرْکِ فَاسْتَغْفِرُوْنِیْ اَغْفِرْ لَکُمْ، یَا عِبَادِیْ اِنَّکُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضَرِّیْ

فَتَضُرُّوْنِي وَلَنْ تَبْلُغُوْا نَفْعِيْ فَتَنْفَعُوْنِيْ، يَا عِبَادِيْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى اَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِّنْكُمْ مَا زَادَ ذٰلِكَ فِيْ مُلْكِيْ شَيْئًا، يَا عِبَادِيْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِّنْكُمْ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُلْكِيْ شَيْئًا - يَا عِبَادِيْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوْا فِيْ صَعِيْدٍ وَاحِدٍ فَسَاَلُوْنِيْ فَاَعْطَيْتُ كُلَّ اِنْسَانٍ مَسْاَلَتَهٗ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِيْ شَيْئًا اِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ اِذَا اُدْخِلَ الْبَحْرَ، يَا عِبَادِيْ اِنَّمَا هِيَ اَعْمَالُكُمْ اُحْصِيْهَا لَكُمْ ثُمَّ اُوَفِّيْكُمْ اِيَّاهَا فَمَنْ وَّجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَّجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ -

رواہ مسلم و ابوعوانہ و ابن حبان و الحاکم عن ابی ذر رض

فرمایا خداوند قدوس نے :۔ اے میرے بندو میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا بھلا واسطے تمہارے بھی حرام کر دیا ہے تو ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔ اے میرے بندو تم سب گمراہ ہو مگر وہ جسے میں نے راہ (ہدایت) دکھائی تو تم مجھ سے ہی راہنمائی طلب کرو میں تمہیں راہ (ہدایت و سعادت) دکھاؤں گا اے میرے بندو تم سب بھوکے ہو مگر وہ جس کا میں نے پیٹ بھرا تو تم مجھ سے ہی رزق مانگا کرو۔ میں تمہیں رزق دوں گا ۔ اے میرے بندو تم سب ننگے ہو مگر وہ جسے میں نے کپڑے پہنائے تو تم مجھ سے ہی لباس مانگا کرو میں تمہیں لباس دوں گا۔ اے میرے بندو تم رات دن خطائیں کرتے ہو اور میں ہی تمہارے سب گناہ معاف کرتا ہوں بجز شرک کے، تو تم مجھ سے ہی گناہوں کی معافی طلب کیا کرو میں تمہیں معاف کروں گا۔ اے میرے بندو تم میں مجھے نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں کہ نقصان پہنچاؤ اور نہ نفع پہنچانے کی طاقت کہ نفع پہنچاؤ۔ اے میرے بندو اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، انسان اور جن، تم میں سے زیادہ متقی آدمی کے دل جیسا بن جائیں تو اس سے میرے ملک میں کچھ اضافہ نہ ہوگا اور اے میرے بندو اگر تمہارے اگلے اور پچھلے انسان اور جن تم میں سے زیادہ بدکار آدمی کے دل کے مالک بن جائیں تو اس سے میرے ملک میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی اے میرے بندو اگر تمہارے اگلے اور پچھلے انسان اور جن ایک میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے مانگیں اور میں ہر ایک کا سوال پورا کروں تو اس سے میرے خزانے میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی مگر اتنی جتنی سوئی کو سمندر میں ڈال کر نکالنے سے ہوتی ہے اے میرے بندو یہ تمہارے اعمال کو پوری طرح محفوظ رکھتا ہوں پھر تم کو ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا تو جو شخص قیامت کے دن بھلائی پائے تو وہ اپنے نفس کے سوا کسی اور کو ملامت نہ کرے

روایت کیا اسے مسلم نے اور ابوعوانہ اور ابن حبان اور حاکم نے ابوذر سے ،

تشریح :۔ اس حدیث میں ظلم کی ممانعت کی گئی ہے خواہ وہ کسی کے ساتھ ہو۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں "ظلم" کے اصل معنی ہیں وضع الشیٔ فی غیر موضعہ المختص بہ (کسی چیز کو اس کے اپنے متعین مقام سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دینا) اصطلاح شریعت میں ظلم کہتے ہیں حق سے (جس کی مثال دائرہ کے نقطے کی ہوتی ہے) تجاوز کرنا۔ یہ تجاوز تھوڑا ہو یا زیادہ۔ ظلم کی اپنے متعلق کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں (۱) وہ ظلم جو اللہ تعالیٰ کے حق میں کیا جائے اس کی سب سے اہم صورت کفر و شرک ہے (گویا کافر و مشرک اللہ تبارک و تعالیٰ کو اس کے مقام عظمت و جلالت سے گرا کر دوسروں کو اس کی جگہ دیتا ہے) چنانچہ فرمایا گیا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (درحقیقت شرک بڑا ظلم ہے) (۲) وہ ظلم جو انسان دوسرے انسانوں کے ساتھ روا رکھے اس کے متعلق فرمایا گیا اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ (مواخذہ ان پر ہے جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں) (۳) وہ ظلم جو انسان خود اپنے نفس پر کرے، ظلم کی پہلی دو قسمیں اس تیسری قسم کو شامل ہوتی ہیں کیونکہ جو شخص خدا یا بندگان خدا کے ساتھ ظلم کا ارتکاب کرتا ہے وہ سب سے پہلے اپنے نفس کو ظلم کا نشانہ بناتا ہے اس لئے کہ اس کو اس کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے چنانچہ فرمایا گیا۔ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنے نفسوں پر ہی ظلم کرتے تھے۔ (مفردات)

حدیث مذکورہ میں پہلے بتایا گیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ شانہٗ ظلم سے منزہ ہے اللہ کسی کے ساتھ ذرہ برابر بے انصافی نہیں کرتا، پھر فرمایا گیا کہ بندوں کو بھی آپس میں ایک دوسرے پر کسی طرح کا ظلم نہیں کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیا ہے پھر فرمایا گیا کہ بندہ کا اپنے مولا کے ساتھ تو ظلم کرنا بہت ہی سخت بات ہے وہ ظلم یہ ہے کہ اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو دیوتا بنایا جائے اس کے قانون ہدایت کو نظر انداز کر کے ضلالت کے احکام کی تعمیل کی جائے اپنی دینوی و اخروی ضروریات کے لئے اس کا دروازہ چھوڑ کر دوسرے کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے پھر بتایا گیا کہ کسی خواہ بندہ کی فریاد برداشت اور کسی نازیبا کی ناجائز [illegible] یا نقد نہیں پہنچ سکتی۔ اس کا مقام عظمت و جلالت اس سے [illegible] جس کا پہنچ

ڈاکٹر وارث القادری

نہ چھوٹے طالبِ دیدارِ حق جلوہ محمدؐ کا　　جُھکا دے سر جہاں مِل جائے نقشِ پا محمدؐ کا

بھلا ہمسر تو کیا پائے گی اے دُنیا محمدؐ کا　　ترے لاکھوں سویرے اور اِک جلوہ محمدؐ کا

مشیت وجد میں آئی تو قدرت جھوم جھوم اٹھی　　کسی مطرب نے جب نغمہ کوئی چھیڑا محمدؐ کا

تجلیاتِ قدرت کا اک آئینہ اسے کہیئے　　وہ دل جس میں کہ ہو حسنِ رخِ زیبا محمدؐ کا

وہ ایک اعلیٰ نمونہ بن کے چمکا سارے عالم میں　　"جہانِ زندگی" میں جو قدم اٹھا محمدؐ کا

تو مجھ پہ ہنس رہا ہے دورِ نو کے آدمی لیکن　　یہ تیری آدمیت کیا نہیں صدقہ محمدؐ کا

جنابِ صاحبِ لولاک نے تابندگی بخشی　　حقیقت میں یہ سورج بھی ہے اک ذرہ محمدؐ کا

ٹپکتا ہے برابر رحمتوں کا عطر پھولوں سے　　جو مہکے گا قیامت تک وہ ہے سہرا محمدؐ کا

جنابِ شیخ پھر بھی خود کو مومن ہی سمجھتے ہیں　　نہ وہ سیرت محمد کی نہ وہ تقوے محمدؐ کا

جو انسان ہے تو آئینِ الٰہی کی جلا دے کر　　بنالے دل کے آئینہ کو آئینہ محمدؐ کا

بلا کی دھوپ میں بھی نیند سی محسوس کرتا ہوں　　سرِ محشر جو کیف انگیز ہے جلوہ محمدؐ کا

ہر اک انسان پہ سایہ فگن ہے رحمت اے واعظ　　نہ تو تنہا محمد کا نہ میں تنہا محمدؐ کا

مری اِک ضرب "الا اللہ" سے دُنیا لرزتی تھی
یہ ہے ذکر اُن دِنوں کا جب میں وارث تھا محمدؐ کا۔

تقاضے

ایک زمانہ باغی اسلام ہے
اور بدامنی ہر سو عام ہے
سچ اگر پوچھو تو وارث آجکل
عزمِ صدیقؓ و عمرؓ کا کام ہے
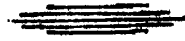
نمازِ محبت

وقت کی قدر ضروری بخدا ہوتی ہے
غور کرتا نہیں انسان خطا ہوتی ہے
بوالہوس دیر نہ کر پڑھ لے محبت کی نماز
یہ ادا ہو نہیں سکتی جو قضا ہوتی ہے
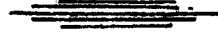
درسِ حقیقت

مرے عزیز غافل اس سے صبح ہو نہ شام ہو
رضائے حق میں تجھ کو اپنے کام ہی سے کام ہو
زباں پہ تیری ہر نفس یہ روحِ پاک مصطفیٰ
درود پہ درود ہو سلام پہ سلام ہو

رُباعیات

نعت

لکھے حبیب
رخِ جنابِ رسالت مآب دیکھے
نہیں ہے جس کا کوئی بھی جواب دیکھے
زمانہ گزرا ہے ہم کو اسی تجسس میں
زمیں پہ ہم نے کہیں آفتاب دیکھے

ڈاکٹر وارث القادری

اعتراف

واقعی بحرِ غم کا کنارا نہیں
بالیقین اب زمانہ ہمارا نہیں
پھر بھی سلطانِ بطحا کا دامن تو ہے
ہم نے مانا کہ کوئی سہارا نہیں
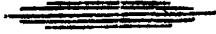
روحِ آفتاب

نہ جگمگاہٹیں ہیں وہ نہ دلکشی آب و تاب ہے
رخِ حبیبِ کبریا خدا کا انتخاب ہے
اس آفتاب سے مری نگاہ مطمئن ہو گیا
کہ جلوہ گر نگاہ و دل میں روحِ آفتاب ہے

فیضانِ گوناگوں

کیجے محمدؐ کی مدح خوانی
ہے ایک سے ایک بڑھ کر نشانی
بخشا انھوں نے دنیا کو کیا کیا
نصرت کا بادل رحمت کا پانی

ہوں کہ کیا اعانت جرم جرم نہیں۔ پیشہ ور گداگر بھیک مانگ کر جرم کا ارتکاب کرتا ہے، آپ اسے بھیک دے کر اس کے جرم کی اعانت کرتے ہیں، وہ تو مجرم ہے ہی آپ بھی مجرم ہیں۔ اس کے برابر نہ سہی کم سہی۔
وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
"ایک دوسرے کی گناہ اور ظلم میں مدد نہ کرو اور خدا سے ڈرتے رہو"
لہٰذا آپ طے کر لیجئے کہ کبھی کسی ہٹے کٹے تندرست و توانا فقیر کو ایک کوڑی بھی نہ دیں کیونکہ ٹکے دینا اور بلائیں لینا... عقلمندوں کا کام نہیں اور اس سلسلہ میں حسب ذیل واقعات کو یاد رکھئے۔

(۱) جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک انصاری حاضر ہوا اور سوال کیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا تمہارے پاس کچھ نہیں ہے، اس نے جواب دیا کہ صرف ایک کمبل اور ایک پیالہ ہے حضورؐ نے فرمایا لے آؤ، چنانچہ وہ لے آیا۔ حضورؐ نے دونوں چیزوں کو دو درہم میں نیلام کر کے درہم اس کے حوالے کئے اور فرمایا ایک درہم کا گھر میں خوراک کے لئے دے آؤ اور دوسرے درہم کی کلہاڑی خرید کر جنگل میں سے لکڑیاں کاٹو اور انہیں بیچو اور پندرہ دن کے بعد میرے پاس آؤ۔ جب وہ شخص پندرہ دن کے بعد آیا تو اس کے پاس دس درہم جمع ہو گئے تھے۔ چنانچہ اس نے ان میں سے کچھ درہموں کا کپڑا خریدا اور کچھ کا غلہ۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ مزدوری کر کے پیٹ بھرنا اس سے بہتر ہے کہ قیامت کے دن اپنے چہرہ پر سوال کا بدنما داغ لے کر جاؤ (ابوداؤد ملخصاً)

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرفہ کے دن ایک (غیر مستحق) شخص کے متعلق سنا کہ وہ لوگوں سے بھیک مانگ رہا ہے آپ نے فرمایا اس متبرک دن اور اس متبرک مقام میں تو غیر اللہ سے مانگتا ہے، اس کے بعد اسے دُرّے سے مارا۔ (رزین)
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر پر عمل تو بازوؤں میں حکومت کی طاقت چاہتا ہے جس سے آج ہم بدقسمتی سے محروم ہیں مگر سرکار نامدارؐ کی سنت پر عمل صرف ارادہ کی قوت سے بآسانی ہو سکتا ہے۔

(اطلاع کتابت کرتے وقت خریداری نمبر ضرور تحریر فرمائیں۔)

اس طرح آپ کی پاک کمائی میں سے نکلی ہوئی صدقات و خیرات کی جو رقم ان مصارف سے بچے۔ اسے آپ مستحقین پر خرچ کیجئے قرآن کریم صدقات کے مستحقین کی تفصیل اس طرح بیان کرتا ہے۔
اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔
"صدقات صرف غریبوں کے لئے ہیں (جن کے پاس نصاب سے کم مال ہو) اور مسکینوں کے لئے ہیں، (جن کے پاس بالکل نہ ہو) اور صدقہ کا کام کرنے والوں کے لئے ہیں، اور ان (نومسلموں) کے لئے ہیں۔ جن کی تالیف قلب منظور ہو اور مکاتب غلاموں کے لئے ہیں اور قرضداروں کیلئے ہیں (جو قرض ادا کر کے مالک نصاب نہ ہوں) اور راہ خدا (یعنی مجاہدین اور طالب علموں وغیرہ) کے لئے ہیں۔ اور مسافروں کے لئے ہیں (جن کے پاس روپیہ نہ رہے اور وہ منگا بھی نہ سکتے ہوں)
علمائے کرام نے صدقات دینے کے لئے یہ ترتیب بھی مقرر کی ہے
والافضل صرفها للاقرب فالاقرب من كل ذى رحم محرم منه ثم لجيرانه ثم لاهل محلته ثم لاهل حرفته ثم لاهل بلدته۔
"افضل یہ ہے کہ صدقہ درجہ بدرجہ اپنے مستحق قریبی رشتہ داروں کو دیا جائے پھر پڑوسیوں کو دیا جائے پھر محلہ والوں کو دیا جائے پھر اپنے پیشہ کے لوگوں کو پھر اپنے شہر والوں کو دیا جائے" (مراقی الفلاح)
اگر صدقات مستحقین کو دیتے وقت یہ ترتیب بھی ملحوظ رکھی جائے تو ثواب میں اضافہ کی توقع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

:- (فرمانِ نبویؐ) :-

(۱) سب سے زیادہ وزنی عمل عمدہ اخلاق ہے۔
(۲) پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی کرتے رہو۔
(۳) کسی پر ظلم نہ کرو۔

مولانا آزاد کی خدمت میں!

از جناب مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی ناظم دینیات جامعہ ملیہ

مہینہ تو یاد نہیں، لیکن سن شاید انیس[19] یا بیس[20] تھا۔ جب پہلے پہل مولانا آزاد کا ذکر سننے میں آیا۔ خلافت کی تحریک اچھی طرح شروع ہو چکی تھی۔ گاؤں گاؤں بلکہ گھر گھر خلافت اور اس کے رہنماؤں کا چرچا تھا۔ ایک عزیز ایٹہ کے رہنے والے ان دنوں ہمارے گاؤں میں اپنے عزیزوں سے ملنے آئے ہوئے تھے صحیح نام نہ اس وقت معلوم تھا اور نہ اب یاد ہے۔ بالو کے نام سے مشہور تھے۔ وہ مجھ سے عمر میں خاصے بڑے تھے لیکن بزرگوں کی صف کے نہیں تھے اس لئے تو عمر لڑکے ان سے کسی قدر بے تکلفی سے ملتے تھے وہ خلافت کی تحریک سے واقف تھے اور مولانا آزاد کے خاص طور سے معتقد اور مداح تھے۔ انھیں سے سب سے پہلے مولانا کا ذکر سنا۔ اس کے بعد اتحاد اسلامی کے موضوع پر مولانا کا ایک کتابچہ نظر سے گذرا۔ اس زمانہ میں، میں ساتویں درجہ میں پڑھتا تھا۔ اس لئے یہ کہنا تو مشکل ہے کہ میں اس کتاب کے الفاظ پورے طور پر سمجھ گیا۔ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ اس سے میں متاثر بہت ہوا۔ ایسا کہ آج تک یہ خیال دل سے نہ نکلا اخبارات کا مطالعہ پابندی سے اس زمانہ میں تو نہیں ہو پاتا تھا لیکن بجنور سے ایک سہ روزہ اخبار "الخلیل" نکلتا تھا۔ وہ کبھی کبھی پڑھنے کو مل جاتا تھا۔ خلافت اور ترک موالات کی تحریک کے سلسلہ میں اکثر مولانا آزاد کا بھی ذکر آتا تھا۔ اس زمانے میں سب سے پہلے "البلاغ" نظر سے گذرا۔ ہمارے ایک ماموں عبدالحیٔ صاحب تھے۔ ان کو مولانا آزاد سے بہت عقیدت تھی۔ مجھے کتابیں پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ لیکن زیادہ تر قصہ کہانی کی کتابیں پڑھا کرتا تھا۔ لکھنؤ کے ایک تاجر مہادیو پرشاد اس زمانے میں سستے ناولوں کے بڑے تاجر تھے۔ ان کے یہاں سے جب کچھ روپے مل جاتے کتابیں منگاتا۔ کچھ اسی طرح کی دوسرے اصحاب کے یہاں سے مل جاتیں۔ آگے چل کر کچھ مذہبی کتابوں کا شوق ہوا تو مولانا اشرف علیؒ، مفتی عنایت احمدؒ، میاں اصغر حسینؒ وغیرہ کی کتابیں پڑھنے لگا۔ یہ ۱۹۲۲ء کی بات ہے۔ ہمارے ماموں صاحب چاہتے تھے کہ مجھے روشن خیال علماء کی طرف متوجہ کریں۔ اسی نقطۂ نظر کے ماتحت ایک جاڑے کی رات میں جبکہ ایک بزرگ کی نشست گاہ میں چند اصحاب بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے مجھے "البلاغ" لا کر دیا۔ اور فرمائش کی کہ یہ مضمون پڑھ کر سب کو سناؤں مضمون کے انتخاب میں قصہ اور مذہبیت دونوں پہلوؤں کا لحاظ رکھا تھا۔ مامون رشید عباسی کے دور کا ایک مشہور واقعہ ان مسئلہ خلق قرآن پر معتزلی علماء سے ایک نامور محدث کا مناظرہ تھا۔ یہ مضمون بڑی موثر اور پر زور عبارت میں لکھا گیا تھا۔ انداز بیان میں ایک طرح کی افسانویت بھی تھی میں نے وہ مضمون پڑھ کر سنایا تو مجھے بھی اچھا لگا۔ اور حاضرین مجلس بھی بہت خوش ہوئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میرے دل میں مولانا کی تحریروں کے مطالعہ کا غیر معمولی شوق پیدا ہوا۔ اس سلسلہ میں "البلاغ" کے بہت سے مضمون پڑھے پورے طور پر سمجھنے کی صلاحیت تو اس وقت کہاں تھی۔ مگر مولانا کا زور بیان کچھ ایسا ہوتا تھا۔ کہ طبیعت کو مطالعہ میں بے حد لطف آتا تھا۔ اور ایک عجیب جوش و ولولہ دل میں پیدا ہوتا تھا۔

۱۹۲۳ء میں مجھے عربی تعلیم کا شوق ہوا۔ اور میں دارالعلوم ندوہ میں داخل ہو گیا۔ داخلہ کو چند ہی ماہ گذرے تھے کہ ایک دن سنا کہ مولانا ابوالکلام لکھنؤ آئے ہوئے ہیں۔ اور رفاہ عام ہال میں رات کو ان کی تقریر ہوگی یہ سنکر بڑی خوشی ہوئی اور ندوہ کے دوسرے طلبہ کے ساتھ میں بھی رات کو جلسہ گاہ میں پہونچ گیا۔ اس زمانہ میں تحریک ترک موالات کا زور کم ہونے لگا تھا۔ یوں تو "چورا چوری" کے واقعہ کے بعد ہی سے ملک کی آزادی کی جدوجہد میں کمی آگئی تھی۔ اور

گاندھی جی کے اعلانِ التوا سے تحریک کی سرگرمی میں بہت اضمحلال پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن ۱۹۲۳ء میں حالات اور خراب ہوئے اور ہندو مسلم اتحاد کی جگہ جا بجا فساد ہونے لگے۔ انھیں حالات کا اثر تھا کہ مولانا نے اس بات رفاہ عام ہال میں انھیں واقعات کا ذکر کیا اور اپنے زورِ بیان سے بجھے ہوئے دلوں میں ایک نیا جوش و ولولہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ مجمع خاصا بڑا تھا۔ آلۂ مکبر الصوت کا اس وقت تک رواج نہ تھا۔ مولانا نے تقریر شروع کی۔ تو ابتدائی جملے آہستہ آہستہ ادا کئے۔ مجمع کی بے چینی کا اندازہ کرکے صدر نے کہا۔ کہ آپ لوگ پریشان نہ ہوں جلدی ہی مولانا کی تقریر سب کے کانوں میں پہونچنے لگے گی۔ چنانچہ وہی ہوا جوں جوں سلسلۂ کلام آگے بڑھتا گیا۔ مولانا کی آواز بلند سے بلند تر ہوتی گئی۔ اور واقعی سارا ہال ان کی تقریر سے گونجنے لگا۔ فرقہ وارانہ اختلافات، قومی کارکنوں کے لئے بڑے ہمت شکن تھے۔ اس سلسلہ میں خوب یاد ہے کہ مولانا نے خاصہ وقت صرف کیا تھا۔ ایک مثال آج تک یاد ہے۔ کلکتہ کے دو خاندانوں کے اختلافات کا ذکر کیا۔ اور فرمایا کہ ان کے اختلاف کو دور کرنے میں تیس برس لگ گئے۔ جب دو خاندانوں کے تعلقات استوار کرنے میں اتنی مدت لگی تو یہ تو ملکوں اور قوموں کا معاملہ ہے صدیوں کے حالات کو بدلتے کچھ دیر تو لگے گی ہی۔ اس موقع پر خطابت کا کمال نظر آتا تھا۔ الفاظ بڑے وزنی مگر بڑے ہی پر اثر تھے یاد آتا ہے کہ ایک آدھ جگہ مشکل الفاظ کی تشریح بھی کی تھی۔

یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے مولانا کو دیکھا اور ان کی تقریر سنی۔ اب مولانا کے ساتھ میری عقیدت بڑھتی جاتی تھی۔ اس زمانہ میں طلبائے ندوہ کی انجمن "الاصلاح" کے کتب خانہ میں جانے لگا۔ وہاں "پیغام" اور "الجامعہ" نظر سے گزرے۔ "الجامعہ" عربی میں نکلتا تھا۔ مولانا کی رہنمائی میں مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی اسے مرتب کرتے تھے۔ سرورق پر "تحت رعایۃ الشیخ الکنی بابی الکلام" کے الفاظ بھی لکھے رہتے تھے۔ میں بڑے شوق سے دیکھتا اور الٹتا پلٹتا ابھی عربی استعداد ایسی نہ تھی کہ سمجھ سکتا۔ اس لئے کبھی کبھی بعض اپنے سے بڑے طالب علموں کی مدد سے جا بجا مطلب سمجھنے کی کوشش کرتا لیکن "پیغام" اردو میں تھا۔ یہ بھی مولانا کی سرپرستی میں مولوی عبدالرزاق صاحب ہی نکالتے تھے۔ اس کی ایک جلد الاصلاح کے کتب خانے میں تھی میں نے بڑے شوق سے وہ جلد پڑھی۔ اس کے بعض مضامین مولانا کا نقطۂ نظر سمجھنے کے لئے آج بھی پڑھنے ناگزیر ہیں۔

الاصلاح کے کتب خانہ میں "الہلال" کی ایک جلد بھی نظر سے گذری۔ میں الہلال کے مضامین خود بھی پڑھتا اور کبھی کبھی اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے سناتا تھا۔ اس زمانے میں دارالعلوم ندوہ میں مولانا عبدالرحمٰن نگرامی مرحوم ایک بڑے ہر دلعزیز استاد تھے۔ وہ ۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۱ء میں مولانا ابوالکلام کے ساتھ کلکتہ میں رہ چکے تھے۔ مدرسہ عالیہ کے مقابلہ میں جو عربی کی آزاد درسگاہ کلکتہ میں قائم ہوئی تھی اس میں درس دیتے تھے۔ بعد کو جب وہ درسگاہ باقی نہ رہی تو مولانا سید سلیمان ندوی انھیں ندوہ لے آئے۔ ان کی ذات میں ایک عجیب کشش تھی۔ طلبہ ان سے بے حد مانوس تھے۔ ان کے یہاں اور باتوں کے ساتھ وقتاً فوقتاً مولانا آزاد کا بھی تذکرہ ہوتا تھا۔ ان تذکروں سے عقیدت کے نقوش اور گہرے ہوتے گئے۔ ۱۹۲۴ء میں ایک مرتبہ کسی اہم جلسہ کے سلسلہ میں علی برادران کے ساتھ مولانا آزاد بھی لکھنؤ آئے۔ مولانا نگرامی کے مشورہ سے طلبائے ندوہ نے ان لوگوں کو اپنی انجمن میں بلایا۔ اس زمانے میں میرا قیام امین آباد میں تھا۔ بڑے شوق سے ندوہ گیا۔ لیکن بدقسمتی سے مولانا اور مولانا محمد علی واپس جا چکے تھے۔ مولانا شوکت علی موجود تھے۔ مجھے اپنے تاخیر سے پہونچنے کا بہت رنج ہوا۔

۱۹۲۵ء میں کانپور میں کانگریس کا سالانہ اجلاس تھا۔ مسز نائیڈو اس کی صدر تھیں۔ اس زمانہ کا دستور تھا کہ کانگریس کے اجلاس کے ساتھ ہی خلافت کانفرنس بھی منعقد ہوا کرتی تھی۔ اس سال خلافت کانفرنس کی صدارت کے لئے مولانا آزاد کا نام طے پایا تھا۔ کانپور لکھنؤ سے قریب ہی ہے۔ ہم لوگ ندوہ کے پچیس تیس طالب علم وہاں پہونچ گئے۔ اس زمانہ میں ملک علی افضل صاحب یو۔پی کانگریس کے سکریٹری تھے۔ کچھ سہولتیں ان کی وجہ سے حاصل ہوئیں۔ مخدومی مولانا مسعود علی ندوی خلافت کانفرنس کے منتظم تھے۔ ان کے اثر سے ہم لوگوں کو ایک خیمہ جلسہ گاہ کے قریب ہی مل گیا۔ تین دن کانفرنس رہی۔ خطبۂ صدارت کے علاوہ مختلف مواقع پر مولانا کی تقریریں سننے کا اتفاق ہوا۔ کانگریس کے اجلاس میں بھی تماشائی کے طور پر ہم لوگ گئے۔ وہاں بھی ڈائس پر مولانا آزاد بیٹھے دکھائی دیئے۔ اس کے بعد ہم لوگ ندوہ واپس آ گئے۔ خلافت کانفرنس میں مولانا نے بعض اہم تجویزیں پیش کی تھیں۔ ان کا خاص طور سے دل پر اثر تھا۔ چنانچہ واپس آ کر طلبہ کے قلمی رسالہ "رہنما" میں ان عنوانات پر ایک مفصل مضمون لکھا جو غالباً الاصلاح کے کتبخانہ

میں اب بھی موجود ہو۔

۱۹۲۰ء میں ایک دوست مولانا نور اللہ مونگیری سے مولانا کی ایک اہم تصنیف مسئلہ خلافت جزیرۃ العرب ملی۔ بڑے شوق سے وہ کتاب پڑھی۔ اس کے بعض مباحث نے فکر و خیال کو نئی راہیں دکھائیں اور بہت سے علمی اور تاریخی عقدے حل کئے۔ اس سے کچھ پہلے مولانا کا معرکۃ الآرا بیان جو انھوں نے اپنی گرفتاری کے بعد عدالت کے سامنے پیش کیا تھا۔ "قول فیصل" کے نام سے، نظر سے گذر چکا تھا۔ اس بیان نے عزم و ہمت کی ایک بلند مثال ذہن میں قائم کردی تھی۔ الہلال کے مطالعہ کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔ انجمن الاصلاح کے کتب خانے میں صرف اس کی ایک جلد اور دوسری جلد کے کچھ پرچے موجود تھے۔ ان کے مطالعہ کے بعد دل چاہتا تھا کہ باقی جلدیں بھی کہیں سے دستیاب ہو سکتیں حسن اتفاق کہ ہمارے ہم درس دوست مولوی نور اللہ مونگیری کے ذریعہ الہلال کی تمام جلدیں مل گئیں۔ اس وقت کی خوشی کا آپ اندازہ نہیں لگا سکتے۔ ایک ایک کرکے تمام جلدیں پڑھیں اور ساتھیوں کو سنائیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ کئی دوست بیٹھ جاتے۔ اور الہلال پڑھا جانے لگتا۔ ان جلدوں میں وہ مشہور سلسلۂ مضامین بھی نظر سے گذرا جو مولانا نے مولانا شبلی کی علیحدگی کے بعد ندوہ پر لکھا تھا۔ وقتی معاملات اور مباحث سے قطع نظر ندوہ کے مقاصد پر جو چار پانچ مضمون مولانا کے قلم سے شائع ہوئے تھے انھوں نے پہلی بار ندوہ کی عظمت اور برتری سے واقف کیا۔ اور یہ معلوم ہوا کہ ملت اسلامی کے درد کی دوا یہی ہے۔ ان مضامین کو پڑھے ہوئے آج تیس برس کے قریب ہو چکے ہیں لیکن ان کا اثر دل پر اتنا گہرا ہے کہ زمانہ کے سیکڑوں نشیب و فراز دیکھنے کے باوجود یہ خیالات آج تک دل سے نہ نکل سکے۔

اسی زمانہ میں مولانا کی شہرۂ آفاق کتاب "تذکرہ" نظر سے گذری۔ اور طبیعت پر اپنے گہرے نقش ثبت کر گئی۔ کتاب و سنت کی اہمیت کا غیر معمولی اثر اسی کتاب سے دل پر پڑا۔ داعیان حق کے ولولہ انگیز تذکروں نے خون میں گرمی پیدا کردی۔ اور فکر و خیال کو نئے نئے گوشے نظر آئے۔ ابن تیمیہ کی عظمت "تذکرہ" ہی کے مطالعہ سے دل میں قائم ہوئی۔ تذکرہ کی غیر معمولی اثر انگیزی کا اعتراف مولانا محمد علی مرحوم نے بھی کیا ہے۔ اور ایک موقع پر یہاں تک لکھا ہے کہ میں تذکرہ کو پڑھ کر ایمان افروزی کی کوشش کرتا تھا۔

۱۹۲۷ء میں دوبارہ مولانا نے الہلال نکالا یہ آدھا ٹائپ اور آدھا لیتھو میں چھپتا تھا۔ اس میں پرانے الہلال کے جیسے بھاری اور وزنی الفاظ تو نہ تھے۔ لیکن علمی اور تحقیقی مضامین کثرت سے شائع ہوتے تھے۔ اس میں "حجت ابراہیمی" کے عنوان سے ایک بلند پایہ مضمون کئی نمبروں میں شائع ہوا تھا۔ جس نے قرآن مجید پر غور و فکر کی نئی راہ کھولی۔ سورۂ فاتحہ کی تفسیر کے بعض حصے بھی سب سے پہلے یہیں نظر سے گذرے۔ اور بھی متعدد اہم مضامین کے مطالعہ کا موقع ملا۔ مولانا کی سیاسی مصروفیتوں نے انھیں صحافت کی راہ سے ہٹا لیا اور الہلال چھ ماہ کے بعد بند ہو گیا۔

۱۹۲۷ء میں ڈاکٹر انصاری انڈین نیشنل کانگریس کے صدر منتخب ہوئے۔ اسی زمانہ میں پنڈت موتی لال نہرو کی سرکردگی میں ایک کمیٹی بنی تھی۔ جس نے ہندوستان کے لئے نوآبادیاتی طرز کا ایک دستور مرتب کیا تھا۔ جو نہرو رپورٹ کے نام سے مشہور ہے اس رپورٹ پر غور کرنے کے لئے ایک آل پارٹیز کانفرنس لکھنؤ میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کے جلسے قیصر باغ کی مشہور بارہ دری میں ہوتے تھے۔ ندوہ کے دوسرے طلبہ کے ساتھ مجھے بھی تماشائی کے طور پر ان جلسوں میں شرکت کا موقع ملا۔ اس زمانے میں انجمن الاصلاح کا ناظم تھا۔ خیال ہوا کہ مولانا آزاد کو ندوہ میں لایا جائے۔ چنانچہ اپنے رفیق رئیس احمد صاحب جعفری کے ساتھ مولانا سے ملا اور اپنی درخواست ان کی خدمت میں پیش کی۔ ندوہ سے انھیں جو تعلق تھا۔ اس کی بنا پر آنے سے صاف انکار نہ کرسکے۔ لیکن آل پارٹیز کانفرنس کی مصروفیت ایسی تھی۔ کہ اس میں ندوہ جانے کا موقع نکالنا مشکل تھا۔ مولانا کے انداز بیان سے یہ اندازہ ہو گیا۔ کہ ان کے لئے اس زمانہ میں ندوہ پہونچنا دشوار ہے۔ یہ سمجھ کر میں نے عرض کیا کہ اگر آپ ندوہ نہ آسکیں تو ہمیں موقع دیجئے کہ ہم آپ کی قیام گاہ ہی پر کچھ دیر کے لئے حاضر خدمت ہو جائیں۔ یہ سنکر مولانا نے خوش ہو کر فرمایا۔ کہ کل سات بجے صبح سر نگلٹن ہوٹل آجاؤ۔ یہ سنکر ہم لوگ خوش خوش ندوہ واپس آگئے۔

فرمانِ خداوندی:-

(۱) جو کچھ مانگنا ہو مجھ سے مانگو، میں اُنہیں دوں گا۔
(۲) مصیبت کے وقت مجھے پکارو، میں تمہیں امداد دوں گا۔
(۳) کسی کو میرا شریک نہ کرو۔ مشرک کی بخشش نہ ہوگی۔

ادیب جلیل وفاضل نبیل مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ، دورِ حاضر کے ان چند مفکر علماء میں سے تھے جنہوں نے اپنے زمانہ کے دینی تقاضوں کو سمجھا اور علماء عصر کی اس میدان میں صحیح رہنمائی کی۔ موصوف کو اللہ تعالیٰ نے افکرِ قار، دلِ روشن اور قلمِ رواں کی گوناگوں نعمتوں سے نوازا تھا مگر زندگی کا بیشتر حصہ حیدرآباد کے دور دراز علاقہ میں گزارنے کے سبب آپ کے علمی وعملی فیوض کا دروازہ محدود رہا اگر آپ کسی مرکزی مقام میں ہوتے تو اپنے محبوب اساتذہ کرام شیخ الحدیث حضرت علامہ سید انور شاہ کاشمیری اور شیخ التفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی کی طرح آپ کے فضل وکمال کا آفتاب بھی آفتاب نصف النہار بن کر چمکتا۔ اور آپ کی شہرت اعلیٰ علمی حلقوں تک محدود نہ رہتی۔

حیدرآباد کی جامعہ عثمانیہ کی صدارت دینیات سے سبکدوش ہونے کے بعد، بعض بزرگوں نے اصرار کیا کہ آپ اپنی مادرِ علمی دیوبند کے آغوش میں زندگی کے باقی لمحات گزاریں۔ مگر افسوس کہ آپ کی گرتی ہوئی صحت نے اس کا موقعہ نہ دیا۔ اپنی زندگی کے آخری چند ماہ موت وحیات کی کشمکش میں گزار کر اپنے وطن گیلانی (بہار) میں آسودہ رحمت باری ہوئے۔

فقیر مدیر الحرم، بھی حضرت مولانا کے نادیدہ عشاق میں سے تھا۔ کسی زمانہ میں اپنی بعض تالیفات کے سلسلہ میں مختصر سی خط وکتابت بھی ہوئی تھی۔ آخری بیماری کے زمانہ میں وہ بے چین ہوا اور مولانا کی مزاج پرسی کے لئے خط بھیج دیا۔ حضرت مولانا نے بسترِ علالت ہی سے اس کے جواب سے سرفراز فرمایا۔ پھر جب صحت کی خبریں آئیں تو "الحرم" کے لئے مضمون کا مطالبہ بھی کر دیا۔ حضرت مولانا مضمون تو نہ لکھ سکے۔ مگر عریضہ کا جواب فوراً عطا فرمایا۔ دوسرے خط کے موصول ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد حضرت کا انتقال ہو گیا۔ اور زیارت کی سعادت "اِنَّ موعدنا الحوض" کے لئے ہی موخر ہو گئی۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

چونکہ مولانا کے نجی خطوط بھی نکات علمی ودینی سے خالی نہیں ہوتے۔ اس لئے ارادہ تو پہلے بھی کیا تھا کہ ان خطوط ہی کو (مضمون سے توالحرم محروم ہی رہا) شائع کر دوں۔ مگر چونکہ ان میں مدیر الحرم کی ذات سے متعلق بھی مولانا نے محض شفقت بزرگانہ سے کلمات محبت تحریر فرما دیئے ہیں۔ اور ان کی اشاعت میں خودستائی کا پہلو نکلتا تھا۔ اس لئے ان کی اشاعت سے اب تک جھجکتا رہا۔ مگر جب بعض موقر رسائل میں مولانا کے مکتوبات شائع ہو کر مقبول ہوئے اور مولانا کے قلمی تبرکات کو محفوظ کرنے کا مطالبہ بھی ہوا تو شائع کر دینا ہی مناسب معلوم ہوا۔ امید ہے کہ ناظرین کرام اس معذرت کی روشنی میں ان خطوط کو پڑھیں گے۔ اور مولانا نے الحرم اور مدیر الحرم کی ذات کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ اسے محض شفقت بزرگانہ پر محمول فرمائیں گے۔ اور سب سے اہم یہ کہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے لئے ترقی درجات کی دعا فرمائیں گے ـــــ رحمہ اللہ تعالیٰ ـــــ (مدیر)

۲۲ اگست ۱۹۵۴ء

گیلانی (بہار)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ذو الحزم الراسخ مولانا قاضی زین العابدین صاحب جعلکم اللہ من اولی الایدی والابصار۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ـــــ خاکسار کی صحت کی

جن سن کر خوش ہونے والوں میں جناب والا کی ذات مبارک بھی ہے۔ اس کی خبر آپ کے اس نوازش نامہ سے ہوئی جس سے حال ہی میں سرفراز کیا گیا۔ آپ کی جلیل علمی خدمات کی خبریں اخبارات و رسائل سے ملتی رہتی ہیں قحط الرجال کے اس دور میں آپ جیسے اولوالعزم بندگوں کے وجود کو مغتنم خیال کرتا ہوں کچھ ایسا خیال بھی آتا ہے کہ کسی زمانہ میں براہ راست مراسلت کا شرف بھی حاصل ہوا تھا۔ جب فقیر حیدرآباد میں تھا افسوس کہ لقاء کی سعادت سے محروم رہا۔ زندہ رہا تو کہیں شناسی ملاقات ہو ہی جائے گی ورنہ"

واحر جنود مجند ہ" ابتدائی رابطہ امید تو یہی ہے۔ کہ "اِنَّ موعدنا الحوض" کے مقام پر ملاہی کرے گا۔ اکبر مرحوم کا شعر ہے،

ؔ کمزور رہی میری صحت تھی کمزور میری بیماری تھی
اچھا جو رہا کچھ کر نہ سکا بیمار پڑا تو مر نہ سکا

مستدعی ہوں کہ دعاء خیر کے سلسلہ کو جاری رکھا جائے گا۔ چار مہینے تک موت و حیات کی کشمکش کی زندگی ہسپتال میں گذار کر گھر آگیا ہوں۔ لیکن ابھی شکایتوں کا سلسلہ باقی ہے۔ کام کرنے کی اجازت نہ ڈاکٹر ہی دیتے ہیں۔ نہ اپنے اندر صلاحیت محسوس کرتا ہوں۔ جینا صرف 'جینے کے لئے کچھ بدمزہ سی زندگی بن کر رہ جاتی ہے۔ لیکن جہاں اپنی خوشی سے آنا اپنی خوشی سے جانے کا اختیار ہی نہ ہو وہاں بندہ معذور و مجبور آخر کیا کرے۔ آج کل جرائد و مجلات میں آپ کی "قاموس القرآن" کا ذکر کثرت سے ہو رہا ہے جو کتابیں میرے پاس موجود ہیں۔ اب وہی بے کار نظر آرہی ہیں۔ ورنہ جناب سے ایک نسخہ طلب کرتا اس کو حسن طلب نہ سمجھئے۔ واقعہ کا اظہار کر رہا ہوں۔ کتابیں ہزاروں کی تعداد میں اکٹھی ہو گئی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کو اب کیا کروں۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

---

۲۴ رجب ۱۹۵۵ء
گیلانی (بہار)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اخونا الفاضل اللغوی الادیب مولانا قاضی زین العابدین اید کم اللہ بروح منہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ...... الحرم کا ہدیہ سنیہ پہلے موجب انقباض ہوا۔ رسید لکھنے کی فکر ہی میں تھا کہ آپ کے عریضہ وطن سے سرفراز ہوا، لفافہ میں ٹکٹ دیکھ کر خیال گذرا کہ آپ نے اپنے علمی بھائی کے ساتھ وہ سلوک نہیں روا رکھا جو اخوت کا تقاضا تھا، آپ کے ٹکٹ کو بطور امانت کے محفوظ کر دیا ہے۔ سر دست جس حال میں ہوں اس سے جناب والا کو آگاہ کردوں۔ گذشتہ سال قلب پر جو حملہ ہوا چھ سات مہینے کے علاج سے حالت کچھ درست ہوئی تھی۔ ہسپتال سے گھر آگیا۔ نقاہت باقی تھی کہ چند مہینے کے بعد پھر دوبارہ حملہ ہوا۔ افسد فسد الجسد کلہ کی صورت پیش آئی۔ دو ڈھائی ماہ کے علاج معالجہ سے اب قدرے اس قابل تو ہوگیا ہوں کہ ضروری خطوط کا جواب دیدیتا ہوں۔ لیکن مضمون نگاری اولاً ڈاکٹروں کی طرف سے قدغن ہے کہ کسی قسم کا دماغی کام نہ کروں اور ان کی شاید پرواہ بھی نہ کروں لیکن یہ واقعہ ہے کہ لکھنا چاہتا ہوں تو چند سطروں کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ آگے لکھنا ناممکن ہے اسی کا نتیجہ ہے۔ کہ برہان، الفرقان۔ دار المصنفین وغیرہ رسائل میں تقریباً کچھ نہ کچھ ہر شمارہ میں بالالتزام اپنے شکستہ قلم بند کرکے بھیجا کرتا تھا۔ ان سب کا سلسلہ بند ہوگیا ہے۔ دار المصنفین کے دفتر میں پہلے کے لکھے ہوئے کچھ مضامین محفوظ تھے۔ اذیر میاں (؟) تعالیٰ انکو شائع کرتے رہتے ہیں۔ جن کو دیکھ کر لوگوں کو غلط فہمی ہوئی کہ مردہ زندہ ہوگیا ہے۔

انتہائی ندامت اور شرمندگی کے ساتھ اپنے واقعی حال کو خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ اور دعا کا ملتجی ہوں۔ کاش! گئی ہوئی قوت واپس مل جائے تو الحرم کی خدمت کو حق القدور اپنی سعادت تصور کروں گا۔ پہلا پرچہ جو نکلا ہے۔ وہ امید افزا مستقبل کی خبر دے رہا ہے "کثر اللہ امثالھا" باطل کے مقابلہ میں حق کے مورچوں کو بھی جہاں تک ممکن ہو مستحکم کرنا چاہئے۔ جب بھی کچھ صلاحیت زندگی میں ان ہی کششوں کے ذریعہ مضمون انشاءاللہ حاضر ہوگا۔ فقط

نیاز مند:۔

مناظر احسن گیلانی

از:- قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

گداگری روح اسلام کے خلاف ہے۔ اسلام اپنے فرزندوں
عزت نفس کی تعلیم دیتا ہے۔ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے
ذلت قرار دیتا ہے، اور اسے کفار کا شیوہ بتاتا ہے اسلام
نیا کو میدانِ عمل ظاہر کرتا ہے، اور ہر شخص سے ہاتھ پاؤں ہلانے
توقع رکھتا ہے۔ اسلام بھیک مانگ کر کھانے پر لکڑیاں ڈھو کر
پیٹ بھرنے کو ترجیح دیتا ہے۔

(۱) لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (قرآن مجید) "انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرے۔"

(۲) وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ (قرآن مجید) "اللہ کے فضل (معاش) کو تلاش کرتے رہو۔"

(۳) اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی (بخاری) اونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر ہے۔

(۴) لَاَنْ یَاْخُذَ اَحَدُکُمْ حَبْلَہٗ فَیَاْتِیَ بِحُزْمَۃِ حَطَبٍ عَلٰی ظَہْرِہٖ فَیَبِیْعَہَا فَیَکُفَّ اللّٰہُ بِہَا وَجْہَہٗ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّسْاَلَ النَّاسَ اَعْطَوْہُ اَوْ مَنَعُوْہُ (بخاری)

"اگر تم میں سے کوئی رسی لیکر جائے اور اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر لائے اور اسے بیچے اور اللہ تعالیٰ اس طرح اس کی آبرو بچائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے بھیک مانگے۔ کوئی دے دے اور کوئی نہ دے۔"

شبہ کیا جا سکتا ہے، کہ بعض احادیث سے مسکنت کی مدح ثابت ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا ہے سرکار نامدارؐ نے اللھم احینی مسکینا امتنی مسکینا "اے خدا مجھے مسکین ہی زندہ رکھ اور مسکین ہی اٹھا۔"

مگر یہ شبہ صحیح نہیں، مسکنت سے حضورؐ کی مراد فقیری (گداگری) نہیں ہے بلکہ فروتنی، عاجزی اور کسر نفسی مراد ہے۔ جو تکبر و نخوت و غرور کی ضد ہے۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ اسلام میں صدقات و خیرات کا وجود نہیں، اسلام سے زیادہ صدقات و خیرات پر کس مذہب نے زور دیا ہے؟ اسلام کے تو ارکان خمسہ میں سے ایک رکن ہی صدقہ ہے لیکن اسلام نے مستحقین صدقہ کی تحدید میں سخت احتیاط سے کام لیا ہے وہ چاہتا ہے کہ صدقات صرف انہی لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچیں جو فی الواقع اس کے حق دار ہیں۔

حضور پرنورؐ کے الفاظ میں صدقات کے متعلق اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ "امیروں سے لیا جائے، اور غریبوں کو دیدیا جائے" لیکن اشتراکیت اور سرمایہ داری کی افراط و تفریط سے بچکر امیروں سے صرف اس قدر لینا چاہئے جسے وہ خوشی سے ادا کر سکیں اور صرف اُن لوگوں دینا چاہیئے جن پر قدرت کے ہاتھوں نے حصول رزق کے دروازے بند کر دیئے ہیں۔ پیشہ ورانہ گداگری کا اسلام میں کوئی وجود نہیں۔

یاد رکھیئے کہ خیرات کس کو دی جا سکتی ہے؟ اور خیرات کون مانگ سکتا ہے؟ یہ علیحدہ علیحدہ دو مسائل ہیں جن کے جوابات مختلف ہیں۔ خیرات دینے والوں کی سہولت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسلام نے اس معاملہ میں کہ آپ کن کو خیرات دے سکتے ہیں، ذرا توسیع مدِ نظر رکھی ہے۔ لیکن اس معاملہ میں کہ خیرات کون مانگ سکتا ہے۔ بہت سختی سے کام لیا ہے، تاکہ بھیک مانگنے کی ذلیل عادت مسلمانوں میں پیدا نہ ہو جائے۔

علمائے حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ سوال وہی شخص کر سکتا ہے جس کے پاس ایک دن کی بھی خوراک نہ ہو لیکن اگر اس کے پاس ایک دن کے گذارہ کے لئے موجود ہے، تو پھر بھیک کے لئے ہاتھ..

پھیلانا اس کے لئے حرام ہے۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری سورہ توبہ ۲۵۵ میں یہی تصریح کی ہے۔

قال صلی اللہ علیہ وسلم من سأل وعنده ما یغنیه فانما یستکثر من النار۔ فقالوا یا رسول اللہ وما یغنیه قال قدر ما یغدیه ویعشیه۔ (ابوداؤد)

"فرمایا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص بقدر کفایت ہوتے ہوئے سوال کرے وہ دوزخ کی آگ کثرت کے ساتھ طلب کرتا ہے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ کتنا بقدر کفایت کہا جائے گا۔ آپ نے جواب دیا اتنا کہ اس سے صبح اور شام کے کھانے کے لئے کافی ہو سکے" (ابوداؤد)

آپ کہیں گے کہ ان گداگروں میں سے بعض کے پاس واقعی ایک دن کا بھی کھانا نہیں ہوتا لیکن نہیں۔ ان کا حکم اس سے مختلف ہے یہ حکم تو ان لوگوں کے لئے ہے جو محتاجی و ناتوانی کے سبب مزدوری کرنے کے قابل نہ ہوں۔ لیکن جو لوگ قوی و تندرست ہوں مضبوط و توانا ہوں جن کا ورزشی جسم صبح سے شام تک چکر کاٹنے کے بعد بھی تکان محسوس نہ ہونے دیتا ہو۔ اور جن کی کراری آواز کی گونج سارے محلہ کو سر پر اٹھا سکتی ہو۔ انہیں ہر صورت میں بھیک مانگنا بالاتفاق ناجائز ہے۔

(۱) قال صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل الصدقة لغنی ولذی مرة سوی (نسائی)

"فرمایا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ (کا سوال) جائز نہیں ہے، اس کو جس کے پاس ایک دن کا کھانا ہے، اور اس کو جو طاقتور تندرست ہے، (خواہ اس کے پاس ایک دن کا کھانا بھی نہ ہو)"

(۲) جائت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقة فتبعها الناس فقال ایها الناس لا یصلح لغنی ولا لصحیح سوی ولا لعامل قوی (مسند احمد)

"حضور اکرم کے پاس صدقہ (کا مال) آیا۔ تو کچھ لوگ آپ کے پاس لینے پہنچے۔ آپ نے فرمایا۔ اے لوگو! یہ غنی (جس کے پاس ایک دن کا کھانا ہو) اور بھلے چنگے تندرست کے لئے اور اس شخص کے لئے جو کام کرنے کے لائق اور قوی ہو جائز نہیں۔"

علامہ نووی شرح مسلم میں "باب النهی عن المسئلة" کے ماتحت تحریر فرماتے ہیں:

واختلف اصحابنا فی مسئلة القادر علی الکسب علی وجهین اصحهما انها حرام لظاهر الحدیث والثانی حلال مع الکراهة بثلاثة شروط ان لا یذل نفسه ولا یلح فی السؤال ولا یؤذی المسئول۔ فان فقد احد هذه الشروط فهی حرام بالاتفاق

"ہمارے علماء نے اس شخص کے سوال کرنے کے بارہ میں جو (محتاج ہو مگر کمانے پر قادر ہو) اختلاف کیا ہے۔ زیادہ صحیح تو یہ ہے کہ اسے سوال کرنا حرام ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ تین شرطوں کے ساتھ جائز ہے (۱) اپنے نفس کو ذلیل نہ کرے (۲) سوال میں اصرار نہ کرے۔ (۳) جس سے سوال کرے اُسے تنگ نہ کرے۔ اگر ان میں ایک بھی شرط مفقود ہو گئی تو ایسے آدمی کو سوال کرنا بالاتفاق حرام ہے۔"

یہ بالکل ظاہر ہے، کہ پیشہ ور گداگروں میں یہ تینوں شرطیں مفقود ہیں۔ لہٰذا یہ دعویٰ ثابت ہے کہ ان کا سوال باتفاق علمائے امت قطعاً ناجائز ہے۔

یہ تو رہی ان کے فعل کی شرعی حیثیت اب ذرا اقتصادی و معاشرتی اعتبارات سے بھی اس پر غور کیجئے۔

(۱) پیشہ ور گداگروں نے گداگری کو اپنا مستقل آبائی پیشہ قرار دے رکھا ہے۔ یہ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو ہوش سنبھالتے ہی اپنے پیشہ کی عملی تعلیم دینا شروع کر دیتے ہیں۔ انہیں محنت کر کے روٹی کمانے کا ہنر سکھانے کی بجائے دو تین نعتیں یاد کرا کے اور ایک کشکول ہاتھ میں دیکر بھیک مانگنے کے لئے نکال دیتے ہیں۔ اس طرح قوم کے وہ نونہال جو قوم کی آرزوؤں کا مرکز تھے ان کی امیدوں کا مدفن بن جاتے ہیں اور ملتِ اسلامی کے جسم کا ایک اہم حصہ مفلوج اور بیکار ہو کر رہ جاتا ہے۔

(۲) صدقات و خیرات کا روپیہ ان غیر مستحق گداگروں کی جھولیوں میں چلا جانے کی وجہ سے ملت کی ہزارہا اقتصادی، معاشرتی، تمدنی، اخلاقی، تعلیمی اور اصلاحی ضروریات تشنۂ تکمیل رہ جاتی ہیں اور اس طرح قوم کی ترقی و عروج کا ستارہ گداگری کی گھٹا ٹوپ اندھیریوں میں غائب ہو جاتا ہے۔

اس قدر تفصیل کے بعد یہ امر واضح ہو گیا ہو گا کہ پیشہ ور گداگروں کا یہ فعل شرعی ذوقی نقطۂ نظر سے جرم ہے، مگر میں آپ سے پوچھتا

مکتبہ دینیات کی کتابوں کے ذریعہ

رسولِ خدا کا پیغام گھر گھر پہنچا دیجئے

حیاتِ سرورِ کائنات صلعم | از مولانا واحدی۔ حضور کی زندگی کیا تھی؟ یہ جاننے کے لئے مولانا واحدی صاحب کی کتاب "حیاتِ سرورِ کائنات" کا مطالعہ ضروری ہے۔ واحدی صاحب کا اندازِ بیان دلکش، لطیف، شیریں اور موثر ہے کتاب اول سے آخر تک دل کی دُھلی ہوئی زبان میں لکھی گئی ہے۔ رسولِ مقبول کی زندگی کا ہر واقعہ سادگی کے ساتھ ذہن نشین ہوتا چلا جاتا ہے جلد اول ۲/۲۵ جلد دوم ۳/۵۰ مجلد

تاج بہشتی زیور مکمل و مدلل محشیٰ | (اسلامی معلومات کا دریا کوزے میں)

از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔ اس اسلامی انسائیکلو پیڈیا کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے بغیر کوئی مسلمان حقیقی معنوں میں مسلمان نہیں بن سکتا، چونکہ ایک مسلمان کے پیدا ہونے سے مرنے تک کے تمام ضروری مسائل شرعیہ نہایت تفصیل اور شستگی کے ساتھ ایک جگہ صرف اس عظیم الشان کتاب میں ہی مل سکتے ہیں۔ تقریباً بارہ سو صفحات، انگلیز، چکنا کاغذ، قیمت مجلد پندرہ روپے غیر مجلد بارہ روپے پچاس نئے پیسے۔

آخرت کا سفر نامہ | از مولانا وحید الزماں صاحب مفتاحی۔ انسان دنیا میں رہ کر اور اس کے لہو و لعب میں پھنس کر یہ سمجھ جاتا ہے کہ موجودہ زندگی کے سفر کے بعد سے ابھی ایک اور سفر کرنا ہے جو آخرت کا سفر ہے۔ ملک الموت نے روح قبض کرلی ہوگی اور منکر و نکیر کے سوالات کی بوچھار سے رواں رواں تھرا رہا ہوگا عالمِ برزخ کے حالات، داخلِ قبر سے لیکر روزِ قیامت تک کے پیش آنیوالے واقعات کی یہ کتاب آپ کو عالمِ ارواح کی سیر کرا دیگی۔ قیمت ۲/۵۰

دربارِ رسالت کے فرمان | حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات کے وہ فرمان جو انھوں نے اپنی زندگی میں وقتاً فوقتاً اسلام و انسانیت کے بلند مراتب کو سمجھانے کے لئے لوگوں کو بتلائے، قیمت صرف پچاس نئے پیسے

قرآن اور عورت | قرآن کریم نے عورت کو قعرِ مذلت سے نکال کر کس طرح بام عروج پر پہنچا دیا! کن کن فرائض کی ادائیگی کے لئے اس کو تنبیہ کی، اسلام نے عورت ذات کو کیا کیا احکام صادر کئے، اچھی ایک مکمل کتاب قیمت ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے۔

معارف السنۃ

جن تعلیمات نے خاک نشین بدوؤں کو تحت جہاں بانی پر بٹھایا اور جن کی تجلیات سے آتشکدۂ فارس گل ہوگیا وہ تعلیمات آج بھی حرف بحرف ہمارے سینوں اور سفینوں میں محفوظ ہیں، اگر ہم انکو آج بھی سمجھ کر اپنے لئے آئینِ حیات بنالیں تو خدا کی رحمتیں اپنی گود میں لے لیں، اس کتاب میں رسول اللہ کی مشہور اور زندگی میں انقلاب پیدا کرنے والی احادیث کو جمع کرکے ایسے دل نشین، عام فہم اور پرمغز انداز میں سمجھایا گیا ہے کہ آج تک اردو کا دامن اس دولت بے بہا سے خالی تھا، احادیث کے ترجمہ اور تشریح کے بعد ہر حدیث کے اجمالی واقعات کو تاریخ و سیر کی مستند کتابوں سے مفصل بیان کرکے یہ بھی بتا دیا گیا کہ ان فرامینِ رسول سے مسائل و معارف کی کتنی کرنیں پھوٹتی ہیں اور مومن کی زندگی کے کن کن گوشوں کو منور کرتی ہیں۔ قیمت ۴/۵۰

اسلامی تاریخی کہانیاں | (مولانا عبد المومن صاحب فاروقی) اس کتاب میں تاریخ اسلام کی ایسی دلچسپ اور سبق آموز کہانیاں جمع کی گئی ہیں جن کو پڑھ کر اسلام کی حقانیت روزِ روشن کی طرح آپ کے سامنے آجائے گی۔ سلیس زبان، اندازِ بیان شگفتہ اور پھر اسلام کی حقانیت کا درس۔ قیمت ۲/۰۰۔ کتابت و طباعت عمدہ مجلد مع سرورق کے

رسولِ خدا کے اخلاق | پیغمبرِ اسلام کا ایسی قوم میں ظہور ہوا جو نہایت ہی سنگدل اور اخلاق سے کوری تھی۔ معمولی معمولی باتوں پر قبیلوں میں صدیوں تک جنگ و جدال رہتی تھی۔ لیکن جب رسول اللہ نے اعلانِ توحید کیا تو یہ ان کی سب سے بڑی دولت "بت پرستی" پر ضرب تھی پھر یہ تلخ گھونٹ انھوں نے کیسے گوارا اور ۲۳ سال کی زندگی میں رسول اللہ نے کس طرح ڈیڑھ لاکھ نفوس کو اسلام کا حلقہ بگوش کر دیا؟ اس کا جواب رسول اللہ کے اخلاق سے ملے گا۔ اس کتاب میں اس اجمال کی پوری تفصیل ملے گی۔ قیمت ۵۰ نئے پیسے۔

اسلامی اخلاق | اس کتاب میں دکھایا گیا ہے کہ اسلام ایک گلدستہ ہے جس میں رنگا رنگ کے پھول ہیں۔ اخلاص عمل، سچائی، صبر و شکر، خوف و توبہ کے بہترین نتائج اور حسد و کینہ، ریا و دیگر بُرے عقیدہ و عمل کے بدترین نتائج پر سیر حاصل تبصرہ ہے جو شخص ان اسلامی اخلاق سے آراستہ ہو جائے وہ گلدستۂ محفل کی طرح ہر نظر شرفِ قبولیت سے نوازی گی! قیمت ایک روپیہ۔

مجدد اعظم (الف ثانی رح) | ۹۷۱ھ میں جبکہ ہندوستان پر شرک و کفر اور بدعت و ضلالت کی لعنت برس رہی تھی اللہ کی رحمت جوش میں آئی اور سرہند میں شیخ احمد سرہندی رح کی ولادت باسعادت ہوئی، آپ نے اپنے روحانی کمالات سے ظلمتکدہ ہند کو اپنی تجلیات سے کس طرح بقعۂ نور بنا دیا، اس کی پوری تفصیل آپکو اس کتاب میں ملے گی۔ قیمت ۱/-

اعمال قرآنی | قرآنی اعمال و وظائف کا بہترین مجموعہ جس کو حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے مرتب کیا اور اعمال و وظائف کے ترجمے کے ساتھ ان کی خاصیتیں بیان کی گئی ہیں یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آج ہر گھر میں ضرورت ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ۔

شرعی نماز غور تو کیجیے کہ اسلامی شرعی نماز کیا ہے، پانچوں وقت کی روزمرہ کی نماز رکعتوں اور دعاؤں کی تفصیل، نماز تہجد، نماز جنازہ، نماز تراویح، نماز عیدین، نفل نمازیں محقق دلائل اور تفصیل کے ساتھ عبادت خداوندی کے اس فریضہ پر اس سے بہتر کوئی کتاب آج تک شائع نہیں ہوئی، آج ہی منگائیے۔ مجلد سفید چکنا کاغذ، قیمت صرف ۱/۰۰

درس قرآن ۔ قرآن خدا کا وہ پیغام ہے جس کی بابت سرورِ کونین نے فرمایا، اسی قرآن کے ذریعہ قوموں کو بام عروج پر پہنچاتا ہے اور اسی کو ترک کرنے کی صورت میں قعر رسوائی میں ڈال دیتا ہے۔ یہ کتاب ہر طالب قرآن کے لئے باعث تسکین ہے عربی کو آسان آسان کر کے ایک ایک جلد میں قرآن کی آیتوں پر مہارت پیدا کر دینا اس کتاب کا خاصہ ہے۔ قیمت دو روپے۔

پیغمبری دعائیں ارشاد ہے، اَلدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ، دعا مومن کے لئے ڈھال اور تلوار ہے، اللہ کا محبوب بندہ، نبی و رسول جب اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے تو اسی راز و نیاز کی عظمت تک پہنچنے سے پہلے جبرئیل کے پر جل جاتے ہیں، وہ مقدس سرگوشیاں وہ مناجاتیں اور وہ محب و محبوب میں اندازِ گفتگو "پیغمبری دعائیں" ہیں، یہ مستند دعاؤں کا بہترین مجموعہ ہے، قیمت ایک روپیہ۔

ہمارے نبی کی پاک بیبیاں مخالفین اسلام کے کئے اعتراضات کا دل جواب دینے کے لئے رسول پاک کی ازواج مطہرات کے بارے میں مفصل معلوماتی کتاب جس میں نبی کی شان اور وقار کو ملحوظ رکھ کر یہ بتایا گیا ہے کہ حضور اکرم نے کون سی بیوی سے کن حالات میں نکاح کیا؟ خدا کے احکامات کی کس طرح پیروی کرتے ہوئے کس کس عمر میں نکاح کئے، کون سی بیوی سے کتنی اولادیں ہوئیں۔ قیمت ۶۲ نئے پیسے۔

اچھا خاوند خاوند بیوی کا سرتاج ہے اس کی رنج و راحت پر تقدیر کا قلم چلتا ہے مگر اس کی عظمت کے عین مطابق اس پر بڑی بڑی ذمہ داریاں بھی ہیں، ان ذمہ داریوں کو نظر انداز کر کے کوئی خاوند اچھا خاوند نہیں بن سکتا، خاوند کے اخلاق و عادات، عقائد و اعمال، طرز معاشرت وغیرہ قرآن و حدیث میں کھول کھول کر بیان کئے گئے ہیں۔ قیمت ایک روپیہ [illegible]

تذکرہ پیغمبران اسلام اس کتاب میں اسلام کی طرف سے دعوت دینے والے انبیاء کی زندگی کے مقدس تذکرے ہیں جو سنگلاخ دلوں میں بھی ایمان و ایقان کا سبزہ پیدا کر دیتے ہیں اس کتاب کو شروع کرنے پر ایک نور کی چادر پھیلتی ہوئی نظر آئے گی اور جب کتاب ختم ہوگی تو آپ کا دل پکار اٹھے گا کہ اللہ کے یہ مقدس بندے اگر دنیا میں نہ آتے تو دنیا کا وجود بے معنی اور لا حاصل رہ جاتا۔ قیمت دو روپے

خدا کا انعام انسانی تمدن نے از زمین تا آسمان اپنی بساط عشرت بچھائی اور سرور و کیف میں جب انتہا کو پہنچا تو اس کی خود پسندی نے اپنے درمیان سے خدا کو حذف کرنے کی ناپاک سعی کی خدائی قدرت مسکراتی رہی، خود پرستی میں اسی انسان کو جب ٹھوکر لگی قدرت نے دوڑ کر سہارا دیا، بندے کو جب ہوش آیا تو کہنا پڑا کہ دنیا میں جو کچھ ہے خدائی انعام ہے، قیمت ایک روپیہ پچیس نئے پیسے۔

غزوات اسلام دنیا کی تاریخ میں ایسی نظیر نہیں ملے گی کہ تلوار کسی کو زندگی بخشنے کے لئے اٹھی ہو۔ مگر اسلامی غزوات بتاتے ہیں کہ تلوار کی ہر حرکت یہاں آب حیات کا گھونٹ پلاتی ہے، خلق خدا کو بسانے کی دھن میں غازیوں کا اجڑنا، دشمنوں پر رحم و کرم کی بارش اور اسی طرح کے دل پذیر واقعات اسلامی غزوات کا سرمایہ ہیں، یہ بہادری و جانبازی کی زندہ جاوید داستانیں ہیں۔ قیمت ۱/۲۵

اچھی بیوی ۔ ہماری کتاب اچھی بیوی کی بہنے عورتوں میں

گھر گھر خانگی سنوارنے کی ایک روح پھونک دی ہے، ایک گھر میں جب ایک عورت یہ کتاب پڑھ کر مستفید ہوتی ہے تو محلے کی عورتوں میں بھی یہ رنگ پھیلنے لگتا ہے اور ایک چراغ سے ہزاروں چراغ روشن ہو جاتے ہیں، اسلام اور قرآنی تعلیمات کی روشنی میں لکھی گئی ہے۔ قیمت ۱/۲۵

قرآنی دعائیں اس کتاب میں وہ سب دعائیں درج کر دی گئی ہیں جو نبیوں نے اپنے رب کے حضور پیش کئے ہیں۔

یہ دعائیں خود خدا نے ہم کو سکھائی ہیں تاکہ ہم اس کی شایانِ شان عظمت کا اپنی دعاؤں میں لحاظ رکھ کر اپنا مطلب و مدعا عرض کرنے میں کامیاب ہو سکیں قیمت ایک روپیہ

شاہنامہ اسلام (چار جلدوں میں) شاعر اسلام حفیظ جالندھری

شاہنامہ اسلام تاریخ اسلام کی منظوم کتاب جس میں ایسے واقعات درج ہیں جن کو پڑھ کر آپ کی رگ حمیت پھڑک اٹھے گی اور اسلام کی صحیح روح تازہ ہو جائے گی، بڑے اہتمام سے شائع کی گئی ہے۔ قیمت رف گلیز فی جلد دو روپے، مکمل چار جلدیں آٹھ روپے

گلیز سفید فی جلد تین روپے، مکمل چاروں جلدیں بارہ روپے

شہید اعظم امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد

اے کربلا کی خاک تو اس احسان کو نہ بھول ۔ سیراب کر گیا تجھے خونِ رگِ رسول! شہادت امام حسین کا بیان اور ابوالکلام کی زبان، اسی سے اندازہ لگا لیجئے کہ یہ کتاب کس معیار کی ہوگی۔ قیمت ایک روپیہ پچاس نئے پیسے۔

معجزات النبی دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء آئے اور سب کو خصوصیت سے خدا نے نوازا، رسول آخر الزماں فخر موجودات النبی الہاشمی العربی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ دنیا میں ختم ہوگیا، اس لئے ضروری تھا کہ سارے خصائص و معجزات آپ پر تمام کر دیے جائیں۔ اس کتاب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے معجزات کا حقیقی بیان نہایت دل نشین انداز میں پیش کیا گیا ہے، کنکریوں کی گواہی، درختوں کا چلنا، چوپایوں کا سجدہ، جنات کی شہادت رسالت، نجوم و قمر میں انقلاب، کھانے اور پینے میں عجیب و غریب زیادتی، بیماروں اور دائمی اپاہجوں پر دست رسالت پھیرنے سے صحت و شفا کے مناظر، دشمنوں کے نرغے سے محفوظ طور پر نکلنا، قتل کی نیت سے آنا اور کلمہ پڑھ کر واپس ہونا وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح کے محیر العقول سیکڑوں معجزات کا بیان، وہ معجزات جن سے رسالت کی صداقت پر دلیل و برہان قائم ہوتی ہے، اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ سارے معجزات حدیث و سیر کی معتبر کتابوں سے نہایت تحقیق و صحت کے ساتھ لئے گئے ہیں، قیمت ۵۰ نئے پیسے

مجاہدین سسلی ۔ یہ کتاب اسلام و عیسائیت کی گذشتہ جنگوں کا صحیح نقشہ کھینچتی ہے، توحید ہر محاذ پر تثلیث کو شکست دیتی ہے اور اذان مقدس کا غلغلہ شور ناقوس پر غالب آ کر رہتا ہے، سیراکیوز پر اسلامی لشکر کا متعدد بار قبضہ اور خراج لینے کے وعدہ پر بار بار مفتوحہ ملک عیسائیوں کے حوالہ کر کے اسلامی رحم و کرم کا مظاہرہ ہوتا ہے مگر ہر بار عیسائیت غداری و بیوفائی کا ناپاک شعار اختیار کرتی ہے، بالآخر اسلامی لشکر جنگ کے بعد قبضہ کر کے صوبہ سسلی پوری شان و شکوہ سے اسلامی حکومت قائم کر دیتا ہے، کتاب میں جگہ جگہ اسلامی لشکر کی خدا ترسی کے واقعات اور دشمن کے بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کے ساتھ حسن سلوک کے مناظر ملیں گے۔ اور تاریخی ناولوں کے رنگین طرز پر جس میں کہیں کہیں حسن و عشق کی پرچھائیاں بھی ہیں۔ قیمت ۱ روپیہ ۵۰ نئے پیسے۔

نوٹ :- ڈاک خرچ بذمہ خریدار

دالمحرم کا ۱۶ الحضرار دیکھا

پتہ :- مکتبہ دینیات آصف علی روڈ۔ نئی دہلی

خلقِ عظیم

(۳۱)

(مولانا قاری خلیل احمد جامعی، ناظم انجمن اشاعت سیرت بمبئی)

حضورؐ کا برتاؤ مشرک و کافر کے ساتھ

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملک عرب کے کچھ حصوں پر اگرچہ اقتدار حاصل ہو چکا تھا۔ جو ملک کے باقی ماندہ حصوں پر بھی اثر انداز ہو رہا تھا، اس وقت مخالفین کا زور ختم ہو چکا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا اقتدار حاصل تھا۔ اس حالت میں آپ کے "حسنِ خلق" کا ہر وقت مظاہرہ ہوتا رہتا تھا۔ سطوت و اقتدار کے دور میں، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ کے اس وصف میں ذرہ برابر فرق آیا تھا۔

اس کی تصدیق ذیل کے واقعات سے ہوتی ہے:-

۱:- حضرت ابوذر غفاری رضؓ - اپنا اُس زمانہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں، جب وہ اسلام نہیں لائے تھے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ "ایک مرتبہ مدینہ میں، رحمت عالم کا مہمان ہوا، رات کو گھر کی تمام بکریوں کا دودھ پی گیا۔ اس رات سارا گھر بھوکا رہا۔ مگر حضور نے کچھ نہ فرمایا۔

۲:- ابوہریرہ رضؓ - ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک کافر رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہوا۔ حضور نے ایک بکری کا دودھ دوہ کر اس کو دیا۔ وہ سب پی گیا۔ اسی طرح سات بکریاں دوہی گئیں۔ اور ہر ایک کا دودھ اس کافر کو دیا گیا۔ وہ ہر ایک کا دودھ پیتا چلا گیا لیکن حضورؐ نے ذرا بھی، اظہار ناراضگی نہ فرمایا۔ اس اخلاق کریمانہ کا یہ اثر ہوا، کہ صبح ہوتے مسلمان ہو گیا۔

۳:- حضرت اسماء رضؓ - بیان کرتی ہیں۔ کہ فتح مکہ سے ایک سال پہلے، میری ماں، جو مشرکہ تھیں، مدد کی امیدوار ہو کر میرے پاس مدینہ میں آئیں۔ مجھ کو سوچ ہوا، کہ مشرکہ ہیں، ان کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ ہونا چاہئے۔؟ اس خیال کے آتے ہی، میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور صورت حال بیان کی۔ حضورؐ نے فرمایا:- "ان کے ساتھ نیکی کرو۔"

۴:- حضرت ابوہریرہ رضؓ - کی ماں کافرہ تھیں اور اپنے بیٹے کے ساتھ مدینہ میں رہتی تھیں۔ جہالت کے باعث، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتی تھیں۔ ابوہریرہ رضؓ نے "رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم" سے یہ کیفیت بیان کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کے بجائے دعا کے لئے دست مبارک اٹھا دیئے۔

۵:- رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا سارا کاروبار حضرت بلال رضؓ کے سپرد تھا۔ روپیہ پیسہ بھی انھیں کے ہاتھ میں رہتا تھا پیسہ نہ ہونے کی صورت میں، بلال رضؓ سامان قرض لے آتے تھے۔ اور جب کہیں سے آتا تو ادا کر دیتے۔ ایک مرتبہ بازار جا رہے تھے۔ ایک مشرک نے دیکھا تو کہا "مجھ سے قرض لیا کرو۔" حضرت بلال رضؓ نے منظور کر لیا اور اس سے لین دین شروع کر دیا۔

ایک دن حضرت بلال رضؓ اذان دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو وہ مشرک، چند سوداگروں کو ساتھ لے کر آیا۔ اور بلال رضؓ سے کہا۔ "او حبشی!" بلال رضؓ نے اس بدتمیزی کے جواب میں "لبیک" کہا۔ مشرک بولا۔ کچھ خبر ہے۔ چار دن رہ گئے ہیں۔ اس درمیان میں اگر قرض ادا نہ کیا تو بکریاں چروا کے چھوڑوں گا۔ بلال رضؓ عشاء پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سارا قصہ بیان کر کے کہا۔ پیسہ اس وقت ہے نہیں۔؟ وہ مشرک آکر ضرور میری فضیحت کرے گا۔ اجازت دیجئے کہ کہیں بھاگ کر چلا جاؤں۔ جب قرض ادا کرنے کی کوئی سبیل نکل آئے گی۔ تو واپس آجاؤں گا۔ رات کو جا کر اس طرح سوئے کہ سامان سفر جوتی، ڈھال اور تھیلا سر کے نیچے رکھ کر سوئے صبح اٹھ کر کوچ کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا۔ اور کہا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد فرمایا ہے۔ حاضر خدمت

ہوئے تو دیکھا کہ چار اونٹ غلے سے لدے دروازے پر کھڑے ہیں۔ حضور ؐ نے فرمایا مبارک ہو۔ یہ اونٹ رئیس فدک نے بھیجے ہیں۔ بلال رضؓ اونٹ بازار لے گئے۔ سب سامان فروخت کرکے۔ مشرک کا قرضہ ادا کر دیا اور مسجد نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ سارا قرض ادا ہو گیا۔

یہ واقعہ اس وقت کا ہے، جب فدک فتح ہو چکا تھا، یہ ہجرت کا ساتواں سال تھا۔ بلال رضؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب خاص اور گھر کے منتظم تھے۔ ایک مشرک اُن کو حبشی کہہ کر پکارتا ہے۔ بکریاں چروانے کی دھمکی دیتا ہے۔ بلال رضؓ اس کی اس سختی کو دیکھ کر، بھاگ جانا چاہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ تمام باتیں سنتے ہیں اور مشرک کو ایک لفظ نہیں کہتے۔ نہ بلال کی حمایت اور دل دہی کرتے ہیں۔ اتفاق سے غلہ آجاتا ہے اور قرض ادا کر دیا جاتا ہے۔ مشرک کی بدزبانی پر، بازپرس کی بجائے۔ اس کو معاف کر دیا جاتا ہے۔

"یہ حلم، یہ عفو، رحمت عالم ؐ کے سوا اور کون کر سکتا ہے۔ ؟؟؟

۶۔ منافقین۔ یہ کفار کا ایسا گروہ تھا۔ جو بظاہر مسلمان تھا لیکن اسلام دشمنی میں کھلے ہوئے کافروں سے بڑھ کر۔ اس گروہ کے سردار، عبداللہ ابن اُبی کے بارے میں، تمام اہل مدینہ نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کر لیا تھا۔ کہ اس کو اپنا سردار اور حاکم بنا لیں گے۔ اس فیصلہ کے کچھ ہی دنوں بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے۔ اور اس "فیصلہ" پر عمل نہ ہو سکا۔ .... فتح بدر .... کے بعد ...... عبداللہ ابن اُبی اور اس کے ساتھیوں نے بظاہر اسلام کا اعلان کیا لیکن دل ہنوز کافر تھے۔ اس گروہ کی تعداد بھی کافی تھی۔ ان کا کام یہ تھا۔ کہ اسلام کو مٹانے کے لیے ہر وقت کوئی نہ کوئی سازش کرتے رہیں۔ قریش اور دوسرے قبیلوں سے، ان کی ساز باز تھی۔ مسلمانوں کے بارے میں ہر قسم کی اطلاعات دشمنوں کو پہنچانا۔ انھوں نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔ یہ گویا مسلمانوں میں کافروں کا ففتھ کالم تھا۔ غرضکہ مسلمانوں کے خلاف، جو جو کچھ منافقین کا یہ گروہ کر سکتا تھا، کرتا رہتا تھا لیکن دکھانے کے لیے تمام مراسم اسلامی ادا کرتے حتیٰ کہ جمعہ با جماعت ادا کرتے، اور جنگوں میں شریک ہوتے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم، اس گروہ کے ایک ایک فرد کے نام و حالات سے پوری طرح واقف تھے۔ لیکن چونکہ احکام شرعی کا تعلق دلوں سے نہیں۔ اعمال سے ہے۔ اس لئے اُن پر کفر کا حکم نہیں لگایا گیا۔ اور یہی نہیں بلکہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم، ہمیشہ اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے تھے۔

ایک بار کسی جنگ میں، ایک مہاجر نے کسی انصاری کے، کسی بات پر تھپیڑ مار دیا۔ اس پر انصاری نے انصار کی دہائی دی۔ مہاجر نے بھی، مہاجرین کی دہائی دی، دونوں طرف کے آدمی جمع ہو گئے۔ قریب تھا کہ تلوار چل جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے سے دونوں رک گئے۔

عبداللہ ابن اُبی نے سنا تو کہا۔ مدینہ چل کر مسلمانوں کو نکال دو۔ اور ساتھیوں سے کہا۔ تم لوگ مہاجرین کی خبرگیری سے ہاتھ اٹھا لو تو وہ از خود تباہ ہو جائیں گے۔"

اس واقعہ کی تصریح قرآن مجید (سورۂ واقعہ) میں یوں ہے۔

"یہی لوگ (منافقین) ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ پیغمبر کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو تاکہ وہ منتشر ہو جائیں۔"

"کہتے ہیں، جب ہم مدینہ کو واپس چلیں گے۔ تو معزز لوگ کمینوں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔"

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن اُبی کو بلا کر دریافت فرمایا کہ تم نے یہ الفاظ کہے تھے۔ اس نے صاف انکار کر دیا۔ حضرت عمر رضؓ مجلس میں موجود تھے۔ عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ منافق ہے۔ اجازت ہو تو اس کی گردن اُڑا دوں، فرمایا۔ نہیں، لوگ چرچا کریں گے۔ کہ:۔

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔"

۷۔ جنگ احد میں۔ رئیس منافقین عبداللہ ابن اُبی عین لڑائی کے وقت اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر میدان جنگ سے چلا آیا۔ اس کی اس حرکت سے مسلمانوں کی قوت کو سخت دھچکا لگا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اس حرکت کو بھی۔ درگذر کیا اور یہی نہیں، بلکہ جب وہ مرا تو اس کو، مسلمانوں کی ناراضی کے باوجود، اپنا پیرہن مبارک پہنا کر دفن کیا۔

اسلامی زندگی کیا ہے؟

خدا اور اس کے رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ کے بتلائے ہوئے راستے پر چلنا اور ان باتوں سے پرہیز کرنا جن کے بارے میں روکا گیا۔

تقسیم ہند کے نتیجہ میں غاصبوں اور بے ایمانوں کی بن آئی ہے اور وہ قانونی مواخذہ سے مطمئن ہو کر دوسروں کے مال پر ہاتھ صاف کر رہے ہیں اس گروہ میں بدترین وہ ناشر ہیں جو دینی و علمی کتابوں کے نام بدل کر، ذہنی متعلقوں کی طرف انھیں منسوب کر کے، اصل مصنفین کے علم و اجازت کے بغیر انھیں شائع کر رہے ہیں اور دونوں ہاتھوں سے دولت بٹورنے کے علاوہ علم و دین کی خدمت کے نام پر بڑی عزت و شہرت بھی حاصل کر رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں بعض ناشر تو کافی بدنام ہو چکے ہیں اور ان کے خلاف اخبارات و رسائل میں بار بار لکھا بھی جا چکا ہے چنانچہ محمد سعید اینڈ سنز مالک قرآن محل کراچی کا نام ہندوستان و پاکستان میں ضرب المثل بن چکا ہے، یہ صاحب جس کتاب کو چلتا ہوا دیکھتے ہیں، کتاب کا نام بدل کر اسے اپنے کسی بیٹے یا ملازم کی طرف منسوب کر کے، بے تکلف شائع کر دیتے ہیں، چنانچہ ہماری کتاب "بیان اللسان" "مفتاح اللغات" کے نام سے مفتی شوکت علی فہمی کی کتاب "مکمل تاریخ اسلام" "تاریخ اسلام سعیدی" کے نام سے، دار المصنفین اعظم گڈھ کی کتاب "بزم صوفیہ" "تذکرۂ اولیاء ہند و پاکستان" کے نام سے اور اسی طرح کئی دوسری کتابیں شائع کر چکے ہیں اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔

مشہور اہل قلم، مولانا عبدالرؤف رحمانی نے مضمون ذیل میں جسے ہم "اہل حدیث دہلی" کے شکریہ کے ساتھ درج کر رہے ہیں۔ مذہبی نقطۂ نظر سے ان حرکات کا جائزہ لیا ہے اور ان کی شناعت کو واضح کیا گیا ہے ہمیں امید ہے کہ پاکستان کی نئی حکومت جو اپنے ملک کو جرائم سے پاک کرنا چاہتی ہے ان علمی و دینی ڈاکوؤں کے ہاتھ اگر قطع نہیں کرے گی تو کم از کم باندھے ہی گی اور ہمیں توقع ہے کہ پاکستان کی پبلشرز اور بک سیلرز کی انجمنیں جو اپنے حقوق کے مطالبہ میں بلند آہنگ ہیں دوسروں کے حقوق کے تحفظ کیلئے بھی دو لفظ زبان سے نکالنے کی تکلیف گوارا کریں گی۔ (ادارہ)

قرآن کریم میں وارد ہے وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا چوری کرنے والا مرد ہو یا عورت اس کے ہاتھ کاٹ دو، اس حکم پر زمانۂ رسالت میں و خلفاء راشدین اور ان کے بعد کے امراء کے دور میں عمل ہوتا رہا آج بھی سلطان سعود ایدہ اللہ بنصرہ کے دور حکومت میں اس پر عمل جاری ہے، ہزاروں لاکھوں زائرین کرام و خلق خدا یہ منظر دیکھ کر متاثر اور عبرت پذیر ہوتی ہے۔

مالی سرقے سے کچھ زیادہ جرم معنوی سرقات کا ہے، کسی کی کتاب، کسی کے رسالے، کسی کے مقالہ و مضمون سے کوئی چیز نقل کی جائے اور اس طرح اپنا کر نقل کی جائے کہ اس میں اصل محنت کرنے والے صاحب کتاب، صاحب رسالہ و مقالہ کا نام و نشان تک نہ آنے پائے، علمی دنیا میں بڑی ذلیل و شرمناک حرکت ہے کسی کی محنت پر غاصبانہ قبضہ للعاهر الحجر کے مصداق ہے اگر ایسے چاہا تو اصل محنت کرنے والے کا نام روشن ہوگا اور نابکار سارق ذلیل و رسوا ہوگا۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ شعر پڑھتے تھے اصحاب مقالہ اصحاب تصانیف سارق کے علی الرغم اسے پیش نظر رکھیں ؎

اِنْ تفعلِ الْخَيْرَ لَا يُعْدَمْ جَوَائِزُهُ
لَا يَذْهَبُ الْخَيْرُ بَيْنَ اللّٰهِ وَبَيْنَ النَّاسِ

(تذکرۃ الحفاظ) کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

[illegible] محبت میں اسے پہلے پامالی کی، کہ جس نے اپنی قسمت ہی کو محنت کا ثمر جانا

اب ادھر چند سالوں سے دیکھ رہا ہوں کہ اخبارات میں شکایت ہونے لگی ہو کہ فلاں کے پہلے مضمون کو فلاں نے اپنے نام سے چھاپ دیا۔

(۱) اخبار اہلحدیث دہلی کی ایک اشاعت میں اسی طرح کا ایک شکوہ شائع ہو چکا ہے (اہلحدیث ۱۵ ستمبر ۵۷ء)

(۲) مدیر الارشاد کراچی نے کھول کر لکھا ہے کہ عید الاضحیٰ کے احکام کے سلسلہ میں یو پی اہل حدیث کانفرنس کی طرف سے جو اشتہار و پوسٹر چھپوایا گیا ہے وہ اصل میں مولوی حکیم علی احمد صاحب متخلص بہ ناہد کا مضمون ہے اسے بلا حوالہ چھاپ دیا گیا ہے (الارشاد ۱۶ راگست ۵۶ء)

سنیئے حافظ سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں۔

(۱) کہ جن ائمہ یا جن کتابوں سے ان کے مضامین و مسائل کو لیا جائے یا اس کے اقتباسات و عبارات سے فائدہ اٹھایا جائے تو اس کو اس امام اور اس کتاب کی طرف منسوب کر کے بیان کرنا ضروری ہے اور یہ انتساب علم و اہل علم کی شکر گذاری میں داخل ہے (فتح المغیث للسخاوی)

(۲) تہذیب الاسماء میں امام نووی جیسے جلیل الشان امام نے جس قدر مواد و معلومات کو اکٹھا کیا ہے جا بجا تاریخ بخاری، طبقات واقدی، کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم، تاریخ نیسا پور، تاریخ خطیب استیعاب لابن عبدالبر مؤتلف مختلف للدارقطنی، انساب سمعانی، شرح بخاری لابن بطال شرح الترمذی لابن العربی شرح مسلم للقاضی عیاض وغیرہا صدہا کتابوں کے حوالے دیتے چلے گئے ہیں، ایسا نہیں ہوا کہ وہ بڑے امام ہیں تو سب کتابوں کے مضامین بلا حوالہ نقل کرتے چلے جائیں کہ مجھ پر کون معترض ہوگا۔

(تہذیب الاسماء جلد اول صک و صکہ میں اس کی پوری صراحت کر دی تھی)

حافظ ابن القیم نے کتاب الصلوٰۃ و احکام تارکہا لکھی اس میں الخشوع فی الصلوٰۃ ابن رجب کے حوالے اور الصلوٰۃ وما یلزم بہا للامام احمد بن حنبل کے حوالے جا بجا موجود ہیں جہاں سے امام احمد کا مضمون لیتے ہیں وہاں شروع ہی میں لکھتے ہیں قال الامام احمد اور جہاں ان کا مضمون چار سطروں میں ختم ہو جاتا ہے، پھر وہاں دوبارہ صراحت کرتے ہیں، ہٰذا آخر کلام احمد (کتاب الصلوٰۃ و احکام تارکہا ص۱۲۲ و ص۱۲۳)

(۳) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ فتح الباری میں مقدمہ فتح الباری بھی دیکھئے کہ کس قدر ہزاروں کتابوں رسالوں اجزاء معاجم مسندات سنن و صحاح کے حوالے دیتے چلے گئے ہیں۔

(۵) متقدمین ائمہ سلف ذرا ذرا سی بات کے لئے اپنے سے پہلے کا پایا کا حوالہ دیتے تھے مشہور حدیث دعاء افتتاح میں "والخیر کلہ فی یدیک والشر لیس الیک" کے الفاظ آتے ہیں، محدث و امام ادب نضر بن شمیل نے والشر لیس الیک کی تفسیر میں فرمایا: والشر لا یتقرب بہ الیک

یعنی شر اور عمل بد سے تیرا تقرب حاصل نہیں ہو سکتا۔

یہ اس حدیث کی ایک توجیہ تھی لیکن یحییٰ بن معین جیسے جلیل الشان امام نے اس کا یہ مطلب بتلاتے ہوئے صراحت کر دی قال نضر بن شمیل والشر لیس الیک تفسیرہ۔ (بیہقی ص ۳۴/۲)

اگر ابن معین چاہتے تو اس کا مطلب نضر بن شمیل کی طرف منسوب کئے بغیر خود بتا دیتے مگر اسے یہ حضرات خیانت سمجھتے تھے، اپنے مقام علم پر دستور تھا کہ جس مضمون کو جس کتاب سے یا جس سے لیا ہو اس کا حوالہ ضرور دیں نہ دیا ہو، غرض سلف کا مقام بھی یہی رہا ہے اور اسی لئے وہ نیک نام ہیں اگر سلف میں بھی کچھ افراد شاذ و نادر اس کے خلاف چلے تو وہ بدنام ہوئے ائمہ دین نے ان کی حرکت پر سخت نوٹس لیا اور بلا انتساب کے اخذ و نقل ائمہ حدیث نے ایسے لوگوں پر سخت لفظوں میں ریمارک فرمایا ہے

(مقدمہ فتح الباری ص۵۶)

نواب صدیق حسن خان نے اتحاف النبلاء میں امام قسطلانی کے ذکر میں لکھا ہے کہ جب انھوں نے اپنی کتاب مواہب لدنیہ میں علامہ سیوطی کی کتابوں سے مضامین لینے کے باوجود سیوطی کی کتاب کا حوالہ نہیں دیا تو انہوں نے شیخ الاسلام زین الدین زکریا کے سامنے اس پر محاکمہ کیا اور بلا حوالہ نقل کرنے پر سرقہ کا ملزم ٹھہرایا، قسطلانی از حد شرمندہ ہوئے، سیوطی ان کی حرکت پر اس قدر ناراض ہوئے کہ جب وہ ان کے گھر معافی طلب کرنے گئے تو انہوں نے ملاقات تک نہ کی (اتحاف النبلاء ص۲۹) لعل فیہ کفایۃ لمن له درایۃ عبارتوں کی تلخیصات و شذرات و اقتباسات کے لئے ائمہ کا حکم ہے کہ حوالہ دیا جائے پورا مضمون پورا علمی مواد رسالوں اخباروں پر سرقہ کر کے یوں بلا شائع کر کے نمائش علم کرنا صرف چوری نہیں سینہ زوری بھی ہے۔

خداوند کریم ہم سب کو علمی ڈاکہ زنی سے بال بال بچائے اور دوسروں کی محنت مطالعہ پر غاصبانہ قبضہ و نمائش کی بدترین عادت سے محفوظ فرمائے

مولوی محمود الحسن جامعہ کالج. نئی دہلی

اس مختصر مضمون میں چند ایسے واقعات پیش کرتا ہوں جن سے ناظرین کو اندازہ ہوگا کہ مسلمان بادشاہ بزرگوں کا احترام کس درجہ کرتے تھے۔ ان کے اندر اخلاقی روحانی ترقی کی کس درجہ تڑپ اور گرمی موجود تھی وہ رزم کے مردان کار ہی نہیں تھے۔ بلکہ ان کی شخصیتوں میں وہ احساسات اور جذبات بھی پوری قوت سے کام کرتے تھے جو آدمی کو اونچے مقام پر لیجاتے ہیں اس کے اخلاق کی تعمیر کرتے اور اس میں بلندی پیدا کرتے ہیں۔ روح کی بلندی انسانیت کی بلندی، اور شخصیت کی بلندی۔

ان واقعات سے اس زمانے کے بزرگوں کی سیرت پر بھی روشنی پڑتی ہے اور یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی وہ کیا خصوصیات تھیں جن سے متاثر ہوکر لوگ مشرف باسلام ہوئے تھے۔ عمل اور سیرت کی حیثیت قیمت رہتی ہے جو اس میدان میں جتنا بلند ہوا ہے لوگوں نے اتنا ہی آنکھوں پر بیٹھایا ان کی آواز پر لبیک کہا اور ان کی روشن شخصیت سے زندگی کو سیرت کو سنوارا اور بنایا۔ وہ نیک عمل کا زندہ نمونہ تھے۔ ان کے کردار میں تلوار کی سی تیزی تھی جس کی زد میں امراء وغرباء سبھی آجاتے تھے ان کے فقر وغناء کی مسندیں دولت و قوت کی مسندوں سے بہت اونچی اور بہت دلکش تھیں اس لئے انکے آگے دنیا کی تمام ظاہری کامیابیاں اور بلندیاں ہیچ ہو جاتی تھیں خودرار اور بادشاہوں کو ان فقراء کی چوکھٹوں پر جھکنا پڑتا تھا۔

لیجئے سلطان ناصر الدین کا ایک واقعہ پیش کرتا ہوں اس کی یہ عادت تھی کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی بغیر وضو کے نہیں لیتا تھا سلطان کے ایک مصاحب کا محمد نام تھا ایک دن کسی وجہ سے اسے تاج الدین کہہ کر پکارا۔ مصاحب کو بہت تعجب اور رنج ہوا۔ اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں بادشاہ اس سے خفا نہ ہو۔ اسی تکلیف کی بناء پر وہ کئی دن تک دربار میں حاضر نہیں ہوا جب سلطان نے غیر حاضری کی وجہ معلوم کی تو اس نے کہا۔

"خداوند جہاں! مجھے کبھی محمد کے سوا کسی اور نام سے نہیں پکارتے تھے اس روز خلاف عادت تاج الدین کہکر آپ نے یاد کیا۔ میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ مزاج سلطانی میں خاکسار کی طرف سے کوئی تبدیلی ہوگئی" سلطان نے قسم کھا کر یقین دلایا کہ وہ اس وقت باوضو نہ تھا اس لئے" مجھے شرم آئی کہ بغیر وضو نام محمد زبان پر لاؤں"

غیاث الدین بلبن اپنے دور کا عالی شوکت رعب وآب کا شہنشاہ گذرا ہے۔ اس کے دربار کی عظمت وجلالت تزک واحتشام اس وقت ایشیا میں لاثانی تھی اتنے بڑے اقتدار کا بادشاہ جب مولانا کمال الدین زاہد سے شاہی امامت کا عہدہ قبول کرنے کی درخواست کرتا ہے تو مولانا اسے دوٹوک جواب دیتے ہیں کہتے ہیں" ہمارے پاس نماز کے سوا اور ہے ہی کیا۔ کیا سلطان اسے بھی چھین لینا چاہتے ہیں"۔ ظاہر ہے مولانا کا انکار بہت بڑی غیرت اور خدا ترسی کی شہادت دیتا ہے۔ مولانا اگر منصب کو قبول کر لیتے تو اس میں حرج ہی کیا تھا۔ کیونکہ اس دور کے بعض بڑے بڑے علماء حکومت کی خدمت کر رہے تھے۔ مولانا شمس الدین خوارزمی مولانا شمس الدین بانی پتی حسن سنجری اور شمس دبیر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

فیروز شاہ جب دہلی جا رہا تھا تو چند دن کے لئے ہانسی ٹھہرا اور شہر کے باہر پڑاؤ ڈالا۔ شیخ قطب الدین منور سے ملاقات کا خیال آیا چنانچہ بجائے اس کے کہ دربار میں طلب کرتا خود ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جمعہ کا دن تھا شیخ نماز کی نیت سے خانقاہ سے باہر آگئے تھے اس وقت شیخ جمال الدین ہانسوی کا جبہ پہنے ہوئے تھے۔ فیروز شاہ کی سواری پہنچی شیخ نے مصافحہ کیا اور فرمایا کہ نماز جمعہ کی نیت سے باہر آیا ہوں۔ اب کس نیت سے اندر جاؤں۔ شیخ کا مقصد یہ تھا کہ نماز جمعہ سے پہلے ملاقات نہیں ہونی چاہیئے تھی۔ پھر دروازے

پھر شیخ نے بادشاہ کو چند نصیحتیں کیں، فرمایا "بابا - دعاگو نے سنا ہے کہ تمہیں شراب پینے کی طرف رغبت ہے اگر بادشاہ اور امامان دین شراب پینے میں مشغول ہو جائیں تو فرد تمند دل کی حاجت روائی بند ہو جائے گی"۔

فیروز نے وعدہ کیا کہ آئندہ شراب نہیں پیئے گا پھر شیخ نے فرمایا "بابا دعاگو نے سنا ہے کہ تمہیں شکار مارنے کی بیحد ہوس ہے اور اس کام میں بیحد کوشش کرتے ہو۔ اس شکار کے پیچھے ایک عالم کو پریشانی اور سرگردانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے یہ بات ٹھیک نہیں کسی جاندار کی بیجا جان نہیں لینی چاہیئے"

فیروز شاہ نے جواب دیا کہ شیخ دعا فرمائیں خدائے تعالیٰ اس سے باز رکھے یہ سن کر شیخ کا مزاج برہم ہو گیا۔ بلند آواز سے فرمایا۔

"سبحان اللہ منکر دعائے ما"!

پھر اسی جملہ کو دہراتے ہوئے فرمایا"

ہماری دعا کا منکر ایسا ہے یہ نہیں کہتا کہ میں نے توبہ کی"

یہ کہکر شیخ مسجد کی طرف چلے گئے سلطان نے ایک لبادہ شوستری بھیجا شیخ نے نور الدین سے پوچھا کہ "یہ محرمات میں سے ہے یا حلال" جب یہ معلوم ہوا کہ محرمات سے ہے تو پہننے سے انکار کر دیا۔ اس کی وجہ سے شیخ نور الدین کو ڈر ہوا کہ یہ بات بادشاہ کو ناگوار نہ ہو اس وقت بادشاہ ایسی جگہ بیٹھا ہوا تھا جہاں شیخ کو دیکھ سکتا تھا چنانچہ شیخ نور الدین نے دو آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ لبادہ کے دونوں آستینوں کو شیخ کے پیچھے پکڑ کر پیچھے پیچھے چلیں تاکہ سلطان کو معلوم نہ ہو فیروز شاہ نے اس کو محسوس کر لیا چنانچہ شیخ نور الدین کے پاس کہلا بھیجا کہ شیخ منور کو اس کی زحمت نہ دیں۔ وہ پادشاہ دین ہیں نا جائز کپڑا کیسے استعمال کر سکتے ہیں"۔

فیروز شاہ کی عبادت میں جو دلچسپی ہوتی تھی اس کا ذکر عفیف اس طرح کرتا ہے "سبحان اللہ فیروز شاہ عبادت میں کیسی حیثیت رکھتا تھا ہر روز قرآن کی چند سورتیں پڑھتا تھا۔ جمعہ کے دن سورۂ کہف اور جمعرات میں سورہ طٰہٰ بلاناغہ پڑھتا تھا۔ اور ہر روز پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کرتا تھا"

فیروز شاہ ہی کا ایک اور واقعہ بہت دلچسپ ملتا ہے شیخ

نصیر الدین چراغ دہلوی اپنے زمانے کے باکمال بزرگ گذرے ہیں۔ یہ بادشاہ کی طرف سے اچھا خیال نہیں رکھتے تھے ایک بار بادشاہ خانقاہ میں حاضر ہوا شیخ اس وقت قیلولہ فرما رہے تھے۔ ان کے خادم مولانا زین الدین کہیں باہر گئے ہوئے تھے سلطان خانقاہ کے صحن میں کھڑا تھا کہ بارش ہونے لگی۔ اتنی دیر میں زین الدین آگئے۔ انھوں نے شیخ کو اطلاع دی وہ بجائے سلطان کے استقبال کرنے کے وضو میں مشغول ہو گئے سلطان کو یہ انتظار گراں گذرا تاتار خاں سے مخاطب ہو کر کہا۔ ہم بادشاہ نہیں ہیں بادشاہ تو یہ ہیں"!

جب شیخ کمرے سے باہر آئے تو صحن ہی میں ایک شطرنجی بچھوا کر وہیں باتیں کرتے رہے۔ فیروز تھوڑی دیر بیٹھا پھر رنجیدہ و ناخوش واپس لوٹ گیا۔ دراصل شیخ کو سلطان سے بہت شکایتیں تھیں۔ غریبوں اور عوام کو کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ علائی عہد میں لوگوں بالخصوص غریبوں کو بہت آسانیاں حاصل تھیں جاڑوں میں کوئی فقیر بغیر لحاف کے نہ ہوتا تھا۔ بعض کے پاس کئی کئی ہوتی تھیں۔ بڑی بڑی دعوتیں ایک ٹنکہ میں مرتب ہو جاتی تھیں۔ شیخ کے یہ جملے دراصل اس تلخی اور مایوسی کی غمازی کرتے ہیں جو ارد گرد کے ماحول کو دیکھ کر ان کے اندر پیدا ہو گئی تھی ظاہر ہے ان حالات کی موجودگی میں بادشاہ اور اس نظام حکومت سے کیسے خوش رہ سکتے تھے۔

[illegible]

تعارف و تبصرہ

قادیانی قول و فعل:۔ (حصہ دوم) تالیف پروفیسر محمد الیاس برنی مرحوم تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۱۹۲ کتابت و طباعت و کاغذ عمدہ ملنے کا پتہ۔ بیت الاسلام سیف آباد۔ حیدرآباد (دکن)

پروفیسر الیاس برنی "قادیانیات" کے سلسلہ میں "اتھارٹی" تسلیم کئے جا چکے ہیں۔ آپ نے اپنے نوک قلم سے "قادیانیت" کو جس خوبی سے عریاں کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ اس موضوع پر آپ کا شاہکار "قادیانی مذہب" ہے۔ جو ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ زیر تبصرہ رسالہ کو اس کا تتمہ یا خلاصہ کہا جا سکتا ہے۔ اس رسالہ کی پانچ فصلیں ہیں۔ جن میں مرزا صاحب ان کے خاندان، ان کے خلفاء اور متبعین کے ذاتی حالات، عقائد و خیالات، سیاسی و مذہبی خدمات کا دلچسپ مگر عبرت انگیز مرقع پیش کیا گیا ہے۔ جو لوگ تھوڑے وقت میں قادیانیت کے متعلق صحیح اور مکمل معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کو یہ رسالہ مطالعہ کرنا چاہیئے۔

فاضل مؤلف نے اپنی بعض دوسری تبلیغی کتابوں کی طرح اس کتاب کو بھی پانصد کی تعداد میں مفت تقسیم کرنے کا اعلان کیا تھا مگر اس اعلان کو اب ۸ ماہ گزر چکے ہیں۔ ادھر مؤلف بھی اپنی جلیل القدر دینی خدمات کا اجر لینے کے لئے رب العزت کے جوار رحمت میں پہنچ چکے ہیں نہیں کہا جا سکتا اس کے نسخے ابھی قابل تقسیم ہیں یا نہیں؟ ضرورت ہے کہ اہل ثروت برنی صاحب مرحوم کے ورثاء کے ساتھ تعاون کر کے قادیانیت کے سلسلہ میں ان کی خدمات کا فیض جاری رکھیں۔

اسلام اور غیر مسلم | مؤلفہ مولوی محمد حفیظ اللہ صاحب سائز ۲۰×۳۰/۱۶ کاغذ معمولی کتابت و طباعت عمدہ قیمت غیر مجلد دو روپے۔ ملنے کا پتہ:۔ مسلم اکاڈمی پھلواری شریف۔ پٹنہ۔

مولوی محمد حفیظ اللہ صاحب عرصہ دراز سے تاریخ اسلام اور تاریخ ہند پر سہل و سلیس زبان میں مفید اور دلچسپ رسالے شائع کر رہے ہیں۔ یہ کتاب ان میں امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں سیرۃ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حالات خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے بعد کے خلفاء و سلاطین کے بے شمار واقعات سے ثابت کیا گیا ہے۔ کہ اسلامی تعلیمات غیر مسلموں کے حق میں سرچشمۂ رحمت ہیں اور مسلمانوں نے اپنی زیر اقتدار قوموں کے ساتھ جو عادلانہ، فیاضانہ اور کریمانہ برتاؤ کیا ہے اس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی۔

مؤلف نے تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ، انصاف پسند عیسائی اور ہندو مورخین کے بیانات بھی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کئے ہیں کتاب مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لئے لائق مطالعہ ہے اور جو لوگ اس کے سوا کچھ نہیں جانتے کہ عالمگیر ہندو کش تھا، ظالم تھا، ستم گر تھا ان کے لئے سرمۂ چشم بصیرت ہے۔

صحیح فاتحہ کا طریقہ | مؤلفہ جناب قاضی سید اسماعیل صاحب حنفی چشتی قادری۔ صفحات ۸ ملنے کا پتہ قاضی بکڈپو پنگنور ضلع چتور آندھرا

اسلام میں جو بہت سی من گھڑت غیر اسلامی رسمیں رواج پا گئی ہیں ان میں سے ایک "مروجہ فاتحہ" بھی ہے۔ ایصال ثواب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کوئی نیک عمل کر کے اس کا ثواب مرحوم کو پہنچانے کی نیت کر لے۔ انشاءاللہ تعالیٰ ثواب پہنچ جائے گا۔ مگر یاران طریقت نے اس میں طرح طرح کی رنگ آمیزیاں بلکہ شکر آمیزیاں کی ہیں۔ مؤلف نے اس رسالہ میں ان تمام غلط طریقوں کی مدلل طور پر تردید کی ہے۔ رسالہ سوال و جواب کے طور پر ہے۔ عام مسلمانوں کے لئے اس کا مطالعہ بہت ضروری اور مفید ہے۔ رسالہ پر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رح اور دیگر علماء کرام کی تصدیقات بھی ہیں صرف آٹھ پیسے کے ٹکٹ محصول کے لئے بھیجکر مفت منگایا جا سکتا ہے۔

اسلامی روایات | تقطیع خورد، قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنے ملنے کا پتہ:۔ مسلم اکاڈمی پھلواری شریف۔

یہ کتاب بھی مولوی محمد حفیظ اللہ صاحب نے محنت اور سلیقے سے لکھی ہے۔ اس میں آپ نے تاریخ اسلام کے مختلف ادوار کے وہ واقعات اکٹھا کر دیئے ہیں جن کو پڑھ کر روح میں بالیدگی ایمان میں تازگی اور دل میں حرارت پیدا ہوتی ہے اور اسلاف کرام کی عظمت و محبت کے نقوش دل میں پیوست ہو جاتے ہیں۔ یہ کتاب بچوں

شربت
روح افزا
فرحت بخش
خوش ذائقہ
مشروبِ مشرق
گرمیوں کے لیے
ہمدرد دواخانہ
کا

کیا سفرِ حج کا ارادہ ہے؟

اگر ہے تو تنہا دعائیں وجیہ الدین ٹرسٹ کا مقدس تحفہ ضرور ساتھ لیجئے، یہ تحفہ دو مجلد کتابوں پر مشتمل ہے

خلاصہ زبدۃ المناسک :- اس کتاب میں حج کے تمام ضروری مسائل فرائض واجبات، مستحبات سنن اور مکروہات کو سلیس و سہل زبان میں وضاحت کے ساتھ ذکر کردیا گیا ہے، مسائل تاریخوار مرتب کئے گئے ہیں تاکہ ان پر بقدر ضرورت آسانی کے ساتھ عمل کیا جاسکے، جہاز میں سمت معلوم کرنے کا نقشہ بھی درج کردیا گیا ہے
یہ کتاب قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح کی کتاب زبدۃ المناسک کا جامع خلاصہ ہے جسے علوم ظاہری و باطنی حضرت مولانا شاہ بدر عالم صاحب میرٹھی مقیم مدینہ منورہ نے مرتب فرمایا ہے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ اپنے موضوع پر سب سے زیادہ مستند کتاب ہے۔

حج مبرور و زیارت مقبول اس رسالہ میں نہایت مختصر طور پر حج بیت اللہ و زیارت روضۂ اقدس کے موقعوں پر پڑھی جانے والی تمام مسنون دعائیں درج کردی گئی ہیں، یہ دعائیں نہایت جلی قلم سے لکھی گئی ہیں۔ جنھیں بوڑھے آدمی بھی بآسانی پڑھ سکتے ہیں، بین السطور میں ان کا مستند بامحاورہ ترجمہ مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی مدیر الحرم کے قلم سے ہے
شروع میں حج سے متعلق ضروری آداب و ہدایات بھی لکھدی گئی ہیں اور آخر میں مدینہ منورہ کی ضرورت کے عربی الفاظ مع ترجمہ کے شامل کر دیئے گئے ہیں اور جذبات شوق کو بھڑکانے کے لئے چند ولولہ انگیز نعتیں بھی شامل کردی گئی ہیں۔

دونوں کتابیں اعلیٰ لکھائی چھپائی اور حسین و مضبوط بلاک کے ٹائٹل کے ساتھ نہایت خوبصورت شائع ہوئی ہیں، ہر کتاب جیبی سائز پر تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہے اور دونوں کتابیں دو روپے دو آنہ بذریعہ منی آرڈر آنے پر بذریعہ رجسٹری بھیجدی جائیں گی، وی پی نہیں بھیجا جائے گا اس مقدس سفر میں قرآنی و حدیثی دعاؤں کا مستند مجموعہ الحزب الاعظم بھی ساتھ لیجئے ہدیہ دو روپے ایک ساتھ منگانے میں محصول رجسٹری ۸ ر کی کفایت رہے گی، چونکہ کتابیں کراچی سے محدود تعداد میں آئی ہیں اس لئے فوراً طلب کیجئے (کوپن پر اپنا نام اور مکمل پتہ صاف صاف درج فرمائیں) ملنے کا پتہ :- **مینیجر الحرم، قاضی منزل، قاضی واڑہ میرٹھ**

رحمت باری آپکی دعاؤں کی منتظر ہے

الحزب الاعظم مترجمہ شیخ الحدیث حضرت شیخ مولانا شاہ بدر عالم میرٹھی مقیم مدینہ منورہ کی روزانہ تلاوت انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی دعاؤں کی قبولیت کی بہترین ضمانت ہے۔

اس مجموعہ میں وہی دعائیں ہیں جو قرآن و حدیث میں وارد ہوئیں ان دعاؤں کے ذریعہ التجا کرنا ایسا ہی ہے جیسے بادشاہ یا وزیر کے بتلائے ہوئے مضمون کی درخواست دربار شاہی میں پیش کرنا یوں تو یہ کتاب کئی مطابع میں چھپ چکی ہے مگر یہ ایڈیشن اپنی خوبیوں میں یکتا ہے، چند خصوصیات یہ ہیں

* ترجمہ بامحاورہ و سلیس مشہور شیخ وقت اور فاضل عصر کے قلم سے ہے۔
* کتب حدیث سے مراجعت کے وقت جو زائد الفاظ معلوم ہوئے انھیں بریکٹ میں درج کردیا گیا ہے اور جو غلط معلوم ہوئے ان کی تصحیح کردی گئی
* حضرت مترجم مدظلہ نے حاشیہ میں ہر دعا کے ماخذ کا بقید صفحات حوالہ دیدیا ہے
* الفاظ کے علاوہ اعراب کی تصحیح بھی حضرت مترجم نے بڑی دیدہ ریزی سے فرمادی ہے۔
* حضرت مترجم و مولف کے دیباچوں کے علاوہ حضرت الحاج خان بہادر حافظ وجیہ الدین صاحب میرٹھی کے قلم سے دعا کے فضائل پر مشتمل ایک مفید مقدمہ بھی ہے
* حروف نہایت جلی جنھیں اسی سال کے بوڑھے بھی بے تکلف پڑھ سکیں، طباعت صاف اور دلکش، کاغذ سفید، چکنا، نہایت مضبوط ٹائٹل بہت دبیز سائز جیبی تاکہ سفر میں دقت نہ ہو، صفحات ۳۴۴، بلا مبالغہ ظاہری و معنوی خوبیوں سے آراستہ ایسی حزب الاعظم اب تک ہندوپاکستان میں شائع نہیں ہوئی۔ کچھ نسخے حاصل کئے گئے ہیں آج ہی طلب فرمائیں، ہدیہ مجلد پارچہ دو روپے چھ آنے، غیر مجلد دو روپے (محصول بذمہ خریدار)

ملنے کا پتہ :- **مینیجر الحرم مکتبہ علمیہ قاضی منزل قاضی واڑہ میرٹھ**

جلد نمبر (۱)
نمبر (۳)

مئی ۱۹۵۹ء
ذی قعدہ ۱۳۷۸ھ

قیمت :-
سالانہ ہندوپاکستان میں — روپے سالانہ
ممالک غیر میں — پانچ روپے
فی پرچہ — تین آنے

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
(۱)	نقوشِ اوّلین	مدیر	۴
(۲)	نزاعِ باہمی کی حقیقت پر ایک نظر	قاضی زین العابدین میرٹھی معاون مدیر	۶
(۳)	رحمتِ عالم نیّرِ اسلام	از ڈاکٹر وارث القادری	۱۱
(۴)	یہودِ بنی قریظہ کے قتل پر ایک نظر	مولوی محمد احمد صاحب کاظمی ایڈوکیٹ الہ آباد ہائی کورٹ	۱۲
(۵)	مولانا آزاد کی خدمت میں !	مولانا عبدالسلام صاحب نعمانی ناظم دینیات جامعہ ملیہ دہلی	۱۶
(۶)	امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ	مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی	۱۹
(۷)	غلط فہمی کے مسائل	(ایشیا لاہور)	۲۳

التماس :-

جن احباب کے پاس یہ پرچہ ان کی طلب کے بغیر پہنچے ... خریداری سے متعلق اپنے فیصلے سے اطلاع ... [illegible]

[illegible] نہیں بھیجا جاتا۔

[illegible] اپنا پتہ [illegible]

اگر مندرجہ بالا دائرہ میں سُرخ نشان لگا ہوا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، لہٰذا چندہ سالِ جدید ارسال فرمائیں اور اپنے آئندہ ارادے سے مطلع فرمائیے۔

پاکستان قیمت بھیجنے کا پتہ :-
منیجر کوثر بک ایجنسی ۱۵-۲ شاہ عالم مارکیٹ لاہور پاکستان

یہ بڑی افسوسناک بلکہ شرمناک حقیقت ہے کہ بارہ سال کی طویل مدت گزرنے کے بعد بھی مسلمانوں کو ہندوستان میں امن و اطمینان حاصل نہیں ہوا۔ ہندوستان تقسیم فرقہ وارانہ منافرت کی جس زہریلی فضا میں عمل میں آئی اس کا لازمی نتیجہ آگ اور خون کا وہ طوفان تھا جس نے ہند و پاکستان کے سرحدی علاقوں کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ مگر خیال یہ تھا کہ یہ عارضی صورت ہے اور جلد ہی دونوں ملکوں میں حالات پرسکون ہو جائیں گے، اس لئے کہ کوئی ملک ترقی و خوشحالی کی سکیموں کو اس وقت تک کامیاب نہیں بنا سکتا جب تک وہاں مکمل امن و امان نہ ہو اور ہندوستان میں اس لئے بھی کہ اس کی زمام اقتدار کانگرس کے ہاتھ میں ہے جو ایک غیر فرقہ وارانہ جماعت ہے اور جس کی بنیادوں میں مسلم مجاہدین کے خون کے قطرے شامل ہیں۔

گذشتہ چند سال سے فرقہ وارانہ فسادات میں کمی ہو بھی گئی تھی اور یہ توقع پوری ہوتی نظر آتی تھی مگر امسال ہولی کے موقعہ پر مبارکپور، بھوپال اور اٹنگر پیرٹھ اور سیتامڑھی میں آگ و خون کا جو کھیل کھیلا گیا اس سے ساری امیدوں پر پانی پھر گیا اور معلوم ہوا کہ بارہ سال نلکی میں رہنے کے بعد بھی فرقہ پرستی کے سانپ کی دم ٹیڑھی کی ٹیڑھی ہی ہے۔

اس مسئلہ میں غور کرنے کے دو پہلو ہیں۔

(۱) اس صورت حالات کو ختم کرنے کے سلسلہ میں حکومت کے فرائض کیا ہیں؟ (۲) مسلمانوں کا طرز عمل کیا ہونا چاہیئے۔

~~~

اس حقیقت میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ یہ فسادات ہندوستان کی فرقہ وارانہ جماعتوں کی طرف سے ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت عمل میں آ رہے ہیں، ہندوستان کے کسی حصہ میں بھی فساد ہو اس کا ایک خاص نقشہ ہوتا ہے اور ہر جگہ اس نقشہ میں خون مسلم سے رنگ آمیزی کی جاتی ہے۔

بے شبہ فرقہ وار جماعتوں کے اس تیر سے دو شکار ہوتے ہیں، ایک طرف مسلمانوں میں اضطراب اور بے اطمینانی پیدا کر کے انکے پاؤں اکھاڑنے کی کوشش باقی ہے اور دوسری طرف کانگرس کو جس کے ہاتھ میں ملک کا اقتدار ہے دنیا میں بدنام اور مسلمانوں میں غیر مقبول بنا دیا جاتا ہے، فرقہ پرستوں کی اس ناپاک ذہنیت کو ختم کرنا آسان نہیں ہے خاص طور پر جبکہ اس کی تہ میں سیاسی عزائم کارفرما ہیں، تاہم اگر حکومت پختہ ارادہ کرے تو فرقہ پرستوں کی ان اسکیموں کو بڑی حد تک ناکام بنایا جا سکتا ہے، حکومت کے کارپردازوں کے لئے اس سلسلہ میں دقت یہ ہے کہ مقامی حکام اکثر جگہ خود فرقہ واریت کے زہر سے متاثر ہیں اور جن افراد سے عدل و انصاف کی توقع ہونی چاہیئے وہ خود ظالموں کے دست و بازو بن جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں فسادات بھوپال کے سلسلہ میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن کے بیان کا یہ حصہ قابل غور ہے:-

"اسباب و عوامل کے سلسلہ کی تیسری کڑی خود لا اینڈ آرڈر کے ذمہ دار یا حکومت کی مشینری کا ہی ہے جس کے پرزوں پر ابھی تک احساس فرض و منصب کا نکھار پوری طرح روشن نہیں ہو سکا ہے، یا جن میں فرقہ واریت کا بڑول ابھی تک خشک نہیں ہوا ہے کہ ہر آنچ کے ساتھ وہ خود بھی تیزی کے ساتھ بھڑکنے لگتے ہیں میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ سیٹج کا معاملہ آج کی دنیا میں اہمیت رکھتا ہے، حکومت کے لئے یہ آسان نہیں ہے کہ وہ اس پر دست گیر تسلیم کرے لیکن بھوپال کے در و دیوار کی خاموش گواہی جھٹلانا بھی دشوار ہے، افسوس کہ واقعات کی ترتیب اور ہنگاموں کی نوعیت صاف بتلاتی ہے کہ مقامی حکام [illegible] استثنات کی بیشتر دل چسپیاں ان ہنگاموں میں برابر شریک رہی ہیں۔"

ہماری رائے اس سلسلہ میں یہ ہے کہ حکومت ہر جگہ کے امن و اماں کا کامل ذمہ دار [illegible] کر سکیں ان سے
~~~

نہایت سختی کے ساتھ احتساب کیا جائے، اگر دو چار جگہ کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور سپرنٹنڈنٹ پولیس اس محاسبہ کی گرفت میں آجائیں تو یقین ہے کہ بڑی حد تک اس قسم کے واقعات کا اعادہ ناممکن ہو جائے۔

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ "ظلم" کے ساتھ کسی جماعت کی خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم حکومت قائم نہیں رہ سکتی، چنگیز خان ہلاکو خان اور تیمور لنگ نے فتوحات کے دوران میں جو مظالم ڈھائے آج بھی ان کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں مگر کسی ملک پر اقتدار حاصل کر لینے کے بعد انھوں نے بھی یکسر اپنی پالیسی کو بدل دیا اور رعایا کو بے اطمینان نہیں ہونے دیا۔

ان افسوسناک واقعات کا ایک قابلِ اطمینان پہلو یہ ہے کہ ہندوستان کی مختلف پارٹیوں کے حق پسند غیر مسلم لیڈروں نے برملا مظلوموں کی حمایت پر آواز بلند کی ہے، یو.پی اسمبلی میں بحث کے دوران کمیونسٹ ممبر شری جہار کھنڈے سارے نے فسادات مبارکپور کے متعلق کہا:

"میں نے جیل کے اندر اور باہر جو کچھ دیکھا ہے وہ میں نے اپنی ۲۵ سالہ سیاسی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا، میرا خون کھول رہا ہے اور وزیر داخلہ معاملہ کو صحیح طور پر پیش نہیں کر رہے ہیں۔"

اسی طرح وزیر اعظم بہار مسٹر سنہا نے بھی بلا پس و پیش سیتا مڑھی میں مسلمانوں کی مظلومی کو تسلیم کیا ہے اور ظالموں کے طرزِ عمل سے نفرت کا اظہار کیا ہے، اور راگو رائے شاستری ایم. پی کانگریس نے بھی مسلمانوں پر تشدد کا اعتراف کیا ہے۔

خونِ ناحق کہیں چھپتا ہے چھپائے سے امیر — کیوں وہ بیٹھے ہیں مری لاش پہ دامن ڈالے

دوسرا خوش گوار پہلو یہ ہے کہ خود مسلمانوں میں جماعتی گفتار پیدا ہو گئی ہے جمعیۃ علما اور دوسری جماعتوں کے پلیٹ فارم سے جگہ جگہ احتجاجی جلسے منعقد ہو رہے ہیں جن میں مسلمانوں نے ان مظالم پر نفرت کا اظہار کیا ہے اور حکومت سے قیام امن و امان کا مطالبہ کیا ہے۔

افقِ ہند پر مسلمانوں کے لئے یہ نورِ امید کی نئی کرنیں ہیں جو انشاء اللہ العزیز ان کے لئے روشن مستقبل کی پیغامبر ہیں۔

~~~

قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کے نشیب و فراز کے جو مناظر بیان کئے گئے ہیں وہ بڑے یقین افروز اور عبرت انگیز ہیں، بھائیوں کا حسد، موت کے گھاٹ اتارنے کی تدابیر، قافلہ والوں کی غلامی، جلا وطنی کی زندگی، مصر کے بازار میں فروخت، پھر عزیز مصر کے محل میں داخلہ، مکر اور دوسری نوعیت کی آزمائشیں، پھر قید خانے کی اسیری کے بعد آخر حق کی فتح، کنعانی غلام کا مصر کے تخت شاہی پر جلوہ آرا ہونا اور ایک غیر ملک میں، غیر مذہب کے لوگوں میں دینی و دنیاوی عزت و عظمت کے مقام بلند پر فائز ہونا، قرآن کریم نے دلپذیر مخصوص رنگ میں ان تمام واقعات کا نقشہ کھینچنے کے بعد فرمایا ہے:

اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص تقویٰ اور صبر اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ وہ نکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا، "تقویٰ" کے معنی ہیں "خداوند قدوس کی نافرمانی سے پرہیز کرنا" اور "صبر" کے معنی ہیں ثابت قدم رہنا، تو آیت کے معنی یہ ہوئے کہ جو لوگ خداوند قدوس کی فرماں پذیری کے دائرہ سے کسی حال میں اپنا قدم باہر نہیں نکالتے، سخت سے سخت مصیبتوں کے طوفان میں بھی راہِ حق پر گامزن رہتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ آخر کار ان کو کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔

یہ آیت اس دور کے سوال کا مختصر جواب ہے کہ "مسلمانوں کا طرزِ عمل موجودہ حالات میں کیا ہونا چاہیئے؟"
~~~

قول کیوں دیا جاتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اصطلاح میں مقلد اور اہل حدیث ایجاب و سلب کے دو پہلو ہیں، اہل حدیث کو مقلد نہیں کہا جاتا اور مقلد کو اہل حدیث نہیں کہا جاتا اگر ائمہ دین اور صحابہ کرام سے تقلید کی نفی ہو جائے تو پھر یہ سب اہل حدیث ہی ثابت ہوں گے۔" حکیم صاحب اگر سمجھنے کی کوشش کریں تو سب کچھ سمجھ سکتے ہیں، مقلد اور اہل حدیث ایجاب و سلب کے دو پہلو نہیں بلکہ مقلد اور مجتہد ایجاب و سلب کے دو پہلو ہیں۔

مجتہد وہ بزرگانِ دین ہیں جو کتاب و سنت کے اسرار و معارف اور حقائق و دقائق پر گہری نظر رکھتے تھے اور ادلۂ شرعیہ سے دین کے تفصیلی احکام کے استخراج و استنباط پر قادر تھے۔ قرن اول میں ایسے اصحاب علم و اصحاب فہم بزرگوں کو قراء کہا جاتا تھا۔ بعد میں فقہاء و مجتہدین کے نام سے ان کو یاد کیا جانے لگا۔

بے شک اکابر صحابہ و تابعین اور ائمہ دین مقلد نہ تھے مجتہد ہی تھے۔

ان کے علاوہ دوسرے علماء جو اس درجہ کے نہیں اور عام مسلمان سب مقلد کہلائے اور کہلاتے ہیں کیونکہ وہ فہم دین کے سلسلہ میں ان فقہاء کرام کی ذات پر اعتماد کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ قرآن و حدیث سے جو مسائل ان بزرگوں نے اخذ کئے ہیں وہ ہر طرح قابل قبول ہیں۔

ائمہ اربعہ کے علاوہ مجتہدین اور بھی تھے، مگر چوتھی صدی ہجری میں دوسرے فقہی مذاہب مٹ گئے، عالم اسلام کے ہر حصہ میں عام طور پر ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید رائج ہو گئی اور اس لئے کہ نا اہل لوگ اجتہاد کی مسند پر بیٹھ کر دین کو بازیچۂ اطفال نہ بنا دیں اور عوام کو گمراہ نہ کریں، علماء نے باب اجتہاد کو مسدود قرار دیا۔

مشہور مؤرخ اسلام علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں۔

"امام احمد بن حنبلؒ کے بعد تمام بلاد اسلامیہ میں تقلید کا دائرہ ان ہی چار مذاہب میں محدود ہو گیا اور دوسرے مذہبوں کے مقلد معدوم ہو گئے اور اس لئے کہ کہیں نا اہل اجتہاد کا دعویٰ کر بیٹھیں لوگوں نے ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی کی تقلید کو جائز نہ رکھا، یہ بھی سد راہ رکھا کہ ایک کی تقلید اختیار کر کے پھر کسی دوسرے امام کی تقلید کی جائے، اجتہاد اب فقہ کا موضوع ہی ہے کہ دیکھے تو سب ائمہ کے مذاہب بیان کر دیے جاتے ہیں، لیکن ہر مقلد تقلید کسی ایک ہی امام کی کرے، اور اب اجتہاد کا دروازہ بھی بند ہو چکا ہے کہ اگر آج کوئی اجتہاد کا دعویٰ کرے تو اس کا یہ دعویٰ اس کے منہ پر مار دیا جائے اور کوئی اس کی طرف رخ نہ کرے یہی وجہ ہے کہ سارے عالم اسلام میں اب ان ہی مذاہب اربعہ کا دور دورہ ہے"

اسی طرح حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں

ومما يناسب هذا المقام التنبيه على مسائل ضلت في بواديها الافهام وزلت الاقدام وطغت الاقلام منها ان هذه المذاهب الاربعة المدونة قد اجتمعت الامة او من يعتد به منها على جواز تقليدها الى يومنا هذا وفي ذالك كله من المصالح ما لا يخفى لا سيما في هذه الايام التي قصرت فيه الهمم جدا واشربت النفوس الهوى واعجب كل ذي راي برايه۔

(اور اس موقع پر کچھ ایسے مسائل پر تنبیہ مناسب ہے جن کے سمجھنے سے عقلیں قاصر رہی ہیں اور قدم ڈگمگائے ہیں اور قلم بے راہ ہوئے ہیں، منجملہ ان کے ایک مسئلہ یہ ہے کہ یہ مذاہب اربعہ جو مدون ہو چکے ہیں اور قید تحریر میں آ چکے ہیں، زمانہ تدوین سے آج کے دن تک پوری امت یا اس کے ذمہ دار لوگوں نے ان مذاہب کی تقلید کے صحیح ہونے پر اتفاق کیا ہے اور اس اجتماعی فیصلہ میں جو مصلحتیں ہیں وہ مخفی نہیں ہیں خاص طور پر اس زمانہ میں جب کہ ہمتیں جواب دے بیٹھی ہیں، لوگ نفسانی خواہشات کے اسیر ہو گئے ہیں اور ہر صاحب رائے اپنی رائے ہی کو بہتر سمجھتا ہے)

مذکورہ بالا رائے کی صحت کی دلیل اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ جماعت غیر مقلدین کے مسلم الثبوت صاحب نظر و فکر علماء حافظ ابن تیمیہ حرانی اور حافظ ابن قیم جوزیہ بھی اپنے آپ کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد گردانتے رہے اور آج بھی علماء نجد و حجاز اور حکومت سعودیہ کے ارباب بست و کشاد اپنے آپ کو حنبلی المسلک کہتے اور لکھتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ قرن اول و ثانی میں اکابر صحابہ و تابعین و ائمہ دین بے شک مقلد نہ تھے بلکہ وہ مجتہد تھے، ان بزرگوں سے تقلید کی نفی تسلیم مگر اجتہاد کا ایجاب ثابت۔

اب رہ گئے ہمارے زمانہ کے اہل حدیث تو یہ بیچارے نہ مقلد ہیں نہ مجتہد کسی امام کی تقلید سے تو یوں عار ہے کہ کتاب و سنت کے ہوتے ہوئے کسی امام کی تقلید جائز نہیں سمجھتے اور کتاب و سنت سے احکام شرعیہ کا استنباط بہت بڑی چیز ہے، اکثر و بیشتر عوام کا ذکر نہیں علماء کا ذکر ہے، حدیث کی کتابوں کا صحیح ترجمہ کرنے کی بھی قدرت نہیں رکھتے۔

یہی وجہ ہے کہ کہنے کو تو جو چاہے کہہ دیا جائے مگر جہاں تک عمل کا تعلق ہے "اہل حدیثوں" کو بھی کتب فقہ سے چارہ کار نہیں، جب فتووں کے جوابات۔

دینے کی ضرورت پیش آتی ہو تو ان ہی فقہائے کرام کی کتابوں کی ورق گردانی کرتے نظر آتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو مجموعہ فتاوی حضرت شیخ الکل میاں صاحب دہلوی)

چنانچہ "مکتب اہل حدیث" کے صاحب بصیرت علماء اس تکلیف دہ صورت حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے غور و خوض کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کتب فقہیہ کے انداز پہ کوئی ایسا مجموعہ مسائل مرتب ہو جائے جو ان کے پسندیدہ فقہی نقطۂ نظر کے مسائل کو حاوی ہو اور ایک اہل حدیث عالم اس مجموعہ کو سامنے رکھ کر فتاوی کا جواب دے سکے اور اسے ہدایہ اور در مختار کا شرمندۂ احسان نہ ہونا پڑے، چنانچہ جماعت اہل حدیث ہند کے ترجمان اخبار "اہل حدیث" کے محترم مدیر معاون اپنے فاضلانہ اداریہ میں، "مسلک عمل بالحدیث اور ہمارا نظریۂ تعلیم" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

"اہل حدیث کانفرنس کا یہ اقدام بہت ہی مستحسن ہے کہ اہل حدیث مکتبہ فکر کی ایک علیحدہ مرکزی درس گاہ قائم کی جائے اور اپنے خصوصی نظریۂ تعلیم کو اپنا کر ایک مرکز قائم کیا جائے اور اس مرکز سے جملہ مدارس و مکاتیب دار العلوموں کا الحاق کر لیا جائے۔

" ہمارے خواص کے تہاون اور تساہل اور تسامح کا تو یہ حال ہے کہ غریب طلبہ کے ہاتھ میں آج تک کوئی ایسی کتاب نہیں دی گئی جس میں اول سے لیکر آخر تک اہل حدیث مکتبہ فکر کی بنیاد پر ہر قسم کے مسائل بیان کئے گئے ہوں۔ جس سے یکسوئی کے ساتھ ایک طالبعلم آنکھیں بند کر کے عمل کرتا چلا جائے اور منتہی ہو جانے کے بعد اسے فتوی دینے وقت صحاح ستہ اور دوسری بڑی کتابوں کی ورق گردانی نہ کرنی پڑے، بلوغ المرام سے لیکر صحیحین تک جس قدر بھی کتابیں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں ان کو پڑھ کر فتوی نویسی کرنا اور پیش آمدہ مسائل کا حل کر دینا آج کے ایک طالبعلم (بالفاظ صحیح تر عالم) کیونکہ صحیحین پڑھنے کے بعد طالب علم عالم ہو جاتا ہے کے بس کی بات نہیں ہے، پھر صحاح ستہ کی جو کتابیں کہ ہندوستان و پاکستان میں مطبوع ہیں ان سب پر ہمارے حنفی بھائیوں کے حواشی اور نوٹ ہیں۔ ایک خالی الذہن طالبعلم ان حواشی اور نوٹوں کی وجہ سے بڑے بھاری خلجان میں پڑ جاتا ہے

(اخبار اہلحدیث دہلی ۱۵ فروری سنہ ۵۹)

(باقی آئندہ)

(آپس میں اختلاف پیدا نہ کرو)

مکتبۂ دینیات کی کتابوں کے ذریعہ

رسولِ خدا کا پیغام گھر گھر پہنچا دیجئے

...ت سرورِ کائنات صلعم

از ملا واحدی، حضور کی زندگی کیا تھی؟ ...نے کے لئے مولانا واحدی صاحب کی کتاب "حیاتِ سرورِ کائنات" کا مطالعہ ...ی ہے۔ واحدی صاحب کا اندازِ بیان، دل کش، لطیف، شیریں اور موثر ہے کتاب ...ے آخر تک دہلی کی ڈھلی ہوئی زبان میں لکھی گئی ہے، رسولِ مقبول کی زندگی کا آغاز ...ساتھ کے ساتھ ذہن نشین ہوتا چلا جاتا ہے، جلد اوّل ۵ روپے، جلد دوم ۵ روپے مجلد

...ع بہشتی زیور مکمل و مدلل محشّی

(اسلامی معلومات کا دریا کوزے میں) ...کیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ...اسلامی انسائیکلوپیڈیا کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ...کل بجا ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے بغیر کوئی مسلمان ...ی معنوں میں مسلمان نہیں بن سکتا ہے کیونکہ ایک مسلمان ...پیدا ہونے سے مرنے تک کے تمام ضروری مسائل ...یہ نہایت تفصیل اور شستگی کے ساتھ ایک جگہ ...ت اس عظیم الشان کتاب میں ہی مل سکتے ہیں۔ ...گیارہ سو صفحات، انگلش چکنا کاغذ، قیمت مجلد ...پے، غیر مجلد بارہ روپے ۵۰ نئے پیسے۔

...رت کا سفر نامہ

از مولانا وحید الزماں ...ب قاسمی، انسان دنیا میں رہ کر اور اس کے لہو و لعب میں پڑ کر یہ بھول جاتا ...کہ موجودہ زندگی کے سفر کے بعد ہے ابھی ایک اور سفر کرنا ہے جو آخرت کا سفر ہے ...ملک الموت نے روح قبض کر لی ہوگی اور منکر نکیر کے سوالات کی بوچھار سے دوران ...کتنا سا ہوگا، عالمِ برزخ کے حالات، داخلِ قبر سے لیکر روزِ قیامت تک، پیش آنے ...والے واقعات کی یہ کتاب آپ کو عالم ارواح کی سیر کرا دیگی، قیمت ۲/۵۰

...دارِ رسالت کے فرمان

حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات کے وہ فرمان ...جو آپ نے اپنی زندگی میں وقتاً فوقتاً اسلام و انسانیت کے بلند مراتب کو سمجھانے ...کے لئے لوگوں کو دیے، قیمت صرف چالیس نئے پیسے۔

...ن اور عورت

قرآن کریم نے عورت کو قعرِ ذلت سے نکال کر کس طرح ...مقام پر پہنچا دیا اور کن فرائض کی ادائیگی کے لئے اس کو تعلیم کی، اسلام نے ...ذلت کرنے کیلئے کیا کیا احکام صادر کئے، یہ ایک مکمل کتاب ایک نئے ڈھنگ سے...

اسلامی تاریخی کہانیاں

(مولانا عبدالمومن صاحب فاروقی) اس کتاب میں تاریخ اسلام کی ایسی دلچسپ اور سبق آموز کہانیاں جمع کی گئی ہیں جن کو پڑھ کر اسلام کی حقانیت روزِ روشن کی طرح آپکے سامنے آجائیگی، سلیس زبان، انداز بیان شگفتہ اور پھر اسلام کی حقانیت کا درس، قیمت ۲/۰۰، کتابت و طباعت عمدہ مجلد سرورق رنگین

رسولِ خدا کے اخلاق

پیغمبرِ اسلام کا ایسی قوم میں ظہور ہوا جو نہایت ہی سنگدل اور اخلاق سے کوری تھی، معمولی معمولی باتوں پر قبیلوں میں صدیوں تک جنگ بپا رہتی، لیکن جب رسول اللہؐ نے اعلانِ توحید کیا تو یہ ان کی سب سے بڑی دولت "بت" پر ضرب تھی، یہ تلخ گھونٹ انھوں نے کیسے اتارا اور ۲۳ سال کی زندگی میں رسول اللہؐ نے کس طرح سے ڈھال کر نفوس کو اسلام کا حلقہ بگوش کر دیا؟ اس کا جواب رسول اللہؐ کے اخلاق سے ملے گا، اس کتاب میں اس اجمال کی پوری تفصیل ملے گی قیمت پچاس نئے پیسے

معارف السنۃ

جن تعلیمات نے خاک نشین بدوؤں کو تختِ جہانبانی پر بٹھایا اور جنکی تجلیات سے آتش کدۂ فارس گل ہو گیا، وہ تعلیمات آج بھی حرف بحرف ہمارے سینوں در سفینوں میں محفوظ ہیں، اگر ہم انکو آج بھی سمجھ کر اپنے لئے آئینِ حیات بنا لیں تو دنیا کی نعمتیں اپنی گود میں لے لیں، اس کتاب میں رسول اللہ کی مشہور اور زندگی میں انقلاب پیدا کرنیوالی احادیث کو جمع کر کے بڑے دل نشین، عام فہم اور پر مغز انداز میں سمجھایا گیا ہے، احادیث کے ترجمہ اور تشریح کے بعد ہر حدیث کے اجمالی واقعات کو تاریخ و سیر کی مستند کتابوں سے مفصل بیان کر کے یہ بھی بتا دیا گیا کہ ان فرمانِ رسول سے مسائل و معارف کی کتنی کرنیں پھوٹتی ہیں اور مومن کی زندگی کے کن کن گوشوں کو منور کرتی ہیں۔ قیمت ۴/۰

اسلامی اخلاق

اس کتاب میں دکھایا گیا ہے کہ اسلام ایک گلدستہ ہے، جس میں رنگارنگ کے پھول ہیں، اخلاص، عمل، سچائی، مہر و شفقت، خوف وغیرہ کے بہترین نتائج اور حسد، کینہ، ریا و دیگر برے عقیدہ و عمل کے بدترین نتائج پر مفصل سیر حاصل تبصرہ ہے جو شخص ان اسلامی اخلاق سے آراستہ ہو جائے اسے گلدستہ کی طرح ہر نظر شرفِ قبولیت سے نوازے گی، قیمت ایک روپیہ

اعمالِ قرآنی

قرآنی اعمال و وظائف کا بہترین مجموعہ جس کو حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھانوی نے مرتب کیا اور اعمال و وظائف کے ترجمہ کے ساتھ ان کی خاصیتیں بھی بتائی گئی ہیں، یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آج ہر گھر میں ضرورت ہے قیمت صرف ایک روپیہ۔

شرعی نماز

خود تو کیجئے کہ اسلامی شرعی نماز کیا ہے، پانچوں وقت کی روزمرہ کی نماز اور رکعتوں اور دعاؤں کی تفصیل، نماز تہجد، نماز جنازہ، نماز تراویح، نماز عیدین، نفل نمازیں محققانہ دلائل اور تفصیل کے ساتھ عبادتِ خداوندی کے اس فریضہ پر اس سے بہتر کوئی کتاب آج تک شائع نہیں ہوئی۔ آج ہی منگایئے، مجلد سفید چکنا کاغذ، قیمت ...

دینے کی ضرورت پیش آتی ہے تو ان ہی فقہا کرام کی کتابوں کی ورق گردانی کرتے نظر آتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو مجموعہ فتاوی حضرت شیخ الکل میاں صاحب دہلوی)

چنانچہ "مکتب اہل حدیث" کے صاحب بصیرت علما و اس تکلیف دہ صورت حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے خود توجہ کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کتب فقہیہ کے انداز پر کوئی ایسا مجموعہ مسائل مرتب ہو جائے جو ان کے پسندیدہ فقہی نقطۂ نظر کے مسائل کو حاوی ہو اور ایک اہل حدیث عالم اس مجموعہ کو سامنے رکھ کر فتاوی کا جواب دے سکے اور اسے ہدایہ اور در مختار کا شرمندہ احسان نہ ہونا پڑے، چنانچہ جماعت اہل حدیث ہند کے ترجمان اخبار "اہل حدیث" کے محترم مدیر معاون اپنے فاضلانہ اداریہ میں، "مسلک عمل بالحدیث اور ہمارا نظریہ تعلیم" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

"اہل حدیث کانفرنس کا یہ اقدام بہت ہی مستحسن ہے کہ اہل حدیث مکتبہ فکر کی ایک علیحدہ مرکزی درس گاہ قائم کی جائے اور اپنے خصوصی نظریہ تعلیم کو اپنا کر ایک مرکز قائم کیا جائے اور اس مرکز سے جملہ مدارس و مکاتیب دار العلوموں کا الحاق کر لیا جائے۔

"ہمارے خواص کے تہاون اور تساہل اور تسامح کا تو یہ حال ہے کہ غرض طلبہ کے ہاتھ میں آج تک کوئی ایسی کتاب نہیں دی گئی جس میں اول سے لیکر آخر تک اہل حدیث مکتبہ فکر کی بنیاد پر ہر قسم کے مسائل بیان کئے گئے ہوں، جس سے یکسوئی کے ساتھ ایک طالبعلم آنکھیں بند کر کے عمل کرتا چلا جائے اور منتہی ہو جانے کے بعد اسے فتوی دیتے وقت صحاح ستہ اور دوسری بڑی کتابوں کی ورق گردانی نہ کرنی پڑے، بلوغ المرام سے لیکر صحیحین تک جس قدر بھی کتابیں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں ان کو پڑھ کر فتوی نویسی کرنا اور پیش آمدہ مسائل کا حل کر دینا آج کے طالبعلم (بالفاظ صحیح تر عالم) کیونکہ صحیحین پڑھنے کے بعد طالب علم عالم ہو جاتا ہے) کے بس کی بات نہیں ہے، پھر صحاح ستہ کی جو کتابیں ہندوستان و پاکستان میں مطبوع ہیں ان سب پر ہمارے حنفی بھائیوں کے حواشی اور نوٹ ہیں، ایک خالی الذہن طالبعلم ان حواشی اور نوٹوں کی وجہ سے بڑے بھاری غلطیاں میں پڑ جاتا ہے"

(اخبار اہلحدیث دہلی ۱۵ فروری سنہ ۱۹[illegible])

(باقی آئندہ)

(آپس میں اختلاف پیدا نہ کرو)

مکتبہ دینیات کی کتابوں کے ذریعہ

رسولِ خدا کا پیغام گھر گھر پہنچا دیجئے

یات سرورِ کائنات صلعم (از ملا واحدی، حضور کی زندگی کیا تھی؟)
جاننے کے لئے مولانا واحدی صاحب کی کتاب "حیاتِ سرورِ کائنات" کا مطالعہ
وری ہے۔ واحدی صاحب کا اندازِ بیان، دلکش، لطیف، شیریں اور موثر ہے کتاب
ل ہے، آخر تک دہلی کی ڈھلی ہوئی زبان میں لکھی گئی ہے۔ رسولِ مقبول کی زندگی کا آخر
ڈ ساتھ کے ساتھ ذہن نشین ہوتا چلا جاتا ہے۔ جلد اوّل ۴/۲۵ جلد دوم ۵/۲۵ مجلد

ح بہشتی زیور مکمل و مدلل محشی (اسلامی معلومات کا دریا کوزے میں)
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح
ں اسلامی انسائیکلوپیڈیا کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے
بالکل بجا ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے بغیر کوئی مسلمان
یقی معنوں میں مسلمان نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ ایک مسلمان
پیدا ہونے سے مرنے تک کے تمام ضروری مسائل
رعیہ نہایت تفصیل اور شستگی کے ساتھ ایک جگہ
ف اس عظیم الشان کتاب میں ہی مل سکتے ہیں۔
ریباً بارہ سو صفحات، انگریز چکنا کاغذ، قیمت مجلد
ہے، غیر مجلد بارہ روپے ۵۰ نئے پیسے۔

خرت کا سفر نامہ (از مولانا رحید الزماں
صاحب قاسمی) انسان دنیا میں رہ کر اور اس کے لہو لعب میں پڑ کر یہ بھول جاتا
ہے کہ موجودہ زندگی کے سفر کے بعد اسے ابھی ایک اور سفر کرنا ہے جو آخرت کا سفر ہے
ملک الموت نے روح قبض کر لی ہو گی اور منکر نکیر کے سوالات کی بوچھار سے دوران
ر کا فشار ہو گا، عالم برزخ کے حالات، داخلۂ قبر سے لیکر روزِ قیامت تک پیش آنے
والے واقعات کی یہ کتاب آپ کو عالم ارواح کی سیر کرا دیگی، قیمت ۲/۰۰

ن بارِ رسالت کے فرمان حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات کے وہ فرمان
جو انہوں نے اپنی زندگی میں وقتاً فوقتاً اسلام و انسانیت کے بلند مراتب کو سمجھانے
کے لئے لوگوں کو دیئے، قیمت صرف چالیس نئے پیسے۔

ن اور عورت قرآن کریم نے عورت کو قعرِ ذلت سے نکال کر کس طرح
اوج کمال پر پہنچا دیا لیکن کن فرائض کی ادائیگی کے لئے اس کو تعلیم کی، اسلام نے
حقوق کے تلف کرنے کیا کیا احکام ... کتاب ایک ... نئے پیسے

اسلامی تاریخی کہانیاں (مولانا عبد المومن صاحب فاروقی) اس کتاب
میں تاریخ اسلام کی ایسی دلچسپ اور سبق آموز کہانیاں جمع کی گئی ہیں جن کو پڑھ کر
اسلام کی حقانیت روزِ روشن کی طرح آپکے سامنے آجائیگی سلیس زبان، انداز بیان
شگفتہ اور پیغمبر اسلام کی حقانیت کا درس، قیمت ۲/۰۰ کتابت و طباعت عمدہ مجلد سرورق

رسولِ خدا کے اخلاق پیغمبر اسلام کا ایسی قوم میں ظہور ہوا جو نہایت ہی
سنگدل اور اخلاق سے کوری تھی، معمولی معمولی باتوں پر قبیلوں میں صدیوں تک
جنگ و پیکار رہتی، لیکن جب رسول اللہ نے اعلان
توحید کیا تو یہ ان کی سب سے بڑی دولت "بت پرستی"
پر ضرب تھی پھر یہ تلخ گھونٹ انھوں نے کیسے نگل لیا اور
۲۳ سال کی زندگی میں رسول اللہ نے کس طرح سے
دنیا کے کروڑوں نفوس کو اسلام کا حلقہ بگوش کر دیا؟ اس
کا جواب رسول اللہ کے اخلاق سے ملے گا اس کتاب
میں اس اجمال کی پوری تفصیل ملے گی قیمت پچاس نئے پیسے

اسلامی اخلاق اس کتاب میں دکھایا گیا ہے
کہ اسلام ایک گلدستہ ہے، جس میں رنگا رنگ کے
پھول ہیں، اخلاص، عمل، سچائی، صبر و شکر، خوف
وغیرہ کے بہترین نتائج اور حسد و کینہ، ریا و دیگر برے عقیدہ و عمل کے بدترین نتائج پر
سیر حاصل تبصرہ ہے جو شخص ان اسلامی اخلاق سے آراستہ ہو جائے اسے گلدستہ
کی طرح ہر نظر شرفِ قبولیت سے نوازے گی، قیمت ایک روپیہ

اعمالِ قرآنی قرآنی اعمال و وظائف کا بہترین مجموعہ جس کو حکیم الامت مولانا
اشرف علی صاحب رح تھانوی نے مرتب کیا اور اعمال و وظائف کے ترجمہ کے ساتھ ان
کی خاصیتیں بھی بتائی گئی ہیں، یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آج ہر گھر میں ضرورت ہے
قیمت صرف ایک روپیہ۔

شرعی نماز خود دیکھیے کہ اسلامی شرعی نماز کیا ہے، پانچوں وقت کی روزمرہ
کی نماز اور رکعتوں اور دعاؤں کی تفصیل، نماز تہجد، نماز جنازہ، نماز تراویح، نماز
عیدین، نفل نمازیں محققانہ دلائل اور تفصیل کے ساتھ عبادتِ خداوندی کے اس فریضہ پر
اس سے بہتر کوئی کتاب آج تک شائع نہیں ہوئی۔ آج ہی منگایئے، مجلد سفید چکنا کاغذ

معارف السنۃ

جن تعلیمات نے خاک نشین بدوؤں کو تختِ جہانبانی پر بٹھایا اور جنکی تجلیات سے
آتش کدۂ فارس گل ہو گیا، وہ تعلیمات آج بھی حرف بحرف ہمارے سینوں اور سفینوں
میں محفوظ ہیں، اگر ہم انکو آج بھی سمجھ کر اپنے لئے آئینِ حیات بنا لیں تو خدا کی رحمت
اپنی گود میں لے لیں، اس کتاب میں رسول اللہ کی شعور اور زندگی میں انقلاب
پیدا کرنیوالی احادیث کو جمع کر کے بڑے دلنشین، عام فہم اور پر مغز انداز میں
سمجھایا گیا ہے، احادیث کے ترجمہ اور تشریح کے بعد ہر حدیث سے اجمالی واقعات
کو تاریخ و سیر کی مستند کتابوں سے مفصّل بیان کر کے یہ بھی بتا دیا گیا کہ ان فرامینِ
رسالت سے مسائل و معارف کی کتنی کرنیں پھوٹتی ہیں اور مومن کی زندگی کے
کن کن گوشوں کو منور کرتی ہیں۔ قیمت ۲/۰۰

از : جناب ڈاکٹر وحدت الحقی

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

میں نے کوئے نبی کو ڈھونڈھ لیا — جنتِ زندگی کو ڈھونڈھ لیا
میرا ہر اشک اب ستارا ہے — فرطِ غم میں خوشی کو ڈھونڈھ لیا
اب خودی سے کوئی غرض ہی نہیں — میں نے تو بے خودی کو ڈھونڈھ لیا
آدمیت کو جب فروغ ملا — اس نے خود آدمی کو ڈھونڈھ لیا
خوف پرسش کرے تو کون کرے — حشر میں جب نبی کو ڈھونڈھ لیا
ہم نے چراغ "الا اللہ"!! — منزلِ حق رسی کو ڈھونڈھ لیا
رحمتِ مصطفیٰ نے محشر میں! — ایک اک امتی کو ڈھونڈھ لیا
قبر ہی میں بہارِ جنت نے — خود بخود جنتی کو ڈھونڈھ لیا
جس نے دیکھی ضیاءِ روئے رسول — مایۂ دلبری کو ڈھونڈھ لیا

میں نے وارث برائے ہر دو جہاں
رحمتِ ایزدی کو ڈھونڈھ لیا!

نیّرِ اسلام

رہتا ہے مرے لب پہ یہی نام ہمیشہ — بس یادِ محمد ہے مرا کام ہمیشہ
چمکا ہی کیا نیّرِ اسلام ہمیشہ — تاریکیٔ باطل رہی ناکام ہمیشہ
اللہ کا لے نام بس اے مسلمِ مظلوم — رہنے کے نہیں یہ ترے آلام ہمیشہ
جس جس نے عداوت سے [illegible] — منہ تکتی رہی گردشِ ایام ہمیشہ
ہوں ساقیٔ طیبہ کی محبت میں میں مخمور — لبریز ہی رہتا ہے مرا جام ہمیشہ
خونِ شہدا سے ہمیں ملتا ہے پیام — تلوار کے سایہ میں ہے آرام ہمیشہ
ممنونِ کرم آپ کا انسان رہے گا — اے حضرتِ پیغمبرِ اسلام ہمیشہ
جب [illegible] کی نظر [illegible] — کافور ہی دیکھے گئے اوہام ہمیشہ
مسرور جو رہنا ہے [illegible] — کر ذکرِ محمد سحر و شام ہمیشہ

ملتا ہے غمِ عشقِ پیمبر جنہیں وارث
کرتے ہیں زمانہ میں وہی نام ہمیشہ!

یہود بنی قریظہ کے قتل پر ایک نظر

(مولوی محمد احمد کاظمی ایڈوکیٹ الہ آبادی، ہائی کورٹ)

یورپین مستشرقین نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے جن پہلوؤں پر اعتراضات کئے ہیں ان میں بنی قریظہ کے قتل کا واقعہ بھی ہے۔

ہمارے بزرگ مسٹر محمد احمد کاظمی ایڈوکیٹ الہ آباد ہائی کورٹ (سابق ایم پی) آج کل اس قسم کے اعتراضات کا علمی جائزہ لے رہے ہیں، یہ مضمون آپ کے ان ہی رشحات قلم کا ایک نمونہ ہے، امید ہے کہ ناظرین الحرم اسے دلچسپی کے ساتھ پڑھیں گے

(مدیر)

خندق کی لڑائی کے سلسلہ میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ بنی نضیر قبیلہ کے سر طلقہ نے خیبر پہنچتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مکہ گئے اور وہاں جا کر قریش کو دوبارہ لڑائی کے لئے آمادہ کیا تمام عرب میں اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کیا اور تمام اہل عرب کو اکٹھا کیا اور ان کو یقین دلا کر کہ بنی قریظہ جو مدینہ کے باشندے تھے وہ بھی (اور دوسرے لوگ بھی) ان کا ساتھ دیں گے ان کے حملہ کرنے کی حالت میں مدینہ کے اندر سے خود دشمنوں کی امداد کرنے کے لئے لوگ نکل آویں گے، ایک دس ہزار کا لشکر تیار کر کے (جس کی دوسری مثال اس سے پہلے عرب کی تاریخ میں نہیں ملتی) مدینہ پر حملہ کر دیا اور وہی حیی سردار بنی نضیر بنو قریظہ قبیلہ کے سردار کے پاس گیا اور وہ اس کے ساتھ ہو گئے اور خود بنی قریظہ کے لوگ اتحادیوں کی فوج کے ساتھ مل کر مدینہ کے محاصرہ میں شامل رہے اور مسلمانوں کے احتجاج پر ان کو پہچاننے سے بھی انکار کر دیا جب معاہدہ کا ذکر آیا تو کہا کہ معاہدہ کیا چیز ہے ان لوگوں نے ان مسلمان عورتوں پر جو قلعوں میں محفوظ کی گئی تھیں حملہ کیا اگر اس وقت اتحادیوں کی فوج کو جس میں بنو قریظہ برابر کے شریک تھے کامیابی ہو جاتی تو اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ کل مدینہ تباہ و برباد کر دیا جاتا۔ توحید کی تحریک کے علمبردار ختم کر دیئے جاتے ابدی تحریک ختم کر دی جاتی لیکن خدا کو یہ منظور نہ تھا۔ ایک ماہ کے فاقوں کے جھیلنے کے بعد اتحادیوں کے لشکر دم چھوڑ کر بھاگ گئے تو اب بنو قریظہ اپنے قلعہ کے اندر جا کر محفوظ ہو گئے۔

بنو قریظہ کا محاصرہ ان حالات میں بقول علامہ شبلی نعمانی "آپ کے سامنے [illegible] ان کا [illegible] آخری فیصلہ کیا جائے۔ آں حضرت نے احزاب سے فارغ ہو کر حکم دیا کہ ابھی لوگ ہتھیار نہ کھولیں اور قریظہ کی طرف بڑھیں قریظہ اگر صلح و آشتی سے پیش آتے تو قابل اطمینان معاہدہ کے ساتھ ان کو امن دیا جاتا۔ لیکن وہ مقابلہ کا فیصلہ کر چکے تھے فوج سے آگے بڑھ کر جب حضرت علیؓ ان کے قلعوں کے پاس پہنچے تو انھوں نے علانیہ آں حضرت کو (نعوذ باللہ) گالیاں دیں، غرض ان کا محاصرہ کر لیا گیا اور تقریباً ایک مہینہ محاصرہ رہا، بالآخر انھوں نے درخواست پیش کی کہ حضرت سعد بن معاذ جو فیصلہ کریں ہم کو منظور ہے: حضرت سعد بن معاذ اور ان کا قبیلہ اوس بنو قریظہ کا حلیف تھا، عرب میں یہ تعلق ہم نسبی سے بڑھ کر تھا آں حضرت نے ان کی درخواست منظور کی" قرآن مجید میں اس وقت تک کوئی خاص حکم نہیں آیا تھا

آں حضرت توراۃ کے احکام کی پابندی فرماتے تھے، چنانچہ اکثر مسائل مثلاً قبلہ، نماز، حج، قصاص یا قتل وغیرہ وغیرہ میں جب تک خاص وحی نہیں آئی، آں حضرت نے توراۃ ہی کی پابندی فرمائی۔ حضرت سعد نے جو فیصلہ کیا یعنی یہ کہ لڑنے والے قتل کئے جاویں، عورتیں اور بچے قید ہوں، مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے، توراۃ کے مطابق تھا، توراۃ کتاب تثنیہ اصحاح ۲۰ آیت ۱۰ میں ہے "جب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لئے جاوے تو پہلے صلح کا پیغام دے اگر وہ صلح قبول کریں اور شہر کے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ

۱؎ جنگ خندق کو جنگ احزاب بھی کہتے ہیں۔ احزاب کے معنی قبیلوں کے ہیں۔ چونکہ اس جنگ میں عرب کے بہت سے قبیلے شامل تھے اس وجہ سے اس کو جنگ احزاب کہتے ہیں۔

ان موجود ہیں سب تیرے غلام ہو جائینگے لیکن اگر صلح نہ کریں تو تو ان کا
محاصرہ کر۔ اور جب تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب
قتل کر دے، باقی بچے، عورتیں، جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب
تیرے لئے مال غنیمت ہونگی۔

مقتولین کی تعداد مورخ ۹۰۰ سے زیادہ بیان کرتے ہیں لیکن صحاح کی
کتب حدیث میں ۴۰۰ ہے جس میں صرف ایک عورت تھی، اور اس قصاص
میں ماری گئی تھی کہ اس نے قلعہ پر سے ایک پتھر گرا کر ایک مسلمان خلاد کو قتل کر دیا
تھا۔ حُیّی بن اخطب جو ان تمام فتن (جھگڑوں) کا بانی تھا، جب مقتل میں لایا
گیا تو آں حضرت کی طرف اس نے نظر اٹھا کر دیکھا اور یہ فقرے کہے "ہاں خدا
کی قسم مجھ کو اس کا افسوس نہیں کہ میں نے کیوں تیری عداوت کی، لیکن بات
یہ ہے کہ جو شخص خدا کو چھوڑ دیتا ہے، خدا بھی اس کو چھوڑ دیتا ہے۔" پھر لوگوں
کی طرف مخاطب ہو کر کہا "لوگوں خدا کے حکم کی تعمیل میں کچھ مضائقہ نہیں، یہ
ایک حکم الٰہی تھا یہ لکھا ہوا تھا، ایک سزا تھی جو خدا نے بنی اسرائیل پر لکھی
تھی۔" (سردار بنو نضیر یعنی حیی بن اخطب کی نسبت یہ بات خاص طور پر
یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب وہ جلا وطن ہو کر خیبر جا رہا تھا تو اس نے یہ عہد
کیا تھا کہ آں حضرتؐ کی مخالفت میں کسی کی مدد نہ دے گا اس معاہدہ پر اس
نے خدا کو ضامن کیا تھا لیکن احزاب میں اس معاہدہ کی جس طرح تعمیل کی
اس کا حال ابھی گذر چکا ہے۔

بنو قریظہ سے متعلق مخالفین اسلام نے بڑے زور کے ساتھ ظلم و بیرحمی
کا اعتراض کیا ہے لیکن واقعات حسب ذیل ہیں۔

(۱) آں حضرتؐ نے مدینہ آ کر اس کے ساتھ دوستانہ معاہدہ کیا جس
میں ان کے مذہب کو پوری آزادی دی گئی اور جان و مال کی حفاظت کا
اقرار کیا گیا۔

(۲) بنو قریظہ، بنو نضیر سے رتبہ میں کم تھے یعنی بنو نضیر کا کوئی آدمی
قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تھا تو اس کو صرف آدھا خون بہا دینا پڑتا تھا
بخلاف اس کے بنو قریظہ کو پورا خون بہا ادا کرنا پڑتا تھا حضورؐ نے بنو قریظہ پر یہ
احسان کیا کہ ان کا درجہ بنو نضیر کے برابر کر دیا تھا۔

(۳) آنحضرتؐ نے بنو نضیر کی جلا وطنی کے وقت بنو قریظہ سے دوبارہ تجدید
معاہدہ کی۔

(۴) باوجود ان باتوں کے عہد شکنی کی اور جنگ احزاب میں شریک
ہوئے۔

(۵) ازواجِ مطہرات قلعہ میں حفاظت کے لئے بھیج دی گئیں تھیں ان
پر حملہ کرنا چاہا۔

(۶) حُیّی بن اخطب جو بغاوت کے جرم میں جلا وطن کر دیا گیا تھا جس نے
تمام عرب کو برانگیختہ کر کے جنگِ احزاب قائم کر دی تھی اس کو اپنے ساتھ لائے
جو حملہ کا بانی مبانی تھا۔

ان حالات میں بنو قریظہ کے ساتھ اور کیا سلوک کیا جا سکتا تھا۔
اور یہ فیصلہ ان کے نامزد کردہ ثالث کا تھا جو ان کے حلیف قبیلہ اس کا سردار
تھا (سیرۃ النبی ج ۱)

کیا بنو قریظہ کو اسلام قبول نہ کرنیکی وجہ سے سزا ملی؟

ہم نے تمام واقعات بے کم و کاست اسوجہ سے تحریر کر دیئے ہیں تاکہ
ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ مسٹر ٹامس اینڈ ٹامس وغیرہ واقعات کو کس طرح توڑ مروڑ
کر لکھتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ "پہلے وہ یہودی قبائل کی طرف متوجہ ہوئے اور ان
سے کہا کہ اللہ کو مانو، لیکن انھوں نے جواب دیا کہ وہ ہتھیاروں کے استعمال
سے ناواقف ہیں اور انھیں صرف اپنے خدا کی عبادت سے دلچسپی ہے اس
پر انھوں نے سب کو قتل کر ڈالا۔"

ہم شروع میں خود مسٹر ٹامس اینڈ ٹامس کے قول کو نقل کر چکے ہیں
کہ اسلام کی تعلیم صرف ایک اللہ کے ماننے کی تھی اور بقول مسٹر ٹامس اسی کا
مطالبہ کیا گیا، اور اسی کو یہودیوں نے شروع میں قبول بھی کیا، بالخصوص
اس وجہ سے کہ رسول کریمؐ بھی تو یہودیوں کے خدا کو کوئی دوسرا خدا نہ کہتے تھے
تو پھر وہ وجہ کیا ہوئی کہ جس کی بناء پر ان کو قتل کر دیا گیا۔ مسٹر ٹامس کا یہ تحریر کرنا کہ
یہودیوں سے کہا کہ ہم ہتھیاروں کے استعمال سے ناواقف ہیں کس قدر غلط
اور بے بنیاد ہے اس بیان کی لغویت واقعات مذکورہ بالا سے بخوبی واضح
ہو جاتی ہے۔ یہ الفاظ ایسے ہیں کہ خود ہم کو شبہ ہوتا ہے کہ کہیں غلطی سے تو نہیں
لکھا گیا اس لئے بار بار اصل کتاب کو دیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے تو پتہ چلتا
ہے کہ انھوں نے یہی الفاظ لکھے ہیں۔

ہم پہلے اعتراضات کے جواب میں دکھلا چکے ہیں کہ پہلی لڑائی بدر کی
ہوئی کہ جب اہل مکہ کی تعداد ۱۰۰۰ ہتھیار بند فوج کی تھی اور مسلمانوں کی تعداد
۳۱۳ تھی دوسری جنگ احد میں اہل مکہ کی فوج پانچ ہزار تھی [illegible]

اُن کی شریعت میں زنا کی سزا رجم تھی یعنی پتھر مار کر قتل کر دینا تھا لیکن انھوں نے امیروں کی زناکاری کو جائز قرار دے رکھا تھا انکی تعلیم توحید کی تھی لیکن اپنی سرمایہ داری اور حکومت کو برقرار رکھنے کے لئے توحید کے علم برداروں کے دشمن ہو چکے تھے۔

اس سلسلہ میں ایک اور امر بھی قابل توجہ ہے۔ فاضل صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس منزل پر پہنچکر مسلمانوں کا رویہ مذہب کی بناء پر غیر مسلموں اور یہودیوں کے ساتھ بالکل بدل گیا تھا، دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ دوستی، محبت اور اشتراک عمل کے بجائے ان سے کھلم کھلا عداوت ہو گئی تھی تاریخی اعتبار سے یہ بھی بالکل غلط ہے آگے چل کر معلوم ہوگا کہ یہی یہودی جن کو مدینہ سے بغاوت اور علی الاعلان مخالفت کی وجہ سے مضافات مدینہ سے بلا کسی تکلیف دیئے ہوئے نکالا گیا تھا، ان کو سب سامان لیجانے کی اجازت دیدی گئی تھی انھوں نے خیبر پہونچ کر سب سے پہلے یہ کام کیا کہ تمام اہل عرب کو اہلِ مدینہ کے خلاف بھڑکا کر مدینہ پر حملہ کرا دیا تھا اور خود حملہ کرنے میں ان کے شریک تھے، جب ان کو بھی خیبر کی لڑائی میں شکست ہو گئی تو خیبر کی تمام زرعی املاک کی شرکت کا معاملہ ان کے ساتھ کیا گیا، غرض کبھی کوئی قدم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہبی عداوت کی بناء پر نہیں اٹھایا اور اٹھاتے ہی کیسے ان کو تو دنیا کو جسمانی طور پر فتح کرنا نہ تھا ان کا مشن دلوں کو فتح کرنا تھا ان کو تو سوسائٹی کی اصلاح کرنی تھی، ان کو خدا کا پیغام پہنچانا تھا اس غرض اور مقصد کے سامنے ہوتے ہوئے ایسے کاموں کا کیا امکان تھا۔

استدراک از مدیر

فاضل مقالہ نگار نے یہودِ بنی قریظہ کے مسئلہ جرم و سزا پر جس فاضلانہ انداز سے بحث کی ہے اس پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں تاہم یہ وضاحت مناسب ہوگی کہ یہودِ بنی قریظہ کا اصل جرم یہ تھا کہ انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ شہری زندگی میں شریک ہونے اور دوستی اور موالات کا پختہ عہد کرنے کے باوجود عین میدانِ جنگ میں دورانِ محاصرہ میں ان کو دھوکہ دیا اور پہلے خفیہ طور پر اور پھر کھلم کھلا دشمنوں سے جا ملے اور عین جنگ میں دھوکہ دہی اور غداری کی سزا دنیا کے ہر ملک اور ہر قوم کے قانون میں سوائے موت کے اور کچھ نہیں۔

اس سلسلہ میں پروفیسر لین پول کی بات قابلِ غور ہے وہ لکھتا ہے:۔

"یہ صحیح ہے کہ ان یہودیوں میں سے بعض کو سخت سزا دی گئی مگر ہمیں اس حقیقت کو فراموش نہ کرنا چاہئے کہ ان کا جرم محاصرہ کے وقت ریاست کے خلاف بغاوت تھا، یہ چیز ان لوگوں کے لئے کوئی حیرت انگیز نہیں جنھوں نے ان ساری تفصیلات کا مطالعہ کیا ہے کہ کس طرح ولنگٹن نے فتح کے بعد مغلوب ہونے والوں پر ظلم و ستم کیا ان کی لاشوں کو درختوں پر لٹکا دیا اور اس طرح انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کیا۔" (اسلامی سیرت نمبر ۵۶)

یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ بعض مورخین کی رائے کے مطابق قتل کی سزا بنی قریظہ کے تمام مردوں کے لئے تجویز نہیں کی گئی تھی بلکہ صرف ان لوگوں کے لئے جو تلوار کھینچ کر مقابلہ پر آئے، باقی لوگوں کو چھوڑ دیا گیا تھا اور ان کا استدلال یہودِ بنی قریظہ کے متعلق قرآن کی اس آیت سے ہے۔

وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا (الاحزاب)

اور جن اہل کتاب نے ان (حملہ آوروں) کی مدد کی تھی ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھا دیا بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کر لیا۔

حافظ ابن قیمؒ کی تصریح کے مطابق بنو قریظہ میں سے ایک گروہ تلوار ہاتھ سے رکھنے سے پہلے ہی داخلِ اسلام ہو چکا تھا، لہٰذا ان سے تعرض کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اسی طرح عمرو بن سعد نے راہ فرار اختیار کر لی تھی اور چونکہ وہ اس بدعہدی میں شریک نہیں ہوا تھا اس لئے اس کا تعاقب نہیں کیا گیا۔

حافظ ابن قیم کے الفاظ یہ ہیں۔

وَأَسْلَمَ مِنْهُمْ تِلْكَ اللَّيْلَةَ نَفَرٌ قَبْلَ النُّزُولِ وَهَرَبَ عَمْرُو بْنُ سَعْدٍ فَانْطَلَقَ فَلَمْ يُعْلَمْ أَيْنَ ذَهَبَ وَكَانَ قَدْ أَبَى الدُّخُولَ مَعَهُمْ فِي نَقْضِ الْعَهْدِ (زاد المعاد ج ۱ ص ۳۳)

اور ان میں سے ایک گروہ اس رات ہتھیار رکھنے سے پہلے ہی مسلمان ہو گیا۔ اور عمرو بن سعد بھاگ گیا اور نکل گیا اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کدھر گیا، اس نے عہد شکنی میں ان کے ساتھ شریک ہونے سے انکار کر دیا تھا۔

یہ حقیقت بھی ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ بنی قریظہ کو یہ سزا حضرت سعد بن معاذؓ نے دی، حضرت سعد کو خود انھوں نے اس توقع پر حکم تجویز کیا کہ وہ ان کے حلیف قبیلہ اوس کے سردار ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ رعایت کریں گے مگر انھوں نے یہ نہ سمجھا کہ سعد اسلام کے وفادار فرزند اور لشکرِ اسلام کے بہادر جرنیل ہیں، ان ظالموں

مسلمانوں کی اکثریت میں مقبول نہ ہو سکی، مولانا آزاد چاہتے تھے کہ دس سال کے لئے تجربہ کے طور پر تجویز منظور کرلی جائے اگر اس میں نقصان محسوس ہو تو پھر اسے ختم کردیا جائے، لیکن مسلمانوں کا سواد اعظم اسے قبول نہ کرسکا اور ہندو مسلم اختلاف وسیع ہونے لگا، مولانا آزاد ان اختلافات کو بہت مضر سمجھتے تھے، اور مسلمانوں کے لئے بہتر سمجھتے تھے کہ ہندوؤں کے ساتھ ان کا اتحاد قائم رہے، ان کی نگاہیں اختلافات کے دور رس نتائج کو واضح طور پر دیکھ رہی تھیں، لیکن وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوسکے، یہاں تک کہ ہندو مسلمان دو مستقل قومیں بن گئے اور بالآخر ملک تقسیم ہو گیا۔

۱۹۲۹ء میں نہرو رپورٹ کو کانگریس کے اجلاس لاہور نے بعد از وقت قرار دیکر ختم کردیا اور نو آبادیاتی درجہ کے بجائے آزادی کامل کو اپنا مطمح نظر قرار دیا، خیال تھا کہ شاید مسلمان پھر کانگریس میں زیادہ تعداد میں شریک ہو جائیں، لیکن یہ توقع غلط ثابت ہوئی۔

۱۹۳۰ء کے اجلاس کلکتہ تک صورت حال یہی رہی، کانگریس نے اس درمیان میں سول نافرمانی کی تحریک چلائی، انگریزی حکومت دارو گیر پر اتر آئی کچھ دنوں ملک میں تشدد کا بازار گرم رہا۔ من حیث القوم تو ہند لیکن پھر بھی مسلمانوں کی خاصی تعداد جیل گئی، بالآخر گول میز کانفرنس لندن میں منعقد ہوئی، کانگریس نے اس میں شرکت منظور نہیں کی لیکن وائسرائے نے ہندوستانی نمائندے منتخب کرکے بھیجے، میں اس زمانہ میں ندوہ سے نکل کر جامعہ آگیا تھا۔ ندوہ کے بعض ساتھی رئیس احمد جعفری، رشید اختر، ابراہیم عمادی اور عبدالمجید سہالوی بھی ساتھ تھے۔

اس زمانے میں مولانا آزاد نے دریا گنج میں ایک کوٹھی کرایہ پر لے لی تھی، دہلی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز تھا اس لئے مولانا عرصہ سے چاہتے تھے کہ کلکتہ کی بجائے دہلی میں قیام کریں۔ ایک بار رخت سفر بھی بندھ گیا تھا۔ لیکن سی، آر داس نے روک لیا، مولانا نے ایک مضمون میں خود اس کا ذکر کیا ہے، سی، آر داس کے بعد کوئی ایسا روکنے والا نہ رہ گیا تھا، اس لئے مولانا کچھ دن سال کے دلی میں بسر کرتے تھے۔ جب یہ خبر سننے میں آتی کہ مولانا دہلی آئے ہیں تو ہم لوگ ان کی خدمت میں پہنچنے کی کوشش کرتے، جب بھی وہ پہنچتے اور اطلاع کرتے، مولانا بلا لیتے، کافی کافی دیر ہم لوگ ان کے پاس بیٹھتے اور علمی و سیاسی مسائل پر ان سے استفسار کرتے رہتے اور وہ خندہ پیشانی سے سمجھاتے رہتے۔

۱۹۳۲ء میں حسین رؤف بے سابق امیر البحر دولت عثمانیہ ڈاکٹر انصاری کی درخواست پر جامعہ میں لکچر دینے آئے تھے، ان کی تقریروں کے بعد ترکی کے متعلق بہت دنوں چرچا ہوتا رہا، رؤف بے کے جانے کے کچھ ہی دنوں بعد مولانا دہلی آئے، ہم لوگ حاضر خدمت ہوئے، ترکی کے موجودہ حالات اور وہاں کی بے اعتدالیوں کا ذکر آگیا۔ مولانا نے فرمایا یہ سب اس وجہ سے ہوا کہ ترکی میں ایسے روشن خیال، معاملہ فہم، عصر حاضر کے تقاضوں سے باخبر اور شریعت میں مجتہدانہ نظر رکھنے والے علماء نہ تھے ورنہ ایسی صورت رونما نہ ہوتی، علماء قدامت پسند اور مشائخ ان سے بھی بدتر تھے اس لئے وہ حالات کی رفتار کو نہ سنبھال سکے، بیجا مخالفت نے حکمراں طبقہ میں ان کے خلاف نفرت پیدا کردی اور اہل دین کا اعتبار جاتا رہا نتیجہ ظاہر ہے، اس سلسلہ میں حکومت نے اپنی دیرینہ آرزو کا ذکر کیا فرمایا، ساری مشکلوں کا علاج یہ ہے کہ ایسی درسگاہیں قائم ہوں جہاں دنیا کی اعلیٰ تعلیم کے ساتھ عصری علوم بھی وسیع پیمانے سکھائے جائیں، دین و دنیا کی جامعیت کے بعد علماء اس قابل ہوسکیں گے کہ وہ زمانے کے تقاضوں کو سمجھ کر اہل زمانہ کی رہنمائی کرسکیں، پھر بڑی حسرت سے فرمایا کہ بدقسمتی یہ ہے کہ کہیں بھی ساری دنیا میں اس تجربہ کا موقعہ نہیں ملتا، سلسلہ بیان میں فرط تاثر کے عالم میں کہنے لگے ہمارا خیال ہے کہ امت کی ساری مشکلات کا یہی حل ہے، ہمیں اپنی رائے کی صحت کا یقین ہے اے کاش کہیں تجربہ کا موقعہ ملتا تو نظر آجاتا کہ یہ خیال کس قدر صحیح ہے۔

اس سلسلہ میں ندوہ کا ذکر آگیا فرمایا کہ جن مقاصد کے لئے ندوہ قائم کیا گیا تھا وہ ضرورت آج بھی اسی طرح باقی ہے بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ ہے

۱۹۳۳ء میں دہلی میں دریا گنج کے اسی مکان میں ملنے کا پھر اتفاق ہوا، بہت سی علمی باتیں کرتے رہے دوران گفتگو میں محدثین کی اس رائے کا ذکر آگیا کہ کسی حدیث کا صحیحین میں ہونا بجائے خود ایک وجہ ترجیح ہے، ہمارے ساتھیوں میں سے کسی نے کہا کہ اس کی کیا وجہ ہے، اگر راوی اسماء الرجال کے معیار پر پورے اترتے ہوں تو حدیث خواہ کسی بھی کتاب میں ہو، مرتبہ میں کم کیونکر ہوسکتی ہے، فرمایا نہیں بھائی دونوں صورتیں برابر کیسے ہوسکتی ہیں، ایک کتاب لکھی گئی ہزاروں آدمیوں نے مصنف سے اس کو پڑھا، پھر ہر زمانہ میں وہ کتاب پڑھی اور پڑھائی جاتی رہی اس کا ایک ایک لفظ زیر بحث رہا اور آج تک کبھی وہ کتاب نظر سے اوجھل نہیں رہی، مخالف اور موافق گروہ نے اسے پڑھا اور علماء اسکی

امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

(سید ابوالحسن علی ندوی)

امت کے ذمہ جو چند کام یا قرض باقی ہیں ان میں سے ایک امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کی شایان شان تاریخ یا تذکرہ ہے، میرے محدود علم ومطالعہ میں کسی اسلامی زبان میں کوئی ایسی منصفانہ اور فاضلانہ کتاب نہیں جو اس امام برحق اور خلیفہ راشد کی سیرت اور تاریخ لکھی جا سکے اور جس میں ان کی عظیم شخصیت کو صحیح اور متوازن طریقہ پر پیش کیا گیا ہو اور افراط و تفریط اور غلو و عصبیت سے محفوظ رہتے ہوئے ان کے علمی و عملی کمالات اور ان کے عظیم الشان کارناموں کا جائزہ لیا گیا اور خلفائے راشدین کی جانشینی میں ان کا مقام متعین کیا گیا ہو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ کام بڑا مشکل اور نازک ہے اور اس پل صراط سے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے، بہ سلامت گذر جانا ہر تیز رفتار کا کام نہیں، لیکن اس راہ اعتدال کو قائم رکھنے کے لئے جو اہل سنت کا امتیاز ہے وہ اس دور فتن کے لئے جس کی رہنمائی کا سامان سب سے زیادہ اس خلیفہ راشد کی زندگی میں ہے اس کا پورا ہو جانا ضروری ہے، معلوم نہیں یہ سعادت کس وقت اور کس شخص کے لئے مقدر ہے اس موقع پر کسی سوانح حیات یا تاریخ و تذکرہ کی تحریر کا ارادہ اور محل نہیں، اجمالی طور پر ایک نقطۂ نظر کا اظہار ہے جو ایک مفصل سوانح یا تالیف کی بنیاد بن سکتا ہے۔

میرے نزدیک خلافت راشدہ اور اس کے ارکان اربعہ کی یہ تعبیر صحیح نہیں کہ وہ چند مختلف المزاج، مختلف الاغراض، متباین الاسالیب اشخاص کے اتفاقی مجموعہ کا نام ہے اور یہ چاروں حضرات چار مختلف سیاستوں اور رجحانات کی نمائندگی کرتے ہیں، بخت و اتفاق نے ان کو ایک زنجیر خلافت و قیادت اسلامی میں جکڑ دیا ان میں سوائے ایمان و اخلاص اور صداقت اور حقانیت کے کوئی مشترک عنصر نہیں، جو لوگ زیادہ تاریخی بصیرت اور وسعت نظر کا اظہار کرنا چاہتے ہیں وہ خلافت راشدہ کو دو حصوں اور خلفائے راشدین کو دو گروہوں پر تقسیم کرتے ہیں پہلے دور کا امام صدیق اکبر اور فاروق اعظم (رضی اللہ عنہما) کو مانتے ہیں، اور دوسرے دور کا امام عثمان غنی اور علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہما) کو کہتے ہیں، میرے نزدیک یہ تقسیم عبارت سے خالی نہیں، میرے نزدیک یہ چاروں حضرات فرداً فرداً خلافت نبوی کا مظہر اتم اور مصداق کامل تھے، ذاتی فضائل و مناقب اور ان کی بناء پر تفاوت درجات کو الگ کرکے خلافت راشدہ کا مزاج اور اس کی روح ان میں سے ہر ایک میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی، خلافت راشدہ کیا ہے؟ خلافت راشدہ نہ اسلامی مملکت کی وسعت کا نام ہے، نہ کثرت فتوحات کا نہ کامیابیوں کے تسلسل کا، اگر معیار یہی ہو تو پھر ولید بن عبد الملک اور ہارون الرشید کو سب سے بڑا خلیفۂ راشد ماننا پڑے گا۔ خلافت راشدہ نام ہے نبی کے مزاج اور طرز زندگی میں نیابت کاملہ کا، نبوت کا امتیازی مزاج کیا ہے؟ ایمان بالغیب کی قوت، اطاعت الٰہی کا جذبۂ صادق و کامل، غیب پر شہود، احکام پر مصالح و فوائد کو قربان کرنا، دنیا پر آخرت اور غنا پر فقر و زہد کو ترجیح دینا، اسباب دنیا سے کم سے کم متمتع ہونا اور دوسروں کو زیادہ سے زیادہ متمتع کرنے کی کوشش کرنا۔ یہ وہ اجمال ہے جس کی تفصیل پوری سیرت محمدی ہے اور جس کے مظاہرہ بدر و خندق کے معرکے، تبوک کا سفر، حدیبیہ کی صلح، مکہ کی فتح اور ۲۳ برس کی وہ زاہدانہ زندگی ہے جس کا اول شعب ابی طالب کی اسیری اور جس کا آخر زندگی کی وہ آخری شب ہے جس میں گھر کا چراغ بھی نہ تھا اور زرہ نبوی تیس صاع جو کے عوض میں ایک یہودی کے یہاں رہن تھی۔

اس معیار سے ان خلفائے راشدین (رضی اللہ عنہم و ارضاہم) کی زندگی اور دور خلافت، خلافت راشدہ کا مکمل نمونہ تھا جس میں نبی کے مزاج اور طرز زندگی کی پوری نمائندگی تھی۔ واقعہ ارتداد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی کی بے نظیر صلابت و استقامت اور فتنہ عالم آشوب میں مٹھی بھر جماعت صحابہ کے ساتھ پورے ملک عرب سے جنگ کرنے کا عزم اور فیصلہ! پھر عین اس نازک وقت میں جبکہ ایک سپاہی ایک جیش کا قائم مقام تھا اور اسلام کا مرکز

نقل و حرکت علیہ اور دشمنوں کے نرغہ میں تھا۔ جیشِ اسامہؓ کو شام کی جانب روانگی دینا اور منشاءِ نبوی کی تکمیل پر حالات و تغیرات کا لحاظ کئے بغیر اصرار، پھر مسلمانوں کی وحدت و حیات کی اسی فیصلہ کن گھڑی میں وہ عظیم ترین شخصیت جس نے دین کی فکر کی اور مرتدین سے جنگ کا سلسلہ چھیڑ دیا "ایمان و اطاعت" کا وہ واقعہ ہے جس کی نظیر انبیاء اور ان کے خلفائے اولوالعزم کی تاریخ میں ہی مل سکتی ہے، سامنے زمانۂ خلافت و فتوحات تھیں، ایسی زاہدانہ زندگی گزارنا جس میں کہ بیت المال کے وظیفہ سے منہ کا ذائقہ تبدیل کرنے اور بچوں کا منہ میٹھا کرنے کی بھی گنجائش نہ تھی اور پھر انتقال کے وقت اس پوری رقم کو جو زمانۂ خلافت میں (مسلمانوں کے فیصلے سے) بیت المال سے اپنی گزر اوقات کے لئے لی تھی ذاتی سامان فروخت کرکے بیت المال کو واپس کر دینا اور اس پورے سامان کو جس کا خلافت کے دور میں اضافہ ہوا تھا، بیت المال میں منتقل کر دینے کی وصیت زہد و ایثار کے ایسے واقعات ہیں جن کی نظیر شاید انبیاء علیہم السلام کی زندگی کے علاوہ کہیں اور نہ مل سکے، اور یہ اسی اصل کا "ظل" ہے جس کی خلافت اور نیابت کا شرف ان کو حاصل تھا۔

اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ کا روم و شام کی جنگوں اور یرموک و قادسیہ کے معرکوں میں افواج کی تعداد اور اسلحہ کے بجائے اللہ کی فتح و نصرت اور اسلامی افواج کے اعمال و اخلاق اور تعلق باللہ پر اعتماد، یرموک کے معرکہ کے موقع پر جس سے سخت معرکہ تاریخ اسلام میں کم پیش آیا ہوگا، اسلام کے مظفر و منصور سپہ سالار اور اسلامی افواج کے محبوب و محترم سپہ سالار خالد بن الولید کو اسلامی افواج کی قیادت علیا سے معزول کر دینا اور ابوعبیدہ جیسے نرم خو نرم مزاج کو قائد مقرر کرنا، عظیم ترین عمالِ حکومت کا بے لاگ احتساب، جبلہ بن الایہم جیسے سردار قوم اور بادشاہ پر ایک غریب فزاری کے مقابلہ و معاملہ میں قصاص جاری کرنا، ایسی ایمان و اطاعت کی مثالیں ہیں جو نبوت کا مزاج اور خلافتِ راشدہ کا طرۂ امتیاز ہیں۔ پھر ان کا زہد و احتیاط جس نے عام الرمادہ (قحط عام) میں ان کو اپنی غذا سے باز رکھا جو عام مسلمانوں اور ان کی وسیع مملکت کی عام آبادی کو میسر نہیں تھی، یہاں تک کہ لوگوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر اس قحط نے طول کھینچا تو وہ بچ نہیں سکیں گے، اور ان کی زاہدانہ زندگی اور تقشف جس نے ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر لی تھی اسی زاہدانہ زندگی کا پرتو ہے، جس کی اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلیفۂ اول کی نیابت ان کے حصے میں آئی تھی، پوری طرح وہ ثبات و استقامت اور عزم و یقین جس کا اظہار حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے شورش اور ترکِ خلافت کے مطالبہ کے موقع پر کیا اور بالآخر مظلومانہ شہادت پائی، پھر اسبابِ عیش کی فراوانی و موجودگی میں اپنی ذاتی زندگی میں اس زہد و ایثار کا اظہار جو ان کے تینوں پیشروؤں کی سیرت تھی۔ حضرت [illegible] کے جہادوں اور عام مسلمانوں کو امیرِ شام اور [illegible] کے مقابلہ [illegible] خونریز جنگ [illegible] تیل سے روئی [illegible] وہ صحیح خلافت ہے جس کی خلعت رسول اللہ نے ان کو پہنائی اور جس کے اتارنے سے انھوں نے صاف انکار کر دیا، خلافتِ نبوت کا یہی مزاج اور زندگی کا یہی انداز اسی سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی اور امام [illegible] کی زندگی میں پورے طور پر نمایاں اور روشن ہے، اس طلائے خالص اور اس جوہرِ اصلی پر جمل اور صفین کی جنگوں کا جو عارضی غبار پڑ گیا ہے، اگر آپ اس کو ہٹا دیں تو اس گوہرِ آبدار کی چمک دمک نگاہوں کو خیرہ کرے، اور خلافتِ نبوت کے وہ خصائص نظر آ جائیں جو اس کے تینوں پیشروؤں اور زندگی کے رفیقوں میں مشترک ہیں، حکم اور اصول پر مصلحت و سیاست کو قربان کرنا، خلافت کی بقا و استحکام کے لئے ان تمام طریقوں اور تدبیروں کے اختیار کرنے سے انکار کر دینا جو اہلِ حکومت اختیار کرتے ہیں، لیکن خلافتِ نبوت کے آئین کے لئے ان کی گنجائش نہیں، عمالِ حکومت اور اراکینِ مملکت میں سے ایسے اصحاب کو ان کے عہدوں سے سبکدوش کر دینے میں تامل نہ کرنا جو اس کی نظر میں ورع و تقویٰ کے اس بلند معیار پر نہیں جس پر رسولؐ اور اس کے خلفاء چھوڑ کر گئے ہیں، اور جو اس نظامِ خلافت کے شایانِ شان ہے۔ اصول و عقیدہ کی خاطر اور خلافت کو "منہاجِ نبوت" پر باقی رکھنے کے لئے ان تمام ناخوشگوار فرائض کو انجام دینا جو اس کے لئے سوہانِ روح تھے۔ لیکن عقیدہ اور مومن کے یقین کا تقاضا اور وقت کا مطالبہ تھا، خلافت کی پوری مدت کو ایک مسلسل جہاد، ایک مسلسل کش مکش، ایک مسلسل سفر میں گزارنا لیکن نہ تھکنا نہ مایوس ہونا، نہ بددل ہونا، نہ شکایت کرنا، نہ راحت کی طلب، نہ محنت کا شکوہ، نہ دوستوں کا گلہ، نہ دشمنوں کی بدگوئی، مدح و ذم سے بے پروا، جان سے بے پروا، انجام سے بے پروا، نہ ماضی کا غم نہ مستقبل کا اندیشہ، فرض کا ایک احساسِ مسلسل اور حق کا ایک سلسلۂ غیر منقطع، دنیا کا سا صبر اور [illegible] کی سی پابندی، [illegible] اور اہلِ دل کی سی فرض شناسی، معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح خدا [illegible] ان کے ہاتھوں سرگرم و بےزبان ہے اسی طرح وہ بھی [illegible] حق کے دستِ قدرت میں سرگرمِ عمل اور شکوہ و شکایت سے ناآشنا ہیں، ایمان و اطاعت کا وہ مقام ہے جو "حق الیقین" کو حاصل ہوتا ہے، لیکن اس کا پہچاننا اسی [illegible] سے واقف ہو [illegible] نظر اور [illegible] کا کام ہے [illegible] کی زندگی [illegible] کا پہچاننا

ایک بڑا امتحان ہے۔ اور اہلِ سنت کا ایک امتیاز ہے اس ایمان بالغیب اور
اس جذبۂ اطاعت کا ظہور جس ماحول اور جن ناخوشگوار واقعات کی شکل میں
ہوا۔ وہ اس ماحول اور ان واقعات سے بہت مختلف تھے جن میں ان کے
پیشرو خلفاء کا ایمان بالغیب اور جذبۂ اطاعت کا اظہار ہوا تھا، اس لئے کافی
مورخین اور اہلِ قلم اور مدعیانِ فکر و نظر بھی اس کی حقیقت سمجھنے سے قاصر رہے
وہ جس کو داخلی فتنے اور مسلمانوں کی خانہ جنگی کہتے ہیں، ہم ان میں حضرت علیؓ
کو معذور بلکہ ماجور پاتے ہیں، ہم اگرچہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ فریقِ مقابل (اہلِ
شام) ایک اجتہادی غلطی کا مرتکب تھا، اس لئے اس کی تفضیل و تفسیق مگر
درست نہیں، لیکن ہم یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ حضرت علی نے اپنی خلافت
میں جو کچھ کیا وہ ایمان و اطاعت کے جذبہ اور ادائے فرض کی روح کے ساتھ
کیا اس لئے یہ عمل ان کے لئے تقرب و رفع درجات کا باعث تھا۔

پھر ان کی زاہدانہ زندگی خلافتِ نبوت کا پرتو کامل اور خلافتِ صدیقی
و خلافتِ فاروقی کا نتیجہ تھی۔ یہ فقر و زہد، تقشف و قناعت کی ایسی زندگی تھی
کہ اس زمانے کے بڑے بڑے زہاد اس میں ان کی ہمسری نہیں کر سکتے تھے، اور بالآخر
ان کے منتخب عمالِ حکومت اور ان کے قریب ترین عزیز بلکہ حقیقی بھائی عقیل
بن ابی طالب بھی ان کا ساتھ نہ دے سکے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فرمائش
و اصرار سے ان کے ایک رفیقِ قدیم ضرار بن ضمرہ نے اس کی جو دلآویز تصویر کھینچی
ہے وہ نہ صرف تاریخ میں بلکہ دنیا کے ادب اور انسانی مرقع میں ایک حسن کا
اضافہ کرتی ہے وہ فرماتے ہیں۔

"بڑے بلند نظر، بڑے عالی ہمت، بڑے طاقتور، جچی تلی گفتگو فرماتے
حق و انصاف کے مطابق فیصلہ کرتے، زبان و دہن سے علم کا چشمہ ابلتا، ہر ہر
ادا سے حکمت ٹپکتی، دنیا اور بہارِ دنیا سے وحشت تھی، رات اور رات کی
تاریکی میں خوش رہتے۔ آنکھیں پرآب، ہر وقت فکر و غم میں ڈوبے ہوئے، رفتارِ
زمانہ پر متعجب، نفس سے ہر وقت مخاطب، کپڑا وہ مرغوب تھا جو معمولی اور
موٹا جھوٹا ہو، غذا وہ مرغوب تھی جو غریبانہ اور سادہ ہو، کوئی امتیازی شان
پسند نہیں کرتے تھے، جماعت کے ایک فرد معلوم ہوتے تھے، ہم سوال کرتے تو جواب
دیتے، ہم حاضرِ خدمت ہوتے تو سلام اور مزاج پرسی میں پہل کرتے، ہم دعوت
کر دیتے تو دعوت قبول فرماتے، لیکن اس تقرب و مساوات کے باوجود رعب
کا یہ عالم تھا کہ بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی اور سلسلۂ سخن کا آغاز کرنا مشکل ہوتا
[illegible] مسکین

سے محبت کرتے تھے لیکن اس تواضع و مسکنت کے باوجود کسی طاقتور اور دولت
مند کی یہ مجال نہ تھی کہ ان سے غلط فیصلہ کروا لے یا ان سے کوئی رعایت حاصل
کرے، اور کمزور کو ہر وقت ان کے عدل و انصاف کا بھروسہ تھا، میں قسم
کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ایک شب ان کو ایسی حالت میں دیکھا کہ رات نے
اپنی ظلمت کے پردے ڈال دیئے تھے اور ستارے ڈھل چلے تھے، آپ اپنی
مسجد کے محراب میں کھڑے تھے، داڑھی مٹھی میں تھی اس طرح تڑپ رہے تھے کہ
جیسے سانپ نے ڈس لیا ہو، اس طرح رو رہے تھے جیسے دل پر کوئی چوٹ
لگی ہو، اس وقت میرے کانوں میں ان کے یہ الفاظ گونج رہے ہیں: اے
دنیا! اے دنیا! کیا تو میرا امتحان لینے چلی ہے اور مجھے بہکانے کی ہمت کی،
مایوس ہو جا کسی اور کو فریب دے! میں نے تو تجھے ایسی تین طلاقیں دی
ہیں جن کے بعد رجعت کا کوئی سوال نہیں۔ تیری عمر کوتاہ، تیرا عیش بے حقیقت
تیرا خطرہ زبردست، ہائے زادِ راہ کس قدر کم ہے، سفر کتنا طویل اور راستہ
کتنا وحشت ناک ہے۔

درحقیقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام میں جو ایمان
بالغیب اور ایمان بالآخرۃ پیدا کیا تھا اس نے ان کے ذہن و دل، سیرت
و اخلاق، زندگی و کردار اور معیشت و سیاست کو ایک نئے سانچے میں
ڈھال دیا تھا، عسر و یسر، کامیابی و ناکامی، فقر و فاقہ، اور امارت و حکومت
میں اس کا بے تکلف اظہار ہوتا تھا، اس ایمان کے سلسلۂ معجزات کا سب
سے طاقتور اور سب سے نمایاں و ممتاز کڑیاں خلفائے راشدین ہیں
وہ اس معنی میں خلفائے راشدین ہیں کہ نبوت کا یہ مزاج اور نبی کی یہ میراث
ان کی طرف منتقل ہوئی اور انہوں نے اس مزاج اور منہاج میں نبیؐ کی کامل
نیابت کی، نافہم یہ سمجھ کر یہ بھی کسی بادشاہِ وقت یا حاکمِ شہر کی نیابت
کا مسئلہ ہے اور سوال ان فوائد سے کسی شخص اور اس کے خاندان متعلقین کے
متمتع و منتفع ہونے کا ہے، جو اس کی مسند پر بیٹھے گا، اور ساری کشمکش اس
بات کی تھی، حالانکہ سوال نبی کے فرائض انجام دینے اور اس کی سی زہد
تقشف اور ایثار و قربانی کی زندگی گزارنے، خلقِ خدا کو زیادہ سے زیادہ
دینے اور خود دنیا اور سامانِ معیشت میں سے کم سے کم لینے، زیادہ سے
زیادہ محنت کرنے اور کم سے کم راحت و فراغت حاصل کرنے کا سوال تھا، اور اس
میں کیا شبہ ہے کہ خلفائے راشدین نے یکے بعد دیگرے اس حق کو ادا کر کے
دکھایا۔ [illegible]
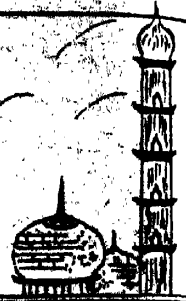
فلپائن کے مسلمان

یہ مضمون دراصل ایک انٹرویو کی روداد ہے "جو المسلمون" (دمشق) کے نمائندہ عصام الدین حامد نے فلپائن کے ممتاز مسلمان لیڈر ڈاکٹر احمد ڈوموکاؤ الونٹو سے لیا ہے، ڈاکٹر الونٹو فلپائن سینیٹ کے ممبر ہیں، اور واحد مسلمان ممبر ہیں (مترجم)

فلپائن :- انڈونیشیا کے شمال مشرق میں بحرالکاہل کے سات ہزار جزیروں کا نام ہے اس کی کل آبادی دو کروڑ بیس لاکھ ہے جس میں ایک کروڑ ساٹھ لاکھ رومن کیتھولک بیس لاکھ پروٹسٹنٹ، بیس لاکھ مسلمان اور بیس لاکھ کے لگ بھگ دیگر اقوام ہیں۔

فلپائن کی اقتصادیات کا اصل مدار زراعت پر ہے اور اس بارے میں وہ خود کفیل ہے اب کچھ عرصہ سے صنعت کی جانب بھی رجحان بڑھ رہا ہے جاپان کے علاوہ فلپائن مشرق بعید کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک ہے اس ملک میں دو سرکاری اور بیس کے قریب پبلک یونیورسٹیاں ہیں جو ملک کی ضروریات کی مطابق علوم و فنون کے ماہرین فراہم کرتی رہتی ہیں بلکہ گریجویٹوں کی ضرورت سے زیادہ تعداد ملک کے لئے مسئلہ بنتی جا رہی ہے

سرکاری اور مقامی زبانیں :- فلپائن کی سرکاری زبانیں تین ہیں انگریزی، ہسپانوی اور ایک مقامی تجالو، لوکل زبانوں کی کل تعداد ایک سو سے زیادہ ہے، مسلمان آبادیوں میں دو زبانیں بولی جاتی ہیں، ایک تو علو۔ جو انڈونیشی زبان سے ملتی جلتی ہے، اور دوسری مراؤ جو زیادہ تر منڈناؤ میں بولی جاتی ہے۔

سیاسی نظام :- فلپائن کا نظام حکومت، امریکی طرز کا صدارتی نظام ہے جس میں دو ایوان ہیں :- ایوان شیوخ جو ۲۴ ارکان پر مشتمل ہے اور دوسرا ایوان نمائندگان جس کے ۱۰۲ رکن ہوتے ہیں اور مختلف علاقوں سے متعینہ تعداد کے مطابق منتخب ہو کر آتے ہیں۔ طرز انتخاب چونکہ مخلوط ہے اس لئے مسلمانوں کے لئے مناسب نمائندگی کی گنجائش نہیں، چونکہ مسلمان فلپائن کی سب سے بڑی اقلیت ہیں [illegible] مسلمانوں کے لئے ایک وزارت مختص ہوتی ہے مسلمان

وزیر نہ صرف مسلمانوں بلکہ دیگر تمام اقلیتی اقوام کی دیکھ بھال اور بہبودی کا ذمہ دار ہوتا ہے اس وزارت میں جتنے مسلمان رکھے جاتے ہیں ان کے لئے ازروئے قانون لازم کردہ ملکی اقلیات کے معاشرتی، مذہبی، اقتصادی اور سیاسی حالات سے پوری طرح آگاہ ہوں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس وزارت میں تمام کلیدی آسامیاں مسلمانوں کے ہاتھ میں رہتی ہیں۔ - Nalinlporcy

مسلمان ممبر :- ڈاکٹر الونٹو، ایوان شیوخ کے اس وقت واحد مسلمان نمائندے ہیں جو تین سال قبل منتخب ہو کر آئے تھے موصوف ایوان شیوخ میں آنے سے قبل دس سال تک ایوان نمائندگان کے بھی رکن رہے ہیں۔ لیکن بعد میں !!

موصوف کو ایوان شیوخ کا نمائندہ منتخب کیا، نیشنل پارٹی ملک کی اقلیتی پارٹی ہے جس کے بیس ممبر ایوان شیوخ میں اور (۸) ایوان نمائندگان میں ہیں۔ ڈاکٹر الونٹو کی عمر اس وقت ۴۴ سال کے قریب ہے، یہ فلپائن کے کامیاب وکیل ہیں، ایوان شیوخ میں دو کمیٹیوں کے صدر ہیں ایک

Commiltee of nahnol gniegutiowr

جو اقلیتوں کی بہبودی اور ترقی اور ان میں باہمی اتحاد کی ضامن ہے اور دوسری

Commiltee of Nalinal fnlargnises

جو پبلک اور سرکاری عمارات اور ترقیاتی منصوبوں کے متعلق جملہ کارروائی سرانجام دیتی ہے، ان دونوں کمیٹیوں کے علاوہ موصوف اور بھی متعدد کمیٹیوں اور بورڈوں کے ممبر ہیں۔

فلپائن میں اسلام کا داخلہ :- فلپائن میں اسلام کا داخلہ گیارہویں صدی کے اواسط میں انڈونیشیا اور ملایا کے تاجروں کے ہاتھ سے ہوا ہے، یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ حضرموت کے مسلمان تاجر فلپائن میں اشاعت اسلام

بہت بڑا ذریعہ بنے ہیں، بعض اہل تحقیق کا خیال ہے کہ یہاں اسلام گیارہویں صدی سے پہلے داخل ہو چکا تھا، ان کا استدلال اس بات پر ہے کہ گیارہویں صدی کے اوائل میں اسلام فلپائن میں پورا فروغ حاصل کر چکا تھا اس لئے ظاہر ہے کہ یہ فروغ یکا یک حاصل نہیں ہو گیا بلکہ اس کے بیج بہت پہلے سے وہاں پڑ چکے تھے، جو گیارہویں صدی میں آ کر پوری طرح بار آور ہو گئے، مگر اس سلسلے میں سب سے قدیم دستاویز سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ گیارہویں صدی ہی میں اسلام نے اس سرزمین میں قدم رکھا ہے، یہاں یہ بھی مشہور ہے کہ فلپائن میں سب سے پہلا جو مسلمان تاجر داخل ہوا ہے اس کا نام شریف مقدوم تھا اور کنیت ابوبکر تھی۔

باوجودیکہ اس وقت مسلمان تعداد کے لحاظ سے زیادہ نہیں تھے لیکن وہ بہت جلد وہاں کا غالب عنصر اور حکمران گروہ بن گئے، اور فلپائن میں مختلف مسلمان امارتیں وجود میں آ گئیں، فلپائن کا موجودہ صدر مقام ـــ مانیلا ـــ بھی ایک مسلم ریاست تھا، جس پر راجہ سلیمان حکومت کرتا رہا ہے۔

مسلمانوں کا جہاد۔ اسپین نے ۱۵۲۱ء میں فلپائن پر حملہ آور ہوا چنانچہ مسلسل تین صدیوں تک اسپین اور مسلمانوں کے درمیان معرکہ آرائی ہوتی رہی، ان لڑائیوں میں اسپینی سپاہ نے مسلم آبادیوں کے ساتھ اسی قسم کے وحشیانہ مظالم کا ارتکاب کیا جو اندلس کے مسلمانوں کے ساتھ انھوں نے کیا تھا، ہسپانوی حملہ آوروں کا خیال تھا کہ جس طرح اندلس کے مسلمان مور (MOORS) ہیں، اسی طرح فلپائن کے مسلمان بھی دراصل وا کشی ہیں، بایں ہمہ جن جزیروں میں مسلمانوں کے مراکز تھے، مثلاً جزیرہ منڈناؤ اور آرخیپیل صالو (

وغیرہ ان میں ہسپانوی حملہ آوروں کی دال نہ گل سکی۔

مسلمانوں کا یہ جہاد فلپائن کی تاریخ میں نہایت قدر و قیمت سے دیکھا گیا ہے، بلکہ استقلال ملک کے بعد اس کی اہمیت میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔

۱۸۹۸ء میں فلپائن میں امریکہ نے دراندازی شروع کی، مسلمان تین سال کی مدت تک اس کا بھی مقابلہ کرتے رہے لیکن امریکہ نے یہ اعلان کر کے کہ اہل ملک کے اعتقاد اور مذہب کو پوری آزادی ہوگی، ملک پر اپنا تسلط قائم کر لیا اور مختلف جزیروں کو ملا کر ایک ریاست کی شکل دے دی، ۱۹۴۶ء میں فلپائن کو آزادی نصیب ہوئی، چونکہ حملہ آوروں کی مدافعت اور آزادی کی طویل جنگوں کا تمام تر بوجھ صرف مسلمانوں کے کندھوں پر رہا ہے اس لئے مسلم

چونکہ مسیحی مشنریاں بڑی سرگرمی کے ساتھ کام کر رہی ہیں، اور یہاں کی بت پرست اقوام کی بہت بڑی تعداد کو انھوں نے مسیحی مذہب کا پیرو بنا دیا تھا، اس لئے اسلامی تہذیب کو استعمار اور مسیحیت کے تسلط میں زیادہ ابھرنے کا موقع نہ مل سکا۔

اسلامی بیداری:۔ چار سال سے فلپائن کے مسلمانوں میں اسلامی بیداری کا آغاز ہوا ہے اس بیداری میں نوجوان طبقہ پیش پیش ہے، اس وقت مسلمانوں کی تمام تر توجہ دینی تعلیم کی اشاعت کے لئے مدارس و مکاتیب کے قیام پر مرکوز ہے، یہ کام اتحاد مسلمانان فلپائن نام کی انجمن سرانجام دے رہی ہے، انجمن (۱۹۵۵ء، ۱۹۵۶ء، ۱۹۵۷ء) میں تین بین الاقوامی کانفرنسیں منعقد کر چکی ہے جن میں اکثر ممالک کے نمائندوں نے شریک ہو کر فلپائن کے مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیا ہے، ان ہی کانفرنسوں کے فیصلے کے مطابق ایک "ادارہ اسلامی" کا قیام عمل میں لایا جا چکا ہے جس میں ایک وقت میں ایک ہزار طلباء زیر تعلیم ہیں، یہ ادارہ ان کی ابتدائی تعلیم سے لیکر جامعی تعلیم تک نگرانی کرے گا، اس ادارے کے تحت اس وقت ایک کامرس کالج، ایک آرٹس کالج اور ایک ٹیچر ٹریننگ کالج ہے، حکومت نے ان کالجوں کو تسلیم کر لیا ہے اور اس سے فارغ ہونے والوں کو بی اے کی ڈگری دینے کا وعدہ کر لیا ہے۔

عربی کی ترویج:۔ اس ادارے میں ایک شعبہ عربی ہے جو صرف منہاج کار کے لحاظ سے عربی کی اشاعت کا ذمہ دار ہے لیکن زبان کے لحاظ سے بھی خالص عربی ہے، البتہ یہ شعبہ ماہر اساتذہ کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے ابھی ابتدائی مراحل سے آگے ترقی نہیں کر سکا، چنانچہ ادارے نے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اپنے طلباء کو باہر بھیجنا شروع کیا ہے، اس وقت ازہر (مصر) میں ۲۲ طلباء زیر تعلیم ہیں، اسی طرح اس ادارے نے عرب ممالک سے بھی کچھ اساتذہ منگوائے ہیں، عراق نے بھی اساتذہ کی ایک جماعت بھیجنے کا وعدہ کیا ہے۔

مذکورہ معہد اسلامی اور اسلامی مدارس و کلیات کی سرپرستی اور دیکھ بھال کے لئے مسلم ایجوکیشنل فنڈ کے نام سے ...... ماہرین تعلیم کی ایک مجلس کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جس کا صدر موجودہ صدر جمہوریہ ہے، اس صدارت کی تجویز دراصل انڈونیشیا میں پاکستان کے سفیر کی طرف سے پیش کی گئی تھی اور اس تجویز کی بناء پر صدر جمہوریہ کو اس فنڈ کا اعزازی صدر بنایا جاتا ہے، اس کی

...بن کی تھی اور خود فلپائن کے مسلمانوں نے بھی انھیں بخوشی ابو گنبل بورڈ صدر زد کر دیا

شرکائے کانفرنس کی طرف سے یہ بھی بالاتفاق طے کیا گیا تھا کہ فلپائن میں ایک اسلامی مرکز کو عمل لایا جائے جس کے تحت ایک مسجد ایک لائبریری اور اسلامی مدارس اور طلبا کی اقامت گاہیں قائم کی جائیں، امید ہے کہ یہ اسکیم خدا نے چاہا تو سال رواں کے اندر مکمل ہو جائے گی۔

مسلمانوں کی عمومی حالت: ۔ عمومی طور پر مسلمان اس وقت عام معاشرے میں پسماندہ حالت میں ہیں، لیکن امید ہے کہ موجودہ بیداری ان کی تمام راہوں کو زائل کر دے گی، اس وقت مسلمانوں کی ترقی و فلاح جن نوجوانوں کے ہاتھ میں ہے ان کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے جو یونیورسٹیوں کے گریجویٹ ہیں ان میں اکثر ماہرین قانون ہیں، اور بعض یونیورسٹیوں میں کلیدی آسامیوں پر فائز ہیں، انجمن اتحاد مسلمانان فلپائن اس وقت ایک وسیع کانفرنس کے انعقاد کی تیاریوں میں ہے، جس میں امید ہے کہ جنوب مشرق ایشیا کے ممالک و ہندوستان، پاکستان، سیلان، انڈونیشیا، سیام، ملایا، فلپائن، برما اور کمبوڈیا سے زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو مدعو کیا جائے گا، یہ کانفرنس ملایا کے وزیر اعظم تنکو عبدالرحمٰن کی

کہ جب برطانیہ اور فرانس نے نہر سوئز پر حملہ کیا تھا تو یہاں کا ایک ایک بچہ اس خبر کو سن کر تڑپ اٹھا تھا، حالانکہ فلپائن اور مصر کے درمیان آٹھ ہزار میل کا فاصلہ ہے مگر اس کے باوجود ہر فلپائنی مسلمان اس حملے کو اپنی ذات پر حملہ تصور کرتا تھا، اس طرح ۱۹۵۵ء میں فلپائن کے جن مسلمانوں نے حج کیا ہے ان کی کل تعداد تین ہزار ہے، یہ تعداد اکثر اسلامی ملکوں کی تعداد سے زیادہ ہے۔

اصلی مسئلہ: ۔ لیکن ہمیں اس وقت یہ فکر دامن گیر ہے کہ فوری بیداری کو اگر ٹھوس علمی اور فکری غذا نہ دی گئی تو یہ بےبنیاد ثابت ہوگی، چنانچہ اس خیال کے پیش نظر ہم اپنے نوجوانوں کو دینی ثقافت اور جدید تعلیم سے بہرہ ور کرنے کے لئے سرگرم کوشش کر رہے ہیں تاکہ ہمیں ایسے رہنما میسر آجائیں جو دین کو جدید تقاضوں کی روشنی میں، مستقل اور پائدار بنیادوں پر قائم کر سکیں، فلپائن کے سرکاری مدارس میں کسی نوع کی مذہبی تعلیم نہیں دی جاتی، مسلمان اس کمی کو از خود پورا کرنے کی ہمت نہیں رکھتے جب کہ مسلمانوں کے مقابلے میں عیسائی اقوام بہت بڑی رقم سے عیسائی کلچر کے قیام و اشاعت میں لگی ہوئی ہیں اس لئے اسلامی اور عربی ممالک سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اپنے مال سے امداد کریں۔ جو عربی اور انگریزی زبانیں خوب جانتے ہوں ——— ہماری

شربت
روح افزا
فرحت بخش
خوش ذائقہ
مشروبِ مشرق
گرمیوں کے لیے
ہمدرد دواخانہ
کا
بے مثال تحفہ
ایک بوتل میں ایک سیر دو چھٹانک روح افزا ہوتا ہے،
جس میں عموماً سولہ بڑے گلاس شربت کے بنتے ہیں۔
مقامی ایجنٹ سے خریدیے
(قیمت دو روپے ۱۲ آنے)
ہمدرد دواخانہ وقف۔ دہلی۔ کانپور۔ پٹنہ

مکتبہ علمیہ قاسمی منزل میرٹھ

التماس:- (۱) جن اصحاب کے پاس پرچہ انکی طلب پر بطور نمونہ پہنچے انکا فرض ہے کہ وہ خریداری سے متعلق اپنے فیصلہ سے اطلاع دیں ورنہ انھیں خریدار تصور کیا جائیگا۔
(۲) قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیجیں۔
(۳) جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ یا لفافہ بھیجیں۔
(۴) اپنا پتہ صاف اردو یا انگریزی میں منی آرڈر کے کوپن پر خط میں ضرور لکھیں۔ اور نمبر خریداری بھی لکھیں۔

اگر دیئے ہوئے دائرے میں نشان لگا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ آپکی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔ لہذا چندہ سال جدید ارسال فرمائیں یا اپنے آئندہ ارادے سے مطلع فرمادیں۔

(مقام اشاعت)
مکتبہ علمیہ قاضی منزل۔ قاضی واڑہ میرٹھ

(پاکستان میں قیمت بھیجنے کا پتہ)
منیجر کوثر بک ایجنسی (۱۱-C) شاہ عالم مارکیٹ لاہور (پاکستان)

(قاضی زین العابدین سجاد ایڈیٹر پرنٹر و پبلشر کے اہتمام سے قومی پریس اردو بازار دہلی میں چھپ کر دفتر "الحرم" مفتی واڑہ میرٹھ سے شائع ہوا)

بسمہ تعالیٰ سبحانہ

نقوشِ اوّلین

اسوۂ ابراہیمی

دُنیا والوں نے انسانی عظمت وکرامت کو ناپنے کے لئے جو بھی پیمانے مقرر کئے ہوں مگر اسلام نے ایک ہی پیمانہ سے اسے ناپا ہے اور وہ ہے، اپنے آقا ومولیٰ کی بندگی، اسکی مرضیات کی جستجو اسکی مکمل فرمانبرداری اور اس راہ میں ہر عزیز سے عزیز تر چیز کی قربانی!

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ، تم پوری بھلائی ہرگز حاصل نہیں کرسکتے جب تک اپنی عزیز چیز راہ خدا میں خرچ نہ کروگے۔

اب سے کئی ہزار سال قبل بھی خالق کائنات نے کائنات کی رہنمائی کیلئے ایک مقتدا اور پیشوا کو چنا تو اسے پہلے اسی معیارِ عظمت سے ناپا اور جب وہ اس میں پورا اترا تو اسے امامت عالم کا منصب سپرد کر دیا گیا۔

وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا، اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم کا اسکے رب نے کچھ باتوں میں امتحان لیا۔ اور وہ ان میں پورا اترا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمکو لوگوں کا امام بناتا ہوں۔

اس عہدہ امامت کے لئے جو امتحانات ابراہیم کے لئے گئے ان میں سے آخری امتحان کی طرف اسوقت توجہ دلانی ہے۔

ذرا تصور کیجئے، سو سال کا ایک بوڑھا ساری عمر اولاد کو ترستا رہا۔ آخر بڑی آرزوؤں اور تمناؤں، التجاؤں اور دعاؤں کے بعد، اللہ تعالیٰ نے اسے ایک چاند سا بیٹا (اسماعیل) عطا فرمایا، مگر ابھی یہ بیٹا ماں کی گود میں ہی تھا کہ حکم ہوا اسے اور اس کی ماں کو ایسی سنسان اور چٹیل جگہ چھوڑ آؤ جہاں آدمی ہو نہ جانور پانی ہو نہ درخت، بوڑھا فوراً اس حکم کی تعمیل کرتا ہے، اطاعت خداوندی کے سامنے چہیتے بیٹے کی محبت کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔

کچھ عرصہ بعد یہ بیٹا بڑا ہو جاتا ہے، بھاگنے دوڑنے اور چلنے پھرنے لگتا ہے، باپ کی اُمیدیں اور ماں کی تمنائیں پھر پروان چڑھتی نظر آتی ہیں بوڑھا باپ خواب دیکھتا ہے کہ وہ اپنے چہیتے فرزند کو خدا کے راستہ میں ذبح کر رہا ہے وہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ اشارہ خداوندی ہے۔ تاہم اپنے بیٹے کی سعادت کا امتحان لینے کے لئے اس سے اس کی رائے بھی معلوم کرتا ہے،

گلزار ابراہیم کا یہ گل نو دمیدہ مسکرا کر جواب دیتا ہے، اے باپ یہ حکم خداوندی ہے اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے۔ آپ بے تامل اس حکم کی تعمیل کیجئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ مجھے بھی صابر وشاکر پائیں گے۔ قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ۔

آخر باپ اپنی تمناؤں کی بہار کو، اپنے آقا کے قدموں پر نثار کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ چھری کو خوب تیز کرتا ہے کہ تعمیل حکم میں دیر نہ ہو، بچے کو پیشانی کے بل لٹاتا ہے کہ کہیں اسکا چاند سا مکھڑا دیکھ کر ہاتھوں میں لرزش پیدا نہ ہو جائے۔ اور پھر خوب زور سے چھری کو اسماعیل کے حلق پر پھیر دیتا ہے ابراہیم بار بار پوری قوت سے چھری چلاتا ہے، مگر چھری کام نہیں کرتی۔ دراصل ابراہیم کا امتحان مقصود تھا، اسماعیل کی جان مطلوب نہ تھی۔ ملا سے آواز آتی ہے، اے ابراہیم، تم نے خواب کو سچا کر دکھایا۔ تم نے اپنی طرف سے ہمارے حکم کی تعمیل میں کسر نہ چھوڑی، تمہارا بیٹا تمہیں مبارک ہو، اپنے نیک بندوں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، یہ کھلی آزمائش تھی جس میں تم کامیاب قرار پائے۔ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا، اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۔ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ، پھر جنت کا ایک فربہ دُنبہ ابراہیم کے پاس لاکر کھڑا کیا گیا اور اسماعیل کے بدلے اسے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا —

ابراہیم و اسماعیل کی فداکاری و جاں سپاری کی یہ ادا اللہ تعالیٰ کو اسقدر بھائی کہ بعد میں آنے والی اُمتوں کو اسکی یادگار قربانی کی صورت میں باقی رکھنے کا حکم دیا گیا۔
وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ وَتَرَکْنَا عَلَیْہِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۔

ہم مسلمان ہر سال اس یادگار ابراہیمی کو مناتے ہیں۔ مگر ہمارا مقصد بجز لذت کام و دہن یا اظہار فخر و مباہات کے اور کیا ہوتا ہے؟ کیا ایمان و یقین کی جو تجلیاں ابراہیم و اسماعیل کے سینہ کو جگمگا رہی تھیں اسکی کوئی کرن ہم اپنے دل کے کسی گوشہ میں پاتے ہیں۔ کیا قربانی کے وقت جو دعا، اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؏ درحقیقت میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو سب جہانوں کا پالنہار ہے۔ ——— ہماری زبان سے نکلتی ہے، ہماری عملی زندگی سے بھی اسکا کوئی تعلق ہے۔ کیا ابراہیم و اسماعیل کی قربانی کا تصور کبھی ہمارے سامنے ہوتا ہے اور ہم دین و ملت کے مطالبہ پر اپنی کسی عزیز چیز کو قربان کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔

اگر نہیں تو ہماری قربانیاں ایک کھیل سے زیادہ نہیں اور اس قسم کے کھیل دوسری قومیں بھی کھیلتی رہتی ہیں۔ پھر ہمکو کیا حق ہے کہ ہم خود کو ملت ابراہیمی کا متبع کہہ سکیں اور امامت عالم کے منصب پر فائز ہونے کی اُمید رکھیں۔ یہ بات پہلے ہی صاف ہو چکی ہے جب ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا اے ربُّ العزت، کیا میری اولاد کو بھی یہ امامت نصیب ہوگی تو جواب ملا ظالموں کو یہ رُتبہ حاصل نہ ہوگا۔ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۔ قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۔

اسوۂ ابراہیمی کے بہترین حامل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔ کون کونسی قربانیاں تھیں جو راہ حق میں ان سے نہیں دی گئیں۔ گرم پتھروں پر ان کو تپایا گیا، کوڑوں اور تلواروں سے انکے بدن کو چھلنی کیا گیا، انکے گھر بار کو لوٹا گیا، انکو ماں باپ بیوی بچوں سے جدا کیا گیا اور ان سب آزمائشوں کو راہ حق میں انھوں نے کشادہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا۔ ظلم و ستم کی ان بھٹیوں میں دہک کر انکے ایمان کا زرِ خالص اور چمک اُٹھا اور منصب امامت کے حامل اور خلافت ارضی کے وارث قرار پائے۔

پھر کیا ان عاشقانِ پاک طینت کی داستانوں میں ہمارے لئے کوئی نقش عبرت ہے؟ اور کیا ہم اپنی بے روح قربانیوں میں روح ڈالنے کیلئے تیار ہونگے۔
لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ ؏ اللہ تعالیٰ کے پاس قربانیوں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے بلکہ تمہارا "تقویٰ" پہنچتا ہے۔

آرام گاہ حجاج کی توسیع

۲۴ مئی ۵۹ء کی شام کو بمبئی کے مشہور صابو صدیق مسافرخانہ کی ایک نئی منزل کا افتتاح ہوا۔ یہ نئی منزل شاہ ابن سعود اور شاہ فیصل کے عطیوں سے تکمیل کو پہنچی ہے اور اس کی تقریب افتتاح عالیجناب مرارجی ڈیسائی کے ہاتھوں انجام پائی۔

اس شاندار مسافرخانہ میں جو بمبئی جیسے عظیم شہر کے مرکزی حصہ میں واقع ہے، حجاج کے لئے ہر قسم کی سہولتوں اور آسائشوں کا انتظام کیا گیا ہے۔ یہاں رہ کر وہ ایک پیسہ خرچ کئے بغیر گھر کا سا آرام پاتے ہیں۔ مسافرخانہ کے کارکن خادم الحجاج عالیجناب سیٹھ احمد غریب صاحب مینیجنگ ٹرسٹی کی سرکردگی میں حجاج کی تمام ضروریات کی مہمان نوازانہ انداز میں تکمیل کرتے ہیں۔ یہ مسافرخانہ اپنی تمامتر وسعتوں اور آسائشوں کے باوجود حجاج کی روزافزوں تعداد کے لئے ناکافی ہو رہا تھا۔ یہ بڑی مسرت کی بات ہے کہ اس میں ایک نئی منزل کا اضافہ ہوا ہے۔

یہ معلوم ہو کر مزید مسرت ہوئی کہ بمبئی کے سابق وزیر اعظم اور حال رکن وزارت ہند جناب مرارجی ڈیسائی صاحب کی دلچسپیاں اس مسافرخانہ کی ترقی و توسیع میں مددگار ہوئی ہیں۔

ہم اس عظیم الشان خدمت کی انجام دہی پر، مسٹر مرارجی ڈیسائی اور الحاج سیٹھ احمد غریب صاحب کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

"رحیق" کو بچایئے!

"رحیق" پاکستان کی اہل حدیث جماعت کا ایک علمی و دینی ماہنامہ ہے اسکے مضامین محققانہ متین اور سنجیدہ ہوتے ہیں اور ہر مکتب فکر کے مسلمان انہیں دلچسپی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اختلافی مباحث میں بھی رحیق نے کبھی اپنے دامن لعن و طعن اور سب و شتم کی گندگی سے آلودہ نہیں ہونے دیا اور اس نے اپنا علمی وقار قائم رکھا۔
یہ معلوم ہو کر بے انتہا افسوس ہوا کہ رحیق کے کارپرداز

ر رسالانہ کا نقصان برداشت کرنے کے بعد مالی مشکلات سے مجبور ہو کر
بند کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اور انھوں نے مئی کے پرچہ میں اسکا
بھی کر دیا ہے۔

افسوس ہے کہ یہ ذہنیت مسلمانوں کے سب فرقوں میں عام ہے
ی، غیر معیاری، پست جذبات کو ابھارنے والے اور ایک دوسرے
ی اچھالنے والے اخباروں اور رسالوں کو پسند کرتے ہیں معیاری
اور سنجیدہ پرچے ان کے بگڑے ہوئے ذوق کی تسکین نہیں کرتے اور
، زہر آلود فضا میں گھٹ گھٹ کر دم توڑ دیتے ہیں۔

کتاب و سنت کی نشر و اشاعت کے بلند آہنگ مدعیوں سے
اور تمام علمی و دینی ذوق رکھنے والے مسلمانوں سے عموماً
واست کریں گے کہ وہ "رحیق" کو بچائیں اور اس علمی و دینی مشعل
نے نہ دیں!

نا ندوی کی تشریف آوری

گزشتہ ہفتہ ہندوستان کے ممتاز مصنف اور معروف عالم
م حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی معتمد دار العلوم
لعلماء لکھنؤ میرٹھ تشریف لائے اور دفتر الحرم میں قیام فرمایا۔
بعد نماز عشاء مرکز المساجد میرٹھ میں تبلیغی جماعت کے زیر اہتمام ایک
شاندار جلسہ منعقد ہوا۔ خاکسار مدیر الحرم نے اپنی تعارفی تقریر میں
مولانا اور ان کے خاندان کے [illegible] لوگوں کے علمی و دینی کارناموں پر روشنی
ڈالی اسی ضمن میں اس تاریخی تعلق کا بھی ذکر کیا جب مولانا کے جد امجد
سید صاحب بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا خاکسار کے اجداد کرام
الحاج قاضی حیات بخش اور مولانا قاضی خدا بخش نے ایک مجمع کثیر کے ساتھ
شہر سے باہر نکل کر خیر مقدم کیا تھا اور سارا خاندان شرف بیعت سے
مشرف ہوا تھا۔ بعد ازاں حضرت مولانا نے اپنے مخصوص انداز میں تاریخ
اقوام و ملل پر تبصرہ کرتے ہوئے بتایا کہ "ظہور دعوت اسلام سے قبل
دنیا کی مختلف قومیں تہذیب و تمدن کے ظاہری طمطراق میں کچھ کم نہ تھیں۔
اسلام کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ان کو انسانیت و اخلاق کا سرمایہ دیا۔
مسلمان آج بھی اس متاع گم کردہ کو حاصل کر کے دنیا کے ہر حصہ میں عزت
و عظمت کا مقام حاصل کر سکتے ہیں"۔

مولانا کی تقریر بڑی مدلل موثر اور ولولہ انگیز تھی اور شہر کا تعلیم یافتہ
طبقہ خصوصیت کے ساتھ اس سے بہت محظوظ ہوا۔

دوسرے روز صبح مدیر الحرم نے حضرت مولانا کے اعزاز میں چائے
کی دعوت دی جس میں مقامی دینی کارکن، عمائد اور حکام شریک ہوئے
اور مولانا سے مسائل علمیہ پر گفتگو کی۔

دوسرے روز دوپہر کی گاڑی سے حضرت مولانا مراجعت فرمائے سہارنپور
ہوئے۔ اسٹیشن پر رخصت کے وقت خاکسار نے سخت گرمی کے موسم میں
تکلیف فرمائی کا شکریہ ادا کیا تو آپ نے فرمایا "میرے لئے یہ بہت کافی ہے کہ آپ خوش ہو گئے"۔
مولانا کے ان مخلصانہ جذبات سے خاکسار بہت متاثر ہے اور آپ کی
عنایات کو رسمی شکریہ سے بالا سمجھتا ہے۔
الحرم کی تبلیغ کیلئے مولانا سے مشورہ لیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ الحرم کو زیادہ
سے زیادہ تبلیغ دعوت اسلام کا مقصد پیش نظر رکھنا چاہیے اور مسلمانوں کے
باہمی اختلافی مسائل میں الجھنے سے گریز کرنا چاہیے۔ مولانا کے گراں قدر
مشورہ پر انشاء اللہ تعالیٰ عمل کیا جائے گا۔

مدیر ★

احادیثِ قدسیہ

(مُسلسل)

(۴۹)

اِنِّی لَاَھُمُّ بِاَھْلِ الْاَرْضِ عَذَابًا فَاِذَا نَظَرْتُ اِلٰی عُمَّارِ بُیُوْتِی
الْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ صَرَفْتُ عَذَابِیْ عَنْھُمْ۔ رواہ البیھقی عن انس۔

فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے :-

میں اہلِ زمین پر عذاب نازل کرنے کا ارادہ کرتا ہوں مگر جب اپنے گھروں (مسجدوں) کے آباد کرنے والوں اور صبح کے وقت گناہوں سے معافی مانگنے والوں پر نظر ڈالتا ہوں تو اُن (اہلِ زمین) سے اپنا عذاب پھیر دیتا ہوں۔

روایت کیا اسے بیہقی نے حضرت انس رضی سے۔

تشریح :- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نیک بندوں کے طفیل بدوں کو بھی اپنے رحم وکرم سے نوازتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نیک ساتھی اور بُرے ساتھی کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص مُشک لئے ہوا اور ایک بھٹی دھونک رہا ہو۔ سو وہ مشک والا تو تجھ کو دیدے گا اور (اگر نہ دیا تو) اس سے تجھ کو خوشبو ہی پہنچ جائے گی۔ اور وہ بھٹی دھونکنے والا تیرے کپڑوں کو جلا دے گا اور یا اگر چنگاری سے بچ بھی گیا تو اس کی بدبو تجھ تک پہنچ جائے گی۔ (ترغیب)

مراد یہ ہے کہ اچھے ماحول میں رہنے کے اچھے اثرات اور بُرے ماحول میں رہنے کے بُرے اثرات مرتب ہوتے ہی ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے نیک بندے یا تو اپنے ساتھیوں کو نیک بنا ہی لیتے ہیں ورنہ کم از کم ان کو اس دنیا میں عذاب الٰہی کی پکڑ سے بچا لیتے ہیں۔ آخرت میں بھی، بشرطیکہ وہ مومن ہوں ان کی شفاعت سے عذاب سے چھٹکارا پا سکتے ہیں۔

اس کے برعکس، بدکار اور بدکردار لوگ نیک لوگوں کو بھی بعض اوقات سیدھے راستہ سے ڈگمگا دیتے ہیں اور اپنا ہی جیسا بنا لیتے ہیں۔ اور اگر وہ ان کا اثر قبول نہ بھی کریں تو بھی اس دنیا میں بدکاروں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے تو وہ بھی اس کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔ اگرچہ آخرت میں ہر ایک کا معاملہ الگ الگ ہوگا۔

(۵۰) اِنِّی لَاَسْتَحْیِیْ مِنْ عَبْدِیْ وَاَمَتِیْ یَشِیْبَانِ فِی الْاِسْلَامِ فَتَشِیْبُ لِحْیَۃُ عَبْدِیْ وَرَاْسُ اَمَتِیْ فِی الْاِسْلَامِ اُعَذِّبُھُمَا فِی النَّارِ بَعْدَ ذٰلِکَ

رواہ ابو یعلیٰ عنہ۔

فرمایا باری تعالیٰ عز اسمہ نے :-

مجھے اپنے اس بندہ اور بندی سے جو اسلام کی حالت میں بوڑھے ہو جاتے ہیں کہ میرے بندہ کی داڑھی اور بندی کا سر سپید ہو جائے، شرم آتی ہے کہ میں اس کے بعد ان کو دوزخ کا عذاب دوں۔ روایت کیا اسے ابو یعلیٰ نے حضرت انس سے۔

تشریح :- مراد یہ ہے کہ اللہ کے جو نیک بندے ساری عمر اسلام پر قائم رہ کر گزار دیں اور اسلام کے بنیادی تقاضوں کو نظر انداز نہ کریں، کبیرہ گناہوں سے ہر حال میں بچتے رہیں تو اللہ تعالےٰ اپنے فضل وکرم سے ان کے چھوٹے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور ان کو عذاب جہنم سے محفوظ رکھے گا۔ حدیث مذکورہ میں "الاسلام" کو اپنے عموم پر رکھ کر یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے مسلمان بوڑھے بندے اور بندی کو عذاب دیتے ہوئے شرماتا ہے۔ اور اس میں موعظت کا یہ پہلو نکلتا ہے کہ جب اللہ تعالےٰ بوڑھے مسلمان کو اس کے بڑھاپے کی وجہ سے عذاب دیتے ہوئے شرماتا ہے تو اس بوڑھے کو بھی اپنے بڑھاپے کی لاج رکھنی چاہئے اور اس دنیا کی زندگی میں جب وہ موت کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکا ہے اللہ تعالےٰ کی نافرمانی سے بچنا چاہئے۔ بعض محدثین نے اسی مضمون کی ایک دوسری ضعیف حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ اضافہ ہے:-

ثُمَّ بَکٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا یُبْکِیْکَ
قَالَ اَبْکِیْ مِمَّنْ یَسْتَحْیِی اللّٰہُ مِنْہُ وَلَا یَسْتَحْیِیْ مِنَ اللّٰہِ

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے۔ صحابہ نے عرض کیا

یارسول اللہ آپ کیوں روئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں اس شخص کی حالت پر روتا ہوں جس سے اللہ تعالیٰ کو شرم آتی ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ سے شرم نہیں آتی۔

(۱۵) اِنِّیْ لَسْتُ عَلٰی کُلِّ کَلَامِ الْحَکِیْمِ اَقْبَلُ وَلٰکِنْ اَقْبَلُ عَلٰی هَمِّہٖ وَهَوَاہُ فِیْمَا یُحِبُّ اللّٰہُ وَیَرْضٰی۔ جَعَلْتُ حِکْمَتَہٗ حَمْداً لِّیْ وَوَقَاراً وَاِنْ لَّمْ یَتَکَلَّمْ رواہ ابن النجار عن المھاجر بن حبیب۔

فرمایا خداوند جل وعلیٰ نے:۔

میں مرد دانشمند کی ہر بات کو قابل توجہ نہیں سمجھتا، البتہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور محبوب باتوں میں غور و فکر کرتا ہے اور اپنا مقصود اور مطلوب انہیں بناتا ہے تو میں اسطرف توجہ کرتا ہوں۔ میں اسکی دانشمندی کو اللہ تعالیٰ کی حمد قرار دیدیتا ہوں اور اس کی عزت و وقار کا ذریعہ بناتا ہوں۔ خواہ وہ زبان سے نہ بولے۔ روایت کیا اسے ابن نجار نے مہاجر بن حبیب سے۔

تشریح:۔ "حکیم" کہتے ہیں اس شخص کو جو ہر کام کو پختگی اور عمدگی کے ساتھ تکمیل تک پہنچائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حکیم وہ ہے جو افضل اشیاء کی افضل علوم کے ذریعہ معرفت حاصل کرے۔ (نہایہ لابن اثیر)

اصطلاح کی زبان میں حکیم کا ترجمہ، دانشور، عقلمند اور فلسفی کیا جا سکتا ہے۔ اور اس جگہ یہی مراد ہے۔ فلاسفر و حکماء اپنی عقل کی روشنی میں مصالح قوم پر غور و فکر کرتے ہیں۔ مگر ان کی نگاہ بالعموم دینوی سود بہبود کے حدود سے باہر نہیں جاتی۔ ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ قوم دینوی ترقیوں کے لحاظ سے معراج کمال کو پہنچے۔ دوسری تمام قوم ان کی غلامی کا قلادہ اپنے گردن میں ڈالے ہوں۔ اور ان کی اپنی قوم آقائی اور فرمارداَئی کے تخت پر جلوہ افروز ہو۔

تاہم بعض حکماء وہ بھی ہیں جو ملکی و قومی مسائل کو وحی الٰہی کی روشنی میں حل کرتے ہیں۔ فلاح آخرت کو وہ اصل ترقی و کامیابی سمجھتے اور رضائے الٰہی کو اپنا اور اپنی قوم کا مقصود و مطلوب قرار دیتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں انکی کوشش و کاوش بڑی قدر و قیمت رکھتی ہے۔ اگرچہ ان کی زبان خاموش ہوتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اس خاموشی کو تسبیح و تحمید کا درجہ عطا فرماتا ہے۔ اور اپنی بارگاہ میں ان کے درجات بلند فرماتا ہے۔ اور مخلوق کی نگاہ میں بھی ان کی عزت و مقبولیت بڑھاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اصل حکیم یہی ہیں۔

مدیر ★

مکتوب حضرت مجدّد سرہندیؒ

(۲۸۲)

حضرت خضر و الیاس علیہما السلام سے ملاقات

امام ربانی مجدد الف ثانی، حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مکتوب شریعت وطریقت کے حقائق اور حقیقت ومعرفت کے دقائق کا خزینہ ہیں۔ جملہ فرق اسلامیہ کے اہل فضل وکمال حضرت مجدد صاحب کی علمی وعملی عظمت کے سامنے سرنگوں ہیں۔ حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی حضرت مجدد صاحب سے نسبت کو اپنے لئے سرمایہ سعادت سمجھتے ہیں۔ حضرت مجدد صاحب کے مکتوب کی اس اہمیت کے پیش نظر، الحرم کے ابتدائی دور میں حضرت مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی مرحوم کے قلم سے انکا اردو ترجمہ شائع کرنیکا التزام کیا گیا تھا۔ افسوس کہ مولانا مرحوم کی وفات کے بعد وہ سلسلہ بند ہو گیا۔ اس کمی کا خود بھی احساس تھا اور متعدد ناظرین کرام نے بھی توجہ دلائی۔ الحمد للہ اس اشاعت سے اس سلسلہ کو دوبارہ شروع کیا جا رہا ہے۔ امید کہ ناظرین کرام پسند فرمائیں گے۔ (مدیر)

میاں شیخ بدیع الدین کے نام صادر ہوا حضرت الیاس اور حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات اور انکے کچھ حالات کے بارہ میں۔

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ دوست ایک عرصہ سے حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ کے حالات پوچھ رہے تھے۔ چونکہ فقیر کو انکے حالات کی کما ینبغی اطلاع نہ دی گئی تھی۔ اسلئے جواب میں توقف کرتا تھا۔ اتفاقاً آج صبح کے حلقہ میں دیکھتا ہوں کہ حضرت الیاس وحضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہما الصلوات والتسلیمات روحانی مخلوق کی صورت میں حاضر ہوئے۔ اور بطور افادہ روحانی کے حضرت خضر نے فرمایا کہ "ہم عالم ارواح سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے ہماری روحوں کو پوری قدرت عطا فرمائی ہے کہ جو کام جسموں سے صادر ہوتے ہیں ہم حرکات وسکنات جسمانی اور طاعات وعبادات بدنی، بصورت اجسام متشکل ہونیکے بعد وہ ہماری روحوں سے صادر ہوں۔"

اس دوران میں پوچھا گیا کہ "کیا آپ نماز امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے مطابق ادا فرماتے ہیں؟" انھوں نے جواب دیا کہ "ہم احکام شریعت کے مکلف نہیں ہیں۔ چونکہ قطب مدار کی مہمات کو ہم سے متعلق کیا گیا ہے اور قطب مدار امام شافعیؒ کے مذہب پر ہیں۔ ہم بھی انکے پیچھے امام شافعی کے مذہب کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں۔" اسوقت معلوم ہوا کہ انکی عبادات پر جزا مرتب نہیں ہوتی۔ عبادات کی ادائیگی میں اہل طاعت (مکلفین) کی موافقت کرتے ہیں اور عبادت کی ظاہری صورت کا لحاظ رکھتے ہیں۔

نیز یہ معلوم ہوا کہ کمالات ولایت کو فقہ شافعی کیساتھ موافقت ہے اور کمالات نبوت کو فقہ حنفی کے ساتھ مناسبت۔ اگر بفرض محال اس اُمت میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا تو وہ بھی فقہ حنفی کے مطابق عمل کرتا۔ اور اسوقت حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ کے ارشاد کی حقیقت معلوم ہوئی جسے "فصول ستہ" میں نقل کیا گیا ہے کہ "حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان سے نزول کے بعد امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کے مطابق عمل کریں گے۔"

ان بزرگوں سے ملاقات کے وقت دل میں خیال آیا کہ ان سے کچھ حاصل کیا جائے۔ انھوں نے فرمایا کہ "عنایت خداوندی جس کسی کے شامل حال ہو ہمارا اسکے معاملات میں کیا دخل ہو سکتا ہے۔" گویا اپنے آپکو درمیان سے علیحدہ کر لیا (اور خود واسطہ بننا پسند نہ فرمایا)

حضرت الیاس علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اس گفتگو میں بالکل خاموش رہے۔ والسلام،

(مکتوبات امام ربانی حصہ پنجم دفتر اول صفحہ ۱۸۳ مطبوعہ مطبع مجددی امرتسر)

آئینۂ خلد

ڈاکٹر وارث القادری بانسرہ

جس کو عشقِ رسولؐ مکرم نہیں — اور ہی کچھ ہے وہ ابن آدم نہیں
کس پہ فیضانِ شاہؐ دوعالم نہیں — آستانہ پہ کس کی جبیں خم نہیں
ہے بس آقا کو آواز دینے کی دیر — مجھ کو اس بے کسی کا کوئی غم نہیں
زندگی ہے الٰہی کہ کوئی عذاب — قلب سوزاں نہیں چشم پُرنم نہیں
ہاں خدا کی قسم مومنوں کیلئے — اور کیا ہے جو دُنیا "جہنم" نہیں
اتحاد و اخوت کے بانی تھے ہم — اب ہمیں متحد و منظم نہیں
ہے زمینِ حرم خلد کا آئینہ — حوضِ کوثر ہے یہ چاہ زمزم نہیں
کیا ہوئیں ساری شمعیں اندھیرا ہے کیوں — آج پر کیف کیوں بزم عالم نہیں

آپ روحِ رواں ہی سمجھئے ہمیں
ہم جو وارث نہیں امنِ عالم نہیں

فردوسِ تخیّل

حیرت بستوی ایچ۔ٹی۔سی۔ وشارد

زہے یہ زباں اور ان کی ثنا ہے — حیات آفریں جن کی اک اک ادا ہے
محمدؐ کا جب ذکر ہوتا ہے ہمدم — زمیں کیا ہے سارا جہاں جھومتا ہے
پتنگوں کو شمعوں کی بلبل کو گل کی — مجھے الفتِ احمدؐ مجتبےٰ ہے
ہے فردوسِ تخیّل ذکر محمدؐ — درود و ثنا رحمتوں کی گھٹا ہے
کروڑوں درود و سلام اس نبی پر — جو محبوب حق خاتم الانبیاء ہے
محمد سا رہبر زمانے میں کوئی — نہ ہوگا کبھی اور نہ اب تک ہوا ہے
"من یطع الرسول فقد" سے عیاں ہے — مطیع محمدؐ مطیع خدا ہے
جہاں تک نہ جبریل کا پر بھی پہنچا — وہ فخرِ دوعالم وہاں تک گیا ہے
ٹھہر جا ٹھہر جا اے کیفِ تصوّر — کہ یہ نعت نعتِ حبیبِ خدا ہے

قلم کیا لکھے ان کی توصیف حیرت
حبیبِ خدا بس حبیبِ خدا ہے

★ الحاج قاضی محمد احمد کاظمی (سابق ممبر پارلیمنٹ) ایڈوکیٹ الہ آباد ہائیکورٹ

کیا تلوار سے مذہب کی اشاعت ہو سکتی ہے؟

(زیر اشاعت سیرت نبوی کی ایک فصل)

مذہب عقائد کا نام ہے۔ اور تلوار جسمانی قوت کا مظاہرہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا جسمانی قوت سے خیالات میں تبدیلی کی جا سکتی ہے بمکہ کی اسلام کی جدو جہد اسکی بہت اچھی مثال ہے۔ اگر اسکو اس نظر سے دیکھا جائے کہ قریش تلوار کی امداد سے اپنے سابقہ مذہب کو قائم رکھنا چاہتے تھے یعنی اس نئی تحریک کو جو انکے پورانے مذہب کے خلاف تھی تلوار کی قوت سے دبانا ہی نہیں بلکہ اسکو مٹا دینا چاہتے تھے اور انھوں نے اسکا تجربہ بہت بڑے پیمانہ پر کیا۔ مکہ معظمہ میں رسول کریمؐ کی نبوت کا زمانہ تیرہ سال رہا۔ جس میں تین سال تو انھوں نے چپکے چپکے اشاعت اسلام کا کام کیا۔ اور دس برس کھل کر اس کام کو کیا۔ اس دس سال کے عرصہ میں مکہ میں کیا ہوا۔ اسکی تاریخ ایک کھلا ہوا ورق ہے۔ اس میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ زمانہ مابعد کی اسلام کی ترقی کے باعث دوسری اقوام بالخصوص مغربی اور عیسائی اقوام نے اسکا بہت گہرا مطالعہ کیا ہے۔ اس کی تاریخ کا ورق ورق گردانا ہے اسکا ایک ایک لفظ پڑھا ہے۔ نیک نیتی سے بھی اور نکتہ چینی کے خیال سے بھی اور اس مطالعہ کا نتیجہ یہ ہی نکلا ہے کہ اس دس سال کے عرصہ میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ جس میں مسلمانوں نے سختی اور مظالم کو تحمل کے ساتھ برداشت نہ کیا ہو اور اپنے مخالف کے خلاف ہاتھ اٹھایا ہو۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہر وہ شخص خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم جو دنیا میں کسی مذہب یا اچھے خیالات کی تبلیغ کرنا چاہتا ہو وہ اصلی اور واقعی تبلیغ کے اصولوں سے واقف ہو جاوے۔ اسلئے کہ دنیا کی فلاح و بہبود۔ اخلاق پر مبنی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سیاست یعنی ملک کا انتظام اور امن و امان انسانی ترقی کے لئے ضروری ہے۔ لیکن اخلاق کی بھی اس سے کم ضرورت نہیں ہے۔ اور سیاست۔ اخلاق نہیں سکھا سکتی۔ اسکے لئے دوسری جماعتوں کی ضرورت ہے۔ کہ جو اخلاق اور مذہب کی تبلیغ کرنے میں مصروف ہوں۔ جیسا کہ سیاست. مذہب اور اخلاق آجکل کے دور میں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ اسی طرح انکی تبلیغ کے طریقے بھی جداگانہ ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ دنیا میں ایک کامیاب مبلغ ثابت ہوئے۔ اسوجہ سے ہر مبلغ کے لئے خواہ کسی مذہب کا بھی کیوں نہ ہو انکی زندگی کا مطالعہ کرنا بہت مفید ثابت ہوگا۔ اسوجہ سے کہ جو کچھ اختلافات مذاہب بھی معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق خیالات سے ہے مگر ان کے دنیا میں پھیلانے اور تبلیغ کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔

اس مقام پر ہم کو اس عام خیال کا رفع کرنا مقصود نہیں ہے کہ اسلام دنیا میں تلوار سے پھیلا۔ اسکے متعلق تفصیلی طور پر واقعات کا تجزیہ کر کے ناظرین کے سامنے آگے چل کر پیش کرینگے۔ تاکہ وہ خود انکو دیکھ کر اپنی رائے قائم کر سکیں اور ہماری رائے کی تصدیق کر سکیں۔ علاوہ ازیں دوسری بات یہ بھی ہے کہ خواہ اسلام تلوار سے پھیلا ہو یا تلوار سے نہ پھیلا ہو یہ ایک انفرادی واقعہ ہے اصولی نہیں ہے۔ ہم کو تو اس اصول کو دیکھنا ہے کہ کیا کوئی مذہب بھی تلوار کے ذریعہ سے پھیلایا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس میں استثنا بھی ہوں۔ اور اسلئے ہم کو انفرادی طور پر سب مذہبی تحریکات کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔ اور اس سلسلہ میں ہم کو دو سوالوں کا جواب دینا ہوگا۔

پہلا سوال تو یہ ہے کہ آیا نیک خیالات کی۔ اور مذہب کی تبلیغ قوت اور تلوار سے کرنا مناسب ہے یا نہیں؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ آیا، مذہب کو قوت اور تلوار سے پھیلانے میں کامیابی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

یہ دونوں سوال بالکل جداگانہ ہیں۔ پہلا سوال اصولی ہے اسکا جواب اصول سے دیا جا سکتا ہے۔ دوسرا سوال عملی ہے اسکا جواب عمل کی روشنی میں بھی دیا جا سکتا ہے۔ ہم ان دونوں سوالوں کو علیحدہ علیحدہ لیتے ہیں۔

پہلا سوال:- پہلے سوال کے بارے میں ہم ناظرین کی توجہ اس امر کی طرف منعطف کرتے ہیں کہ یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ جب کوئی سلطنت قائم ہو جاتی ہے خواہ وہ کیسے ہی نامناسب اور غاصبانہ طریقوں سے ہی کیوں نہ

قائم ہوئی ہو لیکن وہ قائم ہونے کے فوراً بعد۔ ملک میں امن وامان پھیلانے اور لوگوں کے اخلاق درست کرنے کی کوشش کرتی ہے چوروں اور ڈاکوؤں کو سزائیں دیتی ہے۔ رعایا کے حقوق کی نگہداشت کے لئے عدالتیں قائم کرتی ہے۔ مستغیثوں کے استغاثے سنتی ہے۔ زیادتی کرنے والوں کو سزائیں دیتی ہے اور اسطرح برائی قوت کے استعمال سے ملک میں انصاف پھیلانا اور امن پیدا کرنا چاہتی ہے۔ تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر نیکی اور بھلائی کو جسمانی قوت اثر اور دباؤ سے پھیلایا جاوے تو کیا حرج ہے۔ کیا سوویٹ رُوس نے اس دباؤ اور زبردستی سے ایک حد درجہ کے گرے ہوئے اور تباہ شدہ ملک کو ۴۰ سال کے اندر بدل نہیں دیا۔ اور اتنی قلیل مدت میں ایسی ترقی نہیں دی کہ جسکا حصول صدیوں میں بھی مشکل تھا۔ کیا انسان کی فلاح بہبود کے خیال سے سوویٹ روس کی تحریک کو خلاف انسانیت کہا جاسکتا ہے۔ اسکا جواب باوجود چند باقی تاثرات کے خلاف ہونے کے ہم نفی میں دینے کے لئے اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ دوسرے لوگوں کی کچھ اور رائے ہو۔ لہٰذا پہلے سوال کا جواب جو ہم دے سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ نیک خیالات کی تبلیغ۔ قوت اور تلوار سے کرنے کو بذاتہ کوئی برا عمل نہیں کہا جاسکتا۔

دوسرا سوال :۔ اب دوسرا سوال رہجاتا ہے کہ آیا مذہب کو قوت اور تلوار سے پھیلانے میں کامیابی ہوسکتی ہے یا نہیں۔ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے ہم کو ہیئی۔ مذہب اور دوسرے خیالات اور اعمال کا فرق جاننے کی ضرورت ہے۔ ایک تو وہ چیزیں ہیں کہ جن کو تمام دنیا اپنے ہزارہا برس کے تجربہ سے یا خدائی احکامات کے ماتحت برا سمجھتی ہے۔ مثلاً چوری۔ ڈاکہ۔ زنا۔ قتل و غارت وغیرہ اور دوسرے وہ خیالات اور اعمال ہیں جو دُنیا کے پیدا کرنے والے کے وجود آئندہ نجات کے تخیل عبادات اور اسکے طریقوں اور اصولوں سے متعلق ہیں اور جن کو مذہب کہتے ہیں۔

اول الذکر برائیوں کے رفع کرنے میں تو قوت کا استعمال کارگر ہوتا ہے۔ لیکن آخر الذکر چیزوں میں جن کی بنیاد، خیالات، فلسفہ اور منطق سے ہی ہوسکتی ہے۔ تلوار اور قوت کے استعمال سے ان میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ مثلاً مذہبی نقطہ خیال سے اس سوویٹ رُوس کی تحریک کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود ہر قسم کے ظلم و تعدی کے روس میں بھی مذاہب کی بنیادیں مٹائی نہ جاسکیں۔ اور اب وہ پھر سے ابھری ہوتی جارہی ہیں۔ مالی فلاح و بہبود کے لئے لوگوں نے اپنی مفلسی اور بدحالی میں سوویٹ روس کے مذہبی نقطہ نگاہ کو مان بھی لیا ہو تو یہ محض عارضی چیز تھی۔ دُنیادی قوت کے اثر سے ہر چیز بدلی جاسکتی ہے۔ لیکن تخیل اور مذہبی تخیل کے بدلنے کا کوئی امکان نہیں۔

یہ تو پہلے زمانہ کی باتیں تھیں لیکن آج تو یہ حال ہے کہ دُنیا کی بڑی بڑی حکومتیں اسکا کھلا اعلان کررہی ہیں کہ حکومت بھی تلوار کے ذریعہ پھیلانا جائز نہیں ہے۔ اقوام عالم نے ایک جماعت یو۔ این۔ او۔ (U·N·O) اسی نقطہ نظر سے قائم کی ہے۔ لیکن ہم میں سے ہر ایک آج اس کو محض ایک ڈھکوسلا سمجھتا ہے۔ اور خیال یہ ہے کہ یہ جماعتیں اندر اندر طاقت بڑھا رہی ہیں۔ اور اس طاقت کے ذریعہ سے دُنیا کو اپنے تحت میں لانے کی فکر میں ہیں۔ اور جو چیزیں آج ہماری آنکھوں کے سامنے سے گذر رہی ہیں۔ ان سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بات ایک حد تک صحیح بھی ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر واقعی طاقت سے ہی سلطنت اور حکومت حاصل کی جاسکتی ہے تو آخر اس ڈھکوسلے کے بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس سوال کا جواب جو ہمارے ذہن میں ہے وہ یہ ہے کہ آج بڑی سے بڑی سلطنت اور قوت کو بھی اس امر کا احساس ہوگیا ہے کہ جبتک عوام کی ہمدردی اسکے ساتھ نہ ہو۔ جب تک اسکے خیالات اسکی تائید میں نہ ہوں۔ ان مقاصد میں بھی اس کو کامیابی نہیں ہوسکتی۔ بالفاظ دیگر آج دنیا کو اس امر کا احساس ہوگیا ہے کہ محض تلوار کے زور سے دُنیا کے سیاسی خیالات میں بھی تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ اسکے لئے پروپیگنڈے کی ضرورت ہے۔ اور مذہب تو اسکا تجربہ صدیوں پہلے کرچکا ہے۔ دُنیا کے ہر قسم کے مظالم جھیلنے کے باوجود دُنیا میں آج یہودی موجود ہیں۔ اب حال میں اس مہذب زمانے میں ہٹلر (HITLER) نے یہودیوں کو جرمنی سے نکال دیا تو وہ مٹ نہیں گئے۔ روس کا زبردست انقلاب جب ہوا تو اسکے بڑے لیڈر اکثر غیر یہودی تھے۔ لیکن وہ بھی یہودیت کو مٹا نہ سکے۔ بودھ مذہب کے ساتھ آٹھویں صدی میں ہندوستان میں جو زیادتیاں کی گئیں ان سے بودھ مت ختم نہیں ہوگیا۔ آج انکی دُنیا کی مردم شماری کل ہندوستان کی آبادی سے زیادہ ہے۔ باہر نکل کر انکے اصولوں نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی۔ پندرھویں، سولھویں

صدی عیسوی میں پادریوں اور پوپوں نے رومن کیتھولک مذہب قائم رکھنے اور پروٹسٹنٹ مذہب کے پودے کو کچلنے میں کونسی قوت تھی جسکو استعمال نہ کیا ہو لیکن وہ سب بے اثر ثابت ہوئیں۔

مکہ میں مسلمانوں کے ساتھ اگر یہ زیادتیاں نہ کی جاتیں تو شاید مذہب اسلام ٹھٹھر کر رہ جاتا غرضیکہ مذہبی معاملات میں ظلم و ستم، جبر و تشدد دنیا کی تاریخ میں کہیں کامیاب نہیں ہوا۔ مکہ کی مثال ایک کھلی ہوئی مثال ہے۔ مکہ میں مسلمانوں کی قریش کے مقابلہ میں آجکل کے تخیل کے اعتبار سے ستیہ گرہ بھی نہ تھی اس لئے کہ ستیہ گرہ بالعموم جب ہی کامیاب ہوتی ہے کہ جب اکثریت مسلح اقلیت کے مقابلہ میں عدم تشدد کے اصول پر مقابلہ کرے۔ لیکن مکہ کی جد و جہد ایک اقلیت ایک چھوٹی اقلیت۔ ایک غریبوں اور غلاموں کی اقلیت کی مسلح ذی عزت ذی وقار دولتمند لوگوں کی اکثریت کے خلاف تھی اور تلوار وہاں بھی عقاید کو دبانے اور بدلنے میں کامیاب نہ ہوئی۔ آج سے صدیوں پہلے دنیا کو اس امر کا تجربہ ہو چکا ہے۔ کہ مذہبی تخیل انسانی تخیل۔ خیالات کی تبلیغ سے ہی بدل سکتا ہے۔ تلوار سے نہیں بدلتا۔ ایسے مواقع پر قوت کا استعمال خود اس مقصد کو ختم کر دیتا ہے اسلئے دوسرے سوال کا ہمارا جواب یہ ہے کہ مذہب کو قوت یا تلوار سے پھیلانے میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اسکا نتیجہ الٹا نکلتا ہے اور اس بارہ میں قرآن کریم کی بتلائی ہوئی راہ عمل کہ لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْن (سورۃ بقرہ رکوع ۳۴) دین میں کوئی زبردستی نہیں ہونی چاہیئے۔ بہترین راہ عمل ہے اور اس نظر سے مکہ کی مسلمانوں کی جد و جہد قریش کے مظالم کے خلاف ایک نہایت عمدہ مثال ہے۔ اس موقعہ پر ہم نے اپنے ان خیالات کو اس وجہ سے ظاہر کیا ہے کہ آئندہ اس روشنی میں یہ جد و جہد دیکھی جا سکے۔

...ائم ہوتی ہو لیکن وہ قائم ہونے کے فوراً بعد. ملک میں امن واماں پھیلانے اور لوگوں کے اخلاق درست کرنے کی کوشش کرتی ہے چوروں اور ڈاکوؤں کو سزائیں دیتی ہے. رعایا کے حقوق کی نگہداشت کے لئے عدالتیں قائم کرتی ہے. ستغیثوں کے استغاثے سنتی ہے. زیادتی کرنے والوں کو سزائیں دیتی ہے ورا سطرح پر اپنی قوت کے استعمال سے ملک میں انصاف پھیلانا اور امن پیدا کرنا چاہتی ہے. تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر نیکی اور بھلائی کو جسمانی قوت اثر اور دباؤ سے پھیلا یا جاوے تو کیا حرج ہے. کیا سوویٹ رُوس نے اس دباؤ اور زبردستی سے ایک حد درجہ کے گرے ہوئے اور تباہ شدہ ملک کو ۴۰ سال کے اندر بدل نہیں دیا. اور اتنی قلیل مدت میں ایسی ترقی نہیں دی کہ جسکا حصول صدیوں میں بھی مشکل تھا. کیا انسان کی فلاح بہبود کے خیال سے سوویٹ روس کی تحریک کو خلاف انسانیت کہا جاسکتا ہے. اسکا جواب باوجود جذباتی تاثرات کے خلاف ہونے کے ہم نفی میں دینے کے لئے اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں. ممکن ہے کہ دوسرے لوگوں کی کچھ اور رائے ہو. لہذا پہلے سوال کا جواب جو ہم دے سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ نیک خیالات کی تبلیغ. قوت اور تلوار سے کرنے کو بذاتہ کوئی برا عمل نہیں کہا جاسکتا.

دوسرا سوال :- اب دوسرا سوال رہجاتا ہے کہ آیا مذہب وقوت اور تلوار سے پھیلانے میں کامیابی ہوسکتی ہے یا نہیں. اس سوال کا جواب دینے سے پہلے ہم کو نیکی. مذہب اور دوسرے خیالات اور اعمال کا فرق جاننے کی ضرورت ہے. ایک تو وہ چیزیں ہیں کہ جن کو تمام دنیا اپنے ہزارہا برس کے تجربہ سے یا خدائی احکامات کے ماتحت برا سمجھتی ہے. مثلاً چوری. ڈاکہ. زنا. قتل وغارت وغیرہ اور دوسرے وہ خیالات اور اعمال ہیں جو دنیا کے پیدا کرنے والے کے وجود آئندہ نجات کے تخیل عبادات اور اسکے طریقوں اور اصولوں سے متعلق ہیں اور جن کو مذہب کہتے ہیں.

اول الذکر برائیوں کے رفع کرنے میں تو قوت کا استعمال کارگر ہوتا ہے. لیکن آخر الذکر چیزوں میں جن کی بنیاد، خیالات، فلسفہ اور منطق سے ہی ہوسکتی ہے. تلوار اور قوت کے استعمال سے ان میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی. مثلاً مذہبی نقطہ خیال سے اس سوویٹ رُوس کی تحریک کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود ہر قسم کے ظلم وتعدی کے روس میں بھی مذاہب کی بنیادیں مٹائی نہ جاسکیں. اور اب وہ پھر ہری بھری ہوتی جارہی ہیں. مالی فلاح وبہبود کے لئے لوگوں نے اپنی مفلسی اور بدحالی میں سوویٹ روس کے مذہبی نقطہ نگاہ کو مان بھی لیا ہو تو یہ محض عارضی چیز تھی. دُنیاوی قوت کے اثر سے ہر چیز بدلی جاسکتی ہے. لیکن تخیل اور مذہبی تخیل کے بدلنے کا کوئی امکان نہیں.

یہ تو پہلے زمانہ کی باتیں تھیں لیکن آج تو یہ حال ہے کہ دُنیا کی بڑی بڑی حکومتیں اسکا کھلا اعلان کررہی ہیں کہ حکومت بھی تلوار کے ذریعہ پھیلانا جائز نہیں ہے. اقوام عالم نے ایک جماعت یو. این. او. (U.N.O) اسی نقطہ نظر سے قائم کی ہے. لیکن ہم میں سے ہر ایک آج اس کو محض ایک ڈھکوسلا سمجھتا ہے. اور خیال یہ ہے کہ یہ جماعتیں اندر اندر طاقت بڑھارہی ہیں. اور اس طاقت کے ذریعہ سے دُنیا کو اپنے تحت میں لانے کی فکر میں ہیں. اور جو چیزیں آج ہماری آنکھوں کے سامنے سے گذر رہی ہیں. ان سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بات ایک حد تک صحیح بھی ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے. کہ اگر واقعی طاقت سے ہی سلطنت اور حکومت حاصل کی جاسکتی ہے تو آخر اس ڈھکوسلے کے بنانے کی کیا ضرورت ہے. اس سوال کا جواب جو ہمارے ذہن میں ہے وہ یہ ہے کہ آج بڑی سے بڑی سلطنت اور قوت کو بھی اس امر کا احساس ہوگیا ہے کہ جبتک عوام کی ہمدردی اسکے ساتھ نہ ہو. جب تک اسکے خیالات اسکی تائید میں نہ ہوں. ان مقاصد میں بھی اس کو کامیابی نہیں ہوسکتی، بالفاظ دیگر آج دنیا کو اس امر کا احساس ہوگیا ہے کہ محض تلوار کے زور سے دُنیا کے سیاسی خیالات میں بھی تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ اسکے لئے پروپیگنڈے کی ضرورت ہے. اور مذہب تو اسکا تجربہ صدیوں پہلے کرچکا ہے. دُنیا کے ہر قسم کے مظالم جھیلنے کے باوجود دُنیا میں آج یہودی موجود ہیں. اب حال میں اس مہذب زمانے میں ہٹلر (HITLER) نے یہودیوں کو جرمنی سے نکال دیا تو وہ مٹ نہیں گئے. روس کا زبردست انقلاب جب ہوا تو اسکے بڑے لیڈر اکثر غیر یہودی تھے. لیکن وہ بھی یہودیت کو مٹا نہ سکے. بودھ مذہب کے ساتھ آٹھویں صدی میں ہندوستان میں جو زیادتیاں کی گئیں ان سے بودھ مت ختم نہیں ہوگیا. آج انکی دُنیا کی مردم شماری کل ہندوستان کی آبادی سے زیادہ ہے. باہر نکل کر اسکے اصولوں نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی. پندرھویں، سولھویں

صدی عیسوی میں پادریوں اور پوپوں نے رومن کیتھولک مذہب قائم رکھنے اور پروٹسنٹ مذہب کے پودے کو کچلنے میں کونسی قوت تھی جسکو استعمال نہ کیا ہو۔ لیکن وہ سب بے اثر ثابت ہوئیں۔

مکہ میں مسلمانوں کے ساتھ اگر یہ زیادتیاں نہ کی جاتیں تو شاید مذہب اسلام ٹھٹر کر رہجاتا غرضیکہ مذہبی معاملات میں ظلم وستم، جبر وتشدد دنیا کی تاریخ میں کہیں کامیاب نہیں ہوا۔ مکہ کی مثال ایک کھلی ہوئی مثال ہے۔ مکہ میں مسلمانوں کی قریش کے مقابلہ میں آجکل کے تخیل کے اعتبار سے ستیہ گرہ بھی نہ تھی اس لئے کہ ستیہ گرہ بالعموم جب ہی کامیاب ہوتی ہے کہ جب اکثریت مسلح اقلیت کے مقابلہ میں عدم تشدد کے اصول پر مقابلہ کرے۔ لیکن مکہ کی جدوجہد ایک اقلیت ایک چھوٹی اقلیت۔ ایک غریبوں اور غلاموں کی اقلیت کی مسلح ذی عزت ذی وقار دولتمند لوگوں کی اکثریت کے خلاف تھی اور تلوار وہاں بھی عقاید کو دبانے اور بدلنے میں کامیاب نہ ہوئی۔ آج سے صدیوں پہلے دنیا کو اس امر کا تجربہ ہو چکا ہے۔ کہ مذہبی تخیل انسانی تخیل خیالات کی تبلیغ سے ہی بدل سکتا ہے۔ تلوار سے نہیں بدلتا۔ ایسے مواقع پر قوت کا استعمال خود اس مقصد کو ختم کر دیتا ہے اسلئے دوسرے سوال کا ہمارا جواب یہ ہے کہ مذہب کو قوت یا تلوار سے پھیلانے میں کامیابی نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اسکا نتیجہ الٹا نکلتا ہے اور اس بارہ میں قرآن کریم کی بتلائی ہوئی راہ عمل کہ لَاۤ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْن (سورۃ بقر رکوع ۳۴) دین میں کوئی زبردستی نہیں ہونی چاہیئے۔ بہترین راہ عمل ہے اور اس نظر سے مکہ کی مسلمانوں کی جدوجہد قریش کے مظالم کے خلاف ایک نہایت عمدہ مثال ہے۔ اس موقعہ پر ہم نے اپنے ان خیالات کو اس وجہ سے ظاہر کیا ہے کہ آئندہ اس روشنی میں یہ جدوجہد دیکھی جاسکے۔

★ ——— مولانا قاری خلیل احمد جامعی ناظم انجمن اشاعت سیرت بمبئ

خُلقِ عظیم

(۴)

جانی دشمنوں سے درگذر: رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی ہمیشہ درگذر سے کام لیا، جو آپ کے خون کے پیاسے اور آپکی جان کے دشمن تھے، ایسے لوگ جب کبھی، آپ کی گرفت میں آئے آپ نے ہمیشہ ان کو معاف فرما دیا حتیٰ کہ کسی قسم کی بازپرس تک نہ کی۔

(۱) ہجرت کی رات، کفار نے یہ طے کر رکھا تھا، کہ آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خاتمہ کر دیا جائے، اسلام کو اپنے راستہ سے ہٹا دینے کی وہ یہ آخری تدبیر کر رہے تھے، اسی لئے بڑے اہتمام سے، قبائل مکہ کے منتخب بہادروں کا ایک دستہ ساری رات، کاشانۂ نبوت کا گھیرا ڈالے رہا، لیکن مشیت الٰہی کچھ اور تھی اور حضورؐ اُن کی گرفت میں نہ آسکے ...... مگر فتح مکہ کے دن، جب ایک ایک سے، اس کی حرکتوں کا بدلہ لینے کا موقع ہاتھ آچکا تھا، دُنیا جانتی ہے، کہ...... صلائے عفو عام...... کے سوا، زبانِ مبارک صلی اللہ علیہ وسلم پر، کوئی دوسرا کلمہ نہ تھا۔

(۲) سُراقہ ابن جعشم...... وہ شخص ہے، جو سو اونٹ کے انعام کے لالچ میں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرنے چلا تھا...... واقعہ یوں ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، جب شب ہجرت صاف بچکر نکل گئے تو کافروں کو بڑا غصہ آیا اور اعلان کیا، کہ:-

"جو محمدؐ کا سر یا زندہ گرفتار کرکے لائیگا، اُسے سو اونٹ انعام میں دیئے جائینگے"۔

سراقہ انعام کے لالچ میں، آنحضرتؐ کی تلاش میں چل پڑا اور آخر آپکو پالیا، چاہتا تھا کہ گھوڑا بڑھا کر گرفتار کرلے، لیکن ایک نہیں کئی بار اُسے ایسے عجائبات کا سامنا کرنا پڑا کہ اُسکے حواس بجا نہ رہے، توبہ کی اور حضور سے درخواست کی کہ "مجھے سند امان لکھ دی جائے"! اور وہ لکھ کر دیدی گئی، سراقہ ابن جعشم، فتح مکہ کے دن، مسلمان ہوکر، حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے، حضورؐ نے، اِس حرکت کے بارے میں، کبھی اُن سے دریافت تک نہ فرمایا۔

(۳) عُمیر ابن وَھب...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن تھا..... بدر کے مقتولوں کا بدلہ لینے کے لئے ہر قریشی، بے تھا، صفوان ابن امیہ نے ایک بڑے انعام کا وعدہ کرکے، عُمیر کو مد بھیجا، کہ موقع پاکر، چپکے سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دو... عُمیر اپنی تلوار زہر میں بجھا کر، مدینہ پہنچا، مدینہ والوں نے، اس کے دیکھ کر، اُس کے ارادہ کو بھانپ لیا، عمرؓ نے اس کے ساتھ سختی چاہی، لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، اور عُمیر کو قریب بٹھا کر اُس سے باتیں کیں، اور اُس راز کو، جو اُس کے سر میں چھپا ہوا تھا، ظاہر کر دیا، وہ سُنتے ہی سناٹے میں آگیا، اب حقیقۃ حال، منظر عام پر آچکی تھی، عُمیر کے بڑے ارادہ کا، جس کا وہ زب حال سے اقرار کر رہا تھا، سب کو علم ہو چکا تھا، مگر رحمت عالم صلی ا علیہ وسلم نے ایک لفظ اُس سے نہ کہا نہ اُس سے بازپرس کی،.... یہ اخلاق...... دیکھ کر وہ اسلام لے آیا اور مکہ پہنچ کر، اسلام کی کو پھیلانا شروع کر دیا۔

(۴) حضورؐ ایک جنگ سے واپس تشریف لا رہے تھے، را میں ایک میدان پڑا، وہاں کچھ دیر آرام کے لئے پڑاؤ ڈال دیا گیا، د تیز تھی، لوگوں نے درختوں کے نیچے بستر لگائے، حضورؐ نے بھی ایک د کے زیر سایہ آرام فرمایا، تلوار درخت سے لٹکا دی۔

آپؐ آرام فرما ہی رہے تھے، کہ اچانک ایک کافر نے آکر میں، تلوار اُتار لی، اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی بیدار ہو گئے، دیکھا، ایک شخص سرہانے کھڑا ہے، ننگی تلوار، اسکے ہاتھ میں ہے آپکو بیدار دیکھ کر بولا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بتاؤ! اسوقت تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ فرمایا "اللہ" اس کافر پہ لفظ "اللہ" کا

اتنا اثر پڑا کہ تلوار نیام میں کرلی، اتنے میں صحابہ آگئے، آپ نے اُنسے، اس وقت کا ماجرا بیان کیا، لیکن اُس کافر سے کچھ نہ کہا۔

(۵) ایک بار ایک اور شخص نے آپکو قتل کرنے کا ارادہ کیا، صحابۂ کرام رضہ کو کسیطرح علم ہوگیا، اس کو گرفتار کرکے حضورؐ کی خدمت میں لائے، وہ شخص آپ کو دیکھ کر ڈر گیا، آپؐ نے فرمایا، ڈرو نہیں، اگر تم قتل بھی کرنا چاہتے تو نہ کر سکتے۔

(۶) صلح حدیبیہ کے زمانہ میں، ایک بار، اسّی آدمیوں کا ایک گروہ، منھ اندھیرے آپ کی قیام گاہ کے قریب پہنچا، یہ گروہ قتل کرنے کے ارادے سے آیا تھا، اتفاق سے یہ سب لوگ گرفتار ہوگئے، حضورؐ نے اِن سب کو چھوڑ دیا۔

قرآن (سورۂ فتح) میں اس واقعہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

(۷) خیبر میں، ایک یہودیہ نے، کھانے میں حضورؐ کو زہر کھاتے وقت، حضور نے اس زہر کا اثر محسوس کیا، یہودیوں کو بلا دریافت کیا، انھوں نے کھانے میں زہر کی آمیزش کے جرم کا اقرار کیا اور کہا

ہمنے اسلئے زہر دیا کہ اگر آپ سچے پیغمبر ہیں تو زہر آپ پر اثر نہ کرے اور اگر پیغمبر نہیں تو ہمیں آپ سے نجات مل جائے گی۔

آپنے عام یہودیوں سے تعرض نہ کیا صرف ایک عورت زینب کو جو کھانے میں زہر کی ملاوٹ کی تھی قتل کرادیا۔ وہ بھی اسلئے کہ ایک صحابی حضرت رضی اللہ عنہ اس زہر کے اثر سے انتقال کرگئے تھے۔

بقیہ صفحہ ۱۶:۔ اور نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی دعوت کو ملّت ابراہیمی اور دین حنیفی کے مترادف قرار دیا ہے۔ ملۃ ابیکم ابراہیم، یہ ملت تمہارے باپ ابراہیم ہی کی ہے۔ اور دوسری جگہ فرمایا قل اننی ھدانی ربی الیٰ صراط مستقیم۔ دینا قیما ملۃ ابراہیم حنیفا۔

کہدے کہ مجھ کو میرے رب نے سیدھا راستہ دکھایا ہے کہ وہی ٹھیک دین ہے یعنی ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ کہ وہ ایک ہی خدا کے ہورہے تھے "

اور اسی لئے حضرت ابراہیم کی زندگی کو اسوہ حسنہ کے طور پر قرآن کریم میں پیش کیا۔ تاکہ ان کے اعمال حیات ہمیشہ کے لئے محفوظ رہیں۔ اور امت مسلمہ انکی تاسی اور اقتدا کرتی رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو بے آب وگیاہ زمین پر لاکر بسایا۔ کہ خدا کی تحمید و تقدیس اور اسکی عبادت کریں خدا نے حضرت ابراہیم سے ان کے عزیز فرزند کی قربانی طلب کی۔ باپ بیٹا دونوں نے اس قربانی کو خدا کے حضور پیش کیا۔ خداوند قدوس کو اپنے پیارے بندوں کو مخلصانہ ادائیں کچھ اسطرح بھاگئیں، کہ اس موقعہ کی ہر حرکت کو ہمیشہ کے لئے قائم کردیا۔ اور اس کو ہمیشہ دُنیا میں زندہ رکھنے کے لئے تمام پیروان دین حنیفی پر فرض کردیا کہ ہر سال حج کریں تاکہ لاکھوں انسانوں کے اندر سے اسوہ ابراہیمی جلوہ نما ہو۔ اور ان میں سے ہر متنفس وہ سب کچھ کرے جو آج سے کئی ہزار برس پہلے خدا کے دو مخلص بندوں نے وہاں کیا تھا۔ اور جو اس وادی غیر ذی زرع میں نہ پہنچ سکیں وہ اپنی اپنی جگہ پر اس دن کو یوم عید منائیں اور نماز عید پڑھ کر سنّت ابراہیمی (قربانی) کو زندہ رکھنے کے لئے اچھی سے اچھی قربانیاں اللہ کے سامنے پیش کریں تاکہ جہاں کہیں بھی امت مسلمہ موجود ہو۔ وہاں اسوۂ ابراہیمی زندہ رہے اور ارشاد الٰہی صادق ہو کہ:۔

ووھبنا لھم من رحمتنا۔ وجعلنا لھم لسان صدق علیا۔

ہم نے حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد کو اپنی رحمت میں سے بڑا حصّہ دیا۔ اور ان کے لئے اعلیٰ و اشرف ذکر خیر دُنیا میں باقی رکھا "

حضرت مولانا سید داؤد غزنوی

رمضان المبارک عید الفطر عید الاضحیٰ

اوقات و ایّام کی خصوصیات و برکات

جسطرح کسی قوم کی ملکی سیاست اسوقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جبتک کہ اسکے تمام انتظامی امور کے لئے اوقات مخصوص اور معین نہ کر دیئے جائیں۔ اسی طرح سیاست شرعیہ اسوقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کی عبادت اور اطاعت کے لئے اوقات و ایام مخصوص نہ کرلئے جائیں۔ جیسا کہ شریعت اسلامیہ نے رات دن میں کئی بار پھر ہفتہ میں ایک بار اور سال میں دو بار اور ایسے ہی اور کئی ایک اوقات ہیں جن کو بزبان رسالت مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اسکے مصالح و حکم تمامہا تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ لیکن جہانتک کتاب و سنّت کے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے اسکے تین ہی اصول ہیں۔

اصل اوّل:۔ متعدد آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات میں اپنے بندوں سے قرب فرماتا ہے۔ اور بعض اوقات مخصوصہ میں بندوں کے اعمال اس پر پیش کئے جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا کہ جب رات کا تیسرا حصہ باقی رہتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا، افضل نماز نصف رات کی ہے لیکن اسوقت میں پڑھنے والے بہت کم ہوتے ہیں اور آپ سے یہ دریافت کیا گیا۔ کہ کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ "آدھی رات گزر جانے کے بعد"

جمعہ کے دن کے متعلق آپ نے فرمایا کہ اس میں ایک ایسی ساعت ہے۔ اس میں جو کوئی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔

سورج ڈھل جانے پر آپ نے فرمایا۔ کہ یہ ایک ایسی ساعت ہے کہ اس میں آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ میں پسند کرتا ہوں کہ اس ساعت میں میرا کوئی عمل صالح بارگاہ الٰہی میں حاضر کیا جائے۔ شام کی

نماز کے وقت دن کے فرشتے چلے جاتے ہیں اور رات کے فرشتے آجا ہیں اور اسی کی طرف قرآن کریم میں اشارہ فرمایا۔

فسبحان اللہ حین تمسون و حین تصبحون و لہ الحمد فی السمٰوات والارض و عشیا و حین تظہرون۔

صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرو۔ اور اسی طرح تیسرے پہر وقت اور جسوقت دوپہر کرو۔ کیونکہ تمام آسمانوں اور زمین میں اسی کے لئے حمد و ثنا ہے۔

غرض ایسی بہت سی نصوص ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شریعت نے بعض اوقات کو عبادت و ذکر الٰہی اور دعا کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ ان اوقات میں تجلیات و انوار الٰہیہ اور فیوضات ربانیہ کا زمین پر ایسا پھیلاؤ ہوتا ہے۔ کہ تھوڑی سی توجہ اور ادنیٰ کوشش سے قلب پر ایک کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ملاء اعلیٰ سے انوار و فیوضات کا ایک بہت بڑا دروازہ کھل گیا ہے۔ انسان کے جسم پر خشوع و خضوع کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ قلب پر طہارت اور پاکیزگی کا یہ عالم ہوتا ہے۔ کہ انسان محسوس کرتا ہے۔ کہ میں بارگاہ الٰہی میں پہنچا ہوا ہوں۔ اور اس کے لطف و کرم کا ایک بحر مواج ہے جو قلب کی تمام ظلمتوں اور کدورتوں کو پاک و صاف کئے ہوئے بہائے چلا جا رہا ہے۔

اسوقت جب کہ قلب حاضر، روح بیدار اور جسم خاشع اور متواضع ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور لطف و عنایات کا دروازہ کھلا ہوا ہوتا ہے تو کیوں نہ عبادات مقبول اور دعا مستجاب ہوں۔

پھر اس میں انبیاء کرام اور صدیقین، شہداء، صالحین کے

مختلف مراتب ہیں۔ بعض تو ایسے ہیں کہ ان کے سامنے سے ان اوقات میں وہ پردہ پھٹ جاتا ہے۔ جو ان کے اور عالم برزخ یا ملاء اسفل اور ملاء اعلیٰ کے درمیان ہوتا ہے۔ اور وہ اپنی ان آنکھوں سے خدا کی قدرتوں کے عجائب و غرائب کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ آسمان سے فرشتے اتر آتے ہیں اور ان سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ کامیابیوں کی بشارت، اور نصرت الٰہی کا وعدہ سناتے ہیں۔ اسوقت ان کے قرب اور تعلق الٰہی کا یہ عالم ہوتا ہے۔ کہ ابھی انھوں نے سجدہ سے سر اٹھایا بھی نہیں ہوتا۔ اور دعا کے لئے پھیلائے ہوئے ہاتھ ابھی کھینچے بھی نہیں ہوتے کہ انکے دل اور کان قبولیت عبادت اور استجابت دعا کی سامعہ نواز صداؤں سے لطف اندوز ہو چکے ہوتے ہیں۔ اور بعض اوقات ان کے محسوسات و مشاہدات کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ملائکہ قدوسین کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اسلئے کہ وہاں عالم دنیا کا کثیف پردہ اٹھ چکا ہوتا ہے۔ اور ظلمت کی جگہ نور کی خسروائی اور فرمانروائی ہوتی ہے ظن و جہل کی جگہ معرفت و شہادت کا اجالا ہوتا ہے۔ یمین و یسار بالا و پست۔ آگے اور پیچھے بجز نور اور نور علی نور کی اور کچھ نہیں ہوتا۔ اسوقت کی دعا و پکار ہی یہ ہوتی ہے۔ اللھم اجعل فی قلبی نور او فی لسانی نورا واجعل فی سمعی نورا۔ واجعل فی بصری نورا۔ واجعل من خلفی نورا۔ ومن امامی نورا۔ واجعل لی من فوقی نورا ومن تحتی نورا۔ اللھم اعطنی نورا (مسلم)

اسوقت کے مشہودات کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔

والذی نفسی بیدہ لقد عرضت علی الجنۃ والنار آنفا فی عرض ھذا الحائط وانا اصلی (بخاری)

اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ کہ ابھی اس دیوار کے پیچھے میرے سامنے جنت اور دوزخ پیش کی گئی۔ جبکہ میں نماز پڑھ رہا تھا"

اور اسماء بنت ابی بکر کی روایت ہے۔ ایک بار خطبہ صلوٰۃ کسوف میں فرمایا۔

ما من شیئ لم ارہ الا وقد رأیتہ فی مقامی ھذا حتی الجنۃ والنار (بخاری)

اسوقت تک میں نے جو کچھ نہیں دیکھا تھا۔ خدا نے اس جگہ پر وہ مجھے سب کچھ دکھلا دیا۔ حتیٰ کہ جنت اور دوزخ بھی" اور ان سب سے بڑھ کر یہ فرمایا۔ کہ

اتانی ربی فی احسن صورۃ وفی روایۃ اتانی اللیلۃ ربی فی احسن صورۃ فقال فیما یختصم الملاء الاعلیٰ فقلت لا ادری فوضع کفہ بین کتفی حتی وجدت بردھا ما بین ثدیی فتجلی لی علم کل شیئ۔

میرا رب اور ایک روایت میں ہے کہ آج کی رات میرا رب، بہترین شکل و صورت میں میرے پاس آیا اور فرمایا۔ تمہیں معلوم ہے کہ ملاء اعلیٰ میں ملائکہ کس مسئلہ میں آپس میں گفت و گو کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ مجھے تو معلوم نہیں پس اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا۔ میں نے اس کی انگلیوں سے چھونے کی ٹھنڈک اپنے سینہ پر محسوس کی۔ اسکے بعد پھر کیا تھا۔ میرے لئے ہر چیز منجلی اور منکشف ہو گئی"

ساری حدیث اسوقت مستحضر نہیں اور میں اصلی مقصد سے شائد دور چلا گیا ہوں" لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم"

میں یہ کہہ رہا تھا۔ کہ کتاب و سنت کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کو خصوصیت عنایت فرماتا ہے۔ اور ان اوقات میں وہ اپنے بندوں کو شرف قرب بخشتا ہے اور اسوقت انوار و فیوضات سماویہ کے نزول کی کیفیت عام اوقات سے بالکل ممتاز ہوتی ہے۔ پھر اسوقت کی دعاؤں اور عبادات و مشاہدات کا عالم ہی دوسرا ہوتا ہے اور یہ پہلی صورت یا پہلا اصول ہے۔ جس کی بنا پر نصوص کتاب و سنت کے مطابق بعض اوقات کو عبادات کے لئے مخصوص کیا جاتا ہے۔

اصل دوم:۔ نصوص کتاب و سنت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے لئے۔ اور اس کی عبادت میں مصروف ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تمام تشویشات طبعیہ سے خالی ہو۔ مثلاً حد سے بڑھی ہوئی بھوک اور اسی طرح بہت زیادہ سیری یا نیند کا غلبہ۔ تھکان کی شدت وغیرہ اور اسی طرح تمام تشویشات خیالیہ سے بھی اس وقت پاک ہو مثلاً کان شور و غل سے آنکھیں ایسے نقوش و صور اور مناظر سے جو اسکی توجہ کو اپنی طرف کھینچنے والے ہوں۔ وغیر ذلک من التشویشات۔ جو اختلاف عادات۔ اور اختلاف احوال و ظروف سے بدلتی رہتی ہیں۔

غرض انسان۔ ضعیف الخلقت انسان اردگرد کے حالات سے بہت جلد متاثر ہو جانے والا انسان۔ دنیا کے کاروبار میں مبتلا انسان۔ معاصی و خطایا میں الجھے ہوئے انسان کے لئے ضروری ہے۔

پنے زنگ آلود قلب کی طہارت و پاکیزگی اور اخلاص کے لئے ذکر و
الٰہی میں مصروف ہو۔ کیونکہ "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب" پس
جہ الی اللہ کے لئے ضروری ہے۔ کہ تمام طبعی و خیالی تشویش انگیزیوں
اک ہو۔ اور دات دن میں پانچ نمازوں کے لئے اوقات مخصوصہ
ن بھی انہی امور کی بنا پر ہے "واللہ اعلم وعلمہ اتم"۔

سوم :۔ بعض ایام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے اسلئے
ن و معین کر دیا۔ کہ امت مسلمہ کی تاریخی روایات کا اس کے ساتھ
ق تھا۔ اور ان ایام میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ پر کوئی بہت
ام کیا تھا۔ پس ان تاریخی روایات کو زندہ رکھنے۔ ان احسانات
انعامات ربانی کی یاد تازہ کرنے اور ان کے لئے شکر بجالانے
ے ضروری ہوا۔ کہ ان ایام و اوقات مخصوصہ کو عبادت کے لئے مقرر
جائے جیسا کہ احادیث نبویہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عاشورا کے
لہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی نصرت و اعانت فرمائی اور ان کو اور
م کو اس دن فرعون پر فتح و غلبہ عطا فرمایا۔ اور اس کی غلامی سے نجات
لویہ موسیٰؑ اور ان کی قوم کا یوم آزادی" تھا۔ پس سلسلہ انبیاء کرام
ے ایک الوالعزم نبی اور امت مسلمہ (جسکا بدؤ و ظہور نوح علیہ السلام
ت سے ہوا۔ اور جسکا عہد کمال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
بارک تھا) کی اس عظیم الشان کامیابی اور حق کے اس غلبہ عظیم اور
طاقتوں کی شکست و ہزیمت کی یاد زندہ رکھنے اور اللہ تعالیٰ
ر شکریہ ادا کرنے کے لئے آپ نے یوم عاشورا کا روزہ رکھا۔
ابہ کرام کو بھی اس دن روزہ رکھنے کو فرمایا۔

ان المبارک :۔ رمضان المبارک کا سارا مہینہ عبادت کیلئے
کر دیا۔ کیوں؟

اسلئے کہ سعادت انسانی کا وہ مبارک پیغام جس کی تبلیغ صادق
روق محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد ہوئی۔ وحی الٰہی کا وہ
وہ جو غار حرا کے گوشہ نشین پر کھلا خدا کا وہ مقدس کلام جو نبی امی لقب
ل ہوا ہے۔ سب سے پہلے جس رات میں اس کا ظہور ہوا۔ وہ
القدر" تھی اور "لیلۃ القدر" جس مہینہ میں آئی۔ وہ رمضان المبارک
نہ تھا۔ جو فی الحقیقت اس سعادت انسانیہ۔ اور ہدایت اقوام
کے ظہور کی یادگار ہے جسکا دروازہ قرآن حکیم کے نزول سے دنیا پر کھلا۔

شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس وبینات من الھدیٰ والفرقان۔

رمضان کا مہینہ وہ مبارک مہینہ ہے جسمیں قرآن حکیم نازل ہوا۔ جو انسانوں کے لئے موجب ہدایت۔ اور جسکی تعلیم میں ہدایت و ضلالت اور حق و باطل کی تمیز کیلئے کھلے نشان موجود ہیں"۔

پس وہ مہینہ جو خدا کی سب سے بڑی رحمت و برکت کے نزول کا ذریعہ بنا۔ اور وہ مہینہ جو اپنے ساتھ خدا کی رحمتوں کی ایک ایسی بارش لایا جسنے دنیا کی وہ سب سے بڑی خشک سالی دور کر دی۔ جو صدیوں سے بنی نوع انسان کے روح و قلب پر چھائی ہوئی تھی۔ اور وہ مبارک ایام جو تعلیمات الٰہیہ کے مظہر بنے ان ایام کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے اپنی برکتوں اور رحمتوں کے نزول کے لئے ایک ممتاز خصوصیت عطا فرمائی۔ تاکہ نزول قرآن کی یادگار دنیا میں زندہ رہے اور امت مسلمہ کو حکم دیا۔ کہ اس عظیم الشان انعام کے صلہ میں شکریہ بجالائیں اور دن رات اسکی عبادت میں مصروف و مشغول رہیں۔ دن بھر روزہ رکھیں۔ ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن ہو۔ اور راتوں کو جاگیں۔ نوافل اذکار ہوں اور خشوع و خضوع کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں دعائیں کی جائیں۔

عید الفطر :۔ رمضان المبارک کے ختم ہو جانے پر اس سے اگلے دن مسلمانوں کے لئے "یوم عید" اور خوشی کا دن قرار دیا۔ اور حکم دیا کہ اس دن سب مسلمان غسل کریں۔ حسب استطاعت اچھے سے اچھا کپڑا پہنیں۔ خوشبو لگائیں۔ صدقۃ الفطر ادا کریں۔ کہ اس دن کوئی مسلمان بھوکا اور عید میں محروم منانیوالا نہ رہے اور خوب تزک و احتشام اور ٹھاٹھ کے ساتھ سارے شہر کے مسلمان گلی کوچوں اور بازاروں کے شور و غل سے دور کھلے میدان میں خدا کی تہلیل و تکبیر اور تسبیح و تحمید سے فضائے آسمانی میں گونج پیدا کر دیں۔ اور اسکی بارگاہ میں ہاتھ باندھ کر کھڑے رہنے جھکنے اور بالآخر زمین پر سر اور پیشانی کے رکھ دینے سے ان انعامات الٰہیہ کا شکریہ ادا کریں جو رمضان میں ان پر نازل ہوئیں اور ان طاعات و عبادات کی تکمیل پر مسرت و شادمانی کا اظہار کریں۔ جو رمضان المبارک میں فرض کی گئی تھیں۔

عید الاضحٰے :۔ اسی طرح عید الاضحیٰ بھی حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی ایک نہایت مخلصانہ عبادت کی یادگار ہے یہ آپکو معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعمال حیات اور وقائع زندگی کو ایک خاص عظمت و شرف اور اہمیت دی ہے۔ (باقی صفحہ ۱۲ پر ملاحظہ فرمائیے)

ذالک الکتٰب لا ریب فیہ

(ماہر القادری)

کتنا ہی ثقہ اور قابلِ اعتماد مصنف کیوں نہ ہو، اس کی لکھی ہوئی کتاب پڑھتے وقت ذہن وفکر میں کچھ شکوک اور سوالات ضرور ابھرتے ہیں، جن میں سے بعض شکوک غور وفکر کے بعد دور ہو جاتے ہیں اور کچھ سوالات کھٹکتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ بعض اوقات قاری کا ذہن یہ فیصلہ کرتا ہے کہ کوئی آدمی لغزش ونسیان اور سہو وخطا سے محفوظ نہیں ہے، مصنف سے بھی کوتاہی ہو گئی ہوگی۔

قاری اگر کثیر المطالعہ ہے، مسائل میں گہری نظر رکھتا ہے اور اس کے فیصلہ کی قوت بھی محکم ومستقیم ہے تو بعض اوقات کتاب پڑھنے میں ہاتھ کے ہاتھ مصنف کی غلطیوں پر احتساب کرتا جاتا ہے۔

دنیا کے کسی مصنف، انشاء پرداز اور قلمکار نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس کی لکھی ہوئی کتاب کا حرف حرف سہو وخطا سے پاک ہے اور اس کے لکھنے میں ذرہ برابر بھول چوک نہیں ہوئی ... ذالک الکتٰب لا ریب فیہ کا دعویٰ صرف کتاب اللہ یعنی قرآن کریم کے نازل کرنے والے نے کیا ہے کہ اس کتاب میں کسی قسم کے شک وشبہ کا شائبہ بھی موجود نہیں ہے، اس میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ سو فیصدی درست ہیں، سوئی کی نوک کی برابر بھی ان میں جھول نہیں ہے، تاریخی قصص ہوں، محکمات اور متشابہات ہوں، بشارتیں اور ڈراوے ہوں، ارض وسمٰوٰت کی تخلیق کا ذکر ہو، جنت ودوزخ، حور وغلمان اور کوثر وتسنیم کی تفصیل ہو، اوامر ہوں یا نواہی ہوں، غرض کتاب اللہ کی ہر بات، ہر آیت، ہر لفظ اور ہر حرف اپنی جگہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے، جس میں شک وشبہ کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہے۔

دنیا میں کروڑوں کتابیں پائی جاتی ہیں، انبیاء کرام پر صحیفے اور کتابیں بھی نازل ہوئی ہیں، جن پر ہم ایمان رکھتے ہیں مگر یہ سب "کتابیں" ہیں "الکتاب" (THE BOOK) صرف قرآن کریم ہے جو محمد عربی (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) پر نازل ہوا۔ یہی وہ "الکتاب" ہے جو لاکھوں سینوں میں حرف بحرف موجود ہے اور جس کے ایک شوشے نے بھی کسی تحریف اور کمی بیشی اور آمیزش کو گوارا نہیں کیا اور وقت کا کوئی لمحہ نہیں گزرتا جس میں دنیا کے پردے پر کہیں نہ کہیں اس "الکتاب" کی تلاوت نہ کی جاتی ہو۔

اس "الکتاب" میں کوئی بات ظن وتخمین سے نہیں کہی گئی، اس میں ذرہ برابر ہیر پھیر نہیں، کوئی قیاس اور گمان نہیں، جس طرح دو اور دو چار (۲+۲=۴) ہی ہو سکتے ہیں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے، اللہ تعالیٰ کی اس نازل کی ہوئی کتاب کا کوئی لفظ بھی حق وصداقت کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا، اس کتاب میں ذرہ برابر بھی سہو وخطا کا امکان نہیں، جو کوئی اس کتاب کو پڑھنا چاہے وہ بے یقینی، تردد، شک وشبہ اور بدگمانی سے دل کو پاک کر کے اس کتاب کو پڑھے، اگر اس کتاب کو پڑھتے ہوئے ذہن میں کوئی شبہ ابھرتا ہے تو پڑھنے والے کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ذرہ برابر شک وریب کی گنجائش نہیں ہے، یہ خود میرے نفس کی خامی، ذہن کی نارسی اور فکر کی کوتاہی ہے جو شک وشبہ بن کر ابھر رہی ہے۔

اگر کوئی قاری دل کے شبہ اور ذہن کے خطرے کو دور کرنے کے لئے یہ ترکیب اختیار کرے گا تو اس کے اندر یقین کی کیفیت پیدا ہوگی۔ اس کی فکر اللہ کے کلام سے ہم آہنگ ہوتی چلی جائے گی یہاں تک کہ نہ "روح" کے بارے میں وہ کسی شک میں مبتلا ہوگا، نہ عرش وکرسی اور سدرۃ المنتہیٰ کا تصور اسے خلجان میں ڈالے گا، نہ آخرت کے بارے میں وہ شک کرے گا، نہ ملائکہ اور اجنّہ کا وجود اسے کھٹکے گا، نہ رفع عیسیٰ پر اسے حیرت ہوگی اور نہ اصحاب کہف کا واقعہ اس کو مضطرب بنائے گا۔

قرآن کریم اپنے پڑھنے والے سے اسی قسم کے یقین وایمان کا مطالبہ کرتا ہے، مبارک ہے وہ قلب جس کو قرآن کریم کے بارے میں اطمینان کامل اور یقین جازم نصیب ہو۔

اس احتیاط اور اہتمام کے باوجود اگر قرآن کریم کی کسی آیت پر ذہن میں کوئی کھٹک اور شبہ پیدا ہو تو قاری کو چاہیئے کہ وہ اہل ذکر اور راسخون فی العلم سے دریافت کرے، انشاء اللہ علماء حق اس کی تشفی اور تسلی کر دیں گے اور اگر اس پر بھی کھٹک دور نہ ہو تو وہ اس کھٹک کو اپنے ہی ذہن کی خامی سمجھتے ہوئے قرآن پاک کی تلاوت کو جاری رکھے، انشاء اللہ قرآن ہی کی کسی آیت سے اس کے ذہن کی یہ کھٹک دور ہو جائے گی۔

شک کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ شک ہے کہ جس کے ذہن میں ابھرتے ہی دل اس میں لطف لینے لگتا ہے اور ایک "شک" سے نہ جانے کتنے "شبہات" پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں اور ذہن شکوک و شبہات کا جال بنتا چلا جاتا ہے، اس قسم کا شک در اصل شیطان کا ڈالا ہوا وسوسہ ہے جو آدمی کو کفر و الحاد کی منزل تک پہنچا دیتا ہے، تشکیک کے تسلسل کا انجام بے یقینی ہوتا ہے، اللہ تعالٰی ہر ذہن و فکر کو اس بیماری سے محفوظ رکھے۔

دوسری قسم کا "شک" وہ ہے کہ ذہن میں اس کے ابھرتے ہی قاری سخت وحشت، اذیت، گھبراہٹ اور بے چینی محسوس کرتا ہے اس کے دل میں ہوک سی اٹھتی ہے کہ یہ شبہ آخر پیدا کیسے ہوا.... کہیں اس شک کے ابھر آنے اور اس کی کھٹک کے پیدا ہو جانے سے میرا ایمان غارت نہ ہو جائے، جس طرح ایک حاملہ عورت درد زہ سے بے چین ہو کر بچہ جننے کے لئے بیتاب رہتی ہے اور بچہ کی ولادت کے بعد اسے سکون حاصل ہوتا ہے اس طرح قرآن کریم کا قاری بھی اپنے دل کی کھٹک دور ہو جانے کے لئے بیتاب و بے چین رہتا ہے اور اس کی تفاسیر دیکھتا ہے، علماء سے پوچھتا پھرتا ہے، خود اپنے ذہن سے کسی ایسی تاویل کی کوشش کرتا ہے جس سے اس کو اطمینان و یقین حاصل ہوتا ہے وہ اللہ تعالٰی کے حضور میں دعائیں کرتا ہے کہ میں یہ کس خلجان میں مبتلا ہو گیا۔ یا اللہ! میرے دل کی کھٹک کو اپنے کرم سے دور فرما دے، مانتا ہوں کہ یہ میری ہی عقل کا قصور ہے اور میرے ذہن کی کوتاہی اس کا سبب ہے مگر میں کیا کروں، یہ کھٹک تو میرے دل کے اندر ہی اندر کچوکے دے رہی ہے اس کوشش کے بعد ایک وقت وہ آتا ہے کہ اس کے دل کی یہ کھٹک دور ہو جاتی ہے اور اس کا یقین اور زیادہ مضبوط و محکم ہو جاتا ہے۔

قرآن کے جس پڑھنے والے نے "شک" کو غذا دی اور "کھٹک" کو پروان چڑھایا وہ ہلاک ہو گیا، جس نے اس پہلے "شک" کو پیدا ہوتے ہی سر کچل دیا، اس نے فلاح پائی۔

قرآن پاک کی تلاوت کا یہ معجزہ ہے کہ وہ ذہن و فکر کو ہموار بناتی ہے اور الجھنوں کو دور کرتی ہے، میں اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کرتا ہوں، جب میں نے یہ حدیث پڑھی کہ "مجھے یوسف بن متی پر فضیلت نہ دو" تو دل میں یہ الجھن پیدا ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم اور موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبروں کو چھوڑ تنہا حضرت یونس علیہ السلام کے لئے یہ کیوں فرمایا؟ اس میں کیا حکمت اور کیا مصلحت ہے؟ اللہ کا فضل شامل حال رہا کہ ذہن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے اعتبار و اعتماد میں کسی قسم کا شک نہیں کیا۔ مگر ذہن میں ایک الجھن سی ضرور رہی، اس سے پانچ سال قبل مجھے زیارت حرمین شریفین کی سعادت نصیب ہوئی۔ ایک دن مسجد نبوی میں قرآن پڑھ رہا تھا، اس دوران میں جب وہ آیت آئی جس کا مفہوم یہ ہے کہ "صاحب حوت کی طرح نہ ہو جانا" تو معاً دل کی وہ کھٹک دور ہو گئی یعنی یہ کہ اس آیت کو پڑھ کر جس میں حضرت یونس علیہ السلام کا اضطراب ظاہر کیا گیا، ممکن ہے کہ قرآن کے کسی پڑھنے والے کے ذہن میں حضرت یونس علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں کوئی "کھٹک" پیدا ہو جائے۔ اس سے بچانے کے لئے مہبط وحی و قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتباہ فرمایا کہ "مجھے یونس بن متی پر فضیلت نہ دو۔"

آدمی صبر و اطمینان اور ایمان و عقیدت کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتا رہے اور اسے زندگی کا معمول بنائے اور قرآن کی حدود میں رہ کر غور و تدبر کی مشق جاری رکھے تو ذہن و فکر کی الجھنیں دور ہوتی رہیں گی اور اس کی فکر کتاب اللہ کی روح سے ہم آہنگ ہو جائے گی۔

اللہ تعالٰی کے کلام کی دعوت، اس میں فکر و غور اور عمل کرنے کا سارا معاملہ ہی عقیدت، محبت، نیازمندی، عبدیت اور یقین و ایمان سے تعلق رکھتا ہے، یہ کیفیت دل میں نہ ہو تو قرآن پڑھنے والا بلکہ اس کی ریسرچ کرنے والا اسکالر زبان اور بیان کی حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا، قرآن تو اپنے ایسے پڑھنے والوں کو چاہتا ہے کہ قرآن پڑھ کر جن کے دل ہل جائیں اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگیں۔

سرابیکہ در خشندہ بر ریحانہ خوشتر
قد چشمے کہ بیدار غم نہ دارد

ہر بڑے سے بڑے شاعر سے "انداز بیان" میں کہیں نہ کہیں غلطی ہو ہی جاتی ہے، غالب سے بھی بھول چوک ہوئی ہے اور اس کے بعض شعروں میں خاصا اختلاف بلکہ اہمال پایا جاتا ہے۔ مگر جو لوگ غالب سے عقیدت رکھتے ہیں وہ غالب کے متعلق سے متعلق شعر کی چولیں بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کا دل یہ چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح غالب کا یہ شعر جس پر لوگ اعتراض وارد کر رہے ہیں، درست اور با معنی تسلیم کر لیا جائے اجب غالب کے ساتھ عقیدت ایک آدمی کو اس حد تک لے جاتی ہے تو وہ خدا جس کی ذات ہر قسم کی کمزوری اور عیب سے پاک ہے کیا اس کا کلام اس کا مستحق نہیں کہ اس کے بارے میں صحت واصابت اور حق و صداقت ہی کا عقیدہ رکھا جائے اور ذہن میں کوئی الجھن پیدا ہو تو اسے اپنی عقل کی کوتاہی اور فہم کے نقص پر محمول کیا جائے، اور اس الجھن اور کھٹک میں لطف آنے کے بجائے اس سے وحشت ہو، بلکہ اذیت محسوس ہو، یہاں تک کہ یہ کھٹک دور ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے "الکتاب" (قرآن کریم) کی حفاظت فرمائی، اور اس کے ایک شوشہ کو بھی ادھر سے ادھر نہ ہونے دیا، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی حکمت ہے کہ جو نفوس قدسیہ قرآن کریم کے حامل بنے انہی نے مہبط قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کی حفاظت کی، اسے یاد رکھا، اس پر عمل کیا، اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ امت نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لہجہ (قرآت) تک کو محفوظ رکھا، کوئی شک نہیں "الکتاب" اور وہ جس پر "الکتاب" نازل ہوئی اس کی سنت، یہ دونو چیزیں (کتاب و سنت) جو دین کا ماخذ ہیں، محفوظ ہی رکھنے کے قابل تھیں کہ انھیں دونوں ستونوں (کتاب و سنت) پر دین کی عمارت قائم ہے اور کوئی مسلمان ان میں سے کسی ایک کا بھی ضیاع کسی قیمت پر گوارا نہیں کر سکتا۔

آؤ پورے اطمینان، وثوق اور یقین کے ساتھ پڑھیں :۔ الٓمٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ، بیشک اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ذرہ برابر شک نہیں ہے ۔۔۔ یا اللہ ! اس یقین میں کبھی کوئی فرق نہ آنے دیجیو، اسی عالم میں موت آئے کہ تیری "کتاب" کی صداقت سے دل کا

رحمتِ خداوندی کا موسمِ باراں

قاضی زین الساجدین

خداوند قدوس کا ہمارے اوپر کتنا احسان ہے کہ اُسنے آج سے دو ماہ ہم پر ایک ایسے ماہ کا انعام کیا تھا جس میں اسکی جانب سے رحمت اور برکت ارش ہوتی تھی۔ اس ماہ میں ربّ رحیم کی جانب سے عام منادی تھی کہ آؤ ہمارے بار میں آؤ جو چاہو گے دیا جائیگا کسی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹایا جائیگا کسی کو نامراد محروم نہیں کیا جائیگا۔ مایوس ہونیکی ضرورت نہیں صرف ہاتھ پھیلانا شرط ہے جہنمیوں کو بھی جو نافرمانیوں اور جرائم کے پاداش میں سزا کاٹ رہے ہیں ن مہینہ کی برکت سے نجات دیدی جائیگی ——— اس ہی مہینہ میں ہمکو ب ایسی رات سے نوازا گیا تھا جسکو قابل قدر رات کہا گیا ہے یہ رات ہزاروں ہینوں سے بہتر رات ہے اسکی عظمت و شان کا کیا ٹھکانا اس رات میں ہی تو وہ تاب نازل ہوئی تھی جس کی روشنی نے اس اندھیری دنیا کو جگا چوند کر دیا جس سے راہوں کو راہ ملی جو بھولنے والوں کے لئے تذکرہ اور بھٹکنے والوں کیلئے عل راہ مجرموں کے لئے چیلنج ہے۔

انزلناہ فی لیلۃ القدر وما ادراک ما لیلۃ القدر لیلۃ القدر خیر من الف ہر تنزل الملٰئکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر سلام ھی حتیٰ مطلع الفجر بیشک ہمنے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے اور (اے پیغمبر) آپکو معلوم ہے کہ شب قدر ی چیز ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس رات میں فرشتے اور روح القدس پنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لیکر اترتے ہیں سراپا سلام ہے وہ شب طلوع تک رہتی ہے (ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ)

پھر خداوند قدوس نے اپنے فرمانبردار بندوں کو اپنے دربار عام میں بلایا سنور کر سب اپنے رحیم و کریم آقا کے آستانے پر سجدہ ریز ہوگئے۔ دوگانہ شکر ادا کیا ہے آقا نے ان کو اپنے فضل و کرم سے اپنے احکام کی تعمیل کی توفیق عطا فرمائی۔

آقا و مولیٰ نے سب پر نظر رحمت ڈالی۔ فرشتوں سے پوچھا اے فرشتو جن مزدوروں نے اپنا کام عمدہ طرح پورا کر لیا ہو انکو کیا بدلہ دیا جائے۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ ان کو پورا پورا بدلہ دیا جانا چاہیئے۔

خداوند جل اعلیٰ کا دریاء رحمت جوش میں آیا اور حکم دیا جاؤ لوٹ جاؤ اے میرے بندو میں نے تم سب کی مغفرت کی۔

اس دربار عام کے بعد پھر دربار خاص میں حاضری کا بلاوا بھیجا گیا مشرق و مغرب اور عرب و عجم سے خدا کے خاص بندے خدا کے مقدس گھر کی طرف سواریوں پر اور پیدل، روانہ ہونے لگے۔

یہ مقدس مقام اور اسکے شعائر خدا کے اس مقدس بندہ کی یادگار ہیں جسنے اپنے آقا و معبود کی اطاعت کی ایک مثال قائم کر دی تھی۔ اسکی فرمانبرداری کا حق ادا کر دیا تھا۔ اور اعلان کر دیا تھا انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوت والارض حنیفاً وما انا من المشرکین (انعام ۷۹) میں نے اپنا رخ صرف اس ذات کی طرف پھیر لیا ہے جسنے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور مشرکین سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ یہ وہ خدا کا پیارا تھا جسنے بت پرستوں اور بت سازوں کے گھر اور انکے خاندان میں آنکھ کھولی تھی لیکن اسنے دنیا میں توحید کا علم بلند کر دیا یہی وہ مقدس ہستی ہے جسنے خدا کی اس زمین پر خدا کے اس معزز گھر کی بنیاد رکھی جو کہ آج بھی توحید کے پروانوں کا مرکز نظر ہے اور رہتی دنیا تک کے لئے عالم اسلام کا قبلہ قرار دیدیا گیا ہے۔ یہ وہ خدا کا بندہ تھا جسنے اپنے آقا و معبود کی اطاعت میں جان کی بازی لگا دی تھی جسکا دعویٰ تھا اسلمت لرب العالمین (میں مسلم ہوں) رب العالمین کا فرمانبردار ہوں اپنے اس دعوی کو عملی صورت دیکر دنیا والوں کو بتا دیا تھا کہ ایک مسلم کا جذبہ اور اسکا کردار کیا ہونا چاہیئے اپنے اس اقرار کے لئے اسکو بڑی بڑی مصیبتوں کے طوفانوں سے ٹکر لینی پڑی تھی۔ عزیزوں اور رشتہ داروں کو چھوڑنا پڑا تھا بڑے بڑے امتحانات سے گزرنا پڑا تھا لیکن مجال نہیں تھی کہ ایک لمحہ کیلئے بھی احساس بندگی سے غافل ہو جائے۔ آخر اپنے اس خدا کا بندہ کو جسکا نام ابراہیم تھا۔ خداوند قدوس نے خلیل جیسے جلیل خطاب سے نوازا پیغمبری کے عظیم عہدہ سے سرفراز کیا آپکے بعد اپنی نسل میں سے بڑے بڑے انبیاء اور بادشاہ پیدا کئے جنھوں نے مشرق سے لیکر مغرب تک دنیا کو توحید کی مہک سے بسا دیا دنیا میں آپکی یوں عزت افزائی کی اور آخرت میں صالحین میں سے قرار دیا۔ ولقد اصطفیناہ فی الدنیا وانہ فی الآخرۃ لمن الصالحین۔ درحقیقت دنیا میں بھی ہمنے انکو برگزیدگی عطا کی اور آخرت میں بھی وہ صالحین میں سے ہیں۔

یہ خدا کا خلیل اور اپنے آقا کا سچا غلام اپنے مولیٰ کی راہ میں قربانیاں دیتے دیتے بوڑھا ہو چکا تھا۔ مگر جنکے رتبے ہیں سوا انکو سوا مشکل ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ کو ابراہیم علیہ السلام سے ابھی ایک اعلیٰ امتحان مطلوب تھا چنانچہ خواب میں اشارہ ہوا ——— بندہ کو توضیح وتصریح سے کیا مطلب۔ ؟ وہ تو اشاروں پر چلتا ہے ——— بوڑھے باپ نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے نوجوان بیٹے کو ذبح کر رہا ہے بوڑھا اپنے مولیٰ کی منشا کو سمجھ گیا، اپنے نفس کو قربان کیا جا سکتا ہے لیکن یہاں ایک بوڑھے باپ سے اسکی جان سے زیادہ عزیز اسکی آنکھوں کا تارا بوڑھاپے کا سہارا اسکی دنیا کی عزیز ترین متاع گراں مایہ اسکا پیارا اسعاد تمند بیٹا مطلوب تھا۔ یہ بوڑھا اپنے آقا کی منشا اور تعمیل ارشاد کے لئے اپنے کلیجے کے ٹکڑے کو لیکر بے چون وچرا میدان کی طرف چلا تاکہ جسکی امانت تھی اسکو اسکی امانت واپس کردے۔

اب صاحبزادہ کا بھی مرتبہ انابت الی اللہ اور جذبہ فداکاری ملاحظہ فرماتے جائیے حضرت ابراہیم کو راستہ میں خیال آیا کہ بیٹے سے صاف طور پر کیوں نہ کہدیا جائے کہ میں اسے اسکے آقا کے حکم کی تعمیل میں قربان کرنے جا رہا ہوں۔ یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری؛ اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ غور کرکے بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے ——— ؟

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی اپنے باپ سے کم نہ تھے جواب دیتے ہیں:۔ یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی انشاء اللہ من الصابرین ۔ اے اباجان امر الٰہی میں کس کو چارہ ہو سکتا ہے حکم الٰہی کو پورا کیجئے اور مجھسے مطمئن رہئے، انشاء اللہ مجھکو صابر پائینگے۔ اور پھر شفیق باپ نے اپنے لخت جگر کو خاک پر چت لٹا دیا اور ذبح کرنیکے لئے حلقوم اسمٰعیل پر چھری رکھدی اس منظر سے زمین وآسمان لرز اٹھے، خورشید سکتہ میں آگیا اور حضرت کا اس ناز و نیاز کے منظر کا نظارہ کرنے لگا۔ فرشتے چیخ اٹھے، عرش معلی اور عالم کائنات میں شور برپا ہو گیا ...... لیکن یہ تو ایک امتحان تھا جس میں باپ بیٹے دونوں پورے اتر چکے تھے نعوذ باللہ فرزند کشی کی مثال قائم کرنی تھوڑی تھی۔ پس رحمت باری جوش میں آگئی اور حضرت اسمٰعیل کی جگہ ایک موٹا تازہ دنبہ ذبح ہوا پڑا تھا اور حضرت اسمٰعیل کچھ فاصلہ پر کھڑے مسکرا رہے تھے۔ وناديناه ان يا ابراهيم قد صدقت الرؤيا انا كذالك نجزي المحسنين ان هذا هو البلاء المبين ۔ اے ابراہیم ہم تو تمہارے جذبہ وفاداری کا امتحان لینا چاہتے تھے جس میں تم کامیاب ہو گئے (کوئی خون تھوڑی ہی چاہتے تھے)

جو خدا کے بندے بے سر و سامانی کی وجہ سے اسکے دربار خاص میں حاضر نہیں ہو سکتے انکو اجازت دی گئی کہ وہ پھر دربار عام (عیدگاہ) ہی میں حاضر ہوں اور اسکے بعد ابراہیم خلیل علی نبینا وعلیہ السلام کی یاد کو قربانی کی صورت میں تازہ کریں۔

ہماری عید قرباں کی اصلیت یہ ہے افسوس آج مسلمانوں نے عمدہ عمدہ کپڑے پہننا کھیل کود اور عیش عشرت میں مست ہو جانا یا ایک بکرے کو ذبح کرکے بریانی اور قورمہ کے سامان کرنے کو عید قرباں سمجھ رکھا ہے لیکن انکو جان لینا چاہیئے ان چیزوں سے ہماری عید کو کوئی واسطہ نہیں ہے۔ عید قرباں ہمکو اسوہ ابراہیمی یاد دلاتی ہے یہ ہمکو جتاتی ہے کہ دیکھو سچے بندے ایسے ہوتے ہیں۔ اگر تمکو بھی انکے زمرہ میں شامل ہونا ہو تو ایسی قربانی کیلئے تیار رہو۔ یہ ایک درس عبرت ہے، اگر ہماری عید اور قربانیوں سے جذبہ ابراہیمی ناپید ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ ہماری عید کی روح ختم ہو چکی ہے اور ہماری قربانیاں فضول ہیں۔ رسول اکرم صلعم کا ارشاد ہے لن ينال الله لحومها ولا دماؤها ولكن يناله التقوى منكم خداوند تعالیٰ کے ہاں قربانیوں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے بلکہ اسکے ہاں تو صرف تقویٰ پہنچتا ہے جو قربانی کرنیوالوں کے دل میں ہوتا ہے۔

تو ہے تمام سے عزیز تر

(۰ از :- انور کمال دھلوی ۰)

آہ. اس نے کرب و افسردگی میں ڈوبی ہوئی ایک لمبی آہ کھینچی اور دور افق پر اپنی نگاہیں گاڑ دیں اس کے چہرہ سے اسکی دلی کیفیات کا بخوبی اظہار ہو رہا تھا جیسے ایک مدت سے اسے آرام و سکون میسر نہ ہوا تھا، جیسے بے قراری و بے چینی نے اس کے پہلو میں مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی ہو، اس کا دل اضطراب کی پہنائی میں جیسے مسلسل ڈوبا جا رہا ہو۔ اور اس کی نگاہیں جیسے کسی کو تلاش کر رہی ہوں حد نگاہ تک پھیلے ہوئے ریت کے تودوں نے زبان سکوت سے اس سے کچھ کہا اور پھر وہ بھی اداس اور غم ناک ہو گئے، سوختہ سامان بگولے اپنے ادپر خاک بیابان ڈالے اس کے پاس آئے اور وحشت بداماں ہوئے اور لوٹ گئے اتنے میں اس نے پھر اپنا نوحہ شروع کر دیا۔

"میرے گوشہ جگر! نہ جانے تو کہاں ہے اور کس حال میں ہے زمین نے تجھے نگل لیا ہے کہ پہاڑ تجھے ہڑپ کر گئے ہیں، نہ معلوم جیتے جی تیری شکل دیکھ سکوں گا یا یوں ہی حسرت لئے دنیا سے جاؤں گا لیکن میں تیری تلاش جاری رکھوں گا اس وقت تک جب تک میرے اس لاغر جسم میں جان ہے، میں تیری تلاش میں اونٹوں کی تیز رفتاری کو کام میں لاؤں گا، اونٹ تھک جائیں تو تھک جائیں مگر میں کبھی نہیں تھکوں گا۔ اور تیری تلاش برابر جاری رکھوں گا۔

جب مشرق کی پہاڑیوں کی اوٹ سے سورج ابھرتا ہے اور جب وہ مغربی ریت کے تودوں میں اپنا سر چھپاتا ہے تو مجھے تیری یاد جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے اور جب ستارے تھم ابھر آتے ہیں، ہر روز نسیم صبح گاہی لوگوں کے لئے نوید زیست لے کر آتی ہے لیکن میں یہ حسرت لئے سوچتا ہی رہ جاتا ہوں کاش وہ میرے لئے بھی زندگی کا پیغام لائی ہو، روز ہی اس کے پاس میرے لئے مایوسی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ پھر ریت کے بگولے ہیبت ناک رقص کرتے ہوئے آتے ہیں، لیکن تیری یاد میرے دل سے محو نہیں کر سکتے وہ ناکام ہی لوٹتے ہیں میرے بچے میری زندگی!! میں تجھے ڈھونڈھ رہا ہوں اور ڈھونڈھتا ہی رہوں گا، لیکن میری تلاش اور میرے آنسو یہ کبھی ختم نہیں ہوں گے ایں تیرے فراق میں رو رہا ہوں اور روتا ہی رہوں گا۔"

درد و سوز میں یہ ڈوبا ہوا نوحہ ابھی فضا کی گود میں مہک رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا، یقیناً آپ کا بیٹا گم ہو گیا ہے اور آپ اس کی جدائی میں بے قرار ہیں لیکن کیا آپ مجھے یہ بتا سکیں گے کہ وہ کس طرح گم ہوا؟

بوڑھے عرب نے اپنی غم ناک آنکھیں اٹھا کر دیکھا، ایک خوش پوش شخص کھڑا تھا۔

"تم کون ہو اور کیوں مجھے ستانے آئے ہو؟"

"چچا!" اس نے نہایت نرمی کے ساتھ جواب دیا: "میں آپ کو ستانے کے خیال سے ہرگز نہیں آیا۔ میں ایک قافلہ سالار ہوں، میرا قافلہ ریت کے ان ٹیلوں کے پیچھے ابھی ابھی اترا ہے، میں آپ کی دردناک صدا سن کر آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ شاید میں آپ کی کوئی مدد کر سکوں"

"اچھا!" بوڑھے نے جیسے اطمینان کا سانس لیا، "تو تم یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ میرا زید کس طرح گم ہوا؟"

"جی"

"تو سنو!" اور سالار اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"گرمیوں کے ہی دن تھے، جب میری بیوی زید کو لے کر بنو قیس کے قافلہ کے ساتھ سفر کر رہی تھی کہ ایک روز لٹیروں نے اچانک قافلہ پر حملہ کر دیا اور قافلہ کا سارا مال و اسباب لوٹ لیا، اس کے ساتھ ہی وہ میرے زید کو بھی اس کی گود سے چھین کر لے گئے۔ آہ! بوڑھا زار و قطار رونے لگا، کاش وہ سب کچھ لے جاتے مگر میرے زید کو نہ چھینتے، کاش! میری قسمت نہ پھوٹتی!"

"چچا!" سالار نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا، "آپ اطمینان رکھیں

میں اس کا کھوج نکالنے کی پوری کوشش کروں گا اور مجھے یقین ہے کہ میں اپنی کوشش میں ضرور کامیاب ہوں گا، میں آپ کی اس پریشانی اور صحرا میں یوں نوحہ کناں ہونے سے بہت زیادہ متاثر ہوا ہوں۔"

"تم اس وقت کہاں جا رہے ہو"؟ بوڑھے نے پوچھا۔

"میرا قافلہ مکہ جا رہا ہے۔"

"مکہ"؟ اس نے تڑپ کر کہا۔ "پھر شاید تم اس کا سراغ لگا سکو۔ وہ اب جوان ہو گیا ہوگا۔" یہ کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں ایک خاص چمک آ چکی تھی۔

سردار نے اس سے ہاتھ ملایا اور مکہ سے واپسی پر اس سے ملنے کا وعدہ کر کے قافلہ کے پڑاؤ کی طرف چل دیا۔

بہت دنوں تک بوڑھا عرب کے اسی لق و دق صحرا میں اسی طرح رقت انگیز انداز میں نوحہ کناں رہا، اس کا انتظار اب دو ہستیوں میں بٹ چکا تھا۔ ایک اپنے لختِ جگر زید کے لئے، دوسرا اس قافلہ کے سالار کے لئے جو اس سے وعدہ کر کے گیا تھا کہ وہ اس کے زید کا ضرور پتہ لگا کر آئے گا، وہ ہر روز اس امید پر صحرا آتا تھا کہ آج قافلہ سالار آئے گا اور اس کو یہ بتائے گا کہ اس نے اس کے زید کو تلاش کر لیا ہے اور پھر اس کی شریانوں میں ایک نیا خون دوڑ جائے گا۔ لیکن ہر شام اپنے انتظار کی ایک نئی صبح کی خبر دیتی اور وہ یہ یقین لے کر لوٹتا کہ کل وہ ضرور آئے گا۔

بالآخر ایک روز وہ آ ہی گیا، اس کے ہونٹوں پر تبسم کھیل رہا تھا۔

"تم ضرور کوئی اچھی خبر لائے ہو؟" اس نے بے تابانہ پوچھا۔

"ہاں چچا" ۔ کہا۔ "آپ کو مبارک ہو میں آپ کے لڑکے کا کھوج لگانے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔"

"سچ ۔ ؟" اس کی بے نور آنکھیں یکبارگی مسرت سے چمک اٹھیں، گھٹنوں کے بل اٹھتے ہوئے اس نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور اسے اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا، "تم کس قدر رحم دل ہو اے سردار مجھے جلد سب داستان سناؤ۔"

سالار نے کہنا شروع کیا۔ "ڈاکو آپ کے لڑکے کو مکہ کی منڈی میں لے گئے تھے۔ اور انہوں نے اسے وہاں کے ایک معزز شخص حکیم بن حزام کے ہاتھ فروخت کیا تھا، کچھ عرصہ انہوں نے اپنے پاس ہی رکھا پھر اپنی پھوپھی کو تحفتاً پیش کر دیا، ان کی یہ پھوپھی مکہ میں نہ صرف معزز ترین خواتین میں سے ایک تھیں بلکہ امیر کبیر بھی تھیں، ان کا نام خدیجہ تھا، پھر ان کی شادی خاندانِ قریش کے ایک اعلیٰ و افضل شخص سے ہو گئی اور انہوں نے زید کو ان کی خدمت میں پیش کر دیا اور اس وقت وہ ان ہی کے پاس ہے، یہ وہی شخص ہیں جنھوں نے اپنے نبی ہونے کا اعلان کیا ہے اور ایک نئے دین کو عرب کے سامنے پیش کیا ہے، میرا خیال ہے ان کے متعلق کچھ نہ کچھ آپ نے بھی سنا ہوگا۔"

"ہاں لیکن تم مجھے میرے زید کے متعلق بتا رہے تھے،" بوڑھے نے بات کا رخ بدل جانے کو ایک منٹ کے لئے بھی پسند نہیں کیا۔

ہاں ۔ میں آپ کے زید سے مل کر آ رہا ہوں، وہ بالکل اسی طرح نظر آ رہا ہے، جیسے وہ اپنے ہی گھر میں ہو، ہشاش بشاش، میں نے اس سے آپکی پریشانی اور بے قراری کے متعلق ذکر کیا تو وہ نہایت اطمینان سے بولا جب آپ میرے باپ سے ملیں تو انھیں میری طرف سے کہہ دیں۔ وہ اب میری جدائی میں اپنی جان نہ گھلائیں، میں یہاں بالکل امن و اطمینان سے ایک ایسے شخص کے پاس رہ رہا ہوں جو مجھ پر ہی نہیں بلکہ مکہ کے سارے بسنے والوں پر مہربان ہے، اس کی محبت حقیقی باپ جیسی ہے اور اسی محبت کے سہارے میں زندگی کے ایام نہایت مسرت سے گزار رہا ہوں۔"

"شکر ہے میرا زید زندہ ہے اور اس سے بھی زیادہ اس بات کا شکر ہے کہ وہ ایک حلیم و کریم شخص کے پاس ہے، لیکن اب میں یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔" یہ کہتا ہوا بوڑھا اٹھ کھڑا ہوا "میں مکہ جاؤں گا اور اپنے جگر گوشہ کو آزاد کراؤں گا۔"

اور سالار نے یہ کہتے ہوئے اپنے اونٹ کی نکیل تھام لی: "چچا مجھے یقین ہے کہ آپ کے کہنے پر وہ ضرور اسے آزاد کر دیں گے، وہ بڑے رحم دل اور لوگوں سے کام آنے والے ہیں۔"

دوسرے ہی دن دو اونٹ مکہ کی طرف روانہ ہو گئے، ان میں سے ایک پر یہ بوڑھا اور دوسرے پر اس کا بھائی سوار تھا، اونٹ ہوا کے دوش پر سوار ہو اڑے جا رہے تھے اور ایسا معلوم دیتا تھا جیسے وہ ایک ہی روز میں مکہ پہنچ جائیں گے، جوں جوں مکہ قریب آتا گیا بوڑھے کا دل اسی قدر بیقرار ہوتا گیا، وہ تصور کی آنکھ سے ہزار بار اپنے بیٹے کو اپنے سامنے بیٹھے ہوئے دیکھ چکا تھا، اس کی

پیشانی کو بوسہ دے کر اسے سینے سے چمٹا چکا تھا۔ پھر تصور ہی میں وہ اسکے آقا سے ملتجی ہوتا بالآخر ایک کثیر رقم دیکر وہ اسے آزاد کرانے میں کامیاب ہوجاتا۔ پھر وہ اسے اپنے اونٹ پر بٹھاتا اور آن کی آن میں اپنے گھر جا پہنچتا اسکی بیوی اپنے جگر پارہ کو پاکر کسقدر خوش ہورہی ہوتی۔ لیکن ان حسین تصورات کے بعد وہ جب نگاہ اُٹھاتا تو مکہ کو ابھی بہت دور پاتا۔ تاہم ارد گرد پھیلے ہوئے ریت کے انگنت ذرّے اسے مسکراتے ہوئے محسوس ہوتے جیسے وہ سب اسے مبارکباد دے رہے ہوں اور وہ آپ ہی آپ مسکرا اُٹھتا۔ انہی تصورات و خیالات میں آخر مکہ آ ہی پہنچا۔ اور جب وہ کاشانۂ نبوت پر دستک دے رہا تھا تو اسکے ہاتھ لرز رہے تھے اور اسکا دل بلیوں اُچھل رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں وہ رحمت اللعٰلمین کے سامنے بیٹھا نہایت دلسوزی کیساتھ کہہ رہا تھا "آپ کریم ابن کریم ہیں۔ آپ جس خانوادے کے چشم و چراغ ہیں لوگ اسکی بخششوں کو مثال آپ پیش کرتے ہیں آپ لوگوں کیلئے مبارک ہیں۔ اے حرم پاک کے رہنے والے اور اسے مہمانوں اور مصیبت زدوں کی خدمت کرنیوالے۔ کتنا اچھا ہو کہ آپ میرے زید کے لئے زر فدیہ مقرر فرمائیں اور اس طرح مجھے ادائگی کا موقع دیکر مجھے اپنا ممنون احسان بنائیں اور اسے آزادی کی نعمت بخشیں۔ اگر آپ ایسا کریں تو آپکی یہ ایسی عنایت ہوگی جو آپکی اور آپکے خاندان کی روایات کے

عین مطابق ہوگی۔ اے غلاموں کے مولا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ آپ میرے ساتھ حسن سلوک ہی کریں گے"۔ اس گفتار کے بعد سراپا رحمت نے تبسم فرمایا بوڑھے کے سوکھے دھانوں پانی پڑ گیا۔

پھر جب اسکے کانوں سے یہ آواز ٹکرائی۔ میں زید بن حارث کو لئے بغیر آزاد کرتا ہوں تو وہ اُچھل پڑا۔ اس پر شادی مرگ کی کیفیت طاری [illegible] وہ اپنی بے قابو زبان سے بمشکل یہ فقرہ ادا کرسکا۔ آپ میری توقع سے بڑھ کر توقع سے بھی برتر نکلے۔

اب زید کو بلایا گیا۔ بوڑھا پھر بیقرار ہوگیا۔ زید کے لئے تو بوڑھے نے فرط مسرت [illegible] چور ہوتے ہوئے کہا۔ زید! میرے بیٹے، میرے لخت جگر۔ تمہارے رحمدل آقا نے ہم دونوں پر بڑا احسان کیا ہے۔ اب تم آزاد ہو چلو میرے ساتھ چلنے کیلئے تیار ہوجاؤ ماں تمہیں ایک نظر دیکھنے کے لئے مضطرب ہے۔

زید نے ایک نظر باپ اور دوسری نظر حضور پر ڈالی۔ اور کہا نہیں نہیں یہ نہیں [illegible] میں اس سعادت کو نہیں چھوڑ سکتا جو مجھے اس غلامی کے صدقے میں ملی ہے۔ میں حضور [illegible] پر والدین کی محبت کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ میں اپنے آقا کو چھوڑ کر کہیں جانے کیلئے تیار نہیں [illegible]

بوڑھے کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو جیسے [illegible] زید بول رہا ہو اور اسکا اپنا زید ابھی نہیں آیا ہو۔ اسنے کئی بار آنکھیں ملیں اور پھر [illegible] جھپکائیں۔ وہ سوچ رہا تھا۔ وہ کیا چیز ہے جسنے میرے زید کے دل میں اپنے آقا کی محبت [illegible]

التماس :- (۱) جن اصحاب کے پاس پرچہ انکی طلب پر بطور نمونہ پہنچے انکا فرض ہے کہ وہ خریداری کے متعلق اپنے فیصلہ سے اطلاع دیں ورنہ انھیں خریدار تصور کیا جائیگا۔
(۲) قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیجیں۔
(۳) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا لفافہ بھیجیں۔
(۴) اپنا پتہ صاف اردو انگریزی میں منی آرڈر کے کوپن پر خط میں ضرور لکھیں اور نمبر خریداری بھی لکھیں۔

اگر دیئے ہوئے دائرے میں نشان لگا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ آپکی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے، لہٰذا چندہ سال جدید ارسال فرمائیں یا اپنے آئندہ ارادے سے مطلع فرمادیں۔

مقام اشاعت
مکتبہ علمیہ قاضی منزل، قاضی واڑہ میرٹھ

پاکستان میں قیمت بھیجنے کا پتہ
منیجر کوثر بک ایجنسی (۱۱-C) شاہ عالم مارکیٹ لاہور (پاکستان)

(قاضی زین العابدین سجاد ایڈیٹر پرنٹر پبلشر کے اہتمام سے یونین پریس اردو بازار دہلی میں چھپ کر دفتر الحرم مفتی واڑہ میرٹھ سے شائع ہوا)

بسمہ تعالیٰ سبحانہ

نقوشِ اوّلین

جامعہ ملیہ اسلامیہ

"جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی" ہندوستان کا ممتاز و معروف تعلیمی ادارہ ہے جس کی بنیاد ۱۹۲۰ء کے انقلابی دور میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقدس ہاتھوں سے رکھی گئی۔

اس کی تاسیس کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمان طلبہ کے لئے ایسی دینی و دنیوی تعلیم کا انتظام کیا جائے جو ان کے قومی و ملی مقاصد سے ہم آہنگ اور خارجی اثرات سے آزاد ہو۔

جامعہ کے مخلص کارکنوں نے ان مقاصد کی تکمیل کے لئے جس اخلاص، ایثار، جوش اور ہمت سے کام لیا اس کے عظیم الشان نتائج آج ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ جامعہ نگر کے حسین و دلکش گنبد و محراب ہی آسمان سے باتیں کرتے نظر نہیں آتے بلکہ فرزندان جامعہ بھی برعظیم کی علمی، تعلیمی، صحافتی، ادبی و سیاسی مجلسوں میں بلند مقام رکھتے ہیں

۱۹۴۷ء کے زلزلہ انگیز حوادث میں جامعہ کو ظاہری اعتبار سے تو کسی قسم کا نقصان اُٹھانا نہیں پڑا مگر ملک میں جو عام انتشار پیدا ہوا اسکے اثرات سے وہ بھی محفوظ نہ رہ سکا۔ غالباً سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کی بڑی تعداد کے پاکستان منتقل ہو جانے کی وجہ سے طلبہ کی تعداد میں کمی ہو گئی مگر یہ امر قابل اطمینان ہے کہ جامعہ کے مخلص کارکنوں نے ہمت نہیں ہاری اور حوادث کے طوفان میں وہ اپنی کشتی کو آگے بڑھاتے رہے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے تحت آج، مدرسہ ابتدائی، جامعہ ہائر سکنڈری اسکول، جامعہ کالج، ٹیچرس کالج، رورل انسٹی ٹیوٹ، ادارہ تعلیم و ترقی، مکتبہ جامعہ وغیرہ متعدد علمی و تعلیمی ادارے کام کر رہے ہیں۔

اس حقیقت کا اظہار اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ سال سے راقم الحروف کو بھی اس علمی و تعلیمی قافلہ میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہو گیا ہے۔ معروف عالم و مصنف مولانا محمد اسلم جیراج پوری مرحوم کے انتقال سے جامعہ کالج میں استاذ اسلامیات کی جو جگہ خالی تھی اس کے لئے، ازراہ ذرہ نوازی شیخ الجامعہ پروفیسر محمد مجیب صاحب نے مجھے دعوت دی اور میں نے اپنے بزرگوں اور دوستوں کے مشورہ سے اسے قبول کر لیا۔ ناظرین کرام بارگاہ رب العزت میں دعا فرمائیں کہ میں یہاں رہ کر علم دین کی بہتر خدمات انجام دے سکوں اور جامعہ کی روایات برقرار رکھنے میں اپنے رفقاء کار کی مدد کر سکوں!

جامعہ کے تعلق سے اگرچہ زیادہ تر دہلی قیام رہیگا تاہم دہلی، میرٹھ سے صرف چالیس میل کے فاصلہ پر ہے اسلئے نہ میں نے میرٹھ کی سکونت ترک کی ہے اور نہ الحرم کا دفتر وہاں سے منتقل کیا گیا ہے۔ تاہم کسی فوری ضرورت کے سلسلہ میں اگر مدیر الحرم کو مخاطب کرنے کی ضرورت پیش آئے تو پتہ یہ ہوگا:-

استاذ اسلامیات۔ جامعہ کالج، جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔

طلبہ مدارس عربیہ توجہ فرمائیں:- جامعہ ملیہ اسلامیہ کی ایک اہم قابل ذکر تعلیمی خدمت یہ ہے کہ یہاں مستند عربی مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ کے لئے جدید تعلیم کا خصوصی انتظام کیا گیا ہے۔ ان طلبہ کو اسپیشل کلاس کے ذریعہ، دو سال میں ہائر سکنڈری کے امتحان کی تیاری کرادی جاتی ہے اور اس امتحان کے پاس کرنے کے بعد وہ سہ سالہ ڈگری کورس میں شامل ہو کر تین سال میں امتحان سندی جامعہ (جو بی اے کے مساوی ہے) پاس کر سکتے ہیں۔

آج تبلیغ و اشاعت دین کے لئے علوم جدیدہ سے واقفیت کی ضرورت ناقابل انکار ہے۔ عربی مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ جو دین و ملت کی خدمت کے سلسلہ میں وقت کے تقاضوں کو سمجھتے ہوں اس سہولت سے فائدہ اٹھائیں۔ مستحق طلبہ کو محدود تعداد میں امدادی وظائف بھی دیئے جاتے ہیں۔ تفصیلات اس پتہ سے طلب کریں:۔ پرنسپل صاحب۔ جامعہ کالج۔ جامعہ نگر نئی دہلی۔

معذرت:۔ منیجر صاحب الحرم اپنے والد کی علالت کی وجہ سے یکایک اپنے وطن چلے گئے۔ ان کی عدم موجودگی میں جولائی کے پرچہ کی اشاعت کا بروقت انتظام نہ ہو سکا۔ اور اب ایک ماہ کی تاخیر سے یہ پرچہ شائع ہو رہا ہے۔ ہم ناظرین الحرم سے معذرت خواہ ہیں کہ انتظار کی تکلیف اٹھانا پڑی۔ انشاء اللہ تعالیٰ خاص نمبر کے سلسلہ میں اس کوتاہی کی تلافی ہو جائے گی۔

سیرت نمبر:۔ الحرم کے مجوزہ سیرت نمبر سے متعلق اعلان گزشتہ پرچہ میں شائع ہو چکا ہے۔ یہ نمبر دراصل ایک مستقل کتاب ہے جو محمد احمد صاحب کاظمی ایڈوکیٹ سپریم کورٹ کے عمیق مطالعہ سیرت کا نچوڑ ہے۔ کتاب کا مسودہ عرصہ ہوا موصول ہو چکا ہے۔ ... نے اس پر کہیں کہیں مختصر نوٹس بھی لکھ دیئے ہیں۔ اگرچہ اپنی بے اندازہ مصروفیات کی وجہ سے وہ اس خدمت کا حق ادا نہ کر سکا۔ کتابت کا مرحلہ بھی لیک ... طے ہو چکا ہے۔ اب طباعت کا مرحلہ سامنے ہے اور اندازہ ہوا کہ اصل مرحلہ یہی مرحلہ ہے۔

کاغذ کی گرانی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ الحرم کا لائسنس کا کوٹہ (جس سے کاغذ کنٹرول ریٹ پر مل سکتا ہے) عام نمبروں کے لئے بھی کافی نہیں۔ اس ضخیم نمبر کی گنجائش اس میں نکلنی ناممکن ہے۔ جدید کوٹہ کے لئے جو درخواست گئی ہے اب اسکے نتیجہ پر انحصار ہے۔ ناظرین دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان مشکلات راہ کو دور فرمائے۔

قاضی زین العابدین

احادیث قدسیہ

خدا کی ناشکری۔ حقوق قرابت کی اہمیت

(مسلسل)

(۵۲) اِنِّیْ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ فِیْ نَبَاٍ عَظِیْمٍ، اَخْلُقُ وَیُعْبَدُ غَیْرِیْ وَاَرْزُقُ وَیُشْکَرُ غَیْرِیْ رواہ البیہقی والحاکم عن معاذ۔

فرمایا اللہ جل وعلیٰ نے :-

میرے اور جنوں اور انسانوں کے تعلقات کے سلسلہ میں ایک عظیم خبر ہے (اور وہ یہ کہ) پیدا میں کرتا ہوں اور پوجا کی جاتی ہے میرے سوا دوسرے کی اور رزق میں دیتا ہوں اور شکر ادا کیا جاتا ہے میرے سوا کسی اور کا۔ روایت کیا اسے بیہقی اور حاکم نے حضرت معاذ رضی سے۔

تشریح:- نَبَاٗ اس خبر کو کہتے ہیں جس سے علم حاصل ہو اور وہ فائدہ مند بھی ہو۔ یہاں جو بات بتائی جا رہی ہے وہ بڑی معلومات افزا اور فائدہ بخش ہے۔

فرمایا گیا کہ انسانوں اور جنوں کا بھی عموماً عجیب طرز عمل ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہی نے ان کو وجود عطا فرمایا اور وہ نیست سے ہست ہوئے پھر اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لئے جن ذرائع اور وسائل کی ان کو ضرورت تھی سب ایک ایک کرکے عطا فرمائے۔ رحم مادر ہی میں ان کے لئے غذا کا ذخیرہ جمع کر دیا، دنیا میں آنکھیں کھولنے سے پہلے ہی ان کے لئے دودھ کے دو چشمے جاری کر دیئے، پھر اعضاء ظاہری و باطنی کی تکمیل ہوئی تو انکی لذت اندوزی اور کام جوئی کے لئے ساری کائنات کو ان کا دسترخوان بنا دیا، چاہیئے تو یہ تھا جن اور انسان اللہ تعالےٰ جیسے محسن کریم کی فرمانبرداری کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیتے۔ اور ہر وقت ان کی زبان پر حمد و شکر کے نغمے جاری رہتے۔ مگر اکثر کی حالت یہ ہے کہ اپنی ہی جیسی مخلوق کی چوکھٹوں پر دھکے کھاتے پھرتے ہیں اور وسائل و وسائط کو اصل سمجھ کر انکی تعریف کے ہی گن گاتے رہتے ہیں۔ اس سے زیادہ اچنبھے کی بات اور کیا ہو سکتی ہے اور اگر اس حقیقت پر انسان کی نظر رہے تو دین و دنیا میں اس سے زیادہ مفید بھی کوئی بات نہیں ہو سکتی۔

یہاں صرف انسان اور جن ہی کا ذکر فرمایا گیا اسلئے کہ ان کے سوا جو مخلوق ہے خواہ وہ فرشتے ہوں یا چاند اور ستارے، حیوانات ہوں یا نباتات و جمادات سب خالق کائنات کے حکم کی تعمیل میں ہر وقت لگے رہتے ہیں جو خدمت جس کے سپرد ہے کسی وقت اس سے انکار و فرار نہیں ہوتا

(۵۳) اَنَا الرَّحْمٰنُ خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَہَا اِسْمًا مِنْ اِسْمِیْ فَمَنْ وَصَلَہَا وَصَلْتُہٗ وَمَنْ قَطَعَہَا قَطَعْتُہٗ وَمَنْ بَتَّہَا بَتَتُّہٗ، اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ رواہ احمد وغیرہ عن ابی ہریرہ،

فرمایا خداوند قدوس نے میں نے رحم (قرابت) کو پیدا کیا اور اپنے نام (رحمن) میں سے اسکا نام مشتق کیا تو جس نے اسے جوڑے رکھا میں بھی اس سے تعلق قائم رکھوں گا اور جس نے اسے توڑ دیا میں بھی

....

اس سے بے تعلق .... ہو جاؤں گا اور جس نے اسے جمائے رکھا میں بھی اسے جمائے رکھونگا درحقیقت میری رحمت میرے غضب سے بڑھی ہوئی ہے۔ روایت کیا اسے احمد اور دوسرے محدثین نے حضرت ابوہریرہ سے۔

تشریح:- نظام عالم کے قیام کا دار و مدار اس پر ہے کہ مخلوق خدا ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھے اور ہر شخص درجہ بدرجہ دوسروں کے ساتھ رواداری اور محبت کے ساتھ پیش آئے۔ پھر جتنا جن لوگوں سے زیادہ تعلق رکھنا پڑتا ہے۔ ان سے اسی درجہ میں حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ اہل وطن کے، پھر پڑوسیوں کے

اور سب سے زیادہ رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کا سختی کے ساتھ حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں اگر کوتاہی کی گئی تو امن اور چین مفقود ہو جائے گا اور سوسائٹی کا نظام قائم نہ رہ سکے گا۔

قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں حقوق قرابت کی ادائیگی کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ دلائی گئی ہے۔

دراصل رشتہ داری کا علاقہ اللہ تعالے کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ شادی و غمی اور رنج و راحت میں لطف و سکون اہل قرابت ہی سے حاصل ہوتا ہے جس شخص کے عزیز و قریب نہوں یا وہ ان سے جدا کر دیا جائے اس کی زندگی میں کوئی لطف باقی نہیں رہتا۔

اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے بطور احسان کے فرمایا کہ میں "رحمان" ہوں اور یہ میری شان رحمت کا ایک مظاہرہ ہے کہ میں نے رَحِم (تعلق قرابت) کو پیدا کیا۔ اور اس کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے اپنے نام (رحمان) میں سے رَحِم کا نام مشتق کیا تو جو شخص میری اس نعمت کی قدر کرے گا اور رشتہ داری کے حقوق کو ادا کرے گا میں بھی اسے اپنا سمجھوں گا اور جو شخص ان حقوق کی ادائیگی کا خاص اہتمام کرے گا تو میں بھی اسے خصوصی انعام و اکرام سے نوازوں گا لیکن جو شخص حقوق قرابت کو نظر انداز کر دے گا اور جو میری اس نعمت کی بے قدری کریگا میں بھی اس سے بے تعلق ہو جاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ کی بے تعلقی اور تعلق کا اصل اظہار تو عالم آخرت ہی میں ہوگا۔ مگر صلہ رحم اور قطع رحم ان اعمال میں سے ہیں جن کے نتائج دنیا میں بھی ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ حقوق قرابت کو نظر انداز کرنے والے دنیا میں بھی پریشان حال اور پراگندہ بال رہتے ہیں جن لوگوں کو اللہ تعالے نے آسائش اور دلداری کا وسیلہ بنایا تھا وہ اس کے لئے اذیت و مصیبت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اور اس کی زندگی جنجال میں پھنس جاتی ہے۔ اسکے برخلاف جو لوگ ان حقوق کا خیال رکھتے ہیں وہ پر لطف اور سکون بخش زندگی کا لطف حاصل کرتے ہیں۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حدیث نقل کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مَنْ سَرَّهُ اَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَاَنْ يُنْسَاَ لَهُ فِي اَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ۔
(جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اسکے رزق میں وسعت دی جائے اور اس کی عمر میں اضافہ ہو تو اسے چاہیئے کہ حقوق قرابت ادا کرے)

عمر میں اضافہ اور رزق میں وسعت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حقوق قرابت کا ادا کرنے والا اپنی زندگی کے اوقات سے پورا فائدہ اٹھائے گا اور اپنی دولت سے اچھی طرح محظوظ ہو سکے گا۔ اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس نیک عمل کے بدلے میں اس کی عمر اور رزق میں زیادتی و فراخی فرما دی جائے۔

یہ واضح رہے کہ یہاں حقوق قرابت کی ادائیگی کے سلسلہ میں وہ تمام رشتہ دار مراد ہیں جن سے کوئی نسبی تعلق ہو۔ خواہ وہ محرم ہوں یا غیر محرم اور خواہ ان سے وراثت کا علاقہ ہو یا نہ ہو۔ البتہ سلسلہ قرابت میں جن کا تعلق زیادہ قریب کا ہوگا ان کے حقوق بھی زیادہ ہوں گے۔ چنانچہ سب سے زیادہ حقوق "ماں باپ" کے ہیں۔ اور ان کی نافرمانی کو کبیرہ گناہ قرار دیا گیا ہے۔

حدیث زیر تشریح کے آخر میں فرمایا گیا ہے،

"اِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي"۔

اس کا مطلب یہاں یہ ہے کہ اللہ تعالے نے اسباب رحمت و کرم انسان کے لئے عام کر دیئے ہیں، اگر وہ چاہے تو گھر کے ماحول کو بھی خوشگوار بنا کر اللہ تعالے کی رحمت کے خزانے لوٹ سکتا ہے۔ اور اپنی دین و دنیا کو درست کر سکتا ہے۔

مکتوب حضرت مجدد سرہندیؒ

(۶۵)

خانِ اعظم کے نام احیاءِ شعائرِ اسلام کی تاکید میں

(یہ مکتوب کئی اعتبار سے بہت اہم ہے۔ اس سے عہد اکبری کے خاتمہ اور عہد جہانگیری کے آغاز میں اسلام کی بے نوائی پر روشنی پڑتی ہے نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد صاحب نے ایک طرف عوام میں دین کا چرچا پھیلایا اور دوسری طرف امراء و حکام سے تعلقات قائم کر کے ان کو بھی خدمت اسلام کے لئے آمادہ کیا۔ الغرض اسلام کی سربلندی کے لئے جو ذریعہ بھی میسر آیا اس کو کام میں لائے)

خانِ اعظم (خانخاناں) کے نام صادر ہوا، اسلام کے ضعف اور مسلمانوں کی ذلت پر اظہار رنج و تاسف اور تقویت اہل اسلام اور اجراے احکام اسلام کی ترغیب و تحریص کے لئے:۔

اللہ سبحانہ تمہاری اعانت فرمائے اور احکام اسلام کی سربلندی کی کوشش میں، دشمنان دین کے مقابلہ میں تمہاری مدد فرمائے مخبر صادق "علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا" نے ارشاد فرمایا ہے :۔ الاسلام بدأ غریباً وسیعود کما بدءٔ فطوبیٰ للغرباء، اسلام شروع ہوا اس حال میں کہ وہ جنبی تھا، اور جلد ہی وہ اپنی ابتدائی حالت کی طرف لوٹ جائے گا تو شادمانی ہے غرباء کے لئے۔ غربت اسلام آج اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ کفار برملا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی برائی کرتے ہیں اور بے تحاشا احکام کفر کا اجراء اور اہل کفر کی تعریف کوچہ و بازار میں کرتے ہیں۔ اور مسلمان احکام اسلام کے اجراء سے روکے جاتے ہیں اور شریعت پر عمل کرنے پر ان کی برائی کی جاتی ہے اور ان کو مطعون کیا جاتا ہے:۔ پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز

بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالعجبی است

سبحان اللہ وبحمدہ۔ الشرع تحت السیف (شریعت کے لئے طاقت کی ضرورت ہے) کہا گیا ہے اور شرع شریف کی رونق کو بادشاہوں کے ساتھ وابستہ قرار دیا گیا ہے۔ مگر آج معاملہ برعکس ہو گیا ہے اور حالت پلٹ گئی ہے واحسرتا واندامتا واویلا!

آج (کے نامبارک دور میں) آپ کے وجود شریف کو ہم غنیمت سمجھتے ہیں اور اس کمزور اور ہاری ہوئی لڑائی میں دشمنوں کے مقابلہ میں آنے والا آپ کے سوا اور کسی کو نہیں سمجھتے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کا حامی و مددگار ہو۔ بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات۔

حدیث شریف میں آیا ہے :۔ لن یؤمن احدکم حتی یقال انہ مجنون۔ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے دیوانہ نہ کہا جانے لگے۔

اس زمانہ میں وہ دیوانگی جس کی بنیاد غیرت اسلام کی زیادتی ہے آپ کی طبیعت میں پائی جارہی ہے۔ الحمد للہ سبحانہ علیٰ ذالک،

آج کا زمانہ وہ زمانہ ہے کہ عمل قلیل کو ثواب کثیر اور بڑے اہتمام کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں مقام قبول حاصل ہوتا ہے۔ اصحاب کہف سے کوئی عمل سوائے "ہجرت" کے، جس نے ایسی فضیلت حاصل کر لی، ظاہر نہیں ہوا۔ سپاہی، دشمنوں کے غلبہ کے وقت اگر تھوڑی سی بھی خدمت انجام دیں بڑا اعتماد حاصل کر لیتے ہیں۔ برخلاف اس زمانہ کے جب (ملک میں) امن ہو اور دشمنوں کی طرف سے اطمینان ہو۔

اور یہ زبان کا جہاد جس کی توفیق آج تمہیں حاصل ہے (اس زمانہ میں) یہی جہاد اکبر ہے۔ آپ اسے غنیمت جانیں۔ اس میں اضافہ کی طلب جاری رکھیں اور اس "جہاد گفتن" کو "جہاد کشتن" سے بہتر سمجھیں۔ ہم جیسے فقیر لوگ،

بے طاقت، اس دولت سے محروم ہیں (ہم کو دربار شاہی میں اس جہاد قولی کے مواقع حاصل نہیں)

ھنیئاً لارباب النعیم نعیمہم — وللعاشق المسکین ما یتجرّع

(ارباب عیش کو ان کا عیش و آرام مبارک۔ عاشق غریب کے مقدر میں تو وہ تلخ گھونٹ ہی ہیں جنھیں وہ پی رہا ہے)

وادیم ترا از گنج مقصود نشاں — گرما نہ رسیدیم تو شاید برسی

حضرت خواجہ (عبید اللہ) احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہ فرماتے تھے کہ اگر میں لوگوں کو مرید کرنا شروع کر دوں تو کوئی پیر دنیا میں مرید کو نہ پاسکے۔ لیکن مجھے دوسرے کام کا حکم ہے اور وہ ترویج شریعت اور حمایت ملت کا کام ہے۔ آپ ضرورتاً بادشاہوں کے ہاں جاتے تھے اور اپنے تصرف سے ان کو اپنا مطیع بناتے تھے۔ پھر ان کے ذریعہ سے ترویج شریعت کا کام انجام دیتے تھے۔ التماس یہ ہے کہ جب حق سبحانہ وتعالیٰ نے، اس خانوادہ بزرگ (سلسلہ نقشبندیہ) کے بزرگوں (قدس اللہ اسرارہم) کی محبت کی برکت سے، آپکی اسلامی عظمت معاصرین کی نگاہوں میں قائم کر دی ہے، تو (اس مرتبہ سے کام لیں) اور کوشش فرمائیں کہ کم از کم اہل کفر کے شعائر جو مسلمانوں میں رواج پاگئے ہیں، منہدم و محو ہوجائیں اور اہل اسلام ان برائیوں سے محفوظ ہوجائیں۔ جزاکم اللہ سبحانہ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء۔

پچھلی حکومت (عہد اکبری) میں دین مصطفوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ عناد ظاہر ہوتا تھا۔ اس سلطنت (عہد جہانگیری) میں بظاہر عناد کی صورت نہیں ہے۔ اگر کچھ ہے تو وہ ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔ مگر خطرہ ہے کہ آخر کار عناد کی صورت پیدا ہوجائے اور مسلمانوں پر اور زیادہ تنگی کی جانے لگے۔

"چوں بید برسر ایمان خویش می لرزم"

اللہ سبحانہ ہم کو اور تم کو سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی پیروی پر مضبوطی سے قائم رکھے!

فقیر ایک تقریب میں یہاں آیا ہوا تھا، دل نہ مانا کہ اپنے آنے کی اطلاع نہ دوں اور کچھ مفید باتیں نہ لکھوں اور آپ سے جو طبعی محبت فطری مناسبت کی وجہ سے ہے اس سے آگاہ نہ کر دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: مَن احبَّ اخاہ فلیُعلِمہ ایّاہ، یعنی جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی سے محبت رکھے اسے چاہیئے کہ اسے اپنی محبت سے آگاہ کر دے۔

والسّلام علیکم وعلیٰ جمیع من اتبع الھدیٰ۔

رسولِ امین (صلعم) پر نزولِ وحی

سیرتِ رسول امین اور مستشرقین کی ایک فصل

الحاج قاضی محمد احمد کاظمی
(سابق ممبر پارلیمنٹ)
ایڈوکیٹ الہ آباد ہائی کورٹ

وحی، الہام، معجزات اور ازواج مطہرات سے متعلق متفرق اعتراضات

عیسائی مورخین کے اہم اعتراضات بالعموم اور ٹامس صاحب کے اعتراضات کا بالخصوص جواب ہم پچھلے بابوں میں دے چکے ہیں اب باقی ماندہ متفرق اعتراضات عنوانات مندرجہ ذیل پر پلٹے جاتے ہیں اسوجہ سے اب ہم ہر ایک عنوان کو جداگانہ لیتے ہیں۔

(۱) **وحی اور الہام** :- آجکل دنیا کے سات بڑے مذاہب ہیں یہودی۔ عیسائی۔ زرتشتی وغیرہ مذہب الہامی مذاہب سمجھے جاتے ہیں۔ ان مذاہب کے ماننے والے کتب مقدسہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اسلام بھی ایک الہامی مذہب سمجھا جاتا ہے اور قرآن مجید کلام الٰہی مانا جاتا ہے اسلئے کہ جہاں تک ان الہامی مذاہب کا تعلق ہے خدائے برتر دنیا کا پیدا کرنے والا ہے اس نے ہی دنیا کو پیدا کیا اور عوام کی رہبری کے لئے نبی اتارے اور ان کی ہدایت کے لئے آسمانی کتب اتاریں۔ ان الہامی مذاہب کے علاوہ ایک دوسرا نیا مذہب موجودہ سائنس اور فلسفہ کی روشنی میں دہریت کا مذہب ہے کہ جو نہ خدا کو مانتے ہیں نہ نبی کو نہ الہام کو اور نہ آسمانی کتب کو اسلئے وحی اور اسلام کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ہم کو ان دونوں گروہوں کے خیالات کو علٰحدہ علیحدہ رکھنے کی ضرورت ہے جہاں تک کہ دہریت کا مذہب ہے اس سے کسی عیسائی یہودی ہندو یا مسلمان کو جداگانہ بحث نہیں کرنی ہے بلکہ ان سب کو ملکر اپنے مشترکہ اصول کو ثابت کرنا ہے یہ چیز جداگانہ ہے ہم نے دوسرے حصہ میں بحث کی ہے۔

یہاں پر جن اعتراضات کا جواب دینا ہے وہ عیسائیوں کے ہیں جو خدا، وحی، الہام آسمانی کتب کو مانتے ہیں صرف یہ کہتے ہیں کہ رسول کریم سچے نبی نہ تھے ان کو وحی یا الہام نہ ہوتا تھا پس قرآن آسمانی کتاب نہیں حضرت موسیٰ اور عیسیٰ خدا کے نبی تھے۔ خدا نے ان پر مقدس کتابیں اتاریں جو آسمانی کتابیں ہیں اسلئے معاملہ زیر بحث محدود ہے اور اس جگہ پر ہم کو ان حدود سے متجاوز ہونا نہیں ہے۔

وحی کے متعلق سر ولیم میور کا بیان :- سر ولیم میور کے نزدیک گرچہ نبیوں پر وحی اترتی ہے۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دراصل ان کے اپنے خیالات و تصورات کا اثر تھا۔ وہ لکھتے ہیں۔[1]

"ایک طرف تو ان کے ساتھ تھوڑے سے ان کے معتقد تھے۔ ان کو روحانی سچائی اپنے دل پر سورج کی شعاعوں کی طرح صاف اور چمکتی ہوئی دکھلائی دیتی تھی۔ اس پر جو روحانی تصورات ان کو دکھلائی دیتے رہے انھوں نے اس پر مہر لگا دی تھی۔ جو ان کو بظاہر خداوندی مہر معلوم ہوتی تھی (اگرچہ ممکن ہے کہ اس میں دنیاوی طمع بھی شامل ہو) ان کو ایک سچی خواہش کا احساس تھا۔ اور سمجھنے لگے کہ انھیں حکم خداوندی ملا ہے۔ کہ وہ لوگوں کو تاریکی کی طرف سے روشنی کی طرف دعوت دیں"

"دوسری طرف دنیادار لوگ اُن کا مذاق اُڑاتے تھے اور انکی وعظ و نصیحت کو سمجھدار اور سنجیدہ لوگ ایک جوشیلے شخص کی بڑ سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ لیکن اگر خدا سے ان کو نبوت مل جائے تو یہ سب مشکلیں حل ہو جائیں۔ اسلئے انھوں نے اب انتظار کرنا شروع کیا کہ خدائے تعالیٰ انکی اسطرح پر رہبری کرے

[1] Life of Mord. Sir William Nuir
Vol II 673

جیسا کہ پرانے زمانہ میں اور رسُولوں کی رہبری کی تھی. ممکن ہے کہ ان کے پاس جبریل آوے جیسے کہ وہ (حضرت) زکریا اور (حضرت) مریمؑ کے پاس آتے تھے. ایک رات وہ حرا کی چوٹیوں پر چکر لگا رہے تھے یا بیٹھے ہوئے تھے اور اس قسم کے خیالات میں مستغرق تھے کہ دفعتاً ان کی آنکھوں کے سامنے ایک صورت نظر آئی آسمانی فرشتہ کا خواب جو عرصہ سے ان کی آنکھوں میں گھوم رہا تھا وہ ان کے پریشان خیال میں آج پورا ہو گیا وہ سوائے جبریل کے کوئی اور نہ تھا وہ آسمانوں میں نظر آیا اور دو کمانوں کے فاصلہ پر آ گیا اور اقرأ کا سبق پڑھایا "

اسطرح پر سر ولیم میور کے نزدیک یہ ایک محض واہمہ تھا جسکو رسُول کریمؐ نے سچا سمجھا اور پھر اس کے بعد تمام عمر اس واہمہ سے فائدہ اُٹھایا. اسطرح پر سر ولیم میور کے نزدیک یہ خیال رسُول کریم کے دماغ میں اسوجہ سے مضبوط ہو گیا تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ اس سے عوام میں کام کرنے میں سہولت ہو گی. لیکن اس باب میں آگے چل کر وہ خود لکھتے ہیں

" لیکن مکہ میں خدا کی رسالت کی کسی نے کوئی پرواہ نہ کی اب انکی اور بھی تحقیر کی جانے لگی اور، اور بھی زیادہ مذاق اُڑایا جانے لگا. لوگ ان کو شاعر. مجنوں. کاہن جادوگر وغیرہ کے نام سے نامزد کرنے لگے. اسلئے کہ انکا طریقہ کلام ایسا ہی تھا جیسا کہ ان لوگوں کا ہوتا ہے جن کو کہ جن اور بھوت چڑھ جاتے ہیں "

" اس سے ان کو سخت صدمہ ہوا اور ہمت ٹوٹ گئی اور پھر انھوں نے اپنی رسالت کا سہارا لیا "

سر ولیم میور تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت کا ذریعہ معلومات مافوق الفطرت تھا لیکن ان کے نزدیک اہم سوال یہ ہے کہ یہ ذریعہ خداوندی تھا یا شیطانی وہ لکھتے ہیں ؎۱

" ہمارے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ اس مسئلہ پر عیسائی نقطۂ نظر سے غور کریں اور اس بات کا پتہ چلائیں کہ مافوق الفطرت قوتیں جو رسُولؐ عربی کی روح پر اثر انداز ہوتی تھیں کیا یہ ممکن ہے کہ وہ شیطان یا اس کی ذریات کی طرف سے ہوں "

Life of Md. Sir William Muir
p. 90

شیطان کی حضرت عیسیٰ کو بہکانے کی کوشش :-

اس سلسلہ میں سر ولیم میور شیطان کی حضرت عیسیٰ کو بہکانے کی کوششوں کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نہیں بہکے لیکن آنحضرت کے متعلق ان کی رائے ہے کہ وہ بہک گئے حضرت عیسےٰ کو جو بہکانے کی جو کوشش شیطان نے کی تھی اسکو ہم متی کی انجیل باب ۴ سے نقل کرتے ہیں تاکہ یہ اندازہ کیا جاسکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسطرح بہکانے کی کوشش کی گئی تھی یا نہیں.

" اسوقت یسوع کو جنگل میں لے گیا تاکہ ابلیس سے آزمایا جاوے اور چالیس دن چالیس رات فاقہ کر کے آخر کو اسے بھوک لگی. اور آزمانے والے نے پاس آکر اس سے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو فرما یہ پتھر روٹیاں بن جاویں اس نے جواب میں کہا. لکھا ہے کہ آدمی صرف روٹی ہی سے جیتا نہ رہے گا بلکہ ہر بات سے جو خدا کے منہ سے نکلتی ہے.

تب ابلیس اسے مقدس شہر میں لے گیا اور ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کر کے اس سے کہا اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اپنے تئیں نیچے گرا دے کیونکہ لکھا ہے کہ وہ تیری بابت اپنے فرشتوں کو حکم دے گا اور وہ تجھے ہاتھوں پر اُٹھا لیں گے. ایسا نہ ہو کہ تیرے پاؤں کو پتھروں سے ٹھیس لگے یسوع نے اس سے کہا. یہ بھی لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کی آزمائش نہ کر

پھر ابلیس اسے ایک بہت اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دُنیا کی سب سلطنتیں اور ان کی شان و شوکت اسے دکھائی اور اس سے کہا کہ اگر تو جھک کر مجھے سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دیدونگا. یسوع نے کہا. اے شیطان دور ہو کیوں کہ لکھا ہے کہ خداوند اپنے خدا کو سجدہ کرو اور صرف اسی کی عبادت تب ابلیس اس کے پاس سے چلا گیا اور دیکھو فرشتے اسکی خدمت کرنے لگے "

اسطرح پر حضرت عیسٰی شیطان کے بہکانے میں نہیں آئے اور بقول سر ولیم میور اس سے بھی سخت امتحان حضرت عیسٰی کا اسوقت ہوا جب وہ سولی پر چڑھائے گئے اور اس پر وہ متی کی انجیل (باب ۲۷ آیت ۳۷ تا ۴۴) سے پھر استدلال کرتے ہیں جسکا مضمون ہے :-

" اور اسکا الزام لکھ کر اسکے سر کے اوپر لگا دیا. یہ یہودیوں کا بادشاہ یسوع ہے اسوقت اسکے ساتھ دو ڈاکو مصلوب ہوئے ایک داہنے اور ایک بائیں اور راہ چلنے والے سر ہلا ہلا کر اسکو لعن طعن کرتے اور کہتے تھے. اسے

مقدس کے ڈھانے والے اور تین دن میں بنانے والے اپنے تئیں بچا۔ اور اسی طرح سردار کاہن بھی ٹھٹھوں اور بزرگوں کے ساتھ مل کر ٹھٹھے سے کہتے تھے اسنے اوروں کو بچایا اپنے تئیں نہیں بچا سکتا۔ یہ تو اسرائیل کا بادشاہ ہے اب صلیب پر سے اتر آئے تو ہم اسپر ایمان لائیں، اس نے خدا پر بھروسہ کیا ہے اگر وہ اسے چاہتا ہے تو اب اس کو چھڑالے کیونکہ اس نے کہا تھا میں خدا کا بیٹا ہوں اسی طرح ڈاکو بھی جو اسکے ساتھ مصلوب ہوئے تھے اس پر بھی لعن طعن کرتے تھے"

اس سلسلہ میں سر ولیم میور تحریر کرتے ہیں "ہمارے لارڈ کا دوسرا سین وہ تھا کہ جب ان کو ترغیب دی گئی کہ روحانی اور جائز مقاصد ناجائز طریقوں سے حاصل کئے جاویں اور وہ اپنے .... سچائی کے دعوی کو ما فوق الفطرت قوت کے اظہار سے ثابت کر دے مقصود جائز تھا لیکن ذرائع جو استعمال کئے جاتے وہ خداوند تعالیٰ کو .... ترغیب دینے کے تھے جسکے تمام انسان مطیع و فرمانبردار ہیں (حضرت) عیسیٰ اپنے مذہب کو اس قسم کی ترکیبوں سے ترقی نہ دینا چاہتے تھے اگرچہ ان کے مشن کا مقصد ضرور تھا کہ وہ مناسب مواقع پر اپنی فطرت کی خداوندی شان کو دنیا کے سامنے ظاہر کرتے تھے اور دکھلاتے تھے کہ ان کو کسقدر خدا کی امداد حاصل ہے یہ تجویز کہ" اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب سے اتر آ" بھی اسی (شیطان کے) ذریعہ سے تھی لیکن اسنے اس کو منظور نہ کیا اور صلیب سے نہ اترے انسانی زندگی کا قانون تھا کہ وہ اپنی اس طاقت کے استعمال سے انکار کر دیتے اس طاقت کے ذریعہ وہ فوجوں کو طلب کر سکتے تھے اور اپنی تجاویز کو نافذ کرا سکتے تھے اور دشمنوں کے .... زور کو ختم کر سکتے تھے" عہ

ہمارا مقصد سر ولیم میور کے قیاسات کی تردید کرنے کا نہیں ہے لیکن خود انجیل مقدس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے یہ قیاسات ہی ہیں انکی کوئی سند نہیں ہے اور واقعات اسکے برخلاف ہیں اور اسکے لئے ہم متی کی انجیل سے کچھ حوالے پیش کرتے ہیں:۔ یہ کہ حضرت عیسیٰ کو جب معلوم ہوا کہ یہودی ان کو قتل کرنا چاہتے ہیں انھوں نے چھپنے کی کوشش کی جیساکہ انجیل میں باب ۲۶ آیت ۱۴ میں ہے۔

"اسوقت ان کے بارہ میں ایک نے جسکا نام یہوداہ اسکریوتی تھا کاہنوں کے سردار کے پاس جاکر کہا "اگر میں تمہارے حوالے کردوں تو مجھے کیا دو گے۔ انھوں نے اسکو تیس روپے تول کر دیئے اور وہ اسوقت سے اس کو پکڑوانے کا موقعہ ڈھونڈنے لگا"

چنانچہ اس یہوداہ نے مخبری کر کے حضرت عیسیٰ کو پکڑوا دیا۔ اس کی اطلاع ہونے پر ان کو سخت صدمہ اور افسوس ہوا اور انھوں نے خدا سے اس مصیبت سے بچنے کے لئے دعائیں کیں۔ اسکا ذکر آیات ۳۶ لغایۃ ۵۰ میں ہے۔

(GATSAMNI)

"اسوقت یسوع ان کے ساتھ نام ایک جگہ میں آیا اور اپنے شاگردوں سے کہا یہیں بیٹھے رہنا جبتک کہ میں وہاں جاکر دعا کر دوں اور پطرس اور زبدی کے دونوں بیٹوں کو ساتھ لیکر غمگین اور بیقرار ہونے لگا اسوقت اسنے ان سے کہا کہ میری جان نہایت غمگین ہے یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو۔ پھر ذرا آگے بڑھا، منہ کے بل گر کر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے تو بھی نہ جیسا میں چاہتا ہوں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو۔ پھر شاگردوں کے پاس آکر ان کو سوتے پایا اور کہا کہ تم میرے ساتھ ایک گھڑی بھی نہ جاگ سکے۔ جاگو اور دعا کرو کہ آزمائش میں نہ پڑو۔ روح تو مستعد ہے مگر جسم کمزور ہے۔ پھر دوبارہ اس نے جاکر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ اگر یہ میرے پیئے بغیر نہیں ٹل سکتا تو تیری مرضی پوری ہو۔ اور آکر انکو پھر سوتے پایا کیونکہ انکی آنکھیں نیند سے بھری تھیں اور انکو چھوڑ کر پھر چلا گیا۔ اور پھر وہی بات کہہ کر تیسری بار دعا کی تب شاگردوں کے پاس آکر ان سے کہا اب سوتے رہو اور آرام کرو۔ دیکھو وقت آپہنچا ہے اور ابن آدم گنہگاروں کے حوالہ کیا جاتا ہے۔ اٹھو چلیں۔ دیکھو میرا پکڑنے والا نزدیک آپہنچا ہے۔

وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ یہوداجو ان بارہ میں سے ایک تھا اور اسکے ساتھ ایک بڑی بھیڑ تلواریں اور لاٹھیاں لئے کاہنوں کے سردار اور قوم کے بزرگوں کی طرف سے آپہنچی اور اسکے پکڑوانے والے نے یہ نشان دیا تھا کہ جس کا میں بوسہ لوں وہی ہے اسے پکڑ لینا اور اس نے فوراً یسوع کے پاس آکر کہا اے ربی سلام اور اسکے بوسے لئے یسوع نے اس سے کہا۔ یہاں جس کام کے لئے آیا ہے وہ کر لے۔ اس پر انھوں نے آکر یسوع پر ہاتھ ڈالا اور اسے پکڑ لیا"

عہ Life of Mohd by Sir Wi[illegible]am Muir P. 92 & 93 Vol II

آیات مذکورالصدر سے یہ بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گرفتاری سے بچنے کے لئے ہر امکانی کوشش کی اور خدائے تعالےٰ سے نہایت گریہ وزاری سے دعائیں کیں یہی نہیں بلکہ ان کی گریہ وزاری کے باوجود ان کی گرفتاری و صلیب پر چڑھائے جانے کا سخت صدمہ و افسوس تھا۔ چنانچہ انجیل باب ۲۷ آیت ۴۵، ۴۶ میں حضرت عیسیٰ کو سولی پر چڑھائے جانے کے بعد کا حال اسطرح تحریر ہے۔

"اور دوپہر سے لیکر تیسرے پہر تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا اور تیسرے پہر کے قریب بڑی آواز سے چلا کر کہا ایلی ایلی لما شبقتنی" (SHABAG H TANI) یعنی اے میرے خدا تونے مجھے کیوں ...... چھوڑ دیا؟ جو وہاں کھڑے تھے ان میں سے بعض نے سنکر کہا یہ ایلیاہ کو پکارتا ہے...... مگر باقیوں نے کہا ٹھہر جاؤ دیکھو تو ایلیاہ اسکے بچانے آتا ہے یا نہیں۔ پھر یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر جان دیدی" اور مقدس کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اور زمین لرزی اور چٹانیں تڑق گئیں اور قبریں کھل گئیں اور بہت سے جسم ان مقدسوں کے جو سو گئے تھے جی اٹھے اور ان کے جی اٹھنے کے بعد قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں گئے اور بہتوں کو دکھائی دیئے۔ پس صوبہ دار اور جو اس کے ساتھ نگہبانی کرتے تھے۔ بھونچال اور تمام ماجرا دیکھ کر بہت ہی ڈر کر کہنے لگے کہ بیشک یہ خدا کا بیٹا تھا۔"

ان آیات سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی پوری قوت گرفتاری اور صلیب سے بچنے کے لئے صرف کی اور خداوند تعالیٰ کی خدمت میں گریہ وزاری کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ یہ کہنا کہ یہ اشارہ شیطان کی طرف سے تھا اور اسوجہ سے حضرت عیسیٰ ع اپنے آپکو بچانے کے لئے تیار نہ ہوتے۔ بالکل غلط ہے۔

سر ولیم میور کی رائے کے اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہ کیا اور شیطان کے بہکانے میں آ گئے اور دین و دنیا کی مصالحت کی ایک صورت نکالی۔ سر ولیم میور نے یہ عام بیان دیا ہے کوئی ایسا واقعہ بیان نہیں کیا ہے کہ جہاں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان سے ایسی مصالحت کی ہو۔ آنحضرت ص کی مکی زندگی میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ قریش ان کو بڑی سے بڑی عزت دولت اور قوم کی سرداری سب کچھ دینے کو تیار تھے۔ اور صرف یہ چاہتے تھے کہ خدائے واحد کی تبلیغ سے باز آجاویں اور اسپر وہ دس سال کی مسلسل ایذائیں اور پریشانیوں کے باوجود قائم رہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ حضرت عیسیٰ ع اپنے دشمنوں کے پنجے میں پھنس گئے اور ان کے عقیدوں کی رو سے مصلوب ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کی سازشوں کا اپنے تدبر سے با خداوندی شکار نہ ہو سکے۔ اس بنا پر یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰ سچے نبی تھے چونکہ وہ اپنے آپکو نہ بچا سکے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی نہ تھے اسلئے کہ وہ خود اپنے دشمنوں پر غالب آ گئے اور اسوجہ سے ان کا دعویٰ وحی خداوندی نہ تھا۔ اس کے معنے تو ہمیشہ کے لئے خدا کی شکست ماننا ہے اسلئے کہ اگر خدا کا نمائندہ انسانوں کے ہاتھوں سے مارا جاوے تو خدا کا غلبہ ثابت ہو جاوے اگر خدا کا نمائندہ اپنے مخالفوں پر غالب آ جائے تو وہ شیطان ہی کی امداد سے ہو گا۔ اس منطق کا سمجھنا مشکل ہے۔

آگے چل کر سر ولیم میور لکھتے ہیں:۔

"رسول عربی کے لئے بہت ہی اچھا ہوتا کہ اگر مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد سے انکا میدان عمل ختم ہو جاتا۔ تب فی الواقعہ ان پر برائی اور بھلائی کی صلح کا الزام عاید نہ ہو سکتا اور ایک حد تک صحیح طور پر کہا جا سکتا کہ ایسا الزام غلط ہے"

سر ولیم میور کے ان خیالات کو ہم نے تفصیل کے ساتھ اسی وجہ سے لکھدیا ہے کہ عیسائی دنیا کے نزدیک مکی زندگی تک تو رسول کی زندگی ایک نبی کی زندگی مانی جا سکتی ہے لیکن مدنی زندگی جس میں کہ عملی حکومت اور سیاست کے نمونے پیش کئے نبی کی زندگی نہیں مانی جا سکتی کیونکہ ان کے نزدیک شاید خدا اور اسکے چہیتوں کی دشمنان خدا کے مقابلہ میں کامیابی ممکن نہیں۔ حالانکہ اسلامی نقطۂ نظر سے جو عقل کے عین مطابق ہے، نیکی بدی کی قوتوں کو بالآخر شکست دیدیتی ہے اور حق وصداقت غالب ہو کر رہتی ہے۔

نزولِ وحی کے وقت کی کیفیت:۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جس وقت آنحضرت ص پر وحی نازل ہوئی تھی تو آنحضرت کے چہرہ پر سخت پریشانی کے آثار معلوم ہوتے تھے وہ بعض اوقات زمین پر اسطرح گر جاتے تھے کہ جیسا کہ کوئی نیند میں مخمور ہو۔ اور انتہا درجہ کی سردی کے زمانہ میں بھی آنحضرت کی

پیشانی پر پسینہ آجاتا تھا۔ بعض اوقات جب آپ اونٹنی پر سوار ہوتے تھے اور نزول وحی ہوتا تھا۔ اونٹنی بھی سخت پریشان ہوجاتی تھی۔ کبھی بیٹھ جاتی کبھی کھڑی ہوجاتی کبھی پیر جما کر کھڑی ہوجاتی۔ پھر پاؤں کو مارنے لگتی۔ نزولِ وحی کے آثار بالعموم غیر متوقع طور پر ظاہر ہوتے تھے جب آنحضرت سے نزول وحی کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپنے فرمایا۔

"وحی مجھ پر دو طریقوں میں سے ایک طریقہ پر نازل ہوتی ہے کبھی تو حضرت جبرئیل آتے ہیں اور وحی مجھ تک پہنچا دیتے ہیں۔ اسی طرح جیسا کہ ایک آدمی دوسرے تک خبر پہنچاتا ہے اور یہ بہت آسان ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے میرے اوپر ایسا اثر ہوتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ گھنٹے بج رہے ہیں انکا اثر میرے دل تک پہنچتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے جا رہے ہیں اور اس طریقہ میں مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے۔" آخر عمر میں رسُول کریم نے اپنے سفید بال ہوجانے کی وجہ یہ فرمائی کہ یہ سخت سورتوں کے نزول کی وجہ سے سفید ہوگئے جس میں سورہ ہود وغیرہ شامل ہیں۔

کیا وحی بناوٹی تھی:- پہلے زمانہ کے نبیوں پر وحی اترا کرتی تھی۔ اور ہر صحیفہ آسمانی پر یقین رکھنے والے کا عقیدہ ہے کہ اسکی مقدس کتاب بذریعہ وحی اتری ہے۔ آج ہمارے پاس اس کے جانچنے کا کوئی معیار سوائے سابقہ شہادتوں کے نہیں جتنی تفصیلات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی معلوم ہیں اور کسی کی نہیں۔ عیسائی اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مافوق الفطرت قوت ہدایت کرتی تھی۔ ان کے نزدیک وہ خداوند تعالیٰ کی قوت نہ تھی بلکہ شیطانی قوت تھی۔ لیکن جب ہم رسُول کریمؐ کی پوری زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے تمام عمر جو کچھ بھی کیا وہ شیطانی قوتوں کی جڑ کاٹنے کے لئے کیا۔ تو یہ وہم ختم ہوجاتا ہے۔ اور ثابت ہوجاتا ہے وحی صرف منجانب خداوند تعالیٰ ہی ہوتی تھی۔

بعض لوگ وحی کے نزول کے واقعات سے انکار نہ کرسکنے کی بنا پر اسکی یہ وجہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت کو مرگی کے دورے پڑا کرتے تھے لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ مرگی کے دورے دماغی خرابی کے باعث ہوتے ہیں اور دورہ سے دماغ اور بھی ماؤف ہوجاتا ہے۔ ادھر یہ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ ہر نزول وحی اس زمانہ کے مہتم بالشان امور کے طے کرنے کے لئے ہوتا تھا۔ وہ امور جو عقل انسانی کی حدود سے باہر ہوتے تھے ان کا آخری تصفیہ وحی کے ذریعہ ہی ہوتا تھا۔

آنحضرت اور عیسائی مذہب:- ہر چیز کے سچا اور جھوٹا قرار دینے کے لئے مختلف معیار ہوتے ہیں۔ شہادتیں ہوتی ہیں۔ رسُول کریمؐ کی صداقت محبت سچائی کے تلاش کے جذبہ کی ان کے بدترین نکتہ چیں تصدیق کرتے ہیں۔ سر ولیم میور کے نزدیک اگر عیسائیت صحیح طریقہ پر ان کے سامنے پیش کی جاتی تو وہ عیسائی ہوجاتے۔ شروع کے زمانہ میں جو آنحضرتؐ نے شام کے سفر کئے تھے اور وہاں عیسائیوں کے مختلف فرقوں سے ملاقاتیں کیں تھیں ان کے بارے میں سر ولیم میور لکھتے ہیں "یہ بات نہایت قابل افسوس ہے کہ شام کے پادری اور راہبوں نے اس نوعمر تحقیق کے شیدائی کو عیسائیت کا اچھا اور خوبصورت پہلو نہیں دکھلایا۔ اور جو دکھلایا بھی وہ کتنا اُلٹا اور بدلا ہوا پہلو تھا۔ بجائے انجیل مقدس کی بڑائی کے جس کو نازل کرکے خداوند برتر نے انسان کے ساتھ اپنے بیٹے کی معرفت تعلقات قائم کئے تھے انھوں نے اس سیاح پر تثلیث کے اصول ثبت کرنا چاہے اور (حضرت) مریم کی پرستش کو اسطرح پر پیش کیا گیا کہ اس سے (حضرت) محمد کے دل پر یہ اثر ہوگیا کہ عیسائی ان کو خدا مانتے ہیں .... اس قسم کے لغو بیہودہ مبالغوں کی وجہ سے (حضرت) محمد عیسائیت کے اصل اصول کہ "حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں" سے متنفر ہوگئے اور حضرت عیسیٰ کو "ابن مریم" کہنے لگے اور تمام قرآن میں ان کا اسی حیثیت سے ذکر کیا جاتا ہے۔ آج ہم جتنا بھی ماتم کریں وہ کم ہے کہ اس زمانہ کے نام نہاد کیتھولک فرقہ نے اس زمانہ کے عاقل ترین شخص کو گمراہ کیا اور اسطرح پر ایشیا اور افریقہ کے بڑے حصّہ کو عیسائیت سے محروم کردیا"۔ [1]

(مگر سوال یہ ہے کہ "عیسائیت کے خوبصورت پہلو" دنیا میں باقی کہاں رہے تھے۔ رومی اور غیر رومی بت پرستوں نے تو اپنے مشرکانہ عقائد و افکار کے گرد و غبار کی تہیں ان پر جما دی تھیں۔ سر ولیم کے نزدیک بھی عیسائیت کا حسین پہلو یہ تھا کہ "حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں"! حالانکہ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اصل عیسائیت (اسلام) کی روشن پیشانی پر بدنما داغ قرار دیتے تھے۔ (باقی صفحہ ۱۷ پر ملاحظہ فرمایئے)

---

[1] Sir William Muir Vol II p. 19 & 20

★ ——— مولانا قاری خلیل احمد جامعی صاحب ناظم انجمن اشاعت سیرت

خُلقِ عظیم

دشمنوں کو بد دعا، بھی نہ کی: سیدالمرسلین رحمۃ للعالمین (ص) صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خلاف تلوار اُٹھانے والوں سے نہ صرف یہ کہ انتقام نہیں لیا بلکہ اپنے مولیٰ کے سامنے ان کی زیادتیوں کی شکایت بھی زبان پر نہ لائے۔ اور کبھی بد دعا کے لئے بھی ہاتھ نہ اٹھائے۔

سینکڑوں مثالوں میں سے چند یہاں نقل کی جاتی ہیں:۔

(۱) خباب ابن ارث ...... ایک جلیل القدر صحابی ہیں، کفار کی انتہائی ایذا رسانی کے زمانہ میں، خدمت اقدس میں گذارش کی، کہ "یا رسول اللہ! دشمنوں کے حق میں بد دعا فرمایئے" یہ سُن کر چہرۂ انور سُرخ ہو گیا۔

(۲) ایک مرتبہ چند لوگوں نے ملکر "بد دعا" کی درخواست پیش کی، تو فرمایا:۔

"میں دُنیا میں لعنت کے لئے نہیں، رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

(۳) اہل مکہ نے متفقہ طور پر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کا بائیکاٹ کیا، جس کے باعث تین سال تک، سب کو ایک پہاڑ کی گھاٹی میں قیدیوں کی حیثیت سے رہنا پڑا، غلہ کا ایک دانہ تک، مکہ والے، ان کے پاس نہ پہنچنے دیتے تھے، اہل مکہ کو ان ایذا رسانیوں کا بدلہ، دعائے نبوی کی بدولت، یہ ملا، کہ بارش نہ ہوئی اور اسقدر سخت قحط پڑا کہ لوگ ہڈی اور مُردار کھانے لگے ...... اس صورت حالت سے گھبرا کر اور تنگ آکر، سب نے ابوسفیان کو حضور ص کے پاس بھیجا، وہ آئے اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے۔ خدا سے دعا کرو کہ یہ مصیبت دور ہو"۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے، بلا عذر، دعا کے لئے فوراً ہاتھ اُٹھائے، اور خدائے تعالےٰ نے، قحط کی مصیبت سے، مکہ والوں کو نجات دی۔

(۴) جنگ احد میں، دشمنوں نے، آپ پر، تیر برسائے پتھر پھینکے دندانِ مبارک شہید کیا، ان سب کے جواب میں، زبانِ مبارک سے نکلتا ہے، تو یہ کہ:۔

"اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ"

(بار الہا! میری قوم کو ہدایت نصیب فرما، یہ نا سمجھ ہیں)

(۵) اہل مکہ کی ایذا رسانیوں کی جب انتہا ہو گئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خیال فرما کر، کہ طائف کا خطہ، بہت سرسبز و شاداب ہے وہاں کے لوگوں کے دلوں میں بھی، ایسی ہی تازگی ہوگی اور وہ اس پیغام ہدایت کو، جو میں انسانیت کی بہتری کے لئے لایا ہوں، بخوشی قبول کریں گے اس خیال کے آنے کے بعد، آپ طائف کے لئے روانہ ہو گئے، وہاں پہنچ کر بالکل خلاف اُمید، اہل طائف کو سخت اذیت کوش پایا، ایک غریب الوطن مسافر کے ساتھ یہ ہولناک برتاؤ، کہ پائے مبارک پتھروں کی ضرب سے لہولہان ہو گئے۔ راہ چلنا دشوار تھا۔

اسی حالت میں، حضور ص کی خدمت میں، اللہ کا فرشتہ حاضر ہو کر عرض کرتا ہے، کہ حکم ہو تو ان پیکی (طائف کا) پہاڑ، جسکے دامن میں، یہ بستے ہیں، اُلٹ دیا جائے ارشاد ہوتا ہے،

"نہیں ...... شاید انکی نسل میں، کوئی اللہ کا ماننے والا پیدا ہو"

اسی حالِ پر، دس بارہ سال بیت گئے، کہ دعوت اسلام کی پھر وہاں (طائف میں)، تجدید کی گئی، اللہ کے رسُول کے ساتھیوں کو، ایذا رسانی کے جواب میں، تیر و تفنگ کا نشانہ بننا پڑا، جس سے محمد ص کے جان نثاروں کے لاشے، خاک و خون میں تڑپنے لگے۔

صحابہ کرام رض اس منظر کو برداشت نہ کرسکے، عرض کیا "یا رسول

ان کے حق میں بد دعا فرمائیے۔ مگر آپ "دعا" کے لئے ہاتھ اٹھا دیتے ہیں، لوگوں کو خیال ہوتا ہے کہ اب حضورؐ ان کے حق میں بد دعا فرمائیں گے"۔ لیکن زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکلتے ہیں :—

"خداوندا! ثقیف (اہل طائف) کو اسلام نصیب کر، اور دوستانہ، اُن کو، مدینہ لا"۔

یہی ہوا کہ کچھ دنوں بعد، یہی اہل طائف، مسجد نبوی میں حاضر ہوکر، مشرف بہ "اسلام" ہوجاتے ہیں۔

(۶) طفیل ابن عمرو دوسی .... اپنے قبیلۂ "دوس" کے رئیس تھے، جو یمن میں آباد تھا۔ طفیلؓ تو بہت پرانے مسلمان تھے مگر ان کا قبیلہ ایک عرصہ تک اسلام نہ لایا، طفیلؓ جس قدر انہیں اسلام کی طرف بلاتے، اسی قدر وہ اپنے کفر پہ اور اصرار کرتے، آخر کار طفیلؓ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے قبیلہ کی حالت بیان کرکے، بد دعا کی درخواست کی، سننے والوں کے دل میں خیال گذرا، کہ اب دوس کی خیر نہیں، لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے، دوس کے لئے یہ دعا فرمائی۔

"اے اللہ! دوس کو ہدایت کر اور ان کو لا"۔

(۷) ابوہریرہؓ کی ماں مشرکہ تھیں، وہ جسقدر اپنی ماں کو سمجھاتے اسی قدر وہ اور شرک وکفر کے اظہار میں غلو کرتیں اور ایک مرتبہ تو وہ حضورؐ کی شان میں گستاخی کر بیٹھیں، ابوہریرہ رضؓ کو سخت رنج ہوا، وہ رو پڑے اور اسی حالت میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ماں کا حال سنایا، سنکر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا فرمائی :—

"اے خدا! ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت نصیب کر"۔

خوش خوش گھر واپس ہوئے، دیکھا کواڑ بند ہیں، ماں نہا رہی ہیں، غسل سے فراغت کرکے دروازہ کھولا اور کلمہ پڑھا۔

(۸) عبداللہ بن اُبَی ابن سَلُول ...... منافقوں کا رئیس تھا، ساری عمر منافق رہا، رحمت عالم اور اُن کے ساتھیوں کی ایذا رسانی میں، کوئی دقیقہ کبھی فروگذاشت نہ کیا، کفارِ قریش سے اسکی سازباز تھی جنگ احد میں اپنے ساتھیوں کو، عین میدانِ جنگ سے، اسلئے واپس لے آیا کہ مسلمانوں کو شکست اور اسلام ذلیل ہو...... حضرت عائشہؓ پر بہتان لگانیوالوں میں، وہ سب سے آگے تھا.....

غرضکہ اسلام اور اسلامیوں کو مٹانے، برباد اور ذلیل کرنے میں، اسنے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اسکو معاف کیا، وہ مرا تو اسکے جنازہ کی نماز پڑھی، عمر فاروقؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ اسکی نماز جنازہ پڑھتے ہیں، حالانکہ اسنے ساری عمر جو کچھ کیا، وہ حضورؐ کے سامنے ہے، یہ سنکر آپنے تبسم فرمایا اور کہا، عمر! جانے بھی دو، عمرؓ نے پھر یہی کہا، تو فرمایا، "اے عمر! اگر میں مختار ہوتا اور یہ بات مجھے معلوم ہوجاتی، کہ ستر بار اسکی نماز پڑھوں تو اس کی بخشش ہوجائیگی تو میں اس سے بھی زیادہ پڑھتا"۔

بقیہ صفحہ ۱۵ :— اور ایسے ہی داغوں کو مذہب فطرت کے رخ زیبا سے مٹانے کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسخ شدہ عیسائیت کو کیونکر قبول کرسکتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انکے سینہ کو حضرت عیسیٰ و موسیٰ و ابراہیم اور تمام نبیوں پر نازل ہونے والے دین فطرت کی روشنی سے جگمگا دیا تھا۔ اور آپ کسی نئے دین کی بنیاد ڈالنے کے لئے نہیں بلکہ اسی ازلی و ابدی مذہب اسلام کا پیغام سنانے اور بھولا ہوا راستہ دکھانے کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔ (ن۔ع)

بقیہ صفحہ ۲۳ ایک یہ کہ باوجود اسکے کہ سنوسی وہابیت سے کسی بھی قسم کے تعلق کا انکار کرتے تھے، انھوں نے کبھی وہابیت کو غلط نہیں کہا — حالانکہ مہدی سوڈان کی تحریک کے بارے میں انھوں نے اپنی برأت کا اظہار کردیا تھا۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ وہ وہابیت کیلئے اپنے دلوں میں بہت نرم گوشہ رکھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ وہابیوں نے سب سے سارے صوفی سلسلوں کو نکال باہر کردیا تھا مگر سلسلہ سنوسیہ کیساتھ انھوں نے یہ سلوک نہ کیا۔

اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ باوجودیکہ دونوں کے قائدین خیالات کے لحاظ سے ایک نہ تھے مگر ایک دوسرے کے کام کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ جہاں تک انکے خیالات کی ہم آہنگی کا تعلق ہے اسکو آسانی سے اس حقیقت کے پیش نظر واضح کیا جاسکتا ہے کہ دونوں تحریکوں کے رہنماؤں نے قرآن و سنت سے ہی ..

دُعا

عارف سیالکوٹی

پھر دامنِ نظر میں ہو میخانۂ حجاز
پھر ہر نفس ہو گردشِ پیمانۂ حجاز

پھر منبعِ علوم ہو کاشانۂ حجاز
پھر ماہرِ فنون ہو دیوانۂ حجاز

پھر رشکِ صحنِ باغ ہو ویرانۂ حجاز
پھر غیرتِ بہشت ہو گلخانۂ حجاز

پھر ذرّے تابناک ہوں، ماحول ضوفشاں
پھر ہو فروغِ جلوۂ جانانۂ حجاز

پھر چشمۂ شرابِ حقیقت اُبل پڑے
پھر بزم میں ہو گردشِ پیمانۂ حجاز

پھر مرکزِ نگاہِ جہاں ہو یہ سرزمیں
پھر ہو نظر نوازِ پریخانۂ حجاز

پھر شادکام جذبۂ افلاک گیر ہو
پھر کامراں ہو جراتِ رندانۂ حجاز

پھر منزلیں ہوں منتظرِ جنبشِ نظر
پھر شمع خود ہو طالبِ پروانۂ حجاز

پھر کفر کو شکست ہو، باطل ہو سرنگوں
پھر ہو بلند نعرۂ مستانۂ حجاز

پھر ہوں حجاز والے جہانگیر و کامیاب
پھر ہو زبانِ خلق پہ افسانۂ حجاز

(خاص برائے "المحرم")

شمالی افریقہ کی سنوسی تحریک اس صدی کی اہم ترین اسلامی تحریک تھی جس نے ساری دنیائے اسلام کی سیاست کو متاثر کیا۔ افسوس ہے کہ اس اہم تحریک سے ہند و پاکستان کے مسلمان بہت کم واقف ہیں۔ اُمید کہ اس مختصر مضمون سے اسکے بعض گوشے بے نقاب ہوں گے۔ اس مضمون کے لئے ہم معاصر محترم "چراغ راہ" کے شکر گزار ہیں۔ (ادارہ)

اگرچہ سنوسی تحریک، وہابی تحریک کے تقریباً ایک صدی بعد وجود میں آئی اور باوجودیکہ بدعات کی مخالفت اور قرآن و سنت کی سختی سے پابندی کے لحاظ سے اس میں اور وہابیت میں بڑی مشابہت ہے مگر پھر بھی یہ تحریک اپنی بالکل نمایاں خصوصیات رکھتی ہے۔ کئی اعتبار سے یہ وہابیت سے بہت بڑھی ہوئی اور مسلمانوں کی احیا کے لئے زیادہ ہمہ گیر نقطۂ نظر رکھتی تھی۔

یہ تحریک وہابیت سے کس حد تک مماثلت رکھتی تھی۔ اس پر تو ہم آگے ل کر گفتگو کریں گے لیکن یہاں ہم اس تحریک کے بنیادی خد و خال پر ردشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔ میرے نزدیک اس تحریک کی اہم ترین صوصیات ذیل کی تھیں۔

(۱) باوجودیکہ یہ ایک صوفیانہ تحریک تھی۔ اس نے تصوف کے تمام یر صحت مندانہ اجزاء کو جو پچھلی چند صدیوں میں اس میں آ داخل ہوئے تھے اٹ پھینکا تھا اس خیال کے وجوہات یہ ہیں۔

(۲) سنوسی تحریک کا تصوف شریعت پر مبنی تھا۔ وہ افراد کے خلاق سنوارنے کی طرف زیادہ توجہ دیا کرتے تھے جب کہ عام صوفیاء س بات پر زیادہ زور صرف کرتے تھے کہ لوگوں کو مشاہدہ اور عرفان نصیب و۔ اس سلسلے میں ایوانز پرٹکارڈ کی یہ رائے بہت صحیح محسوس ہوتی ہے کہ نوسیوں کے سامنے لوگوں کو بہتر صوفی بنانا نہیں، بہتر اور با اخلاق مسلمان نانا تھا۔ اسکے تحریک کی تصوف ایمان و اخلاق پر ایک اضافہ تھا۔ اس کا بدل نہ تھا۔

یہی وجہ ہے کہ یہ تحریک متصوفانہ نظریات کا شکار ہونے کی بجائے واضح اور صاف تھی۔ یہی وجہ ہے اس نے اپنے پیرؤں کو تصوف کے درجۂ مثلاً توجہ اور شطح کے حصول کی طرف سرگرم کار بنانے کی بجائے زیادہ زور ان واجبات پر دیا جنکا قرآن میں حکم ہے مثلاً اقامت صلوٰۃ، نیکیوں میں سبقت اور برائیوں سے اجتناب۔ نتیجہ کے طور پر عام لوگوں کے اخلاق میں بہت اضافہ ہوا۔

(ب) سنوسیوں کے تصوف کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ وہ ان تمام بیما رجحانات سے بالکل پاک تھا جو تصوف کی تقریباً تمام شاخوں میں موجود تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ سنوسیوں نے اپنا مقصد اچھے "اصحاب معرفت" پیدا کرنے کی بجائے اسلام کے اصول اخلاق کے اچھے پیرو تیار کرنے پر زور دیا۔ چنانچہ سنوسی دنیاوی اذکار و اشغال سے عدم دلچسپی لینے والے یا اس سے نفرت کرتے ہوئے اپنا سارا وقت گیان اور عبادت میں صرف کرنے والے درویش نہ تھے۔ اسلام دنیاوی مشغولیات کو کمزور اور ذلیل نہیں سمجھتا۔ لہٰذا سنوسی ایسی زندگی گزار رہے تھے جو "صالح اور نیک دنیاوی زندگی" تھی۔ وہ خداترس تھے مگر جوگی نہ تھے بلکہ جیسا کہ ایوانز پرٹکارڈ لکھتا ہے۔ [1]

---

[1] حسنین نے واجنگا کے عوام کے نام سنوسی اعظم کا ایک خط نقل کیا ہے۔

"ہم تمہیں اسلام کے نام پر خدا اور رسُول کی اطاعت کی دعوت دیتے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ تم ان احکام کی تعمیل کرو جن کا خدا اور اس کے رسُول نے حکم دیا ہے۔ جن میں پانچ اوقات میں نماز پڑھنا، ماہ رمضان کے روزے رکھنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا، اوران محرمات سے بچنا جن کے لئے منع کیا گیا ہے یعنی جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، خیانت کرنا، شراب پینا، ناحق قتل کرنا، جھوٹی شہادت دینا اور دیگر جرائم کا ارتکاب کرنا شامل ہیں" (اقتباس از خطوط سنوسی اعظم بحوالہ جیکسن)

"تارک الدنیا ہونا لوگی...... سنوسی اخوان اچھا کھاتے اور پہنتے ہیں، یہاں تک کہ عطر بھی استعمال کرتے ہیں۔ وہ خوشگوار اور ہنس مکھ ساتھی ہوتے ہیں۔ تیونس کے ایک سیاح عثمان ...... نے کہا کہ وہ "ایماندارانہ مذاق اور ہنسی کے شائق محسوس ہوتے ہیں۔ میں بہت سے زاویوں میں گیا اور میں نے ان کے نمایاں افراد سے ملاقاتیں کیں۔ مجھے وہاں صرف ہنس مکھ اور مسکراتے ہوئے چہرے نظر آتے"۔

سنوسی اعظم نے غربت طاری کرنے کی حوصلہ افزائی نہیں کی اور اخوان کو اس بات پر ابھارا کہ وہ خود مکتفی ہوں۔ سنوسیوں کے سربراہوں نے...... مزروعہ زمینوں پر آباد ہونے کی حوصلہ افزائی کی ...... اور چند رہبانیت کی طرف مائل صوفیاء کے گروہ کے اس نظریہ کی کہ خود کمانے کی بجائے صوفی کو خیرات

پر گذرنی چاہیئے، سخت مخالفت کی" اس گروہ کا جو بنیادی طور پر مبلغین کا گروہ تھا۔ مقصد یہ تھا کہ امن و امان کے ساتھ بدوی عربوں، اور باشندگان صحارا و سوڈان کو اسلام کے اخلاقی اصولوں سے آگاہ کیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ تہذیب کی برکتیں امن عدل اور تعلیم سے ان کو آشنا کیا جائے۔

چنانچہ سنوسیوں کی روحانیت مادی دنیا سے منقطع نہ تھی اسنے جسمانی راحتوں اور مسرتوں پر، جہاں تک اخلاقی حدود اجازت دیتی تھیں۔ کوئی پابندی نہیں لگائی اس نے جسم کے مطالبات سے بے اعتنائی نہ کی۔ بظاہر یہ چیز صوفیاء کے کچھ گروہوں کے خیالات سے مطابقت نہیں رکھتی۔ مگر در حقیقت نبی عربیؐ کی ہدایات کے عین بموجب ہے، آپ نے اپنے صحابہ کو رہبانی رجحانات سے خبردار کرتے ہوں، فرمایا تھا۔

"خبردار —— ہمارے لئے رہبانیت نہیں ہے" اور اسلام میں ترک دنیا کی کوئی گنجائش نہیں۔

(۲) دوسرے صوفیاء کے گروہوں کے برخلاف سنوسی اپنے رویہ میں جمود کی بجائے حرکت کو پسند کرتے تھے۔

(۲) سنوسی تحریک ایک صوفی گروہ ہونے کے باوجود، اور تصوف کے تمام صحتمند عناصر اپنے اندر رکھنے کے ساتھ ساتھ وہابیت کے تمام اچھے عناصر رکھتی تھی۔ لیکن یہاں وہابیت کی سختی ختم کر کے اس کی جگہ نرمی نے لے لی تھی۔

—— تصوف اور شریعت دونوں کی سختی سے پابندی سنوسیوں کو اسلامی تحریکوں کی تاریخ میں ایک نمایاں اور منفرد مقام دیتی ہیں۔ اس کے نتیجے کے طور پر سلفیت اور تصوف آپس میں مدغم ہوگئے اور سنوسیوں کے معاملے میں اس نے ایک نہایت صحتمند تحریک کو جنم دیا۔ اس میں وہابی اسلام کی پاکیزگی تھی مگر اسکا تشدد نہ تھا، اس میں تصوف کی حرارت تھی۔ مگر اسکے غیر صحتمندانہ اشغال نہ تھے۔

(ا) سنوسیوں نے شریعت کی سختی سے پابندی پر پورا زور دیا اور بدعات اور اوہام کی سخت مخالفت کی۔

(ب) سنوسیوں میں رواداری، وسعت اور وسیع النظری تھی، وہ اختلافات کو برداشت کر سکتے تھے، اور یہ تصوف کی خصوصیت ہے۔ یہ چیز صرف تحریک کے صحت مند ہونے کی علامت ہے بلکہ اس نے اس تحریک کو دور دراز تک پھیلنے میں بڑی مدد دی۔ اس سلسلے میں یہ چیز قابل ذکر ہے کہ سنوسی اعظم نے نہ صرف صوفیاء کے دوسرے گروہوں کو پوری وسعت قلب سے برداشت کیا۔ بلکہ ان سے اچھے مراسم رکھے اور اپنے گروہ کے لوگوں پر دوسرے سلسلوں سے منسلک ہونے پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ اس وسعت قلب کا نتیجہ بقول شکوری یہ ہوا کہ سنوسی "تقریباً ۴۰ مختلف مذہبی اداروں سے تعلق رکھنے والوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کرنے میں کامیاب ہوگئے —— یہ وہ گروہ تھے جن میں نقطۂ نظر اور آراء کا بڑا خاصا اختلاف موجود تھا"۔

(ج) تشدد کے طریقے اختیار کرنے کی بجائے سنوسی پُرامن ذرائع استعمال کرنے کے قائل تھے۔ سنوسی اعظم کے ایک خط میں جسکا شکوری نے حوالہ دیا، یہ ہدایات موجود ہیں۔

"تمہیں اپنے اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے سنجیدگی اور مستقل مزاجی سے جدوجہد کرنی چاہیئے۔ صحیح راہ اختیار کرو اور چھوٹوں اور بڑوں سے رحم کا برتاؤ کرو۔ اسلئے کہ اللہ نے کہا کہ "لوگوں سے اچھی طرح بات کرو" اور نبی کریم صلعم نے فرمایا ہے "خوش خلقی اختیار کرو —— کیونکہ خوش خلقی ہر چیز کو

سنوارسکتی ہے، اپنے اندر باہمی نصیحت کی فضا پیدا کرو اور اللہ کی مخلوق کی اللہ کی طرف رہنمائی کرو........ اپنے اندر باہمی خلوص اور محبت پیدا کرو۔ لوگوں سے دولت بھاگو۔ اللہ کے بندے، آپس میں بھائی اور نیکی میں تعاون کرنے والے بنو۔"

(۳) تحریک کی تنظیم میں سنوسی اعظم نے بڑی معاملہ فہمی اور عقلمندی کا ثبوت دیا۔ انھوں نے موجودہ قبائلی نظام کی ہیئت میں کوئی تبدیلی نہ کی بلکہ اپنی تحریک کا ڈھانچہ قبائلی نظام کو پیش نظر رکھ کر بنایا۔ ایوانز پریٹکارڈ لکھتا ہے۔

"قبائل نے اپنے زاویے بنا لئے تھے اور انہیں اپنے قبائلی نظام کا جزو تصور کرنے لگے تھے۔ قبائلی نظام اور سنوسی تنظیم یا ہم گھر بالکل ایک ہو گئے، سنوسیوں نے قبائل کو ایک قومی نشان بنا لیا اور قبائل نے اپنے زاویوں کی وساطت سے اس کو اپنا لیا۔ یہی طریق تنظیم تھا جس نے قبائلی شکر رنجیوں اور رقابتوں کے علی الرغم ان کی تنظیم کو مستحکم بنیادیں فراہم کیں"

یہ چیز ظاہر کرتی ہے کہ اس تحریک کے چلانے والے ہوائی قلعے بنانے کے عادی نہ تھے۔ انھوں نے حالات کا اچھی طرح جائزہ لے کر اپنی تحریک کی حقیقت پسندانہ انداز میں بنیاد رکھی تھی۔

(۴) سنوسی تحریک اس خیال پر مبنی تھی کہ مسلمانوں کے روز افزوں زوال اور مغربی طاقتوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کی واحد تدبیر یہی ہے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی ایک تحریک چلائی جائے۔ اسی طرح بیرونی طاقتوں سے خوامخواہ کوئی جھگڑا مول نہ لینے کی پالیسی، جو پہلے ہی خیال کی ایک تضمین COROLLARY ہے، بہت معقول محسوس ہوتی ہے۔ ان چیزوں کو دیکھتے ہوئے یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر سنوسیوں نے حکمت عملی کی دو ایک غلطیاں نہ کی ہوتیں تو وہ شاید اپنے آپ کو سائیرنائیکا میں قائم رکھ سکتے تھے

(۵) سنوسیوں نے نہ صرف یہ کہ زندگی کے معاملات میں کوئی منفی انداز اختیار نہیں کیا بلکہ ان کا عمل ہمیشہ مثبت رہا۔ اور یہ اس بات سے ظاہر ہے کہ انھوں نے تعلیم کی توسیع، قبائلی جھگڑوں کے اختتام اور قبائل کے درمیان اخوت اور معاونت پیدا کرنے، جھگڑے چکانے کا معقول انتظام کرنے اور امن و امان کے قیام کی پوری کوشش کی اس کے نتیجے کے طور پر جن راستوں کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے کہ کوئی وہاں محفوظ طریقہ پر گذر سکتا ہے۔ وہاں کا سفر نہایت آسان ہو گیا۔ تعمیری کاموں کی طرف توجہات مبذول ہوئیں۔ زراعت، باغبانی، آبپاشی اور عملی علوم کی ترقی نے وہاں کی ثقافتی حالت کو بہت بہتر کر دیا۔

(۶) سنوسی تحریک کا ایک مختصر جائزہ بھی یہ واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ سنوسیوں کا مقصد محض تزکیہ نفس نہیں تھا۔ وہ ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتے تھے جس کی بنیاد قرآن و سنت پر ہو اور اس لحاظ سے انیسویں صدی کے صوفی "طریقوں" سے بہت آگے تھے۔

(۷) اس تحریک کا ایک اور اہم پہلو اشاعت اسلام کا وہ بے پناہ جوش ہے جو اس تحریک کے منسلک افراد میں محسوس ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں انکی کامیابی بھی بہت نمایاں ہے۔ سنوسیوں ہی کی کوششوں کی بناء پر پچھلی صدی میں مغربی اور وسطی افریقہ میں مسلمانوں کی تبلیغی مہمات نے ایک نمایاں کامیابی حاصل کی۔ حالات پر نظر رکھنے والا ہر یورپی مورخ اس کی گواہی دے گا۔ اور جیسا کہ ایک انگریز نے دس سال قبل کہا تھا" اسلام اندرون افریقہ میں زبردست ترقی کر رہا ہے، وہ بت پرستی ختم کر رہا ہے مسیحیوں کا اس کے خلاف پروپیگنڈا بالکل بیسود ثابت رہا" اور جیسا کہ ایک فرانسیسی پروٹسٹنٹ مشنری نے کہا تھا" اسلام، افریقہ کے قلب تک پھیلتا جا رہا ہے کبھی کبھی اس کی ترقی کی رفتار میں کمی ضرور آجاتی ہے مگر وہ رکتا نہیں۔ باوجود مشکلات کے وہ اپنی راہ پر گامزن ہے، اسے کسی کا خوف نہیں، یہاںتک کہ عیسائیت کا بھی نہیں ـــــ جو اسکا سب سے اہم دشمن ہے۔ اسے فتح و نصرت کا پورا یقین ہے۔ اور آج جبکہ عیسائی افریقہ کو فتح کرنے کی سوچ رہے ہیں، مسلمان اس راہ پر آگے بڑھ چکے ہیں"

لیکن ان تبلیغی کامیابیوں کا ایک نقصان بھی ہوا اور وہ یہ کہ چونکہ اسطرح عیسائی مبلغوں کا کام رک گیا تھا، لہٰذا انھوں نے مسلمانوں سے جلنا شروع کر دیا اور یورپی طاقتوں کو اس بات پر اکسایا کہ اس تحریک کو بزور ختم کر دیں۔

سنوسیوں کی تنظیم:-

سنوسیوں کی تمام تر تنظیم زاویوں پر مشتمل تھی، یہ زاویے شمالی افریقہ کے مسلمانوں کے لئے کوئی نئی چیز نہ تھے۔ صوفیاء کے بنائے ہوئے زاویے وہاں پر پہلے بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ شکری ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

زاویہ ان لوگوں پر مشتمل ہوتا تھا جو اپنی پوری زندگی عبادت میں گذارتے اور دنیاوی معاملات سے بالکل علیحدگی اختیار کر لیتے تھے........ انہیں درویش کہا جاتا تھا[1]

وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ زاویوں کا نظام مضمحل ہوتا گیا اور

[1] شکری صفحہ ۸۴

اس وقت بمشکل ہی کوئی یہ سوچ سکتا تھا کہ یہی زاویے مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور احیائے دین کے لئے کوئی اہم رول ادا کر سکتے ہیں لیکن ایسا ہی ہوا۔ انھوں نے زاویہ کا سابقہ نام برقرار رکھا لیکن اس کے دائرہ عمل کو اس قدر وسعت دی کہ سنوسیوں کے زاویے اور صوفیاء کے زاویے میں بجز نام کے اور کوئی مناسبت نہ رہی۔

زاویوں کی اس اہمیت کے پیش نظر ہم زاویوں، ان کی تنظیم اور دائرہ عمل پر تفصیلی نگاہ ڈالیں گے۔

سنوسی زاویے موجودہ دور کی ان تحریکوں کی شاخوں سے بہت مشابہ تھے جن میں تنظیمی لحاظ سے پوری مرکزیت ہوتی ہے۔ سلسلہ سنوسیہ کا ہر امیر ہر زاویہ کے لئے ایک شیخ کا تقرر کرتا تھا جسے مقدم کہا جاتا تھا۔ مقدم زاویے کے تمام معاملات کا ذمہ دار، بدوؤں کا حاکم، قبیلہ یا گروہ اور ترکی نظام کا درمیانی واسطہ مسافروں کے قیام کا ذمہ دار، کھیتی باڑی کے کاموں کا نگہبان اور تعلیمات دین کا مبلغ ہوتا۔ شیخ زاویہ کے ذریعے ہی، امیر سلسلہ زاویہ کو کنٹرول کرتا تھا۔ مقدم کی امداد کے لئے عام طور پر وکیل اور امام ہوتے تھے۔ وکیل زاویہ کے ٹیکسوں اور دیگر اقتصادی امور کی نگہداشت کرتا تھا اور امام نمازوں اور تبلیغ کا ذمہ دار ہوتا تھا۔

زاویہ عام طور پر اس طرح بنتا تھا۔

جو قبائل سنوسی دعوت سے متاثر ہوتے وہ امیر سلسلہ سے درخواست کرتے تھے کہ وہ ان کے قبیلے میں کوئی شیخ بھیجے جو ان کے بچوں کو تعلیم دے سکے، ان کی دینی ضروریات پوری کر سکے اور ان کے جھگڑے چکا دے۔ امیر سلسلہ کے ساتھیوں میں ایک بہت بڑی تعداد ایسے پڑھے لکھے اور صاحب تقویٰ لوگوں کی موجود تھی جنھوں نے تحریک کی روح کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ ان میں سے اکثر جغبوب یونیورسٹی کے فارغ التحصیل طلبہ ہوتے تھے، امیر ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر کے مطلوبہ جگہ پر بھیج دیتا۔ وہاں پہنچ کر شیخ ایک خانقاہ کی تعمیر کرتا جو عام طور پر کافی بڑی ہوتی کیونکہ اس میں "ایک مسجد، درس کے کمرے، [illegible] خانے، شیخ زاویہ اور اس کے خاندان کے لئے جائے سکونت، اساتذہ اور طلبہ کے لئے رہائشی کمرے ہوتے تھے۔ بہت سی خانقاہوں کے ساتھ ہی چھوٹے چھوٹے باغیچے بھی ہوتے اور مقامی قبرستان بھی اس کے قریب ہی ہوتا۔"

خانقاہ کی تعمیر کے بعد اگلا قدم اس کے لئے زمینوں کا حصول ہوتا تھا۔ قبیلے کے افراد اس کے لئے زمین، کنوئیں، چشمے اور کھجوروں کے باغات وقف کرتے تا کہ خانقاہ کے اخراجات چل سکیں۔

زاویہ کی مرتو دالملک شیخ زاویہ کی ملکیت نہ ہوتی تھی بلکہ سلسلہ اجتماعی طور پر ان کا مالک ہوتا۔ رفتہ رفتہ یہ املاک بڑھ کر کھوں ایکڑ تک پہنچ گئیں۔

سنوسی زاویے نہ تو محض عبادت گاہیں تھیں اور نہ ہی ان کا مقصد محض صوفیانہ تعلیم کی اشاعت تھا ان کا کام مذہبی تعلیم، معاشرتی اور تمدنی دائرہ تک پھیلا ہوا تھا۔ وہ مذہبی تعلیم کی اشاعت کا مرکز، بدوی بچوں اور بالغوں کی تعلیم کے مراکز، جھگڑے چکانے کی عدالتیں، کارواں سرائے اور ایک ایسی طاقتور اسلامی تحریک کے دفاتر تھے جس نے اسلام کا جھنڈا افریقہ کے قلب میں گاڑ دیا تھا۔

ان زاویوں نے نہ صرف سلسلہ سنوسیہ کی بالادستی قائم کر دی بلکہ عوام کی اخلاقی اور مادی بہتری، تبلیغ اسلام اور اسلامی معاشرے کی تشکیل کے ایک مرکزیت پسند تحریک کا ڈھانچہ بنا دیا۔ بقول اسد:-

......." سنوسی اعظم اپنے اور اپنے اخلاف کے لئے ذاتی حکم کا کوئی نظام قائم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کی اخلاقی معاشرتی اور سیاسی تجدید کے لئے ایک تنظیمی بنیاد فراہم کر دی جائے۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے انھوں نے اس علاقے کے روایتی قبائلی نظام سے بالکل تعرض نہ کیا اور نہ ہی ترکی سلطان کی لیبیا پر نکلی حکومت کا انکار کیا وہ ترکی سلطان کو خلیفۃ اسلام تسلیم کرتے رہے، اور اپنی ساری توجہ اس پر صرف کر دیں کہ بدوؤں میں اسلامی عقائد کا صحیح فہم پیدا ہو، جو کہ اس سے پہلے نہ تھا، اور یہ کہ ان میں اخوت کی وہ صحیح اسپرٹ پیدا ہو جائے جس کی تعلیم قرآن نے دی تھی مگر جو صدیوں کی قبائلی جنگوں نے بالکل ختم کر کے رکھ دی تھی ان زاویوں کے ذریعے جو سارے شمالی افریقہ میں تشکیل پا چکے تھے، سنوسی نے دور دراز تک کے قبیلوں میں اپنا پیغام پہنچایا اور تھوڑے ہی سالوں میں وہ عرب اور بربروں میں معجزانہ تبدیلی لے آئے۔ قبیلوں کی قدیم باہمی جنگیں ختم ہو گئیں اور جو لوگ ایک زمانے میں وحشی اور جنگجو تھے ان میں تعاون و اشتراک کی لہر نظر آنے لگی۔ زاویوں میں ان کے بچے تعلیم حاصل کرتے تھے محض مذہب کی نہیں بلکہ دیگر عملی علوم و فنون کی بھی جن کو اس سے قبل بدوؤں نے نظر انداز کر رکھا تھا۔ انہیں اس بات پر ابھارا گیا کہ بنجر زمینوں میں بہتر سے بہتر کنوئیں کھودیں، اور سنوسیوں کی رہنمائی میں زراعت کی کثرت ہو گئی۔ تجارت کی ہمت افزائی کی گئی اور امن و امان کے قیام کی وجہ سے جن علاقوں میں کوئی قافلہ بغیر

لشکر لئے نہ جا سکتا تھا، وہاں کا سفر آسان ہوگیا۔ مختصراً یہ کہ ایک طرف تو اس سلسلہ نے تہذیب و ترقی کی بنا رڈالی اور دوسری طرف اس کی سخت مذہب پسندی نے نئی سوسائٹی کا اخلاقی معیار اتنا بلند کردیا جو اس سے پہلے اس علاقے میں کبھی نہ ہوا تھا۔"

جب سنوسیوں نے عملاً سائیرنائیکا کی حکومت سنبھالی تو یہ زاویئے حکومت کے اعضا بن گئے لیکن ان کی اصل اہمیت کا عوام پر وہ زبردست اثر تھا جو انھوں نے ڈالا اور جس کے نتیجے کے طور پر۔

"وہ قبائل جو ڈکیتی اور رہزنی کے عادی ہوگئے تھے، انھوں نے صحراؤں میں امن و امان قائم کرنے کے لئے ایک قوت کی شکل اختیار کرلی"۔

ان زاویوں نے پیداوار بڑھانے میں بھی بجا اہم اثر ڈالا، کمنگ (CUMMING) لکھتا ہے:-

"اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ سنوسیوں نے امن و امان قائم کرکے عربوں کو زیادہ سے زیادہ کام پر اکسا کر سائیرنائیکا کی پیداوار پر بہت اثر ڈالا۔ باوجودیکہ جدید زرعی طریقے استعمال نہیں کئے گئے اور ملک کے معاشی ذخائر سے پورا فائدہ بھی نہیں اٹھایا گیا، لیکن ملک کی مختصر آبادی اور طبعی رکاوٹوں کے باوجود سائیرنائیکا کا معیار زندگی دیگر عرب ممالک کے مقابلے میں بہتر ہوگیا تھا"۔

سنوسیہ اور وہابیہ تحریکیں:- سنوسی تحریک کے مطالعے کا ایک دلچسپ پہلو وہابی تحریک سے اسکا تقابل اور اس امر کی تحقیق ہے کہ وہ کس حد تک وہابیت سے متاثر ہوئی تھی۔

اس سلسلے میں کچھ کہنے سے پیشتر ایک بات کہنی ضروری ہے۔ اور وہ یہ کہ بسا اوقات دو مسلم مصلحین میں خیالات کے اتفاق کو جلد بازی میں کسی ایک کے دوسرے پر اثر سے تعبیر کر لیا جاتا ہے ـــــ حالانکہ عین ممکن ہے کہ ایسا نہ ہو۔ ایک بڑی حد تک توافق کا سبب مسلمانوں کی رہنمائی کے سرچشمے قرآن و سنت ـــــ سے دونوں کا بلاواسطہ استفادہ کرنا بھی ہوسکتا ہے۔

اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ سنوسی اعظم عرب میں تقریباً بیس سال رہے اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ بعض لوگوں سے کچھ وہابی علماء سے بھی تعلیم حاصل کی۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ السنوسی کے وہ خیالات اور وہابیوں کے خیالات سے بہت مختلف ہیں ... کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ اور یہ کہ مسلمانوں کو بدعات و محدثات سے پاک حقیقی اسلام کی طرف لوٹنا چاہیئے، وہابیوں کے اثرات نہیں ہیں۔ یہ خیالات اسوقت سے ان کے ذہن میں تھے جبکہ انھوں نے حجاز کا سفر نہیں کیا تھا۔ یہاں میں اس بات کی یاد دہانی کرانا چاہوں گا کہ سنوسی اعظم اپنے پہلے حج سے پیشتر جبکہ وہ الازہر میں تھے وہاں کے علماء کو مسئلہ اجتہاد اور بدعات پر بہت تنگ کرتے رہے تھے۔ اس کے علاوہ ان دونوں تحریکوں میں مندرجہ ذیل اہم فرق محسوس ہوتے ہیں۔

(۱) سنوسی مذہبی احیاء کے کام کے لئے طاقت کے استعمال کے بالکل قائل نہ تھے۔ مہدی سوڈان کی دعوت کے بارے میں بتاتے ہوئے، امیر سلسلہ سنوسیہ نے اس بات کو نہایت واضح طریقے سے بیان کردیا تھا۔ انھوں نے کہا تھا کہ "وہ دین حق کا پیغام امن و امان کے ساتھ دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہیں" ـــــ وہ جنگ پسند نہیں کرتے سنوسیوں نے ہمیشہ اس پالیسی پر عمل کیا۔ حالانکہ وہابیوں نے اکثر اسکا خیال نہیں رکھا۔

(۲) عثمانیوں کے ساتھ سلوک میں ان دونوں کا رویہ نمایاں حد تک مختلف تھا۔ وہابیوں نے عثمانی سلطنت کے خلاف جنگ کی لیکن اگرچہ سنوسی اس کی پالیسی سے بہت زیادہ خوش نہ تھے۔ مگر ان کا رویہ اس سے بہتر ہی رہا۔ اس کی ایک وجہ تو مسلمانوں کے اتحاد کی خواہش تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ سنوسی نہیں چاہتے تھے کہ جنگ کرکے کمزور عثمانی سلطنت کو مزید کمزور کردیں۔ جو بہرحال اسلامی دنیا کے اتحاد کا ایک نشان تھی۔

(۳) وہابیوں کی خصوصی دلچسپی عقائد کی اصلاح پر تھی۔ لیکن سنوسیوں نے جس اصلاح کی کوشش کی اسکا دائرہ معاشی مسائل سے لے کر اخلاقی و روحانی معاملات تک پھیلا ہوا تھا۔

(۴) سنوسیوں نے اختلاف کو برداشت کرنے میں قابل تعریف حد تک رواداری سے کام لیا۔ وہابیوں کے مقابلے میں جن میں نسبتاً تنگ نظری پائی جاتی تھی۔ سنوسی زیادہ فراخ دل محسوس ہوتے ہیں۔

(۵) خلاف بدعت رویئے، سلفیت، احکام شریعت پر اصرار کے باوجود وہ بہرحال صوفی تھے۔ ان کا مخصوص صوفیانہ عمل ذکر اور خصوصی نماز یہ ساری چیزیں وہابیوں میں نہیں ملتیں۔

ان تضادات کے باوجود، دو نکات بہت اہم ہیں۔

(باقی صفحہ ۱۷ پر ملاحظہ فرمایئے)

مولانا محمد حفیظ اللہ صاحب پھلواروی

اشاعتِ اسلام پر ایک نظر

مسلمانوں پر اسلام کی بہ جبر اشاعت کا الزام عائد کرنے والوں نے ذرا انصاف سے کام لیا ہوتا تو ان کے قلم سے اس طرح کا ایک جملہ بھی نہیں نکل سکتا تھا، جیسا کہ مسز موری، پرنسپل گرلز کالج دہلی نے اپنی کتاب "اِدھر اُدھر کی کہانیاں" میں لکھا ہے:—

"مسلمانوں نے دوسروں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا جو کہتا کہ ہم مسلمان نہیں بنیں گے، اس کی وہ گردن اڑا دیتے تھے۔"

کیا ایسے لوگ بتا سکتے ہیں کہ چین، حبشہ، جزائر شرق الہند، مالدیپ، ملایا، بورنیو، فلپائن، مڈغاسکر اور ایسے ہی بہت سے ملکوں میں جہاں مسلمانوں نے کبھی فوجی حملہ نہیں کیا، مسلمان کہاں سے آئے؟ وہاں کن لوگوں نے تلوار سے کام لیا اور ان ممالک کے باشندوں پر کس کا دباؤ ڈالا؟ ان حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان مقامات میں مسلمان بڑی کثرت سے آباد ہیں!

چین میں جہاں مسلمانوں نے کبھی بھی فوج کشی نہیں کی، آج کم و بیش سات کروڑ مسلمان بستے ہیں، اور چینی دارالسلطنت میں ۹۴ مساجد ہیں۔

حبشہ پر مسلمانوں نے حملہ نہیں کیا، اور نہ کسی نے خون کا ایک قطرہ بھی بہایا، مگر اس ملک میں آج نصف آبادی مسلمانوں کی نظر آتی ہے۔

جزیرہ مالدیپ پر مسلمانوں نے چڑھائی نہیں کی، لیکن آٹھویں صدی عیسوی میں وہاں کا راجہ شنوازہ مسلمان ہو گیا۔ یہی نہیں، وہاں کی ساری آبادی بھی مسلمان ہو گئی، اور آٹھ سو سال تک سلطانوں کے زیر اثر حکومت رہنے کے بعد یکم جنوری ۱۹۵۳ء میں اسلامی ممالک کی تعداد میں ایک نئی جمہوریت کا اضافہ ہوا۔

ملایا میں اسلامی فوج کا گذر کبھی نہیں ہوا، لیکن آج وہاں چار کروڑ مسلمان بستے ہیں۔

جزائر شرق الہند (یعنی جاوا، سماٹرا وغیرہ) کبھی اسلامی اقتدار کے ماتحت نہیں آئے، لیکن یہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ اب "جمہوریہ انڈونیشیا" کے نام سے مشہور ہے۔ انڈونیشیا تین ہزار جزیروں کے مجموعہ کا نام ہے اور اس کی آبادی سات کروڑ نوّے لاکھ اسی ہزار ہے۔

اس میں کم و بیش نوّے فیصدی مسلمان ہیں۔ انڈونیشیا میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں گجرات کے مسلمان تجار کا بڑا حصہ ہے۔

جزیرہ بورنیو میں ایک بزرگ شیخ شمس الدین کی کوشش سے اسلام پھیلنا شروع ہوا۔

بورنیو کے قریب جزیرہ سیلیبز ہے۔ یہاں بھی اسلام کا نور چمکا۔

پندرھویں صدی میں فلپائن کے جزیروں میں اسلام کی روشنی پھیلی۔ اٹھارھویں صدی میں جزیرہ نیوگنی اور جزیرہ ملوکا میں امام ذاکر کی کوششوں سے اسلام پھیلا۔

بلغاریہ، رومانیہ، فن لینڈ اور پولینڈ تک اسلام کی روشنی پھیلی۔ روس اور سائبیریا میں بھی اسلام پھیلا۔

ان مقامات میں مسلمانوں نے خون کی ندیاں نہیں بہائیں، بلکہ صوفیائے کرام اور تجار کی کوششوں سے اسلام پھیلا۔

مغل تاتاری وحشی اور خون خوار تھے، جنھوں نے ظلم اور سفاکی میں بڑی شہرت حاصل کی۔ خون ریزی اور قتل عام ان کا شیوہ تھا۔ وہ اسلامی سلطنتوں اور مسلمانوں کا نام و نشان مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔ انھوں نے ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) میں اسلامی سلطنت کے مرکز بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ عالی شان مسجدیں مسمار کر دیں اور شاہی کتب خانوں کی کتابوں کو دریائے دجلہ کے سپرد کر دیا۔ لیکن خدا کی قدرت دیکھیے کہ ان ہی تاتاریوں کو جو اسلام اور مسلمانوں کا نام مٹانے پر تلے ہوئے تھے، اسلام نے مسخر کر لیا اور وہ مسلمان ہو کر اسلام اور مسلم سلطنتوں کے محافظ بن گئے۔ خود ان کے شہر علم و فن کے مرکز بن گئے۔ بخارا، سمرقند اور تاشقند کا تمدن تاریخ کے صفحات کی زینت بنا ہوا ہے۔

یہ تھی اسلام کی حقانیت کی تلوار جس کے سامنے فاتحین کے سر بھی خم ہو جاتے ہیں ؎

تبصرہ وتعارف

— مدیر

صبح اُمید:۔ مجموعہ مضامین ونقاریر حضرت مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم ومغفور۔ مرتبہ خواجہ حافظ فیاض احمد صاحب جامعی۔ سائز ۱۸×۲۲/۸ صفحات ۳۰۲۔ فوٹو ۱۰۔ کتابت طباعت اور کاغذ اعلیٰ سرورق حسین و جمیل مجلد۔ قیمت چھ روپے۔

ملنے کا پتہ:۔ سنگم کتاب گھر۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی۔

حضرت مولانا آزاد کے علمی ودینی وسیاسی مضامین کے دو مجموعے کسی زمانہ میں دہلی سے شائع ہوکر قبول عام حاصل کرچکے تھے۔ مگر اب عرصہ دراز سے بازار میں معدوم تھے۔

ہمارے دوست مولوی عزیزالرحمٰن صاحب جامعی نے حضرت مولانا آزاد سے ان کی اشاعت کی تحریری اجازت حاصل کرلی تھی مگر وہ تعلیمی کاموں کے انہماک کی وجہ سے شائع نہ کرسکے۔

اب اسی اجازت کی بنا پر ہمارے محترم خواجہ حافظ فیاض احمد صاحب جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے انہیں بڑی آن بان کے ساتھ صبح اُمید کے نام سے شائع کیا ہے، اور حضرت مولانا سے والہانہ محبّت وعقیدت اور اپنی تحقیق پسند اور کاوش طلب طبیعت کے تقاضوں کی بنا پر حُسن اشاعت کا حق ادا کردیا ہے۔

کتاب کی ترتیب اس طرح ہے کہ مولوی عزیزالرحمان صاحب جامعی کے پیش لفظ اور محترم حافظ صاحب کے اعتراف عقیدت کے بعد شیش محل کے عنوان سے ہند وپاکستان کے چھ ان مشاہیر اہل علم وقلم کے تاثرات ہیں جنھوں نے اپنے اپنے ذوق نظر کے آئینوں میں مولانا کے جمال کمال کو جھانک کر دیکھا ہے۔ اس کے بعد پھر حضرت مولانا کے مقالات وارشادات کا سلک مروارید شروع ہوجاتا ہے۔

محترم حافظ صاحب نے، قدیم مطبوعہ مقالات کی تصحیح وتہذیب کے علاوہ نئے مضامین بھی بڑی کدوکاوش کے ساتھ جمع کرکے اس مجموعہ میں شامل کیے ہیں۔ چنانچہ الحرم کا ایک مضمون بھی اس التفات کرم کا رہین منت ہوا ہے۔

یہ کتاب کا پہلا حصّہ ہے، دوسرا حصّہ القسطاس المستقیم کے نام سے بعد میں شائع ہوگا۔ تصویروں کی بھرمار سے ہم متفق نہیں ہیں۔ اس حسن دلآرام کے لئے مشاطگی کی حاجت نہ تھی۔

ہم محترم حافظ صاحب کو، اس بیش قرار علمی ودینی خدمت پر دلی مُبارکباد پیش کرتے ہیں اور اصحاب ذوق سے صبح اُمید کے جلووں سے دیدۂ دل کو روشن کرنے کی سفارش کرتے ہیں۔

تذکرہ:۔ مدیر مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی۔ سائز ۲۰×۲۶ صفحات ۵۶۔ سرورق خوشنما۔ چندہ سالانہ پانچ روپے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی یادگار میں حضرت رح کے وابستگان دامان عقیدت نے دیوبند سے یہ مجلہ جلیلہ جاری کیا ہے۔ حضرت رح کی ذات بابرکات کی طرف انتساب، صاحبزادہ مولانا محمد اسعد صاحب کی نظارت اور دیوبند جیسے علمی مرکز کے مقام اشاعت ہونے کی بنا پر رسالہ سے جو توقعات ہوسکتی تھیں وہ پوری ہورہی ہیں۔ اسوقت ہمارے سامنے مئی وجون کا مشترکہ نمبر ہے جس میں حضرت شیخ الاسلام کے ایک ایمان افروز مضمون "مشکلات کا حل" کے علاوہ کئی قابل قدر علمی، دینی، تاریخی اور سیاسی مضامین ہیں۔ مضمون نگاروں کی صف میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن مفتی اعظم دارالعلوم اور مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی جیسے اصحاب علم وفضل شامل نظر آرہے ہیں۔ خدا کرے ان بزرگوں کی یہ توجہ باقی رہے اور رسالہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے!

تجربہ سے معلوم ہوا کہ کسی معیاری دینی رسالہ کا جاری کردینا زیادہ مشکل نہیں ہے، مگر اسکے معیار کو باقی رکھتے ہوئے اس کے لئے موجودہ غیر دینی ماحول میں جگہ پیدا کرنا بڑی ہمت ومحنت چاہتا ہے۔ مگر حضرت شیخ الاسلام رح کے لاکھوں عقیدتمندوں کی معمولی توجہ سے یہ مشکل حل ہوسکتی ہے۔

ہم ناظرین "الحرم" سے اس کے مطالعہ کی پُرزور سفارش کرتے ہیں۔ نمونہ آٹھ آنے (۸ر) بھیجکر دفتر "تذکرۃ" دیوبند سے طلب کیجئے۔

جولائی ۱۹۵۶ء
ماہنامہ
۲۶
نشانِ اعتماد
موسم گرما کے لئے بہترین تحفۂ مشرق
بچے، بوڑھے، عورت، مرد، بیمار اور تندرست
گھر ہی، بازار، کھیت، کچہری، کالج، سفر
شادی بیاہ کی دعوت ہو یا کوئی دوسری تقریب
ہر عمر کے لئے
ہر جگہ پر
ہر موقع پر
نشاط افروز
اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ قابل اعتماد اور پسندیدہ شربت ہے۔
آج ہی مقامی ایجنٹ سے اپنی بوتل محفوظ کرالیں۔ کیونکہ بڑھتی ہوئی مانگ
کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ بعد میں وہ آپکی فرمائش پوری نہ کرسکیں گے،
۲۶ اونس کی بوتل دو روپے آٹھ آنے (۲/۸)
دواخانہ طبیہ کالج، مسلم یونیورسٹی علیگڈھ
ایجنسیوں واسٹاکسٹوں کے پتے ہیں:- (۱) اعظم گڈھ، گرد قولہ، (۲) علیگڈھ یونیورسٹی مارکیٹ (۳) امرائتی، بندوق والا شاپ (۴) بستی گاندھی نگر۔
(۵) بارہ بنکی پولیس چوکی دھنوکر تالاب (۶) بمبئی ۳ پائیدھونی حدیا بادی، دواخانہ، (۷) بھوپال، آزاد مارکیٹ۔
شاہوں، شہزادوں اور غریبوں کا پسندیدہ
(رجسٹرڈ نمبر ۳۹۱۸)
عطر مجموعہ
پھولوں کی خوشبو کا یہ بے نظیر
اور لاجواب مجموعہ عطروں کا
سرتاج ہے جسکی خوشبوؤں سے
شاہی محل اور غریبوں کے
جھونپڑے یکساں مہک رہے ہیں
پاکیزگی کے تمام لوازمات کے ساتھ ہندوستان کا کوئی عطر فروش اتنا اچھا
اور سستا عطر پیش نہیں کرسکا۔ آپ بھی ایک مرتبہ آزمائیے۔
رجسٹرڈ نمبر دیکھ کر اصل مال خریدیئے، نقلی مال سے بچئے،
برانچ: (۱) مینارہ مسجد محمد علی روڈ بمبئی نمبر ۳
(۲) صابو صدیق مسافر خانہ کرناک روڈ بمبئی ۱
حافظ محمد زکریا اینڈ برادرس پرفیومرس
۲۹۹ سنڈہرسٹ روڈ ایسٹ بمبئی نمبر ۴

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	خدا میرے لئے ہے (نظم)	عارف صاحب سیالکوٹی	۴
۲	نعت رسول	"	۵
۳	شان محمدؐ	محمد شعیب کوثر اعظمی	"
۴	نقوش اولین	مدیر	۶
۵	سرکار مدینہ نے مدینہ میں کیا کیا؟	قاضی محمد احمد کاظمی صاحب ایڈوکیٹ الہ آباد	۸
۶	جہاد و غزوات سرور کائنات	ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب	۱۱
۷	جامع کمالات جانشین رسول	مجاہد ملت حضرت مولنا حفظ الرحمان صاحب	۱۴
۸	بارگاہ رسالت کے عقیدتمندوں سے	جناب مولنا سید ابوالاعلیٰ مودودی	۱۶
۹	ابن خلدون	جناب مولنا عبد السلام ندوی قدوائی	۱۸
۱۰	پیغمبر وحدت و مساوات	مدیر	۲۰
۱۱	حضرت خالد بن ولید رضؓ	مولوی عبد الحی صاحب اعظمی	۲۲

تماس ... جن اصحاب کے پاس پرچہ انکی طلب پر بطور نمونہ پہنچے انکا فرض ہے کہ وہ خریداری سے متعلق اپنے فیصلے سے اطلاع دیں ورنہ انھیں خریدار تصور کیا جائیگا۔

(۲) قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیجیں۔

(۳) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا لفافہ بھیجیں۔

(۴) اپنا پتہ صاف [illegible] میں منی آرڈر کے کوپن پر خط میں ضرور لکھیں اور نمبر خریداری [illegible]۔

اگر دیئے ہوئے دائرے میں نشان لگا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ آپکی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے، لہٰذا چندہ سال جدید ارسال فرمائیں یا اپنے آئندہ ارادے سے مطلع فرمادیں۔

مقام اشاعت
مکتبہ علمیہ قا[illegible]

پاکستان میں قیمت بھیجنے کا پتہ
مینیجر کوثر بک ایجنسی (۱۱-۲) شاہ عالم مارکیٹ لاہور (پاکستان)

(قاضی زین العابدین [illegible] پرنٹر پبلشر نے [illegible] پریس اردو بازار دہلی میں چھپ کر دفتر "الحرم" مفتی واڑہ میرٹھ سے شائع کیا)

عارف سیالکوٹی

خدا میرے لئے ہے!

برسات کی گھنگھور گھٹا میرے لئے ہے
کوئل کی جگر سوز صدا میرے لئے ہے

کلیوں کی نظر تاب ادا میرے لئے ہے
پھولوں کی شفق رنگ قبا میرے لئے ہے

ڈوبی ہوئی مستی میں ہوا میرے لئے ہے
مہکی ہوئی خوشبو میں فضا میرے لئے ہے

نسرین و سمن یاسمن و سنبل و ریحاں
بیگل کدۂ ہوش ربا میرے لئے ہے

ہر برگ شجر میرے لئے ساز سراپا
ہر مرغ چمن نغمہ سرا میرے لئے ہے

ہر شام الٹتی ہے نقاب رخ زہرہ
ہر صبح شفق جلوہ نما میرے لئے ہے

ہے دن کو درخشانی خورشید منور
شب کو مہ و انجم کی ضیا میرے لئے ہے

یہ چاند، یہ مریخ، یہ سورج، یہ عطارد
یہ ارض و سما اور یہ خلا میرے لئے ہے

دنیا میں بھی ہر سمت مری دھوم مچی ہے
جنت میں بھی اک شہر بسا میرے لئے ہے

میں اشرف مخلوق ہوں نائب خالق
ہر شے ز سمک تا بہ سما میرے لئے ہے

ہو جاؤں اگر وقف خدا کے لئے عارف
پھر بھی یہ کہوں گا کہ خدا میرے لئے ہے

خاص برائے الحرم

عارف سیالکوٹی

جناب مصطفےٰؐ نے جب لبِ معجز بیاں کھولے — نقابِ رُخ بیاں آئے رموزِ دو جہاں کھولے

معارف کے جواہر کارواں در کارواں بانٹے — حقائق کے دفاتر داستاں در داستاں کھولے

کبھی نورِ خصائل سے، کبھی حسنِ دلائل سے — رسولِ پاکؐ نے دنیا پہ اسرارِ نہاں کھولے

اخوت کے نئے موتی لٹائے میرے آقاؐ نے — مرے آقاؐ نے ابوابِ مساواتِ جہاں کھولے

کہیں لطفِ توجہ سے نظر کو وسعتیں بخشیں — کہیں حسنِ تبسم سے درِ وہم و گماں کھولے

کبھی احکامِ قرآں پر مکمل روشنی ڈالی — کبھی سربستہ اسرارِ حیاتِ جاوداں کھولے

فضائے لا الٰہ سے مرکزِ تلیث گریاں توڑا — کلیدِ معرفت سے قفلِ گنجِ بے کراں کھولے

اُسے ہرگز پیمبرؐ سے تعلق ہو نہیں سکتا — جو اصحابِ پیمبرؐ کی مذمت میں زباں کھولے

خدا کرتا ہے جب عارف ثنائے احمدِ مرسلؐ
ثنائے احمدِ مرسلؐ میں کیا کوئی زباں کھولے

محمد شعیب کوثر اعظمی

کیا شپرہ چشموں کو ہو عرفانِ محمدؐ؟ — قرآن سے پوچھو تو ذرا شانِ محمدؐ

سو جان سے قرباں ہوا سارا زمانہ — دیکھا جو جمالِ رخِ تابانِ محمدؐ

اعلانِ مساوات کے ہر سمت ہیں چرچے — کیا کم ہے زمانہ پہ، یہ فیضانِ محمدؐ

جیسے کہ ستاروں میں ہے خورشید کی تنویر — ہے بزمِ دو عالم میں یہی شانِ محمدؐ

تخصیص کسی کی نہیں عرشی ہوں کہ فرشی — ہر ایک ہے منت کشِ احسانِ محمدؐ

بیتاب نگاہوں کو جو ہو جائے نظارا — بے ساختہ میں چوم لوں دامانِ محمدؐ

کیا شان گھٹا سکتی ہیں حاسد کی نگاہیں — خود خالقِ عالم ہے نگہبانِ محمدؐ

ہے رشکِ فرشتوں کو بھی تقدیر پہ ان کی — چنتے ہیں جو گلہائے گلستانِ محمدؐ

کہہ دیگا خدا حشر میں رضواں سے یہ کوثرؔ
جانے دو اسے ہے یہ ثنا خوانِ محمدؐ

بسم تعالیٰ سبحانہ

نقوشِ اوّلین

سیرت نمبر

الحرم کی سابقہ اشاعت میں الحرم کے خاص نمبر "سیرۃ رسول امین اور مستشرقین" کا اعلان کیا جا چکا ہے۔ یہ نمبر دراصل ایک مستقل کتاب ہے جو الحاج مولوی محمد احمد صاحب کاظمی (سابق ممبر پارلیمنٹ) ایڈوکیٹ الہ آباد ہائی کورٹ کے وسیع مطالعہ سیرت کا نچوڑ ہے۔ کاظمی صاحب سے جو لوگ واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو غضب کی قوت ارادی و کارکردگی عطا فرمائی ہے۔ وہ جس کام کو ہاتھ میں لیتے ہیں صبح و شام ایک کر کے بہترین طریقہ پر اس کو انجام کو پہنچاتے ہیں۔

اگرچہ کاظمی صاحب نے ایک مذہبی خاندان میں آنکھیں کھولیں اور دیندار والدین کی گود میں پرورش پائی۔ اسلئے مذہب سے جو لگاؤ آپ کو بچپن میں پیدا ہو گیا تھا وہ زندگی کے ہر دور میں باقی رہا۔ چنانچہ آپ کی رکنیت پارلیمنٹ کا زمانہ بھی "قانون فسخ نکاح" اور "قانون اوقاف مسلمین" کی صورت میں اپنی لافانی دینی یادگاریں رکھتا ہے۔ تاہم ایک معروف ترین وکیل ہونے کی حیثیت سے اس اہم علمی و دینی خدمت کا انجام دینا آسان کام نہ تھا۔ یہ تو اسے حسنِ اتفاق ہی کہوں گا، کہ پچھلے دنوں کاظمی صاحب یکایک سخت بیمار ہو گئے، حتیٰ کہ نشست و برخاست بھی مشکل ہو گئی اور آپ کو مجبوراً وکالت کے فرائض سے دستکش ہونا پڑا۔

کاظمی صاحب نے اس اتفاقیہ فرصت کو کام میں لانے کا فیصلہ کر لیا اور بستر پر بیٹھے بیٹھے اور بعض اوقات لیٹے لیٹے اس ضخیم کتاب سیرت کا مسودہ مرتب فرما لیا اور ازراہ ذرہ نوازی بغرض اظہار رائے میرے پاس بھیجدیا۔ اس کتاب کے متعلق کاظمی صاحب نے خود جو تاثرات بیان فرمائے ہیں وہ انہی کے الفاظ میں درج ذیل ہیں۔

یورپین مصنفین:- "اس طرح پر یہ کتاب مسلمانوں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کے لئے تحریر کی گئی ہے اور اس میں رسول کریمؐ کی پوری سیرت کے علاوہ جو اعتراضات ان کی زندگی پر یورپین مصنفین کی طرف سے کئے جاتے ہیں ان کے جوابات مع اعتراضات کے تحریر کر دیئے گئے ہیں تاکہ جواب سمجھنے میں آسانی ہو۔ اور چونکہ ناسس اینڈ ناسس صاحبان نے جو اعتراضات کئے ہیں وہ پورانے یورپین معترضین کے اعتراضات پر مبنی ہیں۔ اس لئے بعض مقامات پر ان کے اعتراضات کا حوالہ بطور ایک نمونہ کے دے دیا ہے۔ اس سے مقصد کسی فرد کے اعتراضات کا جواب دینا نہیں ہے بلکہ مجموعی حیثیت سے جواب دینا ہے۔

پرانے یورپین مصنفین میں ہندوستان کے مشہور گورنر سر ولیم میور صاحب بھی ہیں جنھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات (لائف آف محمد) کے نام سے ۱۸۶۱ء میں چار جلدوں میں تصنیف کی تھی اور اس کتاب کے جواب میں سر سید مرحوم نے اردو میں خطبات احمدیہ کے نام سے ایک کتاب لکھ کر شائع کی تھی اور انگریزی میں اسکا ترجمہ کرا کر خود سر ولیم میور کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ لیکن چونکہ خطبات احمدیہ میں سر ولیم میور کے اعتراضات تحریر نہیں ہیں اور جوابات بھی اعتراضات کے عنوانوں سے نہیں دیئے گئے ہیں۔ اسوجہ سے اگرچہ وہ سیرت پر ایک لاجواب کتاب ہے لیکن اس کو عام اعتراضات کے جوابات دینے کے کام میں نہیں لایا جا سکتا۔

سر سید مرحوم کے خیالات اس زمانہ میں بعض علماء کے لئے قابل قبول نہ تھے مثلاً مولانا عبدالحق صاحب دہلوی مرحوم نے اپنی مشہور تصنیف تفسیر حقانی میں ان کے خیالات پر سخت اعتراضات کئے ہیں۔ لیکن ان اعتراضات کا کوئی اثر خطبات احمدیہ کی تحریر پر خیال میں نہیں پہنچتا ہے۔

سر سید مرحوم کے بعد علامہ شبلی مرحوم نے سیرۃ النبی کی ایک جلد تحریر کی اور ان کی باقی جلدیں علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے مکمل کیں اور [illegible] زمانہ میں قاضی سلیمان صاحب منصور پوری نے رحمۃ للعالمین تین جلدوں میں نہایت محنت سے مرتب کی [illegible] مقصد [illegible]

تفصیل ۔۔۔۔ کر دے کر بہت بڑا کام انجام دیا جس سے ایک نظر میں معلوم ہو جاتا ہے کہ رسول کریم ؐ کے زمانہ میں اسلام پھیلانے کے لئے تلوار استعمال کی گئی یا نہیں۔

غرضیکہ یہ کتابیں اُردو ادب میں بے بہا اور بہت قابل وقعت ہیں اور میں نے ان کتابوں سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ اور منجملہ دیگر انگریزی کتابوں کے سر ولیم میور کی لائف آف محمد کو بھی ان کے اعتراضات کی نوعیت سمجھنے کے لئے بار بار پڑھا ہے۔ اور اسی کتاب سے بعض اقتباسات بھی اس کتاب میں دیئے ہیں۔

میرے تاثرات:۔ اگرچہ اس کتاب کے لکھنے سے پہلے میں یہ سمجھتا تھا کہ میں رسول کریم کی سیرت سے واقف ہوں۔ لیکن جوں جوں مطالعہ کرتا گیا اور کتاب لکھتا گیا۔ مجھے احساس ہوتا گیا کہ جو چیز پہلے محض خیال ہی تھی وہ اب واقعاتی معلوم ہوتی ہے۔ اس کتاب کو لکھتے لکھتے میرے خیالات اور طریقوں میں تبدیلی ہو گئی۔ جب کتاب لکھنا شروع کی تو معترضین کی تحریرات سے ناگواری ہوتی اور ایک حد تک ان پر غصہ آتا تھا۔ چنانچہ اس کتاب کے شروع کے حصوں میں اس کے آثار ملیں گے۔ لیکن جوں جوں آگے بڑھتا گیا۔ طبیعت بدلتی گئی اور جب کتاب کے آخر میں پہنچا ہوں تو ناگواری اور غصہ نے ممنونیت کی شکل اختیار کر لی اور خیال ہوا کہ معترضین کی ان تحریرات کی بدولت مجھے ایک پاک اور مقدس زندگی کا غور سے مطالعہ کرنے کا موقع مل گیا۔ اگرچہ نظر ثانی کرتے وقت جی چاہتا تھا کہ شروع میں جس غصہ اور ناگواری کا اظہار کیا ہے اس کو بدل دوں لیکن پھر میں نے اس کو قصداً نہیں بدلا۔ تاکہ مجھے خود یاد رہے اور پڑھنے والوں کو اندازہ ہو سکے کہ رسول کریم ؐ کی زندگی کے مطالعہ سے انسان کے خیالات اور اعمال میں کتنی بڑی تبدیلی ہو سکتی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ کے مطالعہ سے میرے خیالات میں ایک یہ تبدیلی ہوئی ہے کہ اب مجھے ان کی زندگی پر اعتراضات کرنے والے پر غصہ نہیں آتا۔ بلکہ اسکا خیر مقدم کرنے کو طبیعت چاہتی ہے۔ اور محسوس کرتا ہوں کہ اعتراضات کی روشنی میں لوگ سیرۃ کو پڑھنے کی طرف تو مائل ہوں گے اور ایک دفعہ پڑھنے کی تکلیف گوارا کر لیں گے تو خود راہ راست پر آجاویں گے۔

اعتراضات کے بارہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق کار کیا تھا؟ وہ تو ان کا خیر مقدم کرتے تھے۔ اور وہ بد باطن معترضین تک کی تشفی کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور جن کی تشفی نہ کر پاتے تھے ان سے بھی مایوس نہ ہوتے تھے اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے بدترین مخالفین میں سے زیادہ تر اپنی زندگی میں ہی ان کے پیرو بن گئے اور جو چند ایسے تھے کہ وہ ان کے پیرو نہ ہوئے تب بھی ان کی اولاد جس نے انتہا درجہ کی مخالفت کی فضا میں پرورش پائی تھی۔ وہ ان کے پیرووں میں شامل ہو گئی۔ ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ سیرۃ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی واقفیت پیدا کرے کہ وہ بھی معترضین کا خیر مقدم کرنے لگے اور ان پر غصہ کرنے کی بجائے ان سے رحم و شفقت کا برتاؤ کرنے لگے۔"

ناظرین کرام سے:۔ محترم مصنف نے اپنے انداز میں سیرتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بڑی خدمت انجام دیدی۔ مگر مجھے اپنی محرومیٔ قسمت پر افسوس ہے کہ اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے مصنف کی خواہش کے مطابق اس پر تفصیلی نوٹس نہیں لکھ سکا۔ البتہ کہیں کہیں کچھ تشریحات کر دی ہیں۔ اب اس کی طباعت کا مرحلہ سامنے ہے۔

اچھی کتابت اور صحیح طباعت بھی اپنی جگہ اہم کام ہیں تاہم یہ محنت اور کوشش سے انجام دیئے جا سکتے ہیں مگر اسوقت کاغذ کا مرحلہ ان سے بھی سخت ہے۔ افسوس ہے کہ الحرم کو اسوقت جس قلیل مقدار میں نیوز پرنٹ مل رہا ہے وہ اس خاص نمبر کی ضروریات کے لئے کافی نہیں ہو سکتا۔ ناظرین کرام دعا فرمائیں کہ یہ مرحلہ آسان ہو اور یہ خاص نمبر وقت پر شائع ہو کر ایک بڑی دینی ضرورت کو پورا کر دے۔ وَمَا تَوفِیقِی اِلّا بِاللّٰہ۔

پہنچنے کے دو سال بعد بدر کی جنگ میں قریش کے جو قیدی ہاتھ آئے جنھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرہ سال مکہ میں ہر قسم کی روحانی اور جسمانی اذیتیں دے کر مکہ سے نکال دیا تھا، ان کے ساتھ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ یہ برتاؤ کیا کہ اہل مدینہ خود پیدل چلے اور انھوں نے قیدیوں کو سواری دی اپنے قیدیوں کو گیہوں کی روٹی کھلائی اور خود کھجوروں پر گذر کیا یا بھوکے رہے اس کے علاوہ جہاں بھی موقع ملا لڑائی کے قیدیوں کو رہا کرنے کی صورت نکالی۔ غلاموں کو آزاد کرنے کو بڑے ثواب کا کام قرار دیا اور مختلف گناہوں کے کفاروں میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا گیا۔ سنہ ۸ھ میں وادی حنین میں ہوازن قبیلہ کے لوگ جو تقریباً چھ ہزار تھے قیدی ہو کر ہاتھ آئے تو رسول کریمؐ نے کئی دن تک ان کو اپنے ساتھیوں میں اس وجہ سے تقسیم نہ کیا کہ ان کے اعزہ آجائیں تو ان کو واپس کر دیں جب وہ نہ آئے تو مجبوراً قیدیوں کو تقسیم کر دیا، اسکے بعد ہوازن کے لوگوں کو عقل آئی اور آنحضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قیدیوں کی واپسی کی درخواست کی، اس زمانہ کے قانون کے اعتبار سے وہ مسلمانوں کی ملکیت ہو چکے تھے اور تقسیم ہونے کے بعد وہ بجائے قومی ملکیت کے انفرادی ملکیت ہو گئے تھے، انکا واپس کرنا اپنے تمام صحابیوں کے ساتھ بے انصافی کرنا اور انکو ناخوش کرنا تھا، لیکن اس مسئلہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسطرح حل کیا کہ سب سے پہلے اپنے حصہ کے غلام آزاد فرمائے۔ پھر کیا تھا سب مسلمانوں نے اپنے اپنے حصہ کے قیدی واپس کر دیئے اسطرح ایک دن میں چھ ہزار قیدی رہا ہو کر آزاد ہو گئے۔

جنگ کے قانون کو بدل دیا، جنگ میں جو لاشیں دشمن کی فوج کی ہاتھ آتی تھیں ان کے ناک کان کاٹنے اور ان کو بے عزت کرنے کا دستور عام تھا، اہل عرب کے قبائل مسلمان شہداء کی لاشوں کے ساتھ یہی برتاؤ کرتے تھے لیکن رسول کریمؐ نے پہلی جنگ سے اسکے خلاف عمل کیا، اس بات کا انتظار نہیں کیا کہ دوسرے ملک سے کوئی معاہدہ ہو یا اکثر دنیا کرے تب یہ تحریک ماننی پڑی۔

نئے نظامِ حکومت کا قیام:- جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے اس زمانہ کی سلطنت اور حکومت کا تخیل ذاتی اقتدار کا بڑھانا کچھ صورت سے فائدہ اٹھانا، آزاد انسانوں کو غلام بنانا اور ان سے جانوروں کے کام لیکر سرپہ بٹھانا کرنا، زبردستی خدمت لینا اور خود مخدوم بننا اور وراثت سے اونچا پیدا کرنا تھا، اسلئے اسلام کی بتائی ہوئی مساوات قائم رکھنے کے لئے مظلوموں اور محکوموں کو ظلم اور محکومی سے بچانے کے لئے ایک نئے نظام سلطنت کا قیام ضروری تھا جسمیں دراصل دو نظریوں کا فرق تھا، محمد مجتبیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو یہ تھا کہ حکومت و سلطنت اونچی ذاتی وجاہت اور اقتدار بڑھانے کے لئے حاصل کرنے کی کوشش کرتے تو اس طبقہ میں سے اکثریت ساتھی مل جاتے لیکن یہاں تو کام اس کے برعکس تھا، وہ تو اقتدار اور حکومت کو ختم کرنے کے لئے آئے تھے، انھیں تو سب انسانوں کو ایک سطح پر لانا تھا، انکے نزدیک کوئی انسان بھی قابل نفرت اور محکوم نہ تھا، اسطرح پر حالات نے انکو مجبور کر دیا کہ وہ ایسی حکومت کی بنیاد ڈالیں جو عوام کی ہو جس میں مساوات ہو، آزادی ہو، اور ہر ایسی حکومت کا مقابلہ کر سکے جسکا مقصد انسان کو محکوم اور مغلوب بنانا ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عوام کی حکومت کی بنیاد ڈالی اور اسکو کامیاب بنا کر دکھلایا، سردار قوم کے انتخاب کو مشورہ پر رکھا، وراثت نکال دی، حضرت زیدؓ جو آزاد شدہ غلام تھے ان کو موتہ کی لشکر کشی کے لئے جب جنرل مقرر کیا تو یہ سبب تھا کہ ان جیسے اہل صحابہ میں موجود نہ تھے ان کے تقرر کی بڑی وجہ یہ تھی کہ رسول کریم غلامی کی ذلت اور نسلی فخر کو ہمیشہ کے لئے مٹا دینا چاہتے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کے عزیز چچازاد بھائی اور داماد حضرت علیؓ موجود تھے جن کی انھوں نے بحیثیت فرزند پرورش کی تھی اور انسے انتہا درجہ محبت تھی، حضرت علیؓ کے والد ابو طالبؓ کے رسول کریم پر بہت احسانات تھے، رسول کریمؐ کی وجہ سے انھوں نے تین برس تک قریش کے بائیکاٹ کی تکلیف اٹھائی تھی، اس وجہ سے اگر رسول کریمؐ اپنی زندگی میں ان کو اپنا قائم مقام تجویز کرتے تو کسی کو بھی انھیں اپنا سردار اور رسولؐ کے بعد خلیفہ تسلیم کرنے میں تامل نہ ہوتا لیکن رسول کریمؐ جو نیا نظام حکومت قائم کر رہے تھے اسمیں تو سرداری انتخاب ہی سے مل سکتی تھی، وہ کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتے تھے کہ جس میں اس زمانہ کی شاہی حکومتوں کا شائبہ بھی ہو۔ باوجود قابلیت اور خوبیوں کے حضرت علی اگر انتخاب سے بھی رسول کریمؐ کے بعد خلیفہ ہوتے تو پھر وراثت کا مسئلہ اسلام میں بھی آجاتا اور وہ امتیاز اور فرق جو وہ ہمیشہ کے لئے قائم کرنا چاہتے تھے ختم ہو جاتا اسلئے آنحضرتؐ نے اپنی زندگی میں اسقدر احتیاط کی کہ اپنی علالت کے زمانہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امامت سپرد کر دی، اور آئندہ خلفاء اور جانشین کا تقرر امت کے انتخاب پر چھوڑ دیا۔

مروجہ طریقہ کے نظام حکومت کو ختم کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ جو سردار مقرر ہو خواہ وہ امت کے انتخاب ہی سے کیوں نہ مقرر ہو۔ وہ کبھی بھی مطلق العنان نہ ہو سکے اور اسکے لئے قرآن کا قانون موجود تھا جس کی رسول کریمؐ نے تبلیغ کی تھی وہ قانون سردار سلطنت پر ایسا ہی قابل نفاذ تھا جیسا کہ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ فرد پر کوئی اس کی خلاف ورزی نہ کر سکتا تھا، سردار سلطنت کے ہاتھ میں قانون کا بنانا نہ تھا سردار اور خلیفہ کا صرف یہ کام تھا کہ وہ قانون کا نفاذ کرنے کے حقوق کو سمجھے

★ ڈاکٹر محمد حمید اللہ (از پیرس)

انبیاء سلف علیہم السلام کے حالات کا ہمیں بہت کم علم ہے۔ قرآن مجید میں مثلاً حضرت آدمؑ و ادریسؑ و نوحؑ کی حد تک کسی جنگی تبلیغ کا پتہ نہیں چلتا۔ اور شاید چلنا بھی نہیں چاہیئے۔ کہ یہ انبیاء اپنے خاندان یا قبیلے ہی کی اصلاح چاہتے تھے اور اُنکے بعد کے زمانے میں نافرمان خدائی عذاب اور آفت سماوی کا شکار ہو کر کیفر کردار کو پہنچتے رہے۔ ابراہیمؑ و موسیٰؑ مایوسی کے عالم میں محض ہجرت کرتے ہیں۔ انھوں نے بھی تبلیغ کی کشمکش میں شمشیر کی صورت نہ دیکھی۔ علمی اور حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے یا کچھ تو ان انبیاء کو ایسے پیرو ہی نہ ملے جو مخالفوں سے کشمکش میں سینہ سپر ہو سکیں۔ حضرت موسیٰؑ کے نافرمان ساتھی تو " اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا " کا مثل جملہ کہنے سے باک نہ کرتے تھے۔ بظاہر جس واحد نبیؑ کو ہم قرآنی شہادت میں قتال فی سبیل اللہ کرتے دیکھتے ہیں۔ وہ حضرت اشمویلؑ ہیں جن کا ذکر پارہ سیقول کے آخر میں ہے۔ اُن سے بنی اسرائیل کہتے ہیں ۔

"ہمارے لئے ایک بادشاہ برپا کر۔ تاکہ ہم اللہ کی راہ میں لڑیں۔ اور ما اللہ کی راہ میں ہم کیوں نہ لڑیں گے۔ جبکہ ہمیں اپنے گھروں اور بال بچوں سے باہر کیا ہے"

اسے زیادہ سے زیادہ انتقامی اور دفاعی جنگ کہہ سکتے ہیں۔ وہ بے غرضانہ اور بے نفسانہ جنگ جس کا منشاء نہ اہل و عیال ہو نہ مال و منال اور نہ ہی شہرت یا حمیت۔ بلکہ صرف اعلاء کلمۃ اللہ یا ایثار جس میں جان و مال ذاتی ہر چیز اللہ کے لئے اور اللہ کے حکم سے قربان کر دی جائے۔ اسکا پتہ رسول عربی سے پہلے نہیں چلتا۔

انسانی تاریخ جنگوں سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن وہ جنگ جس کا مقصد جہانگیری ہو اور نہ اقتدار کی ہوس۔ بڑا دل گردہ چاہتی ہے۔ رسول اکرم نے صرف ایک جنگ کی اجازت دی۔ وہ جو اللہ کی راہ میں ہو۔ کسی صحابی نے پوچھا۔ مَن فی سبیل اللہ؟ و قال: مَن قاتل لِتکون کلمۃُ اللہِ ھی العلیا! [illegible] فرمایا۔ صرف وہ جو اس لئے لڑائی کرے کہ اللہ ہی کا بول بالا ہو۔

یہ صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰ کی تعلیم جو موجودہ انجیل میں ملتی ہے وہ انسانی مسیحیت کا اعلیٰ نمونہ ہے کہ ایک گال پر بے قصور طمانچہ مارنے والے کو دوسرا گال پیش کردو۔ لیکن اگر وہ حضرت داؤدؑ یا سلیمانؑ کے جانشین ہوئے ہوتے تو کیا کرتے ؟

زمانۂ حال میں بھی بعض "بزرگ" عدم تشدد کا پرچار کرتے رہے لیکن صرف اُس وقت تک جب تک قوی تر سے مقابلہ تھا۔ اور ہاتھ میں فوج اور ہتھیار نہ تھے۔

اللہ کی راہ میں لڑائی یہ نہیں ہے کہ کمزور کو حریف دیکھ کر جی للچائے اور اُسے دبوچ لیں۔ بھیڑیا بھی یہی کرتا ہے!

رسول عربی کا قول و فعل :-

اسلام نے اپنے پیروؤں پر جہاد فرض کیا ہے۔ اس اصطلاح کے لفظی معنی کشمکش کے ہیں۔ جو بہت وسیع مفہوم ہے اور جس میں بزور باز و اصلاح کرنا۔ زبان سے کلمۂ حق کہنا۔ بے بسی کے عالم میں کم از کم دل ہی سے بُرائی کو بُرائی سمجھنا۔ سب داخل ہیں۔ ہر چیز کا وقت ہوتا ہے اور ہر شخص کو موقع و حالات کے لحاظ سے کبھی کچھ کئے بغیر چارہ بھی نہیں۔ آدمی حقیقت پسند نہ ہو تو مقصد کو حاصل بھی نہ کر سکے۔

رسول اکرم اور آپؐ کے پیروؤں کو ہجرت سے قبل مکہ میں کیا کچھ اذیت نہ دی گئی۔ اور جیسے جیسے یہ ہجرت کرتے جاتے تھے، ان کی جائیداد منقولہ ہو کہ غیر منقولہ۔ کس طرح قرق نہ ہوتی گئی۔ جب خود آنحضرتؐ ہجرت فرماتے ہیں تو آپ کے پاس جو کثیر رقمیں امانت تھیں۔ اُن کو آپ انتقاماً ہی ساتھ لے کر مدینہ "فرار" ہو سکتے تھے۔ مگر آپؐ نے جو کیا اس سے خود بیسویں صدی کے "مہذب" انسان کو (چاہے گورا ہو یا کالا) شرمانا پڑتا ہے!

آپؐ بدر میں تشریف فرما ہیں۔ ابوجہل کی سرداری میں تعداد میں تگنا۔ سازو سامان میں دس گنا دشمن لشکر چڑھائی کرتا ہے۔ مورخ بلاذری نے

"انساب الاشراف" میں ایک کم معروف مگر اہم تفصیل درج کی ہے، اور لکھا ہے:-

"آنحضرتؐ نے قریش کے لشکر کو کہلا بھیجا کہ مکہ واپس چلے جائیں کیونکہ آپؐ اُن سے لڑنا نہیں چاہتے۔ جب اُدھر سے انکار رہا تو مجبوراً لڑائی کرنی ہی پڑی تھی۔ دشمن کو شکست فاش دینے کے بعد جب ستر اسی آدمی گرفتار ہوئے تو ان سب کو تلوار کے گھاٹ اتارنے میں کوئی امر مانع نہ تھا، اور شاید مسلمان حق بجانب بھی ہوتے۔ مگر مقصد نہ انتقام تھا اور نہ درندگی و خونخواری۔ اگر ان سب کو یونہی چھوڑ دیا جاتا تو شاید وہ بھی افراد کی فطرتوں میں تفاوت کے باعث مقصد کو فوت کر دیتا۔ اس لئے قیدیوں سے برتاؤ بھی مختلف رہا۔ شریفوں کو محض اس وعدے پر چھوڑ دیا کہ آئندہ آپؐ کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائیں گے۔ اسلحہ فروش مالداروں سے فدیہ میں ہتھیار مانگے گئے۔ سرمایہ داروں سے رقم مانگی گئی۔ پڑھے لکھوں سے کہا گیا کہ ہر شخص دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے۔ صرف دو قیدیوں کو جو بدر کی چڑھائی کے اصل ذمہ دار تھے اور ہر طرح کے جبر اور طنز وغیرہ کے ذریعہ سے، ہچکچانے والوں کو ورغلا کر لائے تھے۔ اور جن کی اُفتادِ طبع سے اس کی توقع ہی نہ تھی کہ کسی نرمی یا رعایت سے وہ کچھ بھی متاثر ہوں گے۔ صرف ایسے دو آدمیوں کو مستقبل کے خوف سے سزائے موت دی گئی"

بنو النضیر کے یہودیوں نے بدعہدی سے گزر کر غداری کا اقدام کیا تھا۔ آنحضرتؐ کو انھوں نے ہجرت پر راضی خوشی اپنی شہری مملکت کا سردار تسلیم کیا تھا۔ لیکن جب ایک مرتبہ آپؐ اُن کے محلے میں گئے اور دھوپ سے بچنے کے لئے ایک برج کے سائے میں تشریف فرما ہوئے (ان اللہ کے بندوں کو اس کی بھی توفیق نہ ہوئی تھی کہ اپنے صدر مملکت کو کسی گھر میں بٹھا کر گفتگو کریں) تو برج پر سے ایک بڑا پتھر گرا کر آپؐ کو قتل کرنے کی تدبیر ہوئی۔ جب ہر طرح کی سرکشی اور جنگی مقاومت کے باوجود اُن کو صرف یہ سزا ملی کہ کہیں اور چلے جائیں (اور پورا مال و متاع ساتھ لے جائیں، حتیٰ کہ مسلمانوں کو دیئے ہوئے قرضے بھی واپس حاصل کر لیں) تو اس رعایت کا بدلا یوں دیا کہ سارے عرب کو مدینے پر چڑھا لائے اور معرکۂ خندق میں مسلمانوں کے "کلیجے منہ کو آگئے"۔ اس انتہائی نازک اور زندگی و موت کی کشمکش میں اندرون مدینہ کے بنو قریظہ نے عین دمِ آخر غداری کی اور چاہا کہ مسلمانوں پر اندر سے ٹوٹ پڑیں (اور خندق وغیرہ کا سارا دفاعی نظام بیکار کر دیں) انھیں بڑی فراست سے ایک دن روکا گیا۔ دوسرے دن یوم سبت (سنیچر) تھا جس میں یہودی اس زمانے میں جنگ نہ کرتے تھے۔ تیسرے دن عربوں کے حرام مہینے (ذیقعدہ تا محرم) شروع ہو رہے تھے۔ اس طرح لڑائی ختم ہو گئی۔

پروفیسر وینسنک نے (جو غالباً یہودی تھا) یہ معقول سوال کیا ہے کہ بنو النضیر کے ساتھ رعایت کے تلخ تجربہ کے بعد کیا بنو قریظہ کی قوت بھی اپنی مخالفوں کی طاقت میں اضافے کے لئے چھوڑ دی جا سکتی؟ مگر آنحضرتؐ نے پھر بھی نرمی دکھائی، اور فرمایا کہ:-

"ان یہودیوں ہی کے ایک سابق دوست اور حلیف کو پنچ ٹھہرایا جائے اور وہ جو بھی فیصلہ کرے وہ نافذ کیا جائے"

اگر بنو قریظہ خود آنحضرتؐ کو حَکَم بناتے تو شاید رحمۃ للعالمینؐ کا مظاہرہ ہوتا۔ بہرحال اس پنچ نے بھی کوئی خاص سختی نہ کی اور صرف یہ حکم دیا کہ:-

"توریت میں حضرت موسیٰ کو مغلوب دشمن سے برتاؤ کا جو حکم دیا گیا ہے (دیکھو توریت کتاب تثنیہ Deutronomy فصل ۲۰، فقرہ ۱۰ تا ۱۴) وہی عمل میں لایا جائے"

گویا یہودی اپنے دشمنوں سے جو برتاؤ کرتے ہیں، وہی برتاؤ ان سے کیا جائے۔

فتح مکہ شاید انسانی جہاد کا کمال ہے۔ اکیس ۲۱ سال سے مسلسل اہل مکہ مسلمانوں کو روزافزوں بے وجہ ستاتے چلے آرہے تھے۔ اس کی داستان سے سب واقف ہیں۔ جب آنحضرتؐ نے اپنے وطن کو، جہاں سے جلاوطنی پر آپ کو مجبور کیا گیا تھا، فاتحانہ واپس آئے تو جو برتاؤ عمل میں آیا، اس کا بیسویں صدی کا "مہذب" انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ فوجی دستے شہر کی طرف بڑھے تو اس منادی کے ساتھ کہ:-

"جو اپنے گھر میں بیٹھا رہے اُسے امان ہے۔ جو ہتھیار ڈال دے اُسے امان ہے۔ جو حرم کعبہ میں چلا جائے اُسے امان ہے۔ جو سردار شہر ابوسفیان[1] کے گھر میں چلا جائے اُسے امان ہے"

شہر پر قبضہ مکمل ہو جانے کے بعد بستی کی ساری آبادی بلائی گئی اور آنحضرتؐ نے اُس سے پوچھا کہ وہ کس برتاؤ کی توقع کرتی ہے؟ آنحضرتؐ سب کے

---

[1] مشہور تابعی ثابت البنانی نے لکھا ہے کہ قبل ہجرت مکی کے لونڈے آنحضرتؐ کا پیچھا کرتے اور آپؐ پر سنگباری کرتے اور آپؐ ابوسفیان کے گھر میں گھس جاتے تو وہاں آپؐ کو امن مل جاتا۔ فتح مکہ کے وقت کا یہ اعلان اسی کی شکرگزاری میں تھا۔

قتلِ عام کا حکم دے سکتے. ساری جائیداد لوٹ لے سکتے. سارے لوگوں کو غلام بنانے کا بھی فیصلہ فرما سکتے تھے. مگر آپؐ نے صرف یہ فرمایا کہ:—

"جاؤ، تم پر کوئی گرفت نہیں، تمہیں چھوڑ دیا جاتا ہے"

اس نفسیاتی لمحہ میں فوراً ہی بہ کثرت لوگ مسلمان ہوگئے. اُن میں سب سے پہلے ایک مشہور متمرد سردار عتاب تھا——

آنحضرتؐ کے اس ارشاد سے چند لمحے پہلے جب حضرت بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی تو عتاب نے کہا تھا:—

"خدا کا شکر ہے کہ میرا باپ آج زندہ نہیں ہے ورنہ وہ اس نہیق حمار (یعنی حضرت بلالؓ کی اذان) کو برداشت نہ کرسکتا"

جب عفو عام کے اعلان پر سب سے پہلے عتاب نے آگے بڑھ کر اپنا تعارف کرایا اور اپنے اسلام کا اعلان کیا تو اس کے جواب میں آنحضرتؐ نے فرمایا:—

"اچھا. میں تمہیں مکہ کا گورنر مامور کرتا ہوں"

تو مفتوحہ شہر وہیں کے ایک نومسلم کٹر دشمن کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور چند دن بعد مدینہ واپسی ہوتی ہے تو مدینہ کا ایک واحد سپاہی تک وہاں احتیاطاً چھوڑنا غیر ضروری خیال کیا جاتا ہے.

وَلِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ.

طاقت کے وقت نرمی. کمزوری کے وقت ہمت وایثار.

یہ ہے اسلامی جہاد!

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند

اسلام اس دین حق کا نام ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی اور کائنات کی فلاح وسعادت کے سلسلہ میں ہر ایک شعبۂ حیات کا کفیل ہے، اس لئے اس کا وجود انسانِ اوّل کے ساتھ ساتھ عالم ہست و بود میں موجود رہا ہے۔ اور فلسفۂ ارتقاء کے پیش نظر یہی اسلام جو بدو وجود میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے واسطہ سے کائنات کی سعادت کا ذریعہ بنا، اسکا عروج کامل ذات اقدس خاتم الانبیاء والرسل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سعادت کبریٰ کا باعث بنا۔ قرآن عزیز نے آخری پیغام بن کر اسی کی دعوت وتبلیغ کا حق ادا کیا۔ اس لئے اب نہ نبوت ورسالت کا سوال باقی رہا اور نہ وحی کے لئے کوئی ضرورت داعی رہی، البتہ رہتی دنیا تک یہ پیغام حق ہمیشہ ہدایت ورہنمائی کا حق ادا کرتا رہیگا، اور جانشین نبوت ورسالت "علماء حق" اس پیغام ودعوت کے حق کو ادا کرتے رہیں گے۔

"علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل"

درایت وروایت کی تنقیدی خرادیہ خواہ صحت کے اس درجہ کو نہ حاصل کر سکی ہو جو حدیث رسول کی صحت کے لئے از بس ضروری ہے، تاہم مضمون اور مفہوم کے اعتبار سے اپنی جگہ بلا شبہ ایک "کلمہ حق" ہے جس کی تکذیب کی کوئی گنجائش نہیں۔

انبیاء بنی اسرائیل میں حکومت اور مذہبی قیادت اگرچہ الگ الگ چلتی تھیں اسلام کے اس دور میں جبکہ وہ اپنے عروج کے اس نقطہ پر پہنچ چکا تھا جو اتمام واکمال کا آخری درجہ ہے، فطرت کا تقاضا ہوا کہ دینی قیادت اور سیاسی حکومت نیابت وخلافت الٰہی کے انداز میں ایک جگہ جمع ہو جائیں اور نہ صرف یہ بلکہ شعبہائے حیات کے ہر شاخ دین میں قیادت کی یکتائی اور اکائی صاف روشن نظر آنے لگے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح ابھری ہوئی نظر آتی ہے کہ شب تاریک میں "عابد شب زندہ دار"۔ روز روشن میں ایک بے نظیر "قائد" معاملات کی پیچیدگیوں کے حل کے لئے ایک عدیم المثال "مفکر" قضایا اور مقدمات کے اہم معاملات میں ایک ناقابل مثال "جج" اور میدان رزم میں ایک محیر العقول "مجاہد" اور دینی علوم وافکار میں ایک جامع کمالات "ہادی" کو اگر ایک شخصیت میں سمویا ہوا دیکھ سکتے ہو تو وہ صرف ایک ہی ذات اور ایک ہی ہستی ہے جسکا نام پاک "محمد" ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس لئے قدرتی تقاضا تھا کہ آپ کے جانشین اور نائب یعنی "علماء حق" "علماء ربانیین" میں بھی اپنے اپنے درجات کے مطابق وہ جامعیت موجود ہونی چاہیئے جو اسلامی قیادت وسیاست کے لئے ناگزیر ہے۔

پس یہ تاریخی حقیقت ہے کہ خلافت راشدہ سے آج کے دور تک ہر دور اور ہر زمانہ میں علماء ربانیین کی چند ہستیاں ہمیشہ عالم وجود میں رہی ہیں جن کی قیادت وسیادت زندگی کے ہر پہلو پر چھائی ہوئی نظر آتی ہے، اور باقی علماء اسی محور پر مختلف نقطوں کی طرح گھومتے نظر آتے ہیں۔

بلا شبہ حسن عقیدت سے جدا ہو کر بھی یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس آخری دور میں جبکہ "علماء حق" اور "علماء ربانیین" کا آہستہ آہستہ عام طور پر فقدان نظر آتا ہے "مولانا حسین احمد مدنی" کی شخصیت سلف صالحین کا اسوۂ کامل نظر آتی ہے، علمی تبحر، تقویٰ وطہارت، وقت کی نبض شناسی کے ساتھ ساتھ اجتماعی اور سیاسی معاملات میں دقت بینی اور حقیقت شناسی غرض علم وعمل کی یکسانیت کا ایک پیکر [illegible] اس طرح نظر آتا تھا کہ گویا دنیا اور دین کی خیر وفلاح کا ایک حسین [illegible] ہے۔

دار العلوم دیوبند کی مسند [illegible] وتفسیری حقائق کا جو ذخیرہ علماء اور طلباء کے سامنے [illegible] سے پیش [illegible] [illegible] لطف اندوز [illegible] قرآن

حدیث کے مطالعہ سے سرشار بھی ہوں۔

درس و تدریس کے اس شغل و انہماک کے ساتھ ساتھ عصر اور مغرب کے درمیان کی وہ مجلسیں ناقابل فراموش ہیں جن میں تشنگان معارف و تصوف، اہل معارف و اصحاب روحانیت کے لطائف و نکات باطنیہ سے سیراب ہوتے رہتے تھے، اور پھر شب یلدا اور تاریک اندھیاری میں جبکہ خدا کی مخلوق راحت و آرام میں مشغول رہتی تھی "نفی و اثبات" کی وہ صدائیں دلوں کو گرمانے کے لئے کچھ کم نہ تھیں جن کی ایک ایک حرکت سے قلوب میں بیداری اور خدا رسی کا رجحان پیدا ہوتا تھا۔

پھر یہ کامل شخصیت ہی کے بس کی بات تھی کہ درس و تدریس اور بیعت و ارشاد کے روحانی فیوض و برکات کے ساتھ ساتھ غلامی کے دور میں آزادیٔ ملک و وطن کے لئے سرفروشانہ جدوجہد بھی جاری ہے اور قید فرنگ بھی عملی کاوشیں بھی ہیں اور فکری رہنمائی بھی۔ اور ہمہ قسم کی سرگرمیوں کے باوجود توکل علی اللہ اور حق و صداقت پر ثابت قدمی کا ایک کوہ وقار نظر آتا ہے۔

ملک کی آزادی کے بعد ملک میں امن و امان اور وطن عزیز میں مسلمانوں کے باعزت مقام کے لئے رہنمائی بھی موجود ہے اور عملی سرگرمیاں بھی جیل میں ساتھ رہنے والوں کے لئے یہ بات بھی کچھ کم عجوبہ نہ تھی کہ دن میں ایک طرف قیدیوں کی خدمت، اپنے خادموں اور نیازمندوں کے ساتھ مربیانہ محبت و شفقت کے مشاغل ہیں تو دوسری طرف قرآن و حدیث کے معارف و معارف کا بھی سلسلہ جاری ہے، رات کے بڑے حصہ میں مراقبہ و محاسبہ کی وہ نمایاں زندگی نظر آتی ہے جس سے نیازمند تو کجا "جیلر" "سپرنٹنڈنٹ جیل" "ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ" اپنے راؤنڈ میں ان نظاروں کو دیکھ کر انتہائی متاثر نظر آتے ہیں۔ اور یہ محسوس کرتے ہیں کہ سیاسی اور پولیٹیکل زندگی کا یہ انسان عام اصطلاح میں "لیڈر" نہیں ہے۔ بلکہ خدا کی ایسی برگزیدہ ہستی ہے جو عبادت و روحانیت کے امتزاج کے ساتھ ایک طرف استخلاص وطن کے جذبہ میں سرشار ہے تو دوسری جانب معرفت الٰہی کے بحر ناپیدا کنار میں غوطہ زن ہے۔

اسی وجہ سے مسلم و غیر مسلم ہر شخص پر اس کے تقوی، طہارت، دیانت، امانت، اور صداقت کی چھاپ پڑتی ہے، ایسی جامع شخصیتیں اب کہاں؟ آنکھیں ڈھونڈتی ہیں، دل تڑپتا ہے، لیکن اس ناپائیدار ہستی میں ایسے مقدس وجود کمیاب و نایاب نظر آتے ہیں۔

لکھنے کو بہت کچھ جی چاہتا ہے، آنکھوں نے بہت کچھ دیکھا ہے، دل نے بہت کچھ سمجھا ہے۔ لیکن وقت کے ناگوار حوادث نے کچھ ایسا دن اور رات کے وقت کو جکڑ بند کر لیا ہے کہ قلم اٹھانے کا یارا ہی باقی نہ رہا۔

اے کاش پچھلے دنوں کی طرح ہنگامہ آرائیوں کے باوجود یہ توفیق نصیب ہو کہ دل کی امنگیں اس راہ میں جس طرح بے چین نظر آتی ہیں، ان امنگوں کے بروئے کار نظر آنے کی صورت نصیب ہو سکے۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

محمد حفظ الرحمٰن

(تذکرہ دیوبند)

ربیع الاوّل کے مہینے میں دُنیا بھر کے مسلمان خاص طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مُبارک یاد تازہ کرتے ہیں، آپؐ پر درود و سلام بھیجتے ہیں، آپؐ کی سیرتِ پاک کے واقعات بیان کرتے ہیں اور بے شمار طریقوں سے روحِ اقدس کے حضور اُس عقیدت کا خراج پیش کرتے ہیں جس سے ہر مسلمان کا دل لبریز ہے۔

یہ سب کچھ اپنی جگہ قابلِ قدر ہے۔ مگر ایک چیز ایسی ہے جس کی طرف سے بالعموم غفلت برتی جا رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کے بھیجنے والے نے صرف خراجِ عقیدت وصول کرنے نہیں بھیجا تھا۔ بلکہ خراجِ اطاعت اور خراجِ اتباع وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ یہ خراج اگر ادا کیا جائے تو اسکے ساتھ عقیدت کا خراج جتنا بھی ادا ہو۔ اُس بارگاہ میں قابلِ قبول ہے۔ ورنہ اندیشہ اور نہایت قوی اندیشہ ہے کہ اطاعت یا اتباع سے عاری اور نافرمانی سے آلودہ عقیدت نہ شفاعت کی بارگاہ میں قبول ہوگی نہ حضورؐ کے بھیجنے والے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں!

کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ اس موقع پر جبکہ ہر طرف حضورؐ کا ذکرِ خیر ہو رہا ہے اور ہر مومن کا دل اسطرف متوجہ ہے۔ میں اپنے دینی بھائیوں کو وہ تنبیہات یاد دلاؤں جو اس معاملہ میں اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اور خود سرکارِ رسالت مآبؐ نے احادیث میں فرمائی ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔

(الاحزاب۔ رکوع ۵)

کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اُسکا رسولؐ کسی معاملہ کا فیصلہ کر دے تو پھر اُن کو خود اپنے معاملہ میں کوئی اختیار باقی رہ جائے۔ اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ یقیناً کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

یہ آیت ہر مسلمان کو فرداً فرداً اور پوری اُمت کو مجتمعاً اس بات پر تنبیہ کرتی ہے کہ ایمان اور خود مختاری ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔ اگر تم اللہ اور اسکے رسولؐ پر ایمان لائے ہو تو پھر تمہارا خود مختار رہنا تمہارے اختیارات کی آخری

اُس جگہ ختم ہو جاتی ہے جہاں اللہ اور اس کے رسول کا کوئی فیصلہ کسی معاملہ میں بھی مل جائے۔ اس کے بعد ہدایت کی راہ یہ ہے کہ تم اس فیصلے کی اطاعت کرو اور ضلالت کی راہ یہ ہے کہ تم اس کی خلاف ورزی کرو۔ دُوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النساء۔ رکوع ۹)

پس نہیں۔ تیرے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک کہ (اے رسولؐ) تم کو اس معاملہ میں حَکَم نہ بنائیں جس میں اُن کے درمیان اختلاف ہوا ہے۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس سے اپنے دل میں کوئی تنگی تک محسوس نہ کریں بلکہ سر تسلیم کر لیں!

اس آیت میں اُوپر کی حقیقت کو اور زیادہ زور کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اس کی رُو سے ایمان کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ تمام معاملات میں رسولؐ پاک کو حاکم تسلیم کیا جائے اور آپؐ کے فیصلے کو بسر و چشم مان لیا جائے۔ آیت صاف الفاظ میں تنبیہ کر رہی ہے کہ آنحضورؐ کے فیصلے پر دل میں انقباض تک محسوس کرنا ایمان کے منافی ہے۔ کجا کہ کھلم کھلا آدمی آپؐ کے فیصلوں کو ٹھکرا دے اور پھر عقیدت و محبت کا دعویٰ بھی کرے!

آخری اور شدید تر تنبیہ یہ ہے کہ:-

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (النور۔ رکوع ۹)

پس ڈرنا چاہیئے اُن لوگوں کو جو رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں کہ وہ کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائیں یا اُن پر دردناک عذاب نازل ہو جائے!

"فتنہ" اور "عذاب" کے الفاظ وسیع مفہوم کے حامل ہیں۔ آپس کے تفرقے اور خانہ جنگیاں، نظامِ جماعت کی پراگندگی، داخلی انتشار، دلوں کا بگاڑ، نیتوں کا فساد، اخلاق کا زوال، سیاسی و مادی طاقت کا سقوط، جابر و ظالم حاکموں کا تسلط، غیروں کی غلامی، یہ سب اور نہ معلوم اور کیا کیا کچھ فتنے اور عذاب کی وہ صورتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے پیش آ سکتی

کی نافرمانی کے باعث اس دنیا میں رونما ہوسکتی ہیں اور ہوچکی ہیں اور آخرت کی بات تو اس سے مہیب تر ہے جس سے آگے دوچار ہونا ہے۔

یہ تو ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشادات، اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہ ہے کہ:-

لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

"تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس اس چیز کی تابع نہ ہوجائے جسے میں لے کر آیا ہوں"۔

ان ارشادات کی روشنی میں ہر شخص کو سوچنا چاہیئے کہ اتباع و اطاعت کے بغیر نری محبت و عقیدت جس کا ہم لوگ مظاہرہ کیا کرتے ہیں، اللہ اور اس کے رسولؐ کی نگاہ میں کیا قدر و قیمت رکھتی ہے!

میری اس گزارش کا مدعا یہ نہیں ہے کہ جو اتباع و اطاعت نہیں کرتے وہ عقیدت و محبت بھی نہ رکھیں۔ بلکہ اس کے برعکس میرا مدعا یہ ہے کہ جو عقیدت و محبت رکھتے ہیں وہ اتباع و اطاعت بھی کریں۔ فی الواقع یہ عجیب حالت ہے کہ ہم میں سے ایک ایک بڑھ چڑھ کر دنیا کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دکھائی ہوئی راہ کے واحد صراط مستقیم ہونے کا اعلان کرتا ہے اور پھر وہی دنیا ہم کو صریح طور پر اس صراط مستقیم سے منحرف دیکھتی ہے۔ سوچنے والے دل ضرور سوچیں گے اور پوچھنے والی زبانیں یہ پوچھیں گی بھی کہ اللہ کے بندو! جب تمہارے نزدیک واقعی یہ صراط مستقیم ہے تو اسے چھوڑ کر دوسرے راستوں پر چلنے کے لئے تمہیں کس نے مجبور کیا ہے؟ تمہاری زبانیں کہتی ہیں کہ رسولؐ خدا کا یہ طریقہ برحق ہے۔ اُن کی زندگی مثالی زندگی ہے۔ اُن کا حکم واجب الاطاعت ہے۔ اور ساری دنیا کی فلاح صرف اُن کے اتباع میں ہے۔ مگر تمہارا عمل کہتا ہے کہ اُنؐ کا بتایا ہوا کوئی طریقہ تمہیں پسند نہیں۔ اُنؐ کے کسی حکم کی اطاعت پر تم راضی نہیں۔ اور فلاح تمہیں ہر راستہ میں نظر آتی ہے۔ مگر نہیں نظر آتی تو اسی ایک رسولؐ کے راستہ میں جس کے اتباع کی دوسروں کو دعوت دیتے ہو۔ اس روش کو اگر ایک غیر مسلم مضحکہ انگیز قرار دے تو آخر ہم کیا جواب دے کر اسے مطمئن کرسکتے ہیں؟ اور جو چیز معمولی انسانوں کو کھٹکتی ہو کیا ہم توقع رکھتے ہیں کہ اللہ کی نگاہ حقیقت میں اسے پسند کرلے گی؟

ابن خلدون

★ —— حضرت مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی [illegible]

پیدائش ۷۳۲ھ ، وفات ۸۰۸ھ

علامہ ابن خلدون مغربی سے متعلق یہ فاضلانہ مضمون رفیق محترم مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی نے، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی مجلس فکر و نظر کی حالیہ نشست میں پڑھا تھا۔ میری درخواست پر اسے الحرم کے لئے عنایت فرمایا گیا۔ جسکا میں شکر گذار ہوں۔ — مدیر

ایک صاحب نظر مورخ اور ایک نکتہ سنج فلسفی کی حیثیت سے ابن خلدون کو غیر معمولی شہرت حاصل ہے۔ مشرق و مغرب میں اسکے کمالات کا غلغلہ ہے۔ جسطرح علماء مشرق اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اسی طرح بلکہ شاید کچھ اس سے بڑھ کر علماء مغرب اس کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں پچھلے پچاس ساٹھ سال میں اس کے متعلق متعدد مضامین لکھے گئے اور کئی کتابیں شائع ہوئیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابھی یہ موضوع تشنۂ تحقیق ہے اور ابن خلدون کے سوانح حیات اسکے علمی کمالات، اسکے حکیمانہ خیالات، اس کی فلسفیانہ نکتہ رسی اسکی دقت نظر اسکی مورخانہ بصیرت اور اسکی ناقدانہ قابلیت پر غیر معمولی غور و فکر اور مطالعہ و تحقیق کی ضرورت ہے۔ یہ کام اتنا بڑا اور پھیلا ہوا ہے کہ کسی ایک فرد کی بساط سے باہر ہے؛ اسکے لئے افراد کے بجائے جماعتوں کی کوششیں درکار ہیں۔ تفصیل بالا سے موضوع کی وسعت واضح ہو چکی ہے۔ اسکے بعد اس مختصر سی صحبت میں اسکا کیا امکان ہے کہ ابن خلدون کی سیرت اور کارناموں پر سیر حاصل بحث کی جاسکے یہی غنیمت ہے کہ سرسری طور پر تعارف ہو جائے۔

ابن خلدون کا نام عبدالرحمٰن بن محمد ہے۔ خلدون ان کے مورث اعلیٰ تھے جو پہلی صدی ہجری کے آخر میں موسیٰ ابن نصیر اور طارق بن زیاد کی سرکردگی میں اسپین آئے اور یہیں رہ گئے تھے۔

وطن کے اعتبار سے اصلاً یمنی اور نسلاً قحطانی ہیں۔ خلدون وائل بن حجر کی اولاد میں ہیں۔ یہ یمن کے رئیس اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامور صحابی ہیں۔ حدیث و فقہ سے واقفیت رکھنے والے حضرت وائل کی اہمیت اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ خالد بن عثمان ان کی چھٹی پشت سے تھے یہی خالد اندلس جا کر خلدون کہلائے۔

فتوحات کا سلسلہ مکمل ہو چکا اور اسپین نے اسلامی مملکت کی شکل اختیار کی تو فوج کے کچھ لوگ بھی ملک کے مختلف حصوں میں آباد ہو گئے خلدون کو اشبیلیا کے مناظر اور آب و ہوا پسند آئی اور یہیں رہنے لگے خلدون کے بعد ان کی اولاد بھی یہیں آباد رہی اور جب تک اشبیلیا اسلامی حکومت کے زیر سایہ رہا۔ انھوں نے کہیں اور کا رخ نہیں کیا اور ہمیشہ عزت و تکریم کی نظر سے دیکھے گئے بلکہ خاندان خلدون نے ایک زمانے میں اپنی چھوٹی سی ریاست بھی بنالی تھی لیکن یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب اسپین میں بنی امیہ کی مرکزی حکومت ختم ہو گئی تھی اور طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ لیکن جب بنو عباد کی حکومت اشبیلیا میں قائم ہو گئی تو ان لوگوں نے ان کے ساتھ تعاون کیا۔ اور حسب سابق اہم کارنامے انجام دیتے رہے۔ معتمد کے زمانے میں جب عیسائی حکومتوں کی تاخت تاراج بڑھ گئی اور یہ خطرہ پیدا ہوا کہ کچھ ہی دنوں میں اسپین مسلمانوں سے خالی ہو جائیگا تو یہاں کے تمام رئیسوں اور ارباب حل و عقد نے مراکش کے نامور فرماں روا یوسف بن تاشفین کو اپنی مدد کے لئے بلایا اور وہ اہم معرکہ پیش آیا جو تاریخ میں جنگ زلاقہ کے نام سے مشہور ہے اس جنگ نے حالات بدل دیئے۔ عیسائیوں کو ایسی سخت شکست ہوئی کہ وہ مدتوں سر اٹھانے کے قابل نہ رہے اور کئی سو برس تک مسلمانوں کو اسپین میں حکومت کرنے کا موقعہ مل گیا۔ اس جنگ میں خلدونی خاندان معتمد کی پہلو بہ پہلو شریک تھا۔ بنو عباد کے زوال کے بعد مرابطین اور موحدین کے زمانے میں بھی یہ لوگ عزت و سرفرازی کے ساتھ رہے جب موحدین کی طاقت میں کمی آئی اور اسپین میں پھر طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوا تو بنی خلدون نے حالات کو سنبھالنے کے لئے پوری جد و جہد کی لیکن جب اس میں کامیابی نہ ہوئی اور اشبیلیا عیسائی حکمرانوں کے قبضے میں آگیا تو مجبوراً یہ لوگ وہاں سے نکل کر پہلے سبتہ اور پھر وہاں سے کچھ دنوں کے بعد تونس چلے گئے۔ اشبیلیا سے آنے والے ابن خلدون کے پردادا [illegible] تھے۔

ان کے جد امجد بھی سلطان ابو یحییٰ کے بڑے معتمد لوگوں میں تھے یہاں تک کہ جب وہ کسی مہم کے سلسلے میں ملک سے باہر جاتے تھے تو ان کو اپنے بعد جانشین مقرر کر جاتے تھے۔ سنہ ۷۳۷ھ میں انھوں نے وفات پائی۔ اس وقت عبدالرحمٰن پانچ سال کے تھے۔ ان کے والد محمد ابن ابو بکر کو سیاسی کاموں سے دلچسپی نہ تھی۔ زیادہ وقت علمی مطالعے اور صوفیانہ مشاغل میں گذرتا۔ وہ قولی وقت فقیہہ ابو عبداللہ رندی سے فیض حاصل کرتے تھے۔ تصوف کے علاوہ عربی زبان اور ادب و شعر میں انھیں دستگاہ حاصل تھی۔ سنہ ۷۴۹ھ میں طاعون میں فوت ہوئے۔ اس وقت عبدالرحمٰن کا سترھواں سال تھا۔ اور ضروری تعلیم و تربیت حاصل کر چکے تھے۔

ان کے والد نے تعلیم و تربیت میں خاص دلچسپی لی تھی۔ اور بڑے باکمال اساتذہ سے انھیں تعلیم دلائی تھی۔ اس مختصر صحبت میں زمانۂ تعلیم کی ساری سرگذشت بیان کرنا درسی کتابوں کا تذکرہ اور اساتذہ کا تعارف درسے طور پر کرانے کا کوئی موقعہ نہیں ہے۔ لیکن یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ ابن خلدون کو کس درجے کی تعلیم دی گئی ہے چند سطروں میں ان کی تعلیمی زندگی کا ذکر کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم اور حفظ کے بعد ٹیونس کے بے مثال قاری ابو عبداللہ انصاری سے فن قرأت حاصل کیا۔ شاطبی کا قصیدۂ لامیہ اور قصیدۂ رائیہ ازبر کیا اور قرأت سبع میں ایسا کمال حاصل کیا کہ بیک وقت تمام قرأتوں ساتھ قرآن مجید ختم کر دیتے تھے۔ اسی طرح حدیث، تفسیر، فقہ، ادب، معقولات وغیرہ تمام علوم مشاہیر اہل علم سے پڑھے جن میں عبدالمہیمن حضرمی، محمد بن بحر، احمد ابن قصار، شارح قصیدۂ بردہ، احمد فرداوی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

والد کی وفات کے بعد نو عمری ہی میں سرکاری ملازمت سے منسلک ہو گئے کچھ دن امیر ٹیونس کے یہاں صیغۂ مراسلات میں رہے۔ ان کا کام یہ تھا کہ فرامین پر شاہی مہر ثبت کرتے تھے۔ اس کے بعد صاحب تلمسان سلطان ابو عنان کے یہاں اس سے اعلیٰ عہدے پر فائز ہوئے۔ لیکن وہاں ایسا اتفاق ہوا کہ خاندان موحدین کے ایک رئیس سے تعلقات کی وجہ سے سلطان ابو عنان کی ناراضگی پیدا ہوئی جس کے نتیجے میں گرفتاری تک نوبت آئی۔ بعد کو بے قصور سمجھ کر رہائی کا حکم ہوا۔ سلطان ابو عنان کی اسی اثنا میں وفات ہو گئی۔ وزیر حسن بن عمر نے انھیں رہا کر کے بڑی عزت افزائی کی۔

یہ زمانہ شمالی افریقہ میں سخت اضطراب کا تھا۔ مراکش اور ٹیونس میں چھوٹے چھوٹے متعدد بادشاہ تھے۔ جو باہم دست بہ گریباں رہا کرتے تھے۔ ابن خلدون کو اپنی اہمیت کی بنا پر ان جھگڑوں میں مبتلا ہونا پڑتا تھا اور اپنے آپ کو بچانے کے لئے راہیں نکالنی پڑتی تھیں ان تاریخی واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے ابن خلدون کو داد دینی پڑتی ہے کہ اس نے کس طرح ایسے پریشان کن اور انتشار انگیز وقت میں اپنے آپ کو ذلت و خواری سے بچایا۔ افریقہ کے حالات نے جب بہت پریشان کر دیا تو اس نے غرناطہ کا رُخ کیا وہاں بادشاہ عام اہل علم اور وزیر لسان الدین سب نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اسی زمانہ میں بعض معاملات طے کرانے کے لئے امیر وفد کی حیثیت سے اشبیلیہ بھی جانا ہوا، وہاں ان کی لیاقت کو دیکھ کر عیسائی بادشاہ بہت متاثر ہوا اور اسنے خواہش کی کہ وہ وہیں رہ جائیں۔ اس نے کہا کہ آپ کے بزرگوں کی جائداد آپ کو دلا دی جائیگی۔ لیکن انھوں نے وہاں رہنا پسند نہیں کیا۔ بادشاہ نے انھیں بہت قیمتی تحفے دیئے جنھیں لیکر وہ غرناطہ آئے اور اپنی طرف سے سلطان غرناطہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ سلطان نے انھیں شہر کے قریب ایک وسیع قطعہ آراضی عطا کیا۔ اور وہ وہیں رہنے لگے لیکن پوری احتیاط کے باوجود محض بادشاہ کی نظر عنایت کو دیکھ کر وزیر کے دل میں کھٹک پیدا ہوئی اس صورت حال کو دیکھ کر انھوں نے واپسی کا ارادہ کر لیا۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں سلطان بجایا کا دعوت نامہ بھی ملا اور وہ بخیر و عافیت سنہ ۷۶۶ھ میں بجایا پہنچ گئے۔ لیکن وہاں بھی حریفوں کی مخالفت کے سابقہ ہوا بالآخر ہنگاموں سے تنگ آکر گوشہ نشینی اختیار کی اور سنہ ۷۷۶ھ سے اپنی تاریخ کی ترتیب میں مصروف ہو گئے۔ چار سال تک اسی میں منہمک رہے اور مقدمہ کا پہلا مسودہ تیار ہوا۔ سنہ ۷۸۰ھ میں ٹیونس گئے بادشاہ نے بڑی عزت کی لیکن سیاست سے علیحدہ رہے اور درس و تدریس اور تاریخ کی تدوین میں مصروف رہے۔ اس احتیاط کے باوجود مفتی ٹیونس محمد بن عرفہ کو حسد پیدا ہوا اور انھوں نے ان کے خلاف بادشاہ کو متاثر کرنا شروع کیا مقصد یہ تھا کہ ملک بدر کر دیئے جائیں لیکن بادشاہ نے شہر سے باہر رکھنے پر اکتفا کیا، بعد کو بادشاہ کچھ مہربان ہوا لیکن اسنے چاہا کہ انھیں اپنے ساتھ میدان جنگ میں لے جائے۔ ایک بار تو وہ اس پر راضی ہو گئے لیکن آئندہ اس سلسلہ کو جاری رکھنا پسند نہ کیا۔ مگر ان حالات میں وہاں رہنا بھی آسان نہ تھا اسلئے چاہا کہ مشرقی ممالک کی طرف رُخ کریں مگر روانگی کی اجازت بھی آسان نہ تھی آخر کار حج کے نام سے سنہ ۷۸۴ھ میں اجازت ملی۔ وہاں سے اسکندریہ آئے یہاں لوگ ان کے نام سے پہلے سے واقف تھے

(باقی صفحہ ۲۴ پر)
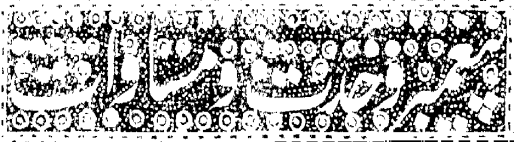
نور اسلام کی ضیا گستری سے پہلے دنیا اختلاف و افتراق میں گھری ہوئی تھی اختلافات کے ہزاروں خنجر تھے جنھوں نے انسانیت کبریٰ کے ایک ایک عضو کو پارہ پارہ کر دیا تھا۔ ملک و قوم کا اختلاف تھا۔ رنگ و نسل کا اختلاف تھا۔ زبان و بیان کا اختلاف تھا۔ پھر اختلاف کے ان بڑے دائروں میں چھوٹے دائرے تھے: وضیع و شریف کا اختلاف تھا۔ قوی و ضعیف کا اختلاف تھا مرد و عورت کا اختلاف تھا۔ غرض وحدت انسانیت کا ایک خاندان سینکڑوں ٹولیوں میں تقسیم ہو چکا تھا اور ہر ٹولی دوسری ٹولی کے مقابلہ میں خنجر بکف تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاران کی چوٹیوں پر کھڑے ہو کر یہ پیغام خداوندی تمام عالم میں نشر فرما دیا:۔

"ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاتقون، اور اے انسانو! دیکھو یہ تمہاری جماعت فی الحقیقت ایک ہی جماعت ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں (بس میری عبودیت کی راہ میں تم سب ایک ہو جاؤ) اور نافرمانی سے بچو۔"

وحدت ملیہ کا ایک گھرانہ:۔ حضور پر نور صلعم نے ان تمام چھوٹے چھوٹے امتیازات کی جڑ کاٹ کر پھینک دی جو انسانوں کے ہاتھوں کی پیداوار تھے اور صرف ایک رشتہ میں تمام کائنات کو جکڑ دیا۔ اور وہ رشتہ ہے "وحدت ملیہ اسلامیہ"۔

"وحدت ملیہ اسلامیہ" کے اس خدائی گھرانے کے سرپرست یا باپ سرکار نامدار صلعم قرار پاتے۔ آپکی ازواج مطہرات مائیں ٹھہریں اور تمام کلمہ توحید کے پڑھنے والے ارکان خاندان اور بھائی بھائی:۔

النبی اولی بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم، نبی (صلعم) مومنین پر ان کی جانوں سے زیادہ شفقت کرنے والے ہیں اور آپکی بیبیاں مومنین کی مائیں ہیں۔"

انما انا لکم بمنزلۃ الوالد اعلمکم (حدیث) تمہارے لئے والد کی جگہ ہوں کہ تمہیں دین کی تعلیم دیتا ہوں۔"

نیز ارشاد فرمایا:۔

انما المومنون اخوۃ۔ درحقیقت تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

پھر اس خدائی گھرانے میں نہ ملک و قوم کی تفریق تھی نہ وضیع و شریف کی تفریق تھی نہ غریب و امیر کی تفریق تھی نہ غلام و آقا کی تفریق تھی:۔

لا فضل لعربی علی عجمی ولا لاحمر علی اسود (حدیث) عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں اور نہ سرخ رنگ والے کو سیاہ رنگ والے پر تمہارے غلام (دراصل) تمہارے بھائی ہیں جنھیں اللہ تعالےٰ نے تمہارے سپرد کر دیا ہے۔"

مساوات کا انتہائی معیار ملاحظہ ہو کہ اس خاندان کا سرپرست اعلیٰ خود اپنی ذات کو بھی امتیازی حیثیت دینا پسند نہیں فرماتا۔ وفد بنی عامر جب سرکار نامدار کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان میں سے کسی شخص نے فرط محبت سے عرض کیا۔ انت سیدنا (آپ ہمارے آقا ہیں) حضور نے ارشاد فرمایا السید اللہ تبارک وتعالیٰ (آقا تو خداوند تبارک وتعالیٰ ہے) اس پر وفد والوں نے عرض کیا۔ افضلنا واعظمنا طولا ہمارے بزرگ و برتر مرتبے کے لحاظ سے) آپ نے فرمایا، قولوا بقولکم ولا یجر منکم الشیطان، ہاں یہ کہہ لو اور دیکھو شیطان تمہیں اپنا کارندہ نہ بنا لے (محمد المثل الکامل مطبوعہ مصر صفحہ ۳۲۵)

یہ صرف ظاہری انکسار نہ تھا۔ یہ بناوٹی تواضع نہ تھی بلکہ خود سرکار نامدار صلعم کی عملی زندگی کی ہر شعبہ میں یہ چیز نمایاں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ "ہجرت مدینہ" کے موقع پر جب آپ اپنے رفیق حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے ساتھ مقام قبا میں پہنچے تو لوگوں نے حضرت صدیق اکبر رضؓ کو پیغمبر خدا سمجھ کر گھیر لیا۔ اور جب مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہوئی تو سب کے ساتھ ساتھ آپ نے بھی سامان تعمیر کی حمل ونقل میں حصہ لیا۔ جب غزوہ احزاب کے موقع پر خندق کھودی جانے لگی تو آپ بھی مزدوروں کی صف میں موجود تھے۔ مگر کیونکہ تفصیل کا موقع نہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام چھوٹے اور بڑے اختلافات

امتیازات کے ... کو مسمار کر کے کائنات عالم کا ایک گھرانا قائم کیا اور ساری دنیا کو اس گھرانے میں برابر کی حیثیت سے شریک ہونے کی دعوت دی۔

آپ نے یہ بھی اعلان فرما دیا کہ وحدت ملیہ اسلامیہ کا یہ گھرانا کوئی نیا گھرانا نہیں ہے بلکہ شروع سے یہ قائم ہے اور خداوند قدوس بار بار اپنے مقدس پیغمبروں کو اس سوسائٹی کی تنظیم و آرگنائزیشن کے لئے بھیجتا رہا ہے۔

اصول اساسی:- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اسلامی گھرانے کے افراد کے لئے کچھ آداب یا اس انٹرنیشنل اسلامک فیڈریشن کے ممبروں کے لئے کچھ اصول اساسی بھی تجویز فرمائے ہیں۔ ان اصولوں کی تفصیل تو آپ کتب حدیث کے باب اخلاق و معاشرت میں ملاحظہ فرمائیں۔ تاہم "بطور نمونہ از خروارے" چند درج ذیل ہیں:-

المومن للمومن کالبنیان شیدک بین اصابعہ بعضہا ثم بعضہ (رسول اکرمؐ نے فرمایا) ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے ایسا ہے جیسا ایک عمارت کہ اسکا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کئے ہوئے ہے۔" پھر آپ نے (بطور تمثیل) ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں داخل فرمائیں۔

(۲) المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ ومن کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ وہ اس پر ظلم کرے اور نہ کسی اور کو اس پر ظلم کرنے دے اور جو مسلمان اپنے بھائی کی حاجت روائی کریگا خداوند تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرے گا۔"

(۳) امر بالنصح لکل مسلم۔ حضور پر نور نے ہر مسلمان کو خیر خواہی کا حکم دیا ہے۔

(۴) کل المسلم علی المسلم حرام مالہ وعرضہ ودمہ، ایک مسلمان کا مال آبرو اور خون دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔"

(۵) من لعن مومنا فھو کقتلہ ومن قذف مومنا بکفر فھو کقتلہ، جس شخص نے کسی مومن پر لعنت بھیجی تو گویا اسنے اسے قتل کیا اور جس شخص نے مومن پر الزام لگایا گویا اسنے اسے قتل کیا۔"

(۶) الغیبۃ اشد من الزنا، غیبت زنا سے زیادہ سخت ہے۔"

(۷) من رمی مسلما بشی یرید بہ شینہ حبسہ اللہ علی جسر جہنم......... حتی یخرج مما قال، جو شخص کسی مسلمان کو بدنام کرنے کے لئے اس پر کوئی تہمت لگائے تو خدا اس شخص کو جہنم کے پل پر قید رکھے گا تا آنکہ وہ اپنے قول کی سزا سے عہدہ بر آہو۔"

(۸) لا یحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلاثۃ، کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو تین روز سے زیادہ چھوڑے رکھے۔"

(۹) وَمَا زاد اللہ عبدا بعفو الا عزا، جس بندہ نے بھی درگذر سے کام لیا ہے خدا نے اس کی عزت ہی بڑھائی ہے۔"

(۱۰) تھادوا فان الھدیۃ تذھب الضغائن (تلک عشرۃ کاملۃ)......... ایک دوسرے کو تحفے بھیجا کرو کیونکہ تحفہ کینہ کو دور کرتا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جو درس گاہ نبوت کے پہلے شاگرد تھے وحدت ملیہ کی ان تعلیمات الہیہ کو آنکھوں پر رکھا اور دلوں میں جگہ دی چنانچہ ہم خلیفۃ المسلمین حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کو حضرت اسامہؓ بن زید کے جلو میں پیدل چلتا ہوا دیکھتے ہیں۔ منبر خلافت پر فاروق رضؓ اعظم کو۔ الحمد للہ الذی جعل فی المسلمین یسدد اعوجاج عمر۔ کا نعرہ لگاتے ہوئے سنتے ہیں۔ راتوں کی اندھیریوں میں محتاجوں اور بیواؤں کی خدمت گذاری کرتے پاتے ہیں۔ حضرت بلال رضؓ حبشی کے انتقال پر الیوم مات سیدنا کہتے سنتے ہیں۔ اور اپنی جانشینی کے لئے "حذیفہ کے غلام سالم" کو یاد کرتے پاتے ہیں۔ اور حضرت علیؓ کو قاضی کی عدالت میں یہودی کے برابر کھڑا ہوا دیکھتے ہیں۔

حضرت خالد بن ولیدؓ

پرچم اسلام کے سایہ میں آنے سے پہلے

مولوی عبدالحی خیرآبادی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منصب نبوت پر فائز ہونے کے تیرہ سال بعد تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہ کر اسلام کی دعوت دی اور کفار مکہ کی اذیتوں اور مصیبتوں کو جھیل کر صبر و تحمل کا دامن پکڑے رہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اسلام کا نام لینا گویا پھانسی کا پھندہ اپنے گلے میں لگانا تھا۔ کسی کی جرأت نہ ہوتی کہ کھل کر اسلام کا علم بلند کرتا اور کفار کے مقابلہ میں آکھڑا ہوتا لیکن اسلام کی شمع نے حق اور صداقت کی سیدھی راہ پہچاننے اور اس پر چلنے کے لئے ایسی کشش پیدا کر دی کہ باوجود تمام ظلم و ستم اور گوناگوں اذیتوں اور مصیبتوں کے منزل حق کے صحیح اور سیدھے راستے کو پہچانتے اور جوق در جوق شامل ہوتے رہے گئے۔ اسلام کی ترویج و اشاعت روز بروز بڑھتی گئی اور اسلام کا نور ہر طرف پھیلنے لگا۔ اسی کی شعاعوں میں نظر آنے والے وہ راستے تھے جن پر چل کر کوئی صداقت کا ہار اپنے گلے میں پہنے ہوئے نظر آتا ہے تو کوئی عالمتاب قربانیوں کا نمونہ دکھاتے نظر آتا ہے۔ کوئی عثمان غنیؓ بنا جنت کی خوشگوار ہواؤں سے لطف اندوز ہو رہا ہے، تو کوئی علیؓ بنا ہوا اپنے علو مرتبت پر تبسم ریزیاں کر رہا ہے۔

وہی حضرت عمرؓ جو تلوار لے کر اپنے گھر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی غرض سے چلے تھے۔ شمع رسالت کی جھلک پاتے ہی اپنے ارادے پر نادم ہوئے اور فوراً بارگاہ رسالت میں حاضری دے کر مشرف باسلام ہو گئے۔ اسی طرح بہتیرے ایسے تھے جو بعد میں مشرف باسلام ہو کر انسانیت کے اعلیٰ ترین منصب اور بلند ترین مرتبہ پر فائز ہوئے اور پہلے اسلام کے مٹانے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔

اسلام کی انہیں برگزیدہ اور قابل فخر ہستیوں میں خالد بن ولیدؓ ہیں۔ یہ وہی خالد بن ولید ہیں جو ایک عرصہ تک اسلام اور مسلمانوں کے مخالف رہے اور اپنی اخلاقی و دماغی قوت اور اپنی شجاعت و مردانگی سے مسلمانوں کو مٹا دینے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔ یہ وہی خالد ہیں جن کے ہاتھوں بہت سے معرکوں میں مسلمانوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ یہ وہی خالد ہیں کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے لشکر والوں کو ان کی بہادری و شجاعت کی داد دے دے کر ان کی ہمت افزائی کیا کرتے تھے لیکن وہی خالد جب اسلام کے دائرہ میں آتے ہیں اور انوار اسلام کی شعاعوں سے کفر کی ظلمت کو اپنے قلب سے دور کرتے ہیں تو چند ہی دنوں میں اپنی بہادری اور دماغی قوت کا سکہ بٹھا دیتے ہیں، بڑے بڑے سپہ سالاروں کو اپنی خارا شگاف تلوار سے موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں، اسلام کی حمایت میں سربکف ہو کر میدان کارزار میں مسلمانوں کو سنگین حملوں اور بڑے خطروں سے صحیح و سالم نکال لاتے ہیں اور بہت زیادہ زمانہ نہیں گزرنے پاتا کہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے "سیف من سیوف اللہ" کے ممتاز خطاب سے نوازے جاتے ہیں۔

یہاں حضرت خالد بن ولید کے مشرف باسلام ہونے سے قبل کے دو واقعات پیش کئے جا رہے ہیں جن سے ان کی ذہانت، موقع شناسی اور شجاعت کا پتہ چلتا ہے۔

جنگ احد میں حضرت خالد کا حملہ: یہ لڑائی ۳ھ میں ۷۰۰ مسلمانوں اور ۳۰۰۰ کافروں کے درمیان میدان احد میں ہوئی تھی۔ مشرکین کے پاس منتخب فوج کا ایک دستہ تھا جس کے کمانڈر خالد بن ولید تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی ہر جماعت کے مقابلہ میں ایک ایک جماعت قلیل کو مقرر فرما دیا، تیر اندازوں کی ایک جماعت کو جس میں پچاس تیر انداز تھے۔ لشکر اسلام کے عقب میں پہاڑ کی ایک گھاٹی پر متعین فرما کر ہدایت فرمائی کہ فتح ہو یا شکست تم لوگ اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ لڑائی شروع ہوئی اور گھمسان کا رن پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہی مشرکین کے پیر اکھڑ گئے اور شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر مسلمان مشرکین کی جانب سے مطمئن ہو گئے اور اپنے ہتھیار ڈال کر مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر ان لوگوں نے بھی جنہیں حضور نے گھاٹی پر متعین کر رکھا تھا علاوہ چند صحابہ کے اپنی اپنی جگہیں چھوڑ دیں، اور مسلمانوں کے ساتھ مال غنیمت لینے میں مصروف

ہوگئے۔ دفعتاً خالد بن ولید کی نگاہ اس پہاڑی پر پڑی۔ دستہ کے بعض افراد کو دیکھ کر موقعہ کو غنیمت سمجھا اور پہاڑی کے عقب سے حملہ کردیا، گھاٹی کے باقی ماندہ محافظوں نے انتہائی بے جگری سے مقابلہ کیا مگر چند معدود افراد کہاں تک مقابلہ کرتے۔ آخرکار یکے بعد دیگرے سب کے سب شہید ہوگئے۔ سامنے کی جانب سے بھاگنے والے کفار بھی یہ منظر دیکھ کر لوٹ پڑے، غرضکہ مسلمانوں کو نرغہ میں لے لیا اور دونوں طرف سے کافروں کا ایسا سخت حملہ ہوا کہ مسلمان بدحواس ہوگئے اور انھیں اپنے اور پرائے کی خبر نہ رہی، مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے، ایک دہشت ناک خبر یہ مشہور کردی گئی کہ (نصیب دشمنان) حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے۔ اس خبر سے مسلمانوں میں اور بھی مایوسی چھا گئی۔ لیکن اس خیال نے کہ "آپؐ کے بعد زندہ رہنا بیکار ہے" مسلمانوں کو بھوکا شیر بنا دیا اور اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر رکھ کر مقابلہ میں آگئے۔ اسی دوران میں ایک صحابی رضؓ کی مشتاق نگاہوں نے حضور پر نورؐ کو صحیح وسلامت دیکھ لیا اور بے ساختہ یہ آواز نکل کر مسلمانو! تمہارے سروں کا تاج اور تمہاری روحوں کے آقا خیریت سے ہیں، اس آواز کا سننا تھا کہ مسلمانوں کی روحیں تازہ ہوگئیں، بے جان اجسام میں جانیں آگئیں، ان کے قلوب منوّر ہوگئے اور ان کی خزاں میں نئے سرے سے بہار آگئی۔ اور مسلمانوں نے اس شکست کو فتح سے بدل دیا۔

اس واقعہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس جنگ میں اوّل اوّل مشرکین مغلوب ہوچکے تھے، مال ومتاع چھوڑ کر بھاگ چکے تھے۔ لیکن اس غلبہ کے بعد مسلمانوں کو جسقدر نقصان پہنچا وہ بعض مسلمانوں کی ناعاقبت اندیشی اور خالد بن ولید کی ہی دانشمندی اور دلیری کا نتیجہ تھا۔

حدیبیہ کا واقعہ:۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھایا گیا کہ خود آپؐ اور آپ کے اصحابؓ سکون کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے ہیں جن میں بعض محلق اور بعض مقصر ہیں۔ جب آپ نے اس خواب کا تذکرہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے کیا تو ان کی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی، آپؐ نے اسی سال عمرہ کا ارادہ بھی کرلیا تو صحابہؓ اور خوش ہوئے کہ اسی سال خواب کی تعبیر ظہور میں آئے گی۔ آپؐ جس ارادہ سے تشریف لے جارہے تھے اسکا اعلان بھی کردیا تھا، کیسے مسلم تھا کہ آپ ہمیشہ صادق القول تھے مگر پھر بھی قریش بدگمانی سے باز نہ آئے چنانچہ خالد بن ولید اپنے کچھ آدمیوں کو لے کر کراع الغمیم نامی جگہ پر مقابلہ کے لئے آموجود ہوئے۔ آپؐ بھی وہاں پہنچ گئے اور وہاں ظہر کی نماز ادا کی، حضرت خالد کو اس نازک موقعہ کے کھو جانے پر افسوس ہوا اور دوسری نماز کے وقت کا انتظار کرنے لگے، ان کے اس خیال کی اطلاع آپؐ کو بذریعہ وحی ہوگئی اور نماز خوف پڑھنے کا حکم ہوگیا۔ آپؐ نے نماز شروع کردی ایک جماعت آپؐ کے ساتھ رکوع اور سجدہ کرتی تھی تو دوسری خالد بن ولید کے مقابلہ میں رہتی تھی، اس صورت سے مشرکین سمجھ گئے کہ ہمارے خیال اور ارادے کی خبر انھیں ہوگئی ہے۔ مشرکین مکہ جب باز نہ آئے تو آپؐ نے صحابہ رضؓ سے مشورہ کیا صحابہ رضؓ نے عرض کیا کہ ہمارا لڑائی کا بالکل قصد نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ لوگ ہمیں مکہ میں داخل ہونے اور طواف کرنے سے روکیں گے تو ضرور ہم لوگ بھی ان کا مقابلہ کریں گے، آپؐ نے فرمایا کہ قریش یہ گمان کرتے ہیں کہ حکم الٰہی کی تبلیغ سے رک جاؤں، تو یہ خیال ابھی دور کر ڈالیں۔ کیونکہ میں جب تک زبان میں طاقت گویائی ہے اور جب تک یہ گردن محفوظ ہے ہرگز ہرگز نہیں رک سکتا۔ اس کے بعد خالد بن ولید سے پہلو بچا کر نکل جانے کے لئے ارشاد فرمایا۔ کیا کوئی ایسا واقف کار شخص ہے جو ہمیں اس کے علاوہ کسی دوسرے راستہ سے ہماری منزل تک پہنچاوے؟ ایک شخص نے ذمہ لیا اور وہ لے بھی گیا۔ خالد بن ولید کو اس کی خبر اسوقت ہوئی جب آپؐ منزل پر پہنچ کر خیمہ زن ہوچکے تھے۔ خلاصہ یہ کہ مشرکین نے آپؐ کو دخول مکہ کی کسی صورت سے اجازت نہ دی اور آپؐ نے بھی ان کی تمام شرطوں کو قبول فرما کر صلح کرلی اور وہیں قربانی کرکے حلال ہوگئے۔

اس قسم کے بہت سے واقعات اور بھی ہیں جو حضرت خالد بن ولید کی شجاعت و دلیری کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔ جن سے قبل اسلام بھی ان کی امتیازی شان کا اظہار ہوتا ہے۔

بلغ العلیٰ بکمالہ
کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ وآلہ

بقیہ صفحہ ۱۰

ظاہر ہے کہ اسلام کے قبول کرتے ہی سارا نظام سلطنت خود بخود ہی بدل دیا جاتے گا، اور اگر یہ نہ ہو تو اطاعت قبول کرنے کے بعد بھی یہ معنے تھے کہ اسلام کا نظام سلطنت اختیار کرنا پڑے گا جس کے نافذ ہوتے ہی غربار کا طبقہ امرا کی برابر ہو جاتا تھا، بادشاہوں اور سرداروں کے خزانے عوام کی بہبودی اور بھلائی کے لئے کھل جاتے تھے، بڑے لوگ مضطرب اور عوام مطمئن ہو جاتے تھے، بادشاہوں کے ساتھ جنگ عوام کو آزادی دلانے کے لئے تھی۔ اور یہی راز تھا کہ دس برس کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور تیس برس کے خلفاء راشدین کے زمانہ میں اسلام اسپین سے لیکر سندوستان تک پھیل گیا، یہ فتوحات نہ تھیں بلکہ مظلوموں اور محکوموں کو آزاد کرانے کی مہم تھی۔ اگر یہ نئی قسم کی سلطنت عوام میں ہر دلعزیز نہ ہوتی تو محض تلوار کے زور سے اسکا بڑھنا اور قائم رہنا ناممکن تھا۔ آزاد خیالی، عوام کی ترقی، سائینس کی تحقیقات، فن طب کی ترقی، علم نجوم کی معلومات، علم ریاضی کے پیچیدہ مسائل کے حل کرنے والے کہاں سے پیدا ہوتے، اس میں شک نہیں کہ خلفاء راشدین کے زمانہ کے بعد اس طرز کی حکومت باقی نہ رہی محض اسکا سایہ باقی رہ گیا۔ یہ پرانی طرز کی حکومت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کردہ جمہوریت کا مرکب بن گیا لیکن وہ مرکب بھی پہلی قسم کی سلطنت سے کہیں بہتر تھا، اور اس کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا قانون پیش کر دیا تھا کہ جس کی پابندی کرنا غریب سے لیکر بڑے سے بڑے آدمی تک کو لازم تھی، بادشاہ کی خود مختاری ختم ہو چکی تھی قانون بنانا اس کے اختیار سے نکالا جا چکا تھا، اس کو محض قانون کے نفاذ کا حق تھا، محکمہ قضار کے قائم ہونے سے قانون کا مطلب بیان کرنے کا حق محض قاضی کو تھا، قاضی کے فیصلہ کو مسترد کرنے کا حق خلیفہ کو بھی نہ تھا۔ خلفاء راشدین کے زمانہ تک کسی خلیفہ نے بھی قاضی کے فیصلہ کو مسترد نہیں کیا۔ اور اسکے بعد بھی تاریخ اسلام میں بیشمار ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں بادشاہوں کو قاضیوں کے فیصلے کے آگے گردن جھکانا پڑی۔

آج ہر شخص جانتا ہے کہ جمہوری سلطنت کا قیام آزاد عدالتوں پر ہے اگر عدالت آزاد نہ ہو تو جمہوریت خطرہ میں ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سلطنت کی بنیاد ڈالی اسکا یہ سب سے بڑا رکن تھا اور یہی وجہ تھی کہ خلفاء راشدین کے بعد علماء اور سلاطین میں جھگڑے ہوئے لیکن علمائے نے ہمیشہ اسلام کا جھنڈا بلند رکھا، اور سلاطین کو علماء کے سامنے جھکنا پڑا، انہی حق پرست اور جری علماء کی برکت سے قائم ہیں۔

بقیہ صفحہ ۱۹

چنانچہ گرمجوشی سے ملے۔ یہ یہاں سے قاہرہ گئے۔ یہ سلطان ظاہر کا زمانہ تھا۔ سلطان نے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ کچھ دن جامعہ ازہر میں درس دیتے رہے کچھ عرصہ سلطان صلاح الدین کے مدرسہ کاملیہ میں پڑھایا بعد کو قاضی القضاۃ مقرر ہوئے، یہیں پر انھوں نے اپنے اہل و عیال کو ٹیونس سے بلایا لیکن راستے میں جہاز ڈوب گیا۔ اس واقعہ نے ان کو سخت دل برداشتہ کر دیا۔ اسی زمانہ میں حج کے لئے روانہ ہوئے زیارت حرمین کے بعد پھر واپس آئے اور بادشاہ کی زیر سرپرستی حسب سابق علمی مشاغل میں منہمک ہوگئے۔ قیام مصر کے زمانہ میں ان کے اثر اور کوشش سے مصر اور افریقہ کے مغربی ممالک کے درمیان باہمی روابط قائم ہوگئے۔ ۸۰۱ھ میں انہیں پھر عہدہ قضاۃ کے لئے طلب کیا گیا تھوڑے ہی عرصہ کے بعد کو سفیر کے ذریعہ ایک رقم خطیران کے پاس بھیجی ۸۰۳ھ کے بعد مصر ہی میں رہے کچھ دنوں پھر قضا کے فرائض ادا کئے۔ بالآخر ۸۰۸ھ میں وفات پائی۔

بچوں کی پرورش کے لیے
ایک مددگار ہاتھ!
نونہال
بچوں کی نشوونما
اور بیماریوں سے بچاؤ کیلیے
ہمدرد
دہلی - کانپور - پٹنہ